یا اللہ جل جلالہ

یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم

علمِ تصوف و طریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات

جلد ہشتم

از رشحات فیض قلم

قدوۃ العارفین العالم النبیل فقید المثیل

الشیخ الاستاذ المفتی

سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: اپریل ۲۰۱۵ء بمطابق جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

شریعت و طریقت کے 20 سے زائد مختلف مسائل و حقائق کا بیان

فصل در اثبات سماع الموتیٰ
سماع الموتیٰ کے اثبات کا بیان

بعض علماء اس سے انکار کرتے ہیں کہ مردے نہ تو زندوں سے کلام کرسکتے ہیں اور نہ زندہ مردوں سے کلام کرسکتے ہیں اور نہ قبر میں تلاوت قرآن پاک کرسکتے ہیں اور نہ قبر پر آنے والے اپنے زائرین کو پہچانتے ہیں حالانکہ مُردہ زندوں سے کلام کر سکتا ہے اور زندہ مُردوں کی بات سُن سکتا ہے اور مُردہ قبر میں تلاوتِ قرآنِ پاک کر سکتا ہے۔ اور قبر پر آنے والے اپنے زائرین کو بھی پہچانتا ہے۔

مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

"اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں اسی طرح اللہ کی مشیت سے مُردوں کی بات زندہ بھی سُن سکتے ہیں اور یہ سننا زیادہ تر خواب (نیند) میں ہوتا ہے اور گاہے بیداری کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے اور دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں میں ملتے ہیں"۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلاف میں ان کا وصال ہوا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ جب ان کا جنازہ تیار کر کے رکھ دیا گیا اور نماز کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار ہونے لگا تو میں نے ارادہ کیا کہ انتظار کے اس وقفے میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لوں، چنانچہ میں نے ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی دوسرے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اتنے میں جنازے سے آواز آئی: "السلام علیکم انصتوا انصتوا" (یعنی خاموش ہو کر بات سنو) اس کے بعد مرحوم حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل کلام فرمایا جس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے

بارے میں شہادت دی اور ان کے کچھ اوصاف بیان فرمائے اور اخیر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک پیشین گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل حق ثابت ہوئی۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "**بعد الموت تکلم**" کرنے کا واقعہ اور ان کا وہ پورا کلام قریب قریب ان سب کتابوں میں مروی ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے احوال میں لکھی گئی ہیں اور آئمہ حدیث وروایت نے اس کو قبول کیا ہے۔ امام بخاری تک نے اس کو ذکر کیا ہے۔

("**کما فی الاصابۃ**" بحوالہ تذکرہ شاہ عبدالرحیم وشاہ ابو الرضا دہلوی مرتبہ: نسیم احمد فریدی امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع ضمیمہ "اہلِ قبور کی زندوں سے ہم کلامی" از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۱۷۲،۱۷۱)[1]

مرتبہ: مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔

شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا دیوبندی "فضائلِ صدقات میں روض الریاحین کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ:

ایک کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چرایا کرتا تھا اس نے ایک قبر کھودی تو اس میں ایک شخص اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا، وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور ان کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے، اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے اسے قبر سے نکالا تین دن بعد ہوش آیا تو لوگوں نے قصہ پوچھا تو اس نے سارا حال سنایا، بعض لوگوں نے اس قبر کے دیکھنے کی تمنّا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتادے اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو

---

[1] (تھذیب، عمدۃ الاخبار، اکفار الملحدین: بحوالۂ: ملفوظاتِ محدث کشمیری مرتب: سید احمد رضا بجنوری مؤلف انوار الباری ص ۱۲۸ بحوالۂ فتاوی رحیمیہ: ص ۲۰۳)

لے جا کر قبر دکھاؤں رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے میری قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا، اس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا۔[2]

نیز فضائلِ صدقات میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ شیخ ابو یعقوب سنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا، جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔[3]

فضائلِ صدقات میں ہی مذکور ہے کہ:

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے، یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے، اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا، شیخ ابن الجلاء فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا اور ان کو نہلانے کیلئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے، کسی کو ہمت ان کے نہلانے کی نہ پڑتی تھی ایک اور بزرگ ان کے رفیق (دوست) آئے تو انہوں نے غسل دیا۔[4]

اس کے بعد شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ:

غرض صاحبِ روض نے بہت سے واقعات ان مرمٹوں کے ایسے لکھے ہیں جن سے ان کے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد نہایت بشاش ہونا، ہنسنا مذاق کرنا، لطف اُڑانا معلوم ہوتا ہے۔

---

[2](روض الریاحین، فضائل صدقات حصہ دوم ص ۴۷۵)
[3](روض الریاحین، فضائلِ صدقات ص ۴۷۸ حصہ دوم)
[4](روض الریاحین، فضائلِ صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم)

مرنے کے بعد کلام کرنے کے واقعات حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں بھی ذکر کیے ہیں۔ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ! اس میں اختلاف نہیں کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اسی طرح بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی نقل کیا ہے۔[5]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کی تصنیف "شوقِ وطن" میں ہے:

عن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اما و اللہ الذی لا الٰہ الا ھو لقد ادخلت ثابتا البنانی فی اللحد و معی حمید الطویل فلما سوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فإذاھو فی قبرہ یصلی و کان یقول فی دعائہ اللھم ان کنت اعطیت احدا من خلقک الصلوۃ فی قبرہ فاعطنیھا فما کان اللہ لیرد دعائہ۔[6]

ترجمہ: حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ قسم **اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ** کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے۔ جب ہم نے اُن پر کچی اینٹیں چُنیں تو ایک اینٹ گر پڑی میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجئے۔ سو خُدا تعالیٰ نے ان کی دُعا رد نہیں فرمائی۔ (بلکہ جیسا موسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت عطا فرمائی ہے) (اخرجہ مسلم) اس طرح ان کو عطا ہوئی۔[7]

---

[5](فضائلِ صدقات ص ۶۷۴ حصہ دوم فتاوی رحیمیہ ص ۲۱۲)

[6](اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

[7](شوقِ وطن ص ۲۳، ۴۰، ۳۹ مطبوعہ مکتبۂ اشرفیہ، محمد علی روڈ بمبئ بحوالۂ فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۸)

مولانا سید نور الحسن بخاری دیوبندی "حیات الاموات" میں لکھتے ہیں کہ:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تو شان ہی نرالی اور عظیم و رفیع ہے حقیقت یہ ہے کہ غیر انبیاء کا بھی قبر میں نماز پڑھنا اور قرآن پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قبر میں نماز پڑھنا مشہور و معروف واقعہ ہے۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات تابعین میں سے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص اصحاب میں تھے ان کا فرمان ہے! "ہر شئے کی ایک کنجی ہوتی ہے اور ثابت خیر کی کنجی ہے"۔ دنیا کے سب سے بڑے عابد مشہور تھے۔ صائم الدھر تھے دن رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔[8]

ان سے متعلق روایت ملاحظہ ہو:

عن ثابت البنانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ قال اللھم ان کنت اعطیت احدا الصلوۃ فی قبرہ فاعطنی الصلوۃ فی قبری۔[9]

ترجمہ: حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے انہوں نے دعا کی الٰہی! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرمایا تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرما۔

ابو نعیم کی روایت ہے، جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے "واللہ الذی لا الٰہ الا ھو" میں حمید طویل کے ساتھ بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر پر تھا "یصلی فی قبرہ" وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ اللہ سے یہ دعا کیا کرتے تھے اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی۔[10]

---

[8] (تابعین۔ مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۶۳)

[9] (طبقات ابن سعد، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزھد امام احمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ و ابو نعیم، شرح الصدور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ مطبوعہ مصر ص ۷۸، حیات الاموات ص ۶۳)

[10] (شرح الصدور ص ۷۸ ایضًا)

ابن جریر نے "تھذیب الآثار" میں اور ابو نعیم نے ابراھیم بن الصمہ المہبلی سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے گزرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے قبر سے قرأۃ القرآن کی آواز سُنی ہے۔[11]

ابن مندہ نے بسند روایت کی ہے کہ ابو حماد الحفّار جو ثقہ اور متقی تھے، نے کہا کہ میں نے ایک قبر سے جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قرآن کی قرأت سُنی۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی "شوق وطن" میں لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال ان بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلس علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فإذا فیہ انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمھا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاخبرہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھی المانعۃ وھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر۔[12]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کوئی صحابہ کسی قبر پر بیٹھ گئے اور (بوجہ نشان نہ ہونے کے) ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ سو دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک آدمی ہے جو سورۂ مُلک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو پورا ختم کیا۔ انہوں نے نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو آکر خبر دی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا یہ سورۃ عذاب سے بچانے والی اور نجات دینے والی ہے کہ مُردے کو عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔

ابو القاسم السعدی نے کتاب "الروح" میں لکھا ہے کہ:

ھٰذا تصدیق من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بان المیت یقرأ فی قبرہ فان عبداللہ اخبرہ بذٰلک وصدّقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

---

[11] (شرح الصدور ص ۷۸)

[12] (اخرجہ الترمذی، شوق وطن ص ۴۰، ۲۴، ۲۳، فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۸)

ترجمہ: یہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ میت اپنی قبر میں قرآت کرتی ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس کی خبر دی اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کی تصدیق فرمائی۔ امام کمال الدین "کتاب العمل المقبول فی زیارۃ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں لکھتے ہیں کہ۔

ھٰذا الحدیث واضح الدلالۃ علی ان المیت کان یقرأ فی قبرہ سورۃ الملک۔

ترجمہ: یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ میت اپنی قبر میں تلاوت کرتی ہے۔ اس روایت میں بعض اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اکرام کا ثبوت ہے اور بعض اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ تو بعض کے ساتھ قبر میں نماز کے ساتھ اللہ کے اکرام کا ثبوت ہے۔

فإذا کان من کرامۃ اللہ لاولیائہ تمکین من الطاعۃ والعبادۃ فی القبر فالانبیاء بطریق الاولی۔

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقرأۃ القرآن عند الترمذی الخ۔[13]

ترجمہ: قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا ترمذی کی روایت میں۔

مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اخبار الاخیار" میں شیخ محمد ترک نارنومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ وہاں دو شہیدوں کی قبریں ہیں ایک کو بوجہ بلند زمین بلند شہید اور دوسرے کو بوجہ نشیبِ زمین نشیب شہید کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں شہداء حافظ کلام اللہ تھے۔

[13] (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳، کتاب العلم باب من اجاب الفتیا۔ مطبع مجلس علمی دابھیل)

کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے ان کی قبروں سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی ہے جو بطریقِ دَور پڑھتے تھے۔[14]

صاحبِ خزینہ الاصفاء شیخ روزبان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

شیخ ابو طاہر جو شیخ روزبان کے اصحاب میں سے ہیں، کہتے ہیں! کہ میں اور شیخ روزبان ہر روز صبح کو قرآن کا دَور کیا کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو دنیا میری نظر میں تیرہ و تاریک ہو گئی ایک دن میں نے پچھلی رات کو اُٹھ کر نماز پڑھی اور شیخ کی قبر کے سرھانے بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا مگر مجھے اپنی تنہائی اور بے کسی پر رونا آیا اسی حالت میں میں نے شیخ کی قبر سے تلاوت کی آواز سُنی اور جب تک لوگ جمع نہیں ہوئے برابر سُنتا رہا۔ یہی حال ایک عرصہ تک رہا مگر جب میں نے اس کا ذکر ایک دوست سے کر دیا تو اس روز سے آواز کا آنا موقوف ہو گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

ایک شخص ہر روز بوقتِ سحر اپنے شیخ کے ساتھ دس پارے دَور کرتا تھا اس کے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وفات پا گئے تو وہ مُرید حسبِ عادت وقتِ سحر شیخ کی قبر پر پہنچا اور پڑھنا شروع کر دیا جب اس نے دس پارے پورے پڑھ لیے تو اس قبر سے آواز آئی کہ شیخ پڑھ رہے ہیں حتیٰ کہ جب دس پارے پورے ہوئے تو شیخ خاموش ہو گئے۔ دَور کا یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ اس شخص نے یہ راز اپنے بعض ساتھیوں پر ظاہر کر دیا تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے۔[15]

---

[14](فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۰۹)

[15](مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۲۳۸، ۲۳۷)

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کا سرِ اقدس مصر میں دفن کیا گیا تو لوگ ان کی قبرِ اطہر سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنتے تھے۔[16]

امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت احمد بن محمد الطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے ہر جمعہ کی شب میں تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[17]

حضرت آمنہ بنت موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبرِ انور سے رات کے وقت تلاوتِ قرآن کی آواز آتی تھی۔[18]

امام شعرانی کے جد کریم حضرت علی بن شہاب الدین شعراوی کے متعلق شیخ علی العیاشی جو اہلِ قلب حضرات میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ وہ امام شعراوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ کے اندر قیام پذیر ہوئے تو انہوں نے سُنا کہ شیخ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز آرہی ہے۔ شیخ نے سورۃ مریم سے تلاوت شروع فرمائی اور سورۃ رحمن پر اختتام فرمایا جب فجر طلوع ہوئی تو خاموش ہو گئے۔[19]

---

[16] (الکواکب الدریۃ ج۴ ص ۳۸۴)
[17] (الکواکب الدریۃ ج۲ ص ۳۸۴)
[18] (الکواکب الدریۃ ج۴ ص ۲۳۰)
[19] (الکواکب الدریۃ ج۴ ص ۴۵۹)

مولانا قاری ظہور احمد فیضی "انوار العرفان فی اسماء القرآن" میں لکھتے ہیں کہ:

قبر کے اندر تلاوتِ قرآن کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ تو بہت مشہور ہے متعدد کتب میں مرقوم ہے کہ آپ کی قبر شریف سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[20]

یہ سعادت بھی اس امت کے خواص کو حاصل ہے کہ ان کی قبر پر اگر کوئی شخص تلاوتِ قرآن کرے اور اسے پڑھتے پڑھتے متشابہ لگ جائے یا غلطی ہو جائے تو وہ قبر کے اندر سے غلطی بتلاتے تھے۔

چنانچہ حضرت علی بن عمر الحمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

ایک مرتبہ ان کی قبر پر ان کے فرزند حسین بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش پائے گئے ایک شخص نے چند ساتھیوں کے ساتھ ملکر انہیں اُٹھایا اور ان کے گھر پر پہنچا دیا جب وہ ہوش میں آئے تو ان سے مدہوشی کا سبب دریافت کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ابا حضور کی قبرِ انور پر تلاوت کر رہا تھا اچانک مجھے غلطی لگی تو میں نے سُنا کہ میرے والد محترم قبر کے اندر سے مجھے لقمہ دے رہے ہیں پس میں اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکا یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔[21]

حضرت شیخ احمد بن نصر الخزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۳۷ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

مسئلہ خلق قرآن میں ان کی آزمائش کی گئی یہاں تک کہ وہ بادشاہ واثق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ابراہیم بن اسمٰعیل بن خلف کہتے ہیں کہ جب ان کی گردن تن سے جُدا ہو کر زمین پر آ رہی تو

[20] (طبقات الکبریٰ لشعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ٣٦، الکواکب الدریۃ للمناوی قسم اول ج ١ ص ٢٤٤، حلیۃ الاولیاء ج ٢ ص ٣٦٦)

[21] (جامع کراماتِ اولیاء ج٦ ص ٢٩٠، ٢٨٦)

میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سُنا کہ ان کا سر قرآن پڑھ رہا ہے۔ میں اس طرف گیا تو وہاں کچھ گھوڑوں پر اور کچھ کھڑے کھڑے ان پر پہرا دے رہے تھے جب سب آنکھیں سو گئیں تو اُن کے سر نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا جو کچھ ان سے سُنا گیا اس میں یہ آیت بھی تھی: الٓمّٓ (۱) اَحَسِبَ النَّاسُ اَن یُّترَکُوا اَن یَّقُولُوا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُونَ (العنکبوت ۲) الف لام میم کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اس پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔[22]

یہاں یہ واقعہ بھی کافی مناسبت رکھتا ہے کہ حضرت شیخ احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطاللہ سکندری شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۰۹ھ کے حالات میں ہے کہ:

ایک مرتبہ ان کی قبر پر مشہور ترین حنفی فقیہ حضرت امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ حاضر ہوئے اور سورۃ ھود پڑھنا شروع کی، جب ان الفاظ پر پہنچے "فَمِنۡھُمۡ شَقِیٌّ وَّسَعِیۡدٌ (ھود ۱۰۵) تو قبر سے آواز آئی: "یا کمال! لیس فینا شقی، فاوصی ان یدفن ھناک" اے کمال! ہمارے اندر کوئی شقی نہیں ہے، اس پر امام ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصیت فرمائی کہ انہیں وہاں دفن کیا جائے۔[23]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی وصیت پوری کرائی اور آپ کو حضرت ابن عطا اللہ سکندری کی قبر کی غربی جانب دفن کیا گیا۔[24]

---

[22](صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۳۷، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۱۶، شرح الصدور ص ۲۱۰، الکواکب الدریۃ ص ۵۴۰)
[23](الکواب الدریۃ ج ۳ ص ۱۰)
[24](شرح حکم ابن عطا اللہ السکندری ص ۲۲)

مفتی سید عبد الرحیم دیوبندی سے سوال کیا گیا کہ بزرگانِ دین حینِ حیات یا بعد الوفات حج کیلئے یا دیگر مقامت پر جاسکتے ہیں یا نہیں؟

مفتی عبد الرحیم جواب دیتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفر کر سکتے ہیں، حج کے لیے بھی جاسکتے ہیں، مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ خود ان کو اختیار نہیں ہوتا اور یہ درجہ یادِ الٰہی، سنت کی پیروی اور اتباعِ شریعت کی برکت سے حاصل ہوتا ہے یہ ان کی کرامت اور حضورِ اقدس ﷺ کا معجزہ ہو گا۔ حقیقتِ السورت میں ہے کہ سورت کے ایک بزرگ شیخ محمد فاضل سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۳۰۲ھ میں وفات ہوئی، جس روز آپ کی وفات ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا آپ فرمارہے تھے کہ میں حج کے لیے جارہاہوں چنانچہ سورت کے کچھ باشندے حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو ان کا بیان ہے کہ ہم نے مولانا صاحب کو حج کے دوران عرفات میں دیکھا تھا۔[25]

اسی طرح فتاوی رحیمیہ میں اور واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں:

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "کفایۃ المعتقد" میں کہا ہے کہ:

بعض فقہائے صالحین سے فقیہ الکبیر ولی الشہیر حضرت احمد بن موسیٰ بن عجیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر میں سورت نور کی قرآت کی سماعت مشہور ہے۔[26]

اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ علمائے اعلام، تابعین عظام کے اقوال سے غیر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات بلکہ خود نبی

---

[25] (حقیقت سورت فارسی ص ۹۳، فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۳)

[26] (شرح الصدور ص ۸۷)

کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تقریر و تصدیق سے ثابت ہے کہ غیر انبیاء بھی قبر میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں۔ جب غیر انبیاء کا یہ حال ہے تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے قبر مبارکہ میں نماز پڑھنے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔

مولانا محمد شعیب دیوبندی فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اپنی کتاب ”معجزے او دلیلونہ“ص ۲۳۵ میں لکھتے ہیں کہ ”الحق“ رسالے میں ایک طالبِ علم کی شہادت کا واقعہ چھپا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح تھا کہ ایک طالبِ علم مولوی محمد شریف جو زرمل علاقے افغانستان کا رہنے والا تھا، اس نے اپنے والد سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی مگر والد نے اجازت نہیں دی بالآخر والد کی اجازت کے بغیر ہی جہاد پر چلا گیا اور شاہ توری علاقہ ارگون پر پہنچ گیا اور معاون عبد الحمید کے ساتھ حرکتِ انقلابِ اسلامی سے ملکر جہاد میں شریک ہو گیا۔ شدید جنگ شروع ہو گئی اور مختلف مقامات سے مسلمان امداد کے لیے امیر ارسلا خان کی قیادت میں پہنچ گئے۔ یہ طالبِ علم بہت بہادری سے لڑ رہا تھا کہ ایک کلاشنکوف کی گولی اس کے دل پر لگی جس سے وہ شہید ہو گیا۔ سخت سردی اور برف باری کے موسم کی وجہ سے اس کی لاش اپنے مورچہ میں دو دن تک پڑی رہی۔ تیسرے دن اس شہید کو اپنے مرکز میں لا کر وہاں دفن کر دیا۔ اس شہید طالب علم کے گاؤں کا ایک دوست زرمل پہنچا تو اس کو اس کی شہادت کی اطلاع ملی پھر اس نے شہید کے والدین کو خبر دی کہ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ سات دنوں بعد اس شہید کے دوست نے مرکز میں آکر امیر حرکت انقلابِ اسلامی سے عرض کی کہ اس شہید کا بوڑھا باپ بہت اصرار کر رہا ہے کہ اس کے شہید بیٹے کو یہاں سے نکال کر اس کو دیں تاکہ وہ اسے اپنے گاؤں میں دفن کرے۔ بالآخر بہت اصرار کے بعد امیر نے اجازت دے دی کہ اسے نکال لیا جائے۔ جب اس شہید کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اس کا جسم ترو تازہ تھا اور نہایت خوبصورت تھا اور

اپنا ہاتھ اُس نے اپنے دل پر رکھا ہوا تھا۔ معاون عبد الحمید کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے سات مرتبہ اس کے ہاتھ کو سیدھا کیا مگر جیسے ہی میں اس کا ہاتھ سیدھا کرتا وہ فوراً اپنا ہاتھ دل پر رکھ لیتا۔ آخر کار ہم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر مجاہدین نے اس کی لاش کو اُٹھا کر اس کے گاؤں پہنچا دی۔ جب اس شہید کی لاش اپنے گاؤں پہنچی جہاں بہت سے لوگ جمع تھے تو اس کا بوڑھا باپ اس کے پاس کھڑا اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا پھر اچانک اس کے باپ نے چیختے ہوئے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا اے میرے جگر گوشے! اگر تم حق عقیدے اور اچھی نیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اگر اللہ رب العزت تم سے راضی ہے تو ابھی تم مجھ سے مصافحہ کرو تو میں اپنے تمام حقوق معاف کر دوں گا اور اگر تم نے مصافحہ نہیں کیا تو میں اپنے حقوق معاف نہیں کروں گا کہ تم میری بغیر اجازت کے میرے بڑھاپے میں مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ سینکڑوں لوگ وہاں موجود تھے جن میں مجاہدین بھی تھے، اُن تمام لوگوں نے دیکھا کہ اس شہید نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے باپ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پھر اس کے باپ نے بلند آواز سے اُس کو معاف کیا۔ اس واقعہ کی گواہی تقریباً بیس ہزار لوگ دیتے ہیں۔[27]

ان مذکورہ تمام واقعات و دلائل سے ثابت ہوا کہ مردہ قبر میں تلاوت کر سکتا ہے اور نماز پڑھ سکتا ہے اور زندوں کا کلام سُن سکتا ہے اور حج بھی کر سکتا ہے اور گھوم پھر بھی سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے۔

جیسا کہ صاحبِ تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ:

ان اللہ یعطی لارواحھم قوّۃ الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاء ون وینصرون اولیاءھم ویدمّرون اعدائھم إن شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[27](ماھانہ "الحق" شمارہ نمبر ۱ ج ۱۷ ص ۲۲ ۲۲۰ ۱۴۰۲ ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۱ء)

ترجمہ:یعنی اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا کرتا ہے تو وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں،ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فصل در بیان سفید عمامہ

بعض علماء سفید عمامہ شریف کا انکار کرتے ہیں حالانکہ سفید لباس اور سفید عمامہ زندوں اور مردوں دونوں کا لباس ہے۔

دلیل ا: حدثنا محمد بن الصباح انباء عبداللہ بن رجاء الملکی عن ابن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خَیرَ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضُ فَالْبَسُوْهَا وَ کَفِّنُوْا فِیهَا مَوْتَاکُمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمہارے کپڑوں سے بہتر کپڑا سفید ہے، سفید کپڑے پہنو اور اپنے مُردوں کو سفید کفن دو۔[28]

دلیل ۲: حدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرة بن جندب قال قَالَ رسول اللہ ﷺ اَلْبِسُوْ ثیَابَ الْبَیَاضِ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَ اَطْیَب۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت پاک اور بہت صاف ہوتے ہیں۔[29]

---

[28](ابن ماجہ ص ۲۵۵، کنزل عمال جلد ۵، ص ۳۰۱)

[29](ابن ماجہ ص ۲۵۵)

تم پر سفید لباس لازم ہے

دلیل ۳: اخبرنا عادم بن الفضل اخبرنا حماد بن زید و اخبرنا اسحق بن عیسیٰ اخبرنا حماد بن سلمة جمیعا عن ایوب بن ابی السختیانی عن ابی قلابة عن سمرة بن جندب اَنَّ رَسُوْل اللہ صلّی اللہ علیه و سلّم قَالَ عَلَیکُمْ بِاالْبَیَاضِ مِنَ الثِّیَابِ فَیلْبِسْهَا اَحْیَائکُمْ وَ کَفِنُوْا فیْهَا مُوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تم پر سفید کپڑے لازمی ہے۔ تمہارے زندہ سفید کپڑے پہنیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مُردوں کو کفن دو۔[30]

سفید لباس مامور بہ ہے

دلیل ۴: اخبرنا الفضل بن دُکین اخبرنا المسعودی عن الحکم و حبیب بن ابی ثابت و حدثنا سفیان الثوری عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرة بن جندب اَنَّ رَسُوْل اللهِ صَلّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلبِسوْا لِثِیّابَ الْبِیْضَ فَاِنَّها اَطْهَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو بے شک وہ سفید کپڑا بہت اچھا ہے اور پسندیدہ ہے اور اسی سفید کپڑے میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

دلیل ۵: اخبرنا عمرو بن علی قال ثنا یحیی بن سعید قال سمعت سعید بن ابی عرربه یحدث عن ایوب عن ابی قلابة عن ابی المهلب عن سمرة عن النبیّ صلّی اللہ علیه و سلّم قال اَلْبِسوْا مِنْ ثِیَابِکُم الْبِیَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ۔

---

[30] (طبقات ابن سعد جلد ا، ص ۲۱۹)

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے نبی کریم ﷺ سے آپ نے فرمایا سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت صاف اور پاکیزہ ہیں اور میت کو کفن بھی سفید دو۔[31]

دلیل ٦ : اخبرنا الفضل بن دکین و یحیٰی بن عباقالا اخبرنا المسعودی عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اَلْبِسُوْا الثِّیَابَ الْبَیْضَ وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑے پہنو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[32]

سفید لباس اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اس میں نماز پڑھنی چاہیئے

دلیل ۷ : اخبرنا الفضل بن دکین حدثنا ابو بکر الھذلی عن ابی قلابۃ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اِنَّ مَنْ اَحَبِّ ثِیَابِکُمْ اِلَی اللہِ الْبَیَاضُ فَصَلُّوْا فِیْهَا وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ۔

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفید کپڑا زیادہ محبوب ہے سفید کپڑے میں ہی نماز ادا کرو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[33]

دلیل ۸ : حدثنا محمد بن بشار نا عبدالرحمٰن بن مھدی نا سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اِلْبِسُوْا الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفید لباس پہنو اس لئے کہ وہ بہت پاک اور بہت اچھا ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[34]

---

[31](نسائی شریف، جلد ۲، ص ۲۹۷)
[32](طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۴۵۰)
[33](طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۱۹)
[34](ترمذی شریف، جلد ۲، ص ۱۰۴)

دلیل ۹ : حدثنا احمد بن یونس نازھیر نا عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اَلبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبِیْضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ وَاِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمِدُ یَجْلُوْا الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعْرَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سفید کپڑے پہنو اسلئے کہ وہ تمہارا بہتر لباس ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو اور بے شک تمہارے لئے بہتر سرمہ اثمد ہے آنکھ کو روشن کرتا ہے اور بال اُگاتا ہے۔[35]

رسول اللہ ﷺ کا عبد الرّحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا کالا عمامہ اتروانا اور سفید عمامہ پہنانا

دلیل ۱۰ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَمْشَاذَ الْعَدْلُ، ثَنَا أَبُو الْجُمَاهِرِ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنِي الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو مَعْبَدٍ حَفْصُ بْنُ غَيْلَانَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَأَتَاهُ فَتًى يَسْأَلُهُ عَنْ إِسْدَالِ الْعِمَامَةِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: سَأُخْبِرُكَ عَنْ ذَلِكَ بِعِلْمٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، قَالَ: كُنْتُ عَاشِرَ عَشَرَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَابْنُ مَسْعُودٍ، وَحُذَيْفَةُ، وَابْنُ عَوْفٍ، وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا قَالَ: فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَكْيَسُ؟ قَالَ: أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَأَحْسَنُهُمْ لَهُ اسْتِعْدَادًا قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ بِهِمْ أُولَئِكَ مِنَ الْأَكْيَاسِ، ثُمَّ سَكَتَ الْفَتَى وَأَقْبَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: " يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ، خَمْسٌ إِنِ ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ وَنَزَلَ فِيكُمْ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يَعْمَلُوا بِهَا إِلَّا ظَهَرَ فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمْ، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمُؤْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ

---

[35] (ابوداود، جلد ۲، کتاب اللباس، ص ۵۶۲)

السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللَّهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوُّهُمْ مِنْ غَيْرِهِمْ وَأَخَذُوا بَعْضَ مَا كَانَ فِي أَيْدِيهِمْ، وَمَا لَمْ يَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ إِلَّا أَلْقَى اللَّهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ" ثُمَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ يَتَجَهَّزُ لِسَرِيَّةٍ بَعَثَهُ عَلَيْهَا، وَأَصْبَحَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَدِ اعْتَمَّ بِعِمَامَةٍ مِنْ كَرَابِيسَ سَوْدَاءَ، فَأَدْنَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَقَضَهُ وَعَمَّمَهُ بِعِمَامَةٍ بَيْضَاءَ، وَأَرْسَلَ مِنْ خَلْفِهِ أَرْبَعَ أَصَابِعَ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ وَقَالَ: هَكَذَا يَا ابْنَ عَوْفٍ اعْتَمَّ فَإِنَّهُ أَعْرَبُ وَأَحْسَنُ ثُمَّ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا أَنْ يَدْفَعَ إِلَيْهِ اللِّوَاءَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: خُذِ ابْنَ عَوْفٍ فَاغْزُوا جَمِيعًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ، لَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تُمَثِّلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، فَهَذَا عَهْدُ اللَّهِ وَسِيرَةُ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمَ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ۔

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا کہ ایک نوجوان آیا اور آپ سے عمامہ کے شملے لٹکانے کے بارے میں پوچھنے لگا تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ میں تمہیں اس کے بارے میں یقینی خبر دے رہا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں دس آدمیوں میں سے ایک تھا۔ وہ دس آدمی یہ ہیں، ۱) ابو بکر، ۲) عمر، ۳) عثمان، ۴) علی، ۵) ابن مسعود، ۶) حذیفہ، ۷) ابن عوف، ۸) ابو سعید خدری، ۹) عبد اللہ بن عمر خود اور ۱۰) سرور کونین رسول اللہ ﷺ) کہ انصار میں سے ایک جوان حاضر خدمت ہوا، اس نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا اور بیٹھ گیا پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کونسا مومن افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مومنوں میں سے اچھا اخلاق والا ہو۔ پھر عرض کیا کہ کون زیادہ عقلمند (ہوشیار) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے آنے سے پہلے پہلے موت کیلئے تیاری کرنے والے زیادہ عقلمند لوگ ہیں۔ یہ جوان چپ ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمانا شروع کیا کہ اے مہاجرین کے گروہ!

اگر تم لوگ پانچ چیزوں سے آزمائے گئے اور وہ تم میں نازل ہو جائیں تو میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم پانچ چیزوں کو پاؤ گے۔ ۱) قومِ نوح میں بدکاری اس وقت تک ظاہر نہیں ہوئی جب تک کہ انھوں نے بدکاری کا عمل نہیں کیا مگر یہ کہ ان میں طاعون پھیل گیا اور ایسی بیماریاں جو اِن کے اسلاف میں نہیں گزریں تھیں۔ ۲) جب انھوں نے ناپ تول میں کمی کر دی تو قحط سالی، سخت مصیبتوں اور بادشاہ کے ظلم میں گرفتار ہوئے۔ ۳) جب زکوٰۃ دینا چھوڑ دیا تو اُن پر بارش برسنا بند ہو گئی اور اگر جانور نہ ہوتے تو اُن پر بارش کبھی نہیں برستی۔ ۴) جب اللہ و رسول کا عہد توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر دوسری قوموں سے دشمن مسلّط کر دیئے اور جو کچھ اُن کے ہاتھوں میں تھا وہ چھین لیا۔ ۵) اور جب ان کے حکمرانوں نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ سریّہ کیلئے تیاری کریں جس کے لئے اُن کو بھیجا جا رہا تھا۔ عبدالرّحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی حالت میں پایا کہ کالے رنگ کے کھردرے کپڑے سے عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کو اپنے قریب کیا اور وہ (کالے رنگ کا) عمامہ اُتار کر سفید رنگ کا عمامہ پہنایا اور پیچھے کی طرف چار انگلیوں یا اس کے اندازے سے شملہ لٹکایا اور فرمایا کہ اے ابنِ عوف رضی اللہ عنہ! اس طرح عمامہ باندھا کرو کہ یہ عربی ہونا اور خوبصورتی ہے۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اِن کو جھنڈا دیں تو بلالؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا اور فرمایا اے ابنِ عوف! (جھنڈا) پکڑو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں کافروں سے لڑتے رہو اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچّوں کو قتل نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور رسول ﷺ کی سیرت ہے۔[36]

---

[36] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیابوری، حدیث ۸۸۰۱، جلد ۵، ص ۲۴۶۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

آپ ﷺ کا سفید عمامہ باندھنا

دلیل ۱۱: وَلَبِسَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعِمَامَۃَ الْبَیْضَاءَ وَ السَّوَادَ وَالصَّفْرَاءَ وَالْاَکْثَرُ اَلْبَیْضَاءُ۔[37]

"نبی اکرم ﷺ نے سفید، کالا، زرد عمامہ باندھا اور اکثر سفید عمامہ باندھا"۔

امام محمد رحمہ اللہ کا کالا عمامہ اتار کر دوبارہ نہ پہننا

دلیل ۱۲: وَکَانَ مُحَمَّدُ رَحْمَۃُاللّٰہِ یَتَعَمَّمُ بِا لِعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَاءِ فَدَخَلَتْ عَلَیْہِ یَوْماً مَسْتُوْرَۃ" فَبَقِیَتْ تَنْظُرُ اَلٰی وَجْھِہٖ وَھِیَ مُتَحَیِّرَۃٌ فَقَالَ لَھَا مَاشَاْنُکِ فَقَالَتْ اَتَعَجَّبُ مِنْ بَیَاضِ وَجْھِکَ تَحْتَ سِوَادِ عِمَامَتِکَ فَوَضَعَھَا عَنْ رَاْسِہٖ وَلَمْ یَتَعَمَّمْ بِالْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَاءِ بَعْدَ ذٰلِکَ۔

امام محمد رحمہ اللہ کالے رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت آپ کی مجلس میں حاضر ہوئی تو آپ کے چہرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ عورت نے عرض کیا، میں آپ کے کالے عمامہ کے نیچے آپکے چہرے کی سفیدی سے تعجب کر رہی ہوں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے سر سے (کالا عمامہ) اُتار دیا اور اسکے بعد کالا عمامہ نہیں باندھا۔[38]

شعارِ اہلِ بدعت سے بچنا چاہیئے

دلیل ۱۳: اِنَّ کُلَّ سُنَّۃٍ تَکُوْنُ شِعَارُ اَھْلِ الْبِدْعَۃِ تَرْکُھَا اَوْلٰی۔

ترجمہ: ہر طریقہ جو اہلِ بدعت کی شعار بن جائے، اس کو چھوڑنا اولٰی ہے۔[39]

---

[37] (الدعامہ صفحہ ۸۶)

[38] ((۱) البحر الرائق جلد ۸، ص ۴۸۷، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ، پاکستان۔ (۲) تبیین الحقائق، جلد ۴ ص ۲۲۹ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

[39] (مرقاۃ جلد ۴، ص ۶۳)

تفسیر روح البیان میں الشیخ اسمٰعیل الحقی البروسوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَ مِنْ سُنَّةِ السَّلَفِ الصَّالِحِيْنَ الْاِنْقِطَاعُ عَنْ مَجَالِسِ اَهْلِ اللَّغْوِ وَ اللَّهْوِ وَ الْمُجَانَبَةُ عَنْ اِتْبَاعِ اَهْلِ الْهَوٰى وَ الْبِدَعِ۔

(ترجمہ: سلف الصالحین کی سنت یہ ہے کہ وہ اہلِ بدعت اور اہل لغو کی مجالس میں جانا چھوڑ دیتے تھے۔)

وَ رُوِىَ اَنَّ اِبْنَ الْمُبَارَكِ رُئِىَ فِى الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهُ مَا فَعَلَ رَبُّكَ بِكَ فَقَالَ عَاتَبَنِىْ وَ اَوْقَفَنِىْ ثَلٰثِيْنَ سَنَةً بِسَبَبِ اِنِّىْ نَظَرْتُ بِاللُّطْفِ يَوْمًا اِلٰى مُبْتَدِعٍ فَقَالَ اِنَّكَ لَمْ تُعَادِ عَدُوِّىْ فِى الدِّيْنِ۔

ترجمہ: عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے عتاب دیا اور مجھے کھڑا کیا گیا تیس (۳۰) سال تک اس سبب کی وجہ سے کہ ایک دن میں نے بدعت والے کے چہرے کو محبت سے دیکھا تو اللہ جلّ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے دشمن کے ساتھ دین میں دشمنی کیوں نہیں رکھتے ہو؟

اولین مہاجرین کا سفید عمامہ باندھنا

دلیل ۱۴: امام عبد اللہ محمد بن ابی شیبہ المتوفٰی ۲۳۵ھ فرماتے ہیں:

عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المهاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود وبیض وحمر وخضر وصفر۔[40]

سلیمان ابن ابی عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام (مہاجرین اولین) کو پایا (اور دیکھا) کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز، اور زرد عمامہ استعمال کیا کرتے تھے۔

---

[40] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۸ جلد ششم)

ملائکہ کا سفید عمامہ والے کیلئے دعا مانگنا

دلیل ۱۵: مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔ یہ عمل سفید عمامہ کے ثبوت پر ایک مضبوط دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ابن جوزی سفید عمامہ کی فضیلت میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

اخرج ابن الجوزی عن انس بن مالک عن النّبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم ان للہ ملائکۃ وقوفا بباب المسجد یستغفرون لاصحاب العمائم البیض (بحواله حکم العمامة)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سفید عمامہ والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

ملائکہ کا سفید عمامہ والوں پر درود بھیجنا

دلیل ۱۶: اخرج ابوبکر الھیثمی و عزاہ الی الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم ان اللہ و ملائکۃ یصلّون علی اصحاب العمائم البیض۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سفید عمامہ والے پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔[41]

---

[41] (مجمع الزوائد للھشی، ج ۲، ص ۱۷۲)

صحابیٔ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور سفید عمامہ

دلیل ۱۷: ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے فعل سے سفید عمامہ کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدثنا الحسن بن صالح عن ابیہ قال رایت علی سعید بن جبیر عمامۃ بیضاء۔

حضرت شعبی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔[42]

سفر میں سفید عمامہ

دلیل ۱۸ : وقال الطحاوی فی فتاواہ رایت ما نسب لعائشۃ ان عمامۃ فی السفر بیضاء وفی الحضر سوداء وکل منھا سبعۃ اذرع۔

امام طحاوی رضی اللہ عنہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ میں نے وہ روایت دیکھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عمامہ شریف سفر میں سفید اور گھر میں سیاہ ہوا کرتا تھا اور وہ دونوں سات گز تھے۔[43]

---

[42] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲ جلد ششم)

[43] (فتاوی دار العلوم دیوبند، ص ۹۵، جلد چھارم)

انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کا لباس سفید ہے

دلیل ۱۹:

ھدایۃ الابرار صفحہ ۴۲ میں ہے کہ:

و فی شرح المشکوٰۃ لعبد الحق ان النبی صلی اللہ علیہ و الہٖ و سلم قال البسوا الثیاب البیض فانّھا اطھر و اطیب و کفّنوا فیھا موتاکم احب الالوان البیاض فان الابیض لباس الانبیاء علیھم الصلوٰۃ و السلام و الصلحاء الخ۔

رنگوں میں محبوب ترین رنگ سفید ہے کیونکہ سفید رنگ انبیاء اور صلحاء کا لباس ہے۔[44]

غزوہ احد کے موقع پر ملائکہ کا لباس سفید تھا

دلیل ۲۰: علامہ عینی لکھتے ہیں: **الثیاب البیض ھی من افضل الثیاب و ھی لباس الملائکۃ الذین نصروا رسول اللہ ﷺ یوم احد و غیرہ و کان ﷺ یلبس البیاض و یحض علی لباسہ۔**

لباس میں افضل لباس سفید ہے اور سفید لباس ان فرشتوں کا لباس ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی یومِ اُحد وغیرہ میں مدد کی تھی، آپ ﷺ خود سفید لباس پہنتے تھے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے۔[45]

غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا پسندیدہ لباس

دلیل ۲۱: غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"و افضل الوان الثیاب ما کان ابیض لقولہ ﷺ خیر ثیابکم البیاض۔

[44](شرح شرعۃ الاسلام بحوالہ القول الصریح ص ۵۹)

[45](عینی علی البخاری ص ۳۶ جلد ۱۵)

یعنی کپڑوں میں افضل رنگ سفید ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لباس میں محبوب لباس سفید ہے۔[46]

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرم رضی اللہ عنہم کا سفید عمامہ پر دوام

دلیل ۲۲: مرقاۃ شریف میں ملّا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بِاَنَّ الَّذِیْ وَاظَبَ عَلَیْہِ اَلنَّبِی ﷺ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدُوْنَ اِنَّمَا ھُوَ الْبَیَاضُ۔

ترجمہ: حضرت رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ سفید عمامہ پہنا۔[47]

آپ ﷺ کے عمامہ شریف کا نام سحاب تھا اور سحاب سفید کو بولتے ہیں۔

جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ہے:

أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ (الواقعة ۶۹) وقیل ھو السحاب الابیض۔[48]

واحدہ مزنۃ قیل المزن السحاب الابیض۔[49]

والمزن: السحاب الأبیض۔[50]

وَظَلَّلْنا عَلَيْكُمُ الْغَمامَ وھو السحاب الأبیض۔[51]

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّماءُ بِالْغَمامِ یعني عن الغمام، والغمام: هو شيء مثل السحاب الأبیض فوق سبع سموات۔[52]

جمع ظل من الغمام وھو السحاب الأبیض۔[53]

---

[46](الغنیہ ص ۲۹ جلد اول)

[47](مرقاۃ جلد ۳، ص ۲۶۹)

[48](روح المعانی ج ۲۷ ص ۱۴۹)

[49](تفسیر مظھری ج ۹ ص ۱۷۹۔ السحاب الابیض۔ مدارک ج ۴ ص ۲۱۹)

[50](جامع البیان في تأویل القرآن)

[51](بحر العلوم)

[52](بحر العلوم)

[53](الکشف والبیان عن تفسیر القرآن)

المزن: السحاب الأبيض۔[54]

مِنَ الْغَمامِ, وهو السَّحَابِ الْأَبْيَضِ۔[55]

{مِنَ الْغَمَامِ} السَّحَابِ الْأَبْيَضِ۔[56]

والرباب: السحاب الأبيض۔[57]

والأزهر: السحاب الأبيض۔[58]

والْمُزْنِ السحاب: الواحدة مزنة. وقيل: هو السحاب الأبيض خاصة۔[59]

وَقَالَ السُّدِّيُّ: الْغَمَامُ السَّحَابُ الْأَبْيَضُ۔[60]

(وإذَا السَّماءُ انْشَقَّتْ) أَيِ انْصَدَعَتْ، وَتَفَطَّرَتْ بِالْغَمَامِ، وَالْغَمَامُ مِثْلُ السَّحَابِ الْأَبْيَضِ۔[61]

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (البقرة ٢١٠)

هَلْ يَنْظُرُونَ استفهام في معنى النفي ولذلک جاء بعده. إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ أي يأتيهم أمره أو بأسه كقوله تعالى: وَيَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّکَ۔

فَجاءَها بَأْسُنا أو يأتيهم الله ببأسه فحذف المأتي به للدلالة عليه بقوله تعالى: أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ فِي ظُلَلٍ جمع ظلة كقلة وقلل وهي ما أظلک، وقرئ ظلال كقلال. مِنَ الْغَمامِ السحاب الأبيض۔[62]

---

[54](الكشف والبيان عن تفسير القرآن)

[55](معالم التنزيل في تفسير القرآن = تفسير البغوي)

[56](معالم التنزيل في تفسير القرآن = تفسير البغوي)

[57](الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل)

[58](الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل)

[59](الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل)

[60](الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي)

[61](الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي)

[62](أنوار التنزيل وأسرار التأويل)

أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ من السحاب واحده مزنة، وقيل الْمُزْنِ السحاب الأبيض وماؤه أعذب۔[63]

{أأنتم أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ المزن} السحاب الأبيض۔[64]

وقيل: الغمامُ: السحابُ الأبيضُ خاصةً۔[65]

{وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ} وَهُوَ جَمْعُ غَمَامَةٍ، سُمِّيَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ يَغُمّ السَّمَاءَ، أَيْ: يُوَارِيهَا وَيَسْتُرُهَا. وَهُوَ السَّحَابُ الْأَبْيَضُ۔[66]

وقيل: الغمام: السَّحاب الأبيض خاصّة۔[67]

والغَمَامُ هو السَّحاب الأبيض الرَّقيق۔[68]

والغمام مثل السَّحَاب الْأَبْيَض۔[69]

المزن وهو السحاب الأبيض خاصة۔[70]

{من المزن} أي السحاب المملوء الممدوح الذي شأنه الإسراع في المضي، وقال الأصبهاني، وقيل: السحاب الأبيض خاصة۔[71]

وَأخرج أَبُو الشَّيْخ عَن قَتَادَة {وظللنا عَلَيْكُم الْغَمَام} قَالَ: هُوَ السَّحَاب الْأَبْيَض۔[72]

الْغَمامِ السحاب الأبيض۔[73]

---

[63](أنوار التنزيل وأسرار التأويل)

[64](تفسير النسفي (مدارک التنزيل وحقائق التأويل)

[65](الدر المصون في علوم الكتاب المكنون)

[66](تفسير القرآن العظيم)

[67](اللباب في علوم الكتاب)

[68](اللباب في علوم الكتاب)

[69](تنوير المقياس من تفسير ابن عباس)

[70](غرائب القرآن ورغائب الفرقان)

[71](نظم الدرر في تناسب الآيات والسور)

[72](الدر المنثور)

[73](الفواتح الإلهية والمفاتح الغيبية الموضحة للكلم القرآنية والحكم الفرقانية)

المزن السحاب۔[74]

المزن بضم المیم والسکون الزائے جمع مزنۃ وھی السحاب الابیض۔[75]

وھی السحاب الابیض۔[76]

کان اسم عمامۃ النبی ﷺ السحاب سمیت بہ تشبیھاً بسحاب المطر لانسحابہ فی الھواء۔[77]

کان رسول اللہ ﷺ یسمی کل شیئ لہ فکان لرسول اللہ ﷺ عمامۃ تسمیٰ السحاب۔[78]

وقد کان لہ ﷺ عمامۃ تسمیٰ السحاب۔[79]

الْمُزْنُ السَّحَابُ هُوَ تَفْسِيرُ مُجَاهِدٍ وَقَتَادَةَ أَخْرَجَهُ الطَّبَرِيُّ عَنْهُمَا وَقَالَ غَيْرُهُمَا الْمُزْنُ السَّحَابُ الْأَبْيَضُ وَاحِدُهُ مُزْنَةٌ۔[80]

(المزن) بِضَم الْمِيم وَسُكُون الزَّاي، جمع: مزنة، وَهِي السَّحَاب الْأَبْيَض، وَهُوَ تَفْسِير مُجَاهِد وَقَتَادَة، رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُمَا۔[81]

فَقَالَ: (وظللنا عَلَيْكُم الْغَمَام) وَهُوَ جمع غمامة، سمي بذلک لِأَنَّهُ يغم السَّمَاء أَي يواريها ويسترها، وَهُوَ السَّحَاب الْأَبْيَض۔[82]

---

[74] (صحیح بخاری ص ۳۱۶ کتاب المساقاۃ)

[75] (حاشیۃ ۸ ص ۳۱۶ بخاری بحوالہ عینی)

[76] (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۲۶ وفتح الباری ص ۲۹)

[77] (النھایۃ لابن الاثیر ج ۲ ص ۳۴۵)

[78] (اسدالغابۃ ج ۱ ص ۴۳)

[79] (المواھب اللدنیۃ للقسطلانی ج ۲ ص ۱۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت والمواھب اللدنیہ لبیجوری ص ۷۰ ملتان وجمع الوسائل فی شرح الشمائل لعلی قاری ج ۱ ص ۲۰۴ نورمحمد کراچی واشرف الوسائل الی فھم الشمائل لابن حجر الھیتمی ص ۱۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[80] (فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ۵ ص ۲۹)

[81] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ۱۲ ص ۱۸۹)

[82] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ۱۸ ص ۸۷)

الْغَمَام أَي السَّحَاب الْأَبْيَض۔[83]

الغمام أي السحاب الأبيض۔[84]

قوله: ((المزن)) نه: هو الغيم والسحاب واحدته مزنة، وقيل: هي السحاب الأبيض۔[85]

"المُزْن": السحاب الأبيض، واحدُه مُزْنَةٌ۔[86]

وقال الطيبي: هو الغيم والسحاب، واحدته مُزنة، وقيل: هي السحاب الأبيض انتهى۔[87]

"فوقَ الغَمَام": قيل: هو السَّحَاب الأبيض فوق السماء السابعة۔[88]

"قال: والمُزْنُ، قالوا: والمُزْنُ" بضم الميم وسكون الزاء المعجمة: هو السَّحاب الأبيض۔[89]

(المزن) جمع مزنه: وهي السَّحاب الأبيض۔[90]

الغمام أي السحاب الأبيض۔[91]

والمزن السحاب وقيل المزن السحاب الأبيض وماؤه عذب (ابن سعد) في طبقاته عن خزيمة ابن ثابت رضي الله تعالى عنه۔[92]

---

[83] (التيسير بشرح الجامع الصغير ج ا ص ۳۱)

[84] (الغمام أي السحاب الأبيض ج ا ص ۱۴۱)

[85] (شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بـ(الكاشف عن حقائق السنن ج ۱۱ ص ۳۶۲۳)

[86] (المفاتيح في شرح المصابيح ج ۶ ص ۷۷)

[87] (مشارق الأنوار الوهاجة ومطالع الأسرار البهاجة في شرح سنن الإمام ابن ماجه ج ۴ ص ۳۱)

[88] (شرح مصابيح السنة للإمام البغوي ج ۳ ص ۸۰)

[89] (شرح مصابيح السنة للإمام البغوي ج ۶ ص ۱۷۷)

[90] (منحة الباري بشرح صحيح البخاري المسمى تحفة الباري ج ۵ ص ۱۲۲)

[91] (السراج المنير شرح الجامع الصغير في حديث البشير النذير ج ا ص ۴۰)

[92] (السراج المنير شرح الجامع الصغير في حديث البشير النذير ج ۲ ص ۱۷۴)

ابن قیم حنبلی فرماتے ہیں:

کانت لہ عمامۃ تسمٰی السحاب کساھا علیا رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عمامہ تھا جسے سحاب کہا جاتا تھا جو بعد میں آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا تھا آپ رضی اللہ عنہ اس کو باندھتے تھے۔[93]

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

قال النوفلی وحدثنی ابو بشر قال صلیت الغداۃ فی یوم خروج الحسین صاحب فخ المدینۃ فصلی بنا وصعد المنبر وعلیہ قمیص ابیض وعمامۃ بیضاء قد سدلھا من بین یدیہ وسیفہ مسلول قدامہ۔

ترجمہ مختصر: ابو بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سفید قمیص اور سفید عمامہ پہنے ہوئے تھے۔[94]

فرشتوں کے عماموں کا رنگ

صورۃ الملک الذی یقوم صفا والملئکۃ صفا ویسمی الروح عظیما جدا...وعلی رأسہ عمامۃ عظیمۃ بیضاء۔ (ص ۴۵۰)

اسرافیل علیہ السلام وعمامتہ کما للملک الذی یقوم صفا۔ (ص ۴۵۰)

جبرائیل علیہ السلام وعلی رأسہ عمامۃ بیضاء کما للملک الذی یقوم صفا۔ (۴۵۰)

میکائیل علیہ السلام ذوائبہ کما للملک الذی یقوم صفا وعمامتہ کعمامتہ۔ (۴۵۰)

عزرائیل علیہ السلام عمامتہ کما للملک الذی یقوم صفا لکن اصفر شیئا یسیرا۔ (۴۵۰)[95]

---

[93] (زادالمعاد ج ۱ ص ۸۲)

[94] (تاریخ الاسلام الطبقۃ السابعۃ عشرۃ جدید ج ۴ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[95] (عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات للامام زکریا بن محمد بن محمود القزوینی متوفی ۶۸۲ھ مکتبہ دار احیاء التراث العربی ص ۴۵۰)

اگر کسی کو مزید تحقیق چاہیئے ہو تو ہماری کتاب "شمامۃ ا لعنبر فی الوان عمامۃ خیر البشر ﷺ" عربی کا مطالعہ فرمائیں۔

فصل در بیان نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر امت کے اعمال پیش ہونا

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور ﷺ پر العیاذ باللہ امت کے اعمال پیش نہیں ہوتے۔

حالانکہ امام حارث بن ابی اسامۃ روایت کرتے ہیں:

حدثنا الحسن بن قتیبۃ ثنا جسر بن فرقد عن بکر بن عبداللہ المزنی قال قال رسول اللہ ﷺ ثم حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیٔ استغفرت اللہ لکم۔[96]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علی من الصلاۃ فیہ فان صلاتکم معروضۃ علی۔

ترجمہ: تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے اس دن آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس روز ان کی روح قبض کی گئی اور اسی روز صور پھونکا جائے گا پس اس روز کثرت سے مجھ پر درود شریف بھیجا کرو بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔[97]

---

[96] (مسند الحارث زوائد الھیثمی کتاب علامات النبوۃ باب فی حیاتہ ووفاتہ ج ۲ ص ۸۸۴ رقم الحدیث ۹۵۳ مطبوعہ مرکز خدمۃ السنۃ والسبرۃ النبویۃ المدینۃ المنورۃ)

[97] (سنن ابی داؤد باب تفریع ابواب الجمعۃ باب وفضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ ج ۱ ص ۲۷۵ رقم الحدیث ۱۰۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھما باب فی فضل الجمعۃ ج ۱ ص ۳۴۵ رقم الحدیث ۱۰۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی کتاب الجمعہ باب اکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ ج ۳ ص ۹۱ رقم الحدیث ۱۳۷۵ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن الکبریٰ للنسائی باب الامر باکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ ج ۱ ص ۵۱۹ رقم الحدیث

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

عرضت علی امتی باعمالها حسنها وقبیحها۔

ترجمہ: میری ساری امت اپنے سب اعمال نیک وبد کے ساتھ میرے حضور پیش کی گئی۔[98]

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عرضت علی امتی البارحة لدی هذه الحجرة حتی لانا اعرف بالرجل منهم من احد کم بصاحبه۔

ترجمہ: گزشتہ رات مجھ پر میری امت اس حجرے کے پاس میرے سامنے پیش کی گئی بے شک میں ان کے ہر شخص کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جیسا تم میں کوئی اپنے ساتھی کو پہچانے۔[99]

امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق عتیکی بزار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حیاتی خیر لکم تحدثون ونحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیه وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم۔

ترجمہ: میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے مجھ سے باتیں کرتے ہو اور ہم تم سے باتیں کرتے ہیں۔ اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے جب بھلائی دیکھوں گا حمد الٰہی بجالاؤں گا اور جب برائی دیکھوں گا تمہاری بخشش چاہوں گا۔[100]

۱۶۶۲ مطبوعه دارالکتب العلمیة بیروت)، (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴۵ رقم الحدیث ۱۵۷۲ مطبوعه دارالکتاب العربی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبه ج ۲ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۸۶۹۷ مطبوعه مکتبة الرشد الریاض)، (طبرانی کبیر ج ۱ ص ۲۱۶ رقم الحدیث ۵۸۹ مطبوعه مکتبة العلوم والحکم الموصل)، (سنن الکبریٰ للبیهقی ج ۳ ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۵۷۸۹ مطبوعه دارالباز مکة المکرمة)

[98] (صحیح مسلم کتاب المساجد باب النهی عن البصاق فی المسجد ج ۱ ص ۲۰۷ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)، (مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۰ مطبوعه المکتب الاسلامی بیروت)، (دلائل النبوة للاصبهانی ص ۲۰۶ رقم الحدیث ۲۸۰ مطبوعه دار طیبة الریاض)، (مسند ابو عرانه ج ۱ ص ۴۰۶ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)، (سنن الکبری للبیهقی ج ۲ ص ۲۹۱ مطبوعه نشر السنة ملتان)

[99] (طبرانی کبیر ج ۳ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۳۰۵۴ مطبوعه المکتبة الفیصلیة بیروت)، (کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۸ رقم الحدیث ۳۱۹۱۱ مطبوعه مؤسسة الرسالة بیروت)

[100] (البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج ۵ ص ۳۰۸۔۳۰۹ رقم الحدیث ۱۹۲۵ مطبوعه مکتبة العلوم والحکم المدینة المنورة)

امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح۔[101]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حیاتی خیر لکم تحدثون ونحدث لکم فاذا انامت کانت وفاتی خیراً لکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا احمدت اللہ وان رأیت شرا ذلک استغفرت اللہ لکم۔

ترجمہ: میرا جینا تمہارے لئے بہتر ہے مجھ سے باتیں کرتے ہو اور ہم تمہارے نفع کی باتیں تم سے فرماتے ہیں اور جب میں انتقال فرماؤں گا تو میری وفات تمہارے لئے خیر ہو گی، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے اگر نیکی دیکھوں گا حمد الٰہی کروں گا اور دوسری بات پاؤں گا تو تمہاری مغفرت طلب کروں گا۔[102]

امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ان اعمال امتی تعرض علی فی کل یوم جمعۃ واشتد غضب اللہ علی الزناۃ۔

ترجمہ: بے شک ہر جمعہ کے دن میری امت کے اعمال مجھ پر پیش ہوتے ہیں اور زانیوں پر خدا کا سخت غضب ہے۔[103]

---

[101](مجمع الزوائد باب مایحصل لامتہ ﷺ استغفار بعد وفاتہ ج ۹ ص ۲۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[102] (طبقات الکبری ابن سعد ذکر ما قرب لرسول اللہ ﷺ من اجلہ ج ۲ ص ۱۹۴ مطبوعہ دارصادربیروت)، (کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۷ رقم الحدیث ۳۱۹۰۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)، (جامع الصغیر ج ۱ ص ۲۲۹ رقم الحدیث ۳۷۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الوفا باحوال المصطفیٰ الباب السابع والاربعون فی عرض اعمال امتہ علیہ ج ۲ ص ۸۰۹۔۸۱۰ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)، (المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی ج ۴ ص ۲۲۔۲۳ مطبوعہ مکہ مکرمہ)، (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۴ ص ۴۵۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۹۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[103](حلیۃ الاولیاء ترجمۃ عمران القصیر ۳۵۸ ج ۶ ص ۱۷۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام ترمذی محمد بن علی والد عبد العزیز سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

تعرض الاعمال یوم الاثنین و یوم الخمیس علی اللہ تعالیٰ و تعرض علی الانبیاء و علی الاٰباء و الامہات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسنا تہم و تزداد و جوھھم بیضا و نزھۃ فاتقوا اللہ تعالیٰ و لاتؤذوا موتاکم۔

ترجمہ: ہر دوشنبہ و پنجشنبہ کو اعمال اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں اور ہر جمعہ کو انبیاء اور ماں باپ کے سامنے وہ نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں کی نورانیت اور چمک بڑھ جاتی ہے تو اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اپنی بداعمالیوں سے ایذا نہ دو۔[104]

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

لیس من یوم الا تعرض فیه علی النبی ا اعمال امته غدوۃ و عشیة فیعرفهم بسیماهم و اعمالهم۔

ترجمہ: کوئی دن ایسا نہیں جس میں نبی ﷺ پر ان کی امت کے اعمال صبح وشام دو دفعہ پیش نہ ہوتے ہوں تو حضور ﷺ انھیں ان کی نشانی صورت سے بھی پہچانتے ہیں اور ان کے اعمال سے بھی ﷺ۔[105]

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

حیاتی خیر لکم تحدثون و یحدث لکم فاذا انا مت کانت وفاتی خیراً لکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا حمدت اللہ و ان رأیت شرا ذلک استغفرت اللہ لکم۔

---

[104] (نوادر الاصول الاصل السابع و الستون و المائۃ الخ ص ۲۱۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۳۳۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (نوادر الاصول فی احادیث الرسول ﷺ ج ۴ ص ۱۷۶ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۱۸۳۔۱۸۴ رقم الحدیث ۶۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[105] (کتاب الزھد باب فی عرض عمل الاحیاء علی الاموات الجزء الرابع ص ۴۲ رقم الحدیث ۱۶۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: میرا جینا تمہارے لئے بہتر ہے مجھ سے باتیں کرتے ہو اور ہم تمہارے نفع کی باتیں تم سے فرماتے ہیں اور جب میں انتقال فرماؤں گا تو میری وفات تمہارے لئے خیر ہو گی، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائے اگر نیکی دیکھوں گا حمد الٰہی کروں گا اور دوسری بات پاؤں گا تو تمہاری مغفرت طلب کروں گا۔[106]

علامہ عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ تیسیر شرح جامع صغیر امام سیوطی کی شرح میں لکھتے ہیں:

وذلک کل یوم کما ذکرہ المؤلف وعدہ من خصوصیاتہ ا و تعرض علیہ ایضا مع الانبیاء و الاباء یوم الاثنین و الخمیس۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے حضور میں پیشی تو ہر روز ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا اور اسے حضور ﷺ کے خصائص سے شمار کیا ہے اور ہر دوشنبہ و پنجشنبہ کو بھی حضور ﷺ پر اعمال امت انبیاء اور آباء کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔[107]

نسیم الریاض میں ہے:

ذکر العراقی فی شرح المھذب انہ ا عرضت علیہ الخلائق من لدن أدم علیہ الصلوۃ والسلام الی قیام الساعۃ فعرفھم کلھم کما علم ادم الاسماء۔

ترجمہ: امام عراقی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر قیامت تک کی تمام مخلوقات الٰہی حضور ﷺ پر پیش کی گئیں تو حضور ﷺ نے ان سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام نام تعلیم ہوئے تھے۔[108]

---

[106] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۲۲۹ رقم الحدیث ۳۷۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[107] (التیسیر شرح الجامع صغیر تحت الحدیث حیاتی خیر لکم الخ ج ۱ ص ۵۰۲ مطبوعہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض)

[108] (نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض الباب الثالث فصل فیما ورد من ذکر مکانتہ ج ۲ ص ۲۰۸)

فصل در بیان
اہل سنت وجماعت کا فرقہ ناجیہ ہونا

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ نجات پانے والا گروہ صرف اہل سنت وجماعت ہے اور باقی اہل نار ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک سے نیز علماء کرام محدثین عظام اور بزرگان دین کے اقوال مبارکہ سے پیش کیا جاتا ہے۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عمر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال تبیض وجوہ اھل السنۃ وتسود وجوہ اھل البدع۔

یعنی قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے چمکتے ہوں گے اور بد مذہبوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔[109]

حدیث مبارکہ ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی بہتر گروہ دوزخی ہوں گے یہ حدیث پاک بیان کرکے حضرت وکیل الاحناف ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: فلاشک ولا ریب انھم اھل سنۃ والجماعۃ۔یعنی اس بات میں شک وشبہ نہیں کہ نجات پانے والی جماعت اہل سنت وجماعت ہے۔[110]

امام الاولیاء شیخ المشائخ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

واما الفرقۃ الناجیۃ فھی اھل السنۃ والجماعۃ۔

یعنی نجات پانے والا گروہ اہل سنت وجماعت کا گروہ ہے۔[111]

---

[109](تفسیر مظھری سورۃ آل عمران زیر آیۃ مبارکہ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ)

[110](مرقاۃ شرح مشکوۃ)

[111](غنیۃ الطالبین)

سیدنا امام ربانی مجدد منور الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

شیخ (پیر) اپنے مریدوں کو اس بات کی نصیحت کرے کہ وہ اپنے عقائد نجات پانے والی جماعت یعنی اہل سنت وجماعت کے موافق رکھیں اوراس بات کی تاکید کرے کہ وہ فقہ کے ضروری احکام سیکھ کر ان پر عمل کریں کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو پروں یعنی عقیدہ اور عمل کے اڑنا محال ہے۔[112]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا دوسرا ارشاد مبارک:

اصل مقصد یہ ہے کہ ہمیں عقائد اہلسنت وجماعت عطا ہوئے اس دولت کے ہوتے ہوئے اگر ہمیں یہ احوال و مواجید عطا کیے جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اوراگر یہ احوال ومواجید نہ بھی ملیں تو ہم اہلسنت وجماعت کے عقائد کو کافی جانتے ہیں کیونکہ جب یہ دولت ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں کیونکہ احوال ومواجید جو بغیر عقیدہ اہلسنت وجماعت کے ہوں ہم اسے استدراج اور سراسر خرابی جانتے ہیں۔[113]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا تیسرا ارشاد گرامی:

آدمی کیلئے اہلسنت وجماعت کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھنے کے سوا چارہ نہیں تاکہ آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل ہو کیونکہ اہلسنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا زہر قاتل ہے جو کہ ہمیشہ کی موت اوردائمی عذاب کا سبب ہے۔ عمل میں کوتاہی ہو تو نجات کی امید کی جاسکتی ہے لیکن اگر عقیدہ میں کوتاہی ہو تو بخشش کی گنجائش نہیں رہتی۔[114]

---

[112] (مبداءمعاد)

[113] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۷۶ جلدسوم

[114] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۷۱ جلدسوم

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا چوتھا فرمان ذیشان

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

دین کے دو جزو ہیں (عقیدہ)(عمل) لیکن عقائد دین کے اصولوں میں سے ہیں اور اعمال فرع ہیں لہذا جس کے عقائد درست نہیں وہ نجات نہیں پاسکتا اور اس کے حق میں عذاب الٰہی سے خلاصی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ہاں جس کے عقائد درست ہوں اگر اعمال صالحہ نہ ہوں اس کی نجات کی امید کی جاسکتی ہے۔[115]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا پانچواں ارشاد گرامی:

پس چاہیئے کہ اپنا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے عقائد کے مطابق رکھے اور زید و عمرو کی بات پر کان نہ دھرے دوسروں کی لفاظیوں اور بناوٹی باتوں پر اعتبار کرنا اپنی آپ کو تباہی میں ڈالنا ہے۔[116]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا چھٹا فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

اہلسنت وجماعت جو کہ نجات پانے والی جماعت ہے کی پیروی کے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت ہوئی تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور یہ بات کشف صحیح سے بھی یقین کے درجے تک پہنچ چکی ہے اس لئے اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے پس خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اہلسنت وجماعت کی پیروی کی توفیق ملی اور ان کی تقلید کا شرف حاصل ہوا اور ہلاکت ہے ان

---

[115] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۱۷ جلد سوم

[116] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۲۵۱ جلد اول

لوگوں کیلئے جو اہلسنت وجماعت کے خلاف چلے اورا ن سے منہ موڑااوران کی جماعت سے نکل گئے اور خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔[117]

سیدناامام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کاساتواں فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہنے فرمایا:

عقلمندوں پر پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اہلسنت وجماعت کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ اہلسنت وجماعت ہی جنتی گروہ ہے۔[118]

سیدناامام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا آٹھواں فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہنے فرمایا:

حاصل کلام یہ ہے کہ نجات کاراستہ اقوال میں افعال میں اصول میں فروع میں اہلسنت وجماعت کے ساتھ مطابقت رکھناہے کیوں کہ یہی جنتی گروہ ہے اوراہلسنت وجماعت کے سوا جتنے گروہ ہیں وہ ہلاکت کے کنارے پر ہیں آج اس کو کوئی جانے نہ جانے مگر کل قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا مگر اس وقت کا جاننا کام نہ آئے گا یااللہ ہمیں بیدار کر اس سے پہلے کہ ہمیں موت بیدار کرے۔[119]

---

[117] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۵۹ جلددوم

[118] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۲۲۶ جلداول

[119] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۲۴ جلداول

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نواں ارشاد گرامی:

اللھم ثبتنا علی معتقدات اھل السنة و الجماعة و امتنا فی زمرتھم و احشرنا معھم۔

یا اللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں اسی گروہ کے ساتھ موت دے اور ہمارا حشر اسی جماعت کے ساتھ کر۔[120]

اے میرے عزیز! اے میرے آقا کے بھولے بھالے امتی! ذرا غور کرو اور سوچ پھر سوچ کہ اس ولیوں کے ولی نے عقائد اہلسنت وجماعت پر اتنا زور کیوں دیا ہے یہ اس لئے کہ کہیں ہم لوگ دوسروں کی بناوٹی باتیں سن کر ان کے پیچھے نہ لگ جائیں اور اپنی آخرت تباہ نہ کر بیٹھیں۔فافھم ولا تکن من الممترین۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک

فعلیکم یا معشر المؤمنین اتباع الفرقة الناجیة المسماة باھل السنة و الجماعة فان نصرة اللہ تعالیٰ و حفظہ و توفیقہ فی موافقھم و خذلانہ و سختہ و مقتہ فی مخالفتھم وھذہ الطائفة الناجیة قداجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعة وھم المالکیون و الحنفیون و الشافعیون و الحنبلیون و من کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعة فی ذلک الزمان فھو من اھل البدعة و النار حاشیة الدر المختار المسماة بطحطاوی کتاب الذبائح ثم الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۷۵۷-۱۵۴، المقاصد السنیة ص ۵۶۔

یعنی اے مسلمانو! تم پر اہل سنت وجماعت کی اتباع واجب ہے (کیوں کہ) یہ فرقۂ ناجیہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور مصیبتوں سے نجات تب ہی حاصل ہوگی جب مسلمان ان چار اماموں کی اتباع کریں گے اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا سو اللہ تعالیٰ جل جلالہ اس پر سخت ناراض

[120] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۷ جلد دوم

ہو گا نیز اس پر اپنا قہر نازل فرماتا ہے، اور (مخالفت کرنے والے کیلئے) ذلت ورسوائی ہے، اور فرقہ ناجیہ بلاشبہ تمام کے تمام مذاہب اربعہ (چاروں مذاہب) پر جمع ہو چکے ہیں، وہ چار مذاہب یہ ہیں:

(۱) مالکی (۲) حنفی

(۳) شافعی (۴) حنبلی

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں جو مذاہب اربعہ سے خارج ہو وہ بدعتی اور جہنمی ہے نیز صاحب فتح المبین رقم طراز ہیں:

فلذلک تری ان الفرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فی المذاهب الاربعة قداجتمعت لان الشریعة من غیر هذه المذاهب فی الدنیاماوجدت واطاعة احکام الشریعة للناس قدفرضت فان لم یحتست هذه المذاهب الاربعة للشریعة معتبرة فالشریعة فی الدنیاعدمت۔[121]

علامہ لکھتے ہیں اس وجہ سے تمام مسلمان انہی مذاہب (اربعہ) کو اختیار رکھے ہوئے ہیں (کیوں کہ اہلسنت وجماعت یہ نجات والی جماعت ہے۔) شریعت مطہرہ ان مذاہب اربعہ کے علاوہ پائی ہی نہیں جاتی۔ (مسلمان یا تو حنفی ہے یا مالکی یا شافعی یا حنبلی) چونکہ شریعت اسلامیہ کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے (اطاعت کیلئے ضروری تھا کہ ایسے مجتہدین کو تلاش کیا جائے جنہوں نے اجتہاد کر کے شریعت کی راہ متعین کی ہو جن مجتہدین نے اجتہاد کر کے شریعت کی راہ متعین کی ہے وہ مجتہدین چار ہی ہیں امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔) اگر مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کو اخذ شریعت میں معتبر نہ مانا جائے تو دنیا سے شریعت مطہرہ معدوم ہو جائے گی۔

[121] الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۵۰۵، المقاصد السنیہ ص ۵۷۔

اہل سنت وجماعت کی اتباع واجب ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنَّ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمن هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وأصحابي۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی سب کے سب فرقے جہنم میں داخل ہوں گے سوائے ایک کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ وہ ایک فرقہ (ناجیہ) کون سا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ (لوگ) جو میرے اور میرے صحابہ کے عقیدہ وعمل پر ہیں۔[122]

سیدنا امام احمد اور ابو داؤد حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

وَأَبِي دَاوُدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ: ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دخله۔رواه الترمذی ثم مشکوۃ اعتصام فصل دوم ص ۲۲ وشرح عقائدالجلالی ج ۱ ص ۱۹۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بہتر فرقے جہنمی ہیں اور ایک جنتی وہ ایک فرقہ (ناجیہ جو جنتی ہے) (اہل سنت) وجماعت ہے۔

---

[122] (رواہ الترمذی ثم مشکوۃ اعتصام فصل دوم ص ۲۲ وشرح عقائدالجلالی ج ۱ ص ۱۹)

مفسر قرآن علامہ شیخ احمد الصاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وستفرقون ثلاثا وسبعون فرقة ثنتان و سبعون فی النار و واحدة فی الجنة و المراد بالفرقة الواحدة اهل السنة والجماعة، تفسیر الصاوی ج۲ پاره باره سورة هودرکوع ص ۲۳۱ رکوع ۱۰۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تم تہتر فرقوں میں بٹ جاؤ گے بہتر داخل جہنم ہوں گے مگر ایک فرقہ جنتی ہوگا(ایک فرقہ جو جنتی ہوگا) سے اہل سنت وجماعت مراد ہیں۔

حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ بادشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد ہیں ان کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

لكن بالتحقيق و الصدق فمن كان على طريق السنة و الجماعة۔

لیکن تحقیق اور سچائی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اہل سنت وجماعت کا طریقہ درست ہے۔[123]

صاحب تفسیر مواہب الرحمن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اہل سنت سچا مذہب ہے۔[124]

خاتم المفسرین علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و على الله قصد السبيل۔

پارہ چودہ سورۃ النحل کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان قصد السبيل هو دين الاسلام و السنة و الجماعة۔

بے شک دین اسلام ہی سیدھا راستہ (طریقہ) ہے اور وہ راستہ (طریقہ) اہل سنت وجماعت کا طریقہ ہے۔[125]

---

[123] (تفسیرات احمدیہ ص ۲۳۷)

[124] (تفسیر مواهب الرحمن الجزء التاسع ص ۱۶۳)

[125] الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۵۰۵، المقاصد السنیہ ص ۵۷۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فان اھل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة علی اربعة مذاهب و لم یبق مذهب فی فروع المسائل سوی هذه الاربعة فقد انعقد الإجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلهم۔

کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت چار مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی پر جمع ہوا ہے اور جو شخص ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ اہل بدعت ونار ہے۔[126]

امام المحدثین علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسماعیل فقیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابو احمد حاکم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: ای الفرق اکثر نجاۃ عندکم۔ تمہارے نزدیک کونسا فرقہ نجات پانے والا ہے پس انہوں نے ارشاد فرمایا: اہل سنت۔[127]

غیر مقلدین کے امام عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن باز اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

العقیدة الصحیحة التی بعث الله بها رسوله محمدا ﷺ وهی عقیدة الفرقة الناجیة اهل السنة و الجماعة۔[128]

اس طرح ابن تیمیہ اپنی کتاب العقیدۃ الواسطہ میں لکھتے ہیں:

اما بعد فهذا اعتقاد الفرقة الناجیة المنصورة الی قیام الساعة اهل السنة و الجماعة۔[129]

---

[126] تفسیر مظهری ج ۲ ص ۶۴ سورۃ آل عمران آیت ۶۴۔
[127] شرح الصدور ص ۱۱۹۔
[128] مجموع الفتاویٰ ص ۲۴۔
[129] العقیدۃ الواسطیہ مع شرحہ ص ۹۔

اس طرح مولوی وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

اماالاحناف والشوافع والمالکیۃ والحنابلۃ فھم مسلمون داخلون فی زمرۃ اھل السنۃ والجماعۃ۔[130]

دوسرے مقام پر اہل سنت وجماعت تشریح کرتے ہیں:

ھم اھل السنۃ والجماعۃ لأن السنۃ ھو الحدیث والجماعۃ عبارۃ عن الصحابۃ والتابعین فھم علی طریقھم۔[131]

الحمدللہ! اہل سنت وجماعت کی حقانیت وناجیت پر مخالفین نے بھی گواہی دی تھی۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اگر تمام احوال ومواجید ہمیں عطا کر دیے جائیں لیکن اہلسنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم اسے سراسر خرابی سمجھتے ہیں اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کر دی جائیں اور ہم اہلسنت وجماعت کے عقائد سے سرفراز کر دیے جائیں تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔[132]

حضرت سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا پس جو تمام جہانوں کی غذا ہے یعنی عقائد اہلسنت وجماعت اسے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ ہر کوئی اس عقیدے کو اپنے دل میں جگہ کیوں کہ یہ عقیدہ اس کی سعادت کا بیج ہو گا۔

---

[130] نزول الابرار ص ۹۔

[131] نزول الابرار ص ۸۔

[132] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ۔

خواجہ عبد الشکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث پاک بیان کرکے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہو گا باقی سب دوزخ جائیں گے فرمایا وھی اھل السنة والجماعة یعنی وہ نجات پانے والی جماعت اہلسنت وجماعت ہے۔

قطب ربانی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کا ارشاد مبارک:

آپ نے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا ولی کی دیگر علامت یہ ہے کہ وہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے عقائد اہلسنت وجماعت سے واقف ہو۔[133]

حضرت خواجہ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ان لایفتح علی العبدالا اذا کان علی عقیدة اھل السنة والجماعة ولیس للہ ولی علی عقیدة غیرھم ولو کان علیھا قبل الفتح لوجب علیہ ان یتوب بعد الفتح ویرجع الی عقیدة اھل السنة۔[134]

یعنی کسی ایسے بندے کو جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ نہ ہو اسے ولایت نہیں مل سکتی اور کوئی ولی ایسا نہیں جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے خلاف ہو ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ولایت عطا کرنا چاہے تو اس بندے پر واجب ہو گا کہ وہ اہلسنت وجماعت کے عقائد کو اپنائے۔

خواجہ خواجگان خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ذیشان:

فرمایا ہمارے طریقے کا دارومدار تین چیزوں پر ہے:

ا۔ اہلسنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا

---

133 انوار قدسیہ۔

134 الابریز ص ۲۴۔

۲۔ دوم آگاہی

۳۔ عبادت

لہذا اگر کسی کو ان تینوں چیزوں میں سے ایک میں خلل آجائے تو وہ ہمارے طریقے سے خارج ہو جائے گا۔[135]

حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک:

عقیدہ اہلسنت وجماعت کا ملتزم ہو کر حدیث وفقہ سیکھنا چاہیئے۔[136]

اور یہ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جو لوگ عقائد اہلسنت وجماعت سے الگ ہو کر قرآن وحدیث سیکھتے ہیں وہ گمراہی میں دھکیلے جاتے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

قرآن مجید خود فرمارہاہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا۔ (البقرة ٢٦)

نیز بزرگان دین کا ارشاد ہے:

الاحادیث مضلة الا الفقها۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں سے بچائے۔[137]

حضرت خواجہ نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: عقیدہ اہلسنت وجماعت کو لازم پکڑو۔[138]

---

[135] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

[136] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

[137] اقامة القیامة۔

[138] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

قطب ربانی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کا فرمان عالی شان ہے:

المراد بالسواد الاعظم هم من کان اهل السنة و الجماعة و لو واحدا فاعلم ذلک۔

یعنی سواد اعظم سے اہلسنت وجماعت مراد ہیں خواہ وہ ایک ہی ہو۔اے عزیز اس کو جان لے۔[139]

ظاہر ہے کہ جیسے جیسے قیامت قریب آتی جائے گی اہل سنت کم ہوتے جائیں گے اور بد مذہب زیادہ ہوتے جائیں گے جیسے کہ ارشاد گرامی: ثم لا یزالون یخرجون۔ قیامت کے نزدیک بد عقیدہ لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اس بات کو دیکھ کر کچھ لوگ بغلیں بجاتے ہیں کہ دیکھ لو ہم زیادہ ہیں لہذا سواد اعظم ہم ہیں اس کے پیش نظر اس ولیوں کے ولی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ نے فرمایا کہ اہلسنت وجماعت ہی سواد اعظم ہیں خواہ وہ ایک رہ جائے۔

خواجہ خواجگان خواجہ محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ کی دعا:

اللهم امتنا علی السنة و الجماعة و الشوق الی لقائک یا ذا الجلال و الاکرام۔

یعنی یااللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقائد پر اور اپنے دربار حاضری کے شوق پر موت دے یاذوالجلال والاکرام۔[140]

خواجہ خضر اور خواجہ الیاس نیز تمام اولیائے کرام مسلک اہلسنت پر ہیں۔

---

[139] میزان شریعت کبریٰ۔

[140] دلائل الخیرات ص ۵۰۔

قطب زمان خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ نے فرمایا:

واضح ہو کہ خواجہ خضر اور خواجہ الیاس کے نزدیک سب کے سب اولیائے کرام خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب وہ سب مسلک اہلسنت و جماعت پر ہیں۔[141]

مندرجہ بالا (۲۴) ارشادات مبارکہ پیش کئے ہیں۔ مسلمان بھائیوں کی خدمت میں خیر خواہی کے طور پر اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا ارشادات عالیہ کو غور سے پڑھیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر سیدھے جنت پہنچ جائیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی حبیبہ سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

سوال: بہت ساری مذہبی جماعتیں دعویٰ کرتی ہیں کہ اہلسنت وجماعت ہم ہیں لہذا بتایا جائے کہ ہمارے پاس کونسا معیار ہے جس سے دیکھ سکیں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے؟

جواب: اگر بوتل میں شراب یا پیشاب بھرا ہو اور اس پر خوش نما لیبل لگا دیا جائے شربت روح افزا کا تو صرف لیبل لگانے سے اندر کی چیز شربت روح افزا نہیں بن سکتی بلکہ معیار صداقت خوشبو اور پاکیزگی ہے۔

یوں ہی اگر دل میں حبیب خدا سید انبیاء ﷺ کا بغض اور بے ادبی بھری ہو اور اس پر اہلسنت وجماعت کا خوشنما لیبل لگا دیا جائے تو صرف لیبل لگانے اور دعویٰ کرنے سے اہلسنت وجماعت نہیں بن سکتا بلکہ خالص اور صحیح اہلسنت وجماعت وہ ہے جس کے قلم اور زبان سے رحمت کائنات والیٔ دوجہاں ﷺ کی عظمت اور محبت کی خوشبو آئے۔

---

[141] رسالہ ابدالیہ۔

جن لوگوں کے دلوں میں نبی اکرم شفیع اعظم ﷺ کا بغض بھرا ہوا تھا وہ حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر دعوے کرتے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

اصلی اہل سنت کی علامت:

آج کل دیوبندی، وہابی، غیر مقلد حضرات بھی اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہہ کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے میں شب وروز مصروف ہیں۔ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل سنت کی نشانی جو بتائی ہے اس نشانی کو امت محمدیہ ﷺ کے عظیم مرتبت آٹھویں صدی کے مجدد علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف القول البدیع فی الصلوۃ الحبیب الشفیع میں درج فرمایاہے۔**علامة اهل السنة كثرة الصلوة على رسول الله** ﷺ۔ اہل سنت کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں۔[142]

ناظرین حضرات! دیوبندیوں اور وہابیوں کو آپ نے یہ کہتے سنا ہو گا کہ اذان کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہیئے۔ نماز کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہیئے۔ تقریر کے بعد صلوۃ و سلام نہ پڑھنا چاہیئے بلکہ وہ اس پر بدعت کے فتوے صادر کرتے ہیں۔ ان کے ایسا کرنے اور پابندی لگانے سے اظہر من الشمس ہے کہ وہ درود شریف کثرت سے پڑھنے سے احتراز کرتے ہیں۔ پڑھنے والوں پر فتوے لگاتے ہیں بلکہ درود شریف کو بند کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کئی مسجدوں میں تنازعہ، جھگڑا اور اختلاف برپا ہے۔

---

[142] القول البدیع ص ۵۲۔

اس لئے وہ اہل سنت نہیں ہیں بلکہ اصلی اہل سنت وہ ہیں جو کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں اوروہ اہل سنت (بریلوی) حضرات ہی ہیں۔جب جعلی اور نقلی اہل سنت عوام میں رونماہوئے اور عقائد حقہ کا غلاف سرگرم عمل ہوئے۔تب سے اصلی اہل سنت و جماعت والوں نے عوام کو ان جعلی اور نقلی لوگوں سے بچانے کیلئے اہل سنت وجماعت کے آگے بریلوی کا لفظ استعمال کرنا پڑا ہے۔

نقلی اہل سنت وہابی دیوبندی حضرات کے مقتداء کا حیاء سوز کارنامہ حرم شریف کے مفتی اورامام علامہ سید احمد بن ذنبی وچالان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ ابو حامد بن مرزوق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبندیوں اوروہابیو ں کے مقتداء محمد بن عبدالوہاب علیہ ماعلیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب درود شریف سے منع کرتا تھااور سننے سے ناراض ہوتا تھا جو ایسا کرتا تھا اس کو سخت سزا دیتا تھا۔یہاں تک کہ ایک نابینا شخص جو کہ ایک صالح شخص اور خوش آواز موذن تھا اس کو بعد اذان مینارہ پر درود شریف پڑھنے سے منع کیا۔موذن نہ مانا اوراس نے درود شریف پڑھا تو اس کو قتل کرنے کا حکم دے کر قتل کرادیا اور کہا زانیہ کے گھر میں رباب وچنگ کا گناہ مینارہ پر درود شریف پڑھنے سے کم ہے۔دلائل الخیرات شریف جو کہ درود شریف کی کتاب ہے وغیرہ اور دیگر کتب درود شریف کو جلادیا۔[143]

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

آنچہ غذائی جہان است یعنی عقائد اہلسنت والجماعت آنرا بیان کنند تا ہر کس این راخود حادہد زیرآنچہ عقائد اہل سنت والجماعت کیمیائے سعادت است۔[144]

---

[143] الدرر السنۃ ص ۵، التوسل بالنبی ﷺ ص ۲۴۴، فرقہ ناجیہ ص ۳۹

[144] کیمیائے سعادت۔

مفسر شیخ اسماعیل حقی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولکنی علی مذھب اھل السنة والجماعةشریعة وطریقة ومعرفة وحقیقة فعرفونی ھکذاواشھدوالی بھذافی الدنیاوالآخرةفھذہ وصیتی۔

یعنی میں اہل و سنت وجمات کے مذہب پر ہوں شریعت طریقت معرفت اور حقیقت کے اعتبار سے پس مجھے پہچان لو اسی راستے پر اور میرے لیے گواہی دے دو اس اقرار پر دنیا اور آخرت میں یہ میری وصیت ہے۔[145]

آخر میں مذہب حق اہل سنت وجماعت کے عقائد کو بالاختصار درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

یہ عقائد من گھڑت اور بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ ان کا ثبوت قرآن ،احادیث اور سلف صالحین کی مستند کتابوں میں درج ہے۔

عقائد دربیان خدا تعالیٰ جل جلالہٗ

عقیدہ ۱:

اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں ،وہی رازق ہے وہی خالق ہے وہی شافی ہے وہی کافی ہے۔وہی معین ومدد گار ہے وہی سمیع وبصیر ہے وہی حیی وقیوم ہے۔اسی کی شان ہے۔إِنَّ اللّٰہَ عَلَی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیرٌ (البقرة ۲۰) اس کی شان ہے۔إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یس ۸۲) اس کی ہر صفت ذاتی ہے اور مخلوق کی ہر صفت عطائی ہے۔اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت عطائی نہیں ہو سکتی مخلوق کی کوئی صفت ذاتی نہیں اور یہ وہ حد فاصل ہے جس پر توحید کا مضبوط ترین محل قائم ہے۔اللہ تعالیٰ کے نبیوں رسولوں اور ولیوں کے علم

---

[145] روح البیان ج۵ص ۱۰۱۔

ہے تو اللہ تعالی کا عطا کردہ ہے۔ اختیار رہے تو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تصرف ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں ۔یعنی ان حضرات کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

عقیدہ ۲:

عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا کفر ہے شرک ہے جو کہ ناقابل معافی جرم ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا (النساء ۴۸) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

لیکن عبادت اور چیز ہے اور تعظیم وتوقیر اور چیز ہے۔ تعظیم وتوقیر کو عبادت قرار دینا یہ سراسر حماقت ہے۔

مرزا غالب نے سچ فرمایا:

الفت کو احمقوں نے پرستش دیا قرار

یعنی ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں ولیوں سے محبت کرتے ہیں ان کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں تو احمق لوگ کہتے ہیں تم نبیوں ولیوں کی عبادت کرتے ہو اور یہ وہ کجروی ہے جس نے امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیا ہے بلکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی عبادت اور تعظیم کا الگ الگ مفہوم بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ حج میں ہے:

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (۳۱) ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)

جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

عقیدہ ۳:

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور ساری خدائی اسی کی محتاج ہے وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا۔

لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون۔

عقیدہ ۴:

عقائد در بیان انبیاء علیہم السلام: اللہ تعالیٰ کے سارے نبی، رسول برحق ہیں سچے ہیں معصوم ہیں ان سب نبیوں، رسولوں میں سے سب سے افضل، سب سے اکمل، سب سے اجمل، سب سے اشرف ، سب سے امجد، سب سے اشہر، سب سے اولی، سب سے اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی محمد مصطفٰے ﷺ ہے آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی پیدا نہیں ہو سکتا نہ تشریعی نہ غیر تشریعی، نہ ظلی نہ بروزی۔ لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ حبیب خدا محمد مصطفٰے ﷺ کے بعد کسی قسم کا نبی پیدا ہو سکتا ہے وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو کوئی اس کو کافر نہیں کہے وہ خود کافر ہے۔

عقیدہ ۵:

حضور ﷺ سراپا نور ہیں اور بے مثل بشر ہیں۔

محمد بشر لا کالبشر یاقوت حجر لا کالحجر۔

عقیدہ ٦:

ساری امتوں میں سے حبیب خدا سید انبیاء ﷺ کی امت افضل ہے اور اس امت میں سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سب سے افضل ہیں اور ان صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں ۔ علی ترتیب الخلافۃ ،صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب عادل ہیں متقی ہیں پرہیز گار ہیں۔الصحابہ کلھم عدول صغیرھم و کبیرھم۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں مرتبہ میں اگرچہ سیدنا مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں ہیں ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خلفاء راشدین میں سے ہیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں۔ کوئی ولی غوث کوئی قطب کوئی امام کوئی قلندر کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا جو شخص کسی بھی صحابی کی شان میں بے ادبی کرے وہ گمراہ بد دین ہے ایسا شخص ہرگز ولی نہیں ہو سکتا اور ایسے آدمی سے ایسے بھاگنا چاہیئے جیسے آدمی شیر سے بھاگتا ہے وہ آدمی حلالی نہیں ہے۔

جیسا علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

من طعن فی علماء الامۃ لا یلو من الاامہ۔

ہم اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی شخص بالفرض سو دو سال عبادتیں ،ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہوئے ولایت کی ساری منزلیں طے کر لے مثلاً وہ ولی بھی بن گیا غوث اور قطب بھی ہو گیا ادھر ایک شخص کفر و شرک میں مبتلا حبیب خدا سید الانبیاء ﷺ کی عین حیات ظاہری میں آیا اور اس نے صدق دل سے کلمہ پڑھ کر نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کی اور پھر ایک وقت

نماز پڑھنے کا بھی وقت نہیں ملا وہ فوت ہو گیا تو یہ صحابی بن گیا یہ اس صد سالہ عبادت گزار غوث، قطب، قطب ارشاد سے افضل ہو گیا اور یہ ساری برکتیں اس چہرہ انور کی زیارت کی ہیں ۔

جس کی تعریف قرآن پاک میں یوں ہے:

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (البقرة ۱۴۴)

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔"

عقیدہ ۷:

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں ملائکہ کرام یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ ۔جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے ۔ فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث۔فرشتوں کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّکَ إِلَّا هُوَ (المدثر ۳۱) اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اہلسنت و جماعت وہ ہے جس کا عقیدہ اہلسنت و جماعت کے تمام کتب عقائد میں موجود عقائد کے مطابق ہو۔اور جو عقائد و معمولات ہم نے اس کتاب میں درج کیے ہیں ان کا عامل اور یقین رکھنے والا وہ اہلسنت و جماعت ہے اور اگر ان عقائد سے مخالفت کرے تو پکا وہابی ہے۔

فصل دربیان
تصوف اور اقسام توجہ

بعض علماء تصوف میں توجہ اور اقسام توجہ سے انکار کرتے ہیں حالانکہ توجہ اقسام توجہ پر علامہ سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی صاحب نے ایک مکمل رسالہ لکھاہے جس کا کچھ حصہ اور عبارات یہاں پر نقل کی جاتی ہیں۔

توجہ وتصرفِ مشائخ کرام:

انسان گوشت پوست کا بناہوا ہے، دھڑکنے والا دل رکھتا ہے، یہ متاثر کرتا بھی ہے اور متاثر ہوتا بھی ہے۔متاثر کرتا ہے اچھے اخلاق سے ، عقلمندی سے ، علم سے ،ایثارو قربانی سے ،تواضع سے یعنی اگر اخلاق حمیدہ اس کے اندر ہوں تو دوسرے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔اگر اس کے اندر قوت ارادی بڑھ جائے تو اس کے متاثر کرنے کی صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے، جس بندے میں بھی قوت ارادی بڑھ جائے تو وہ دوسروں کو متاثر کرلیتاہے حتیٰ کہ مسمریزم وہپناٹزم وغیرہ کا عمل کرنے والے بھی اسی سے کام لے کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے ہیں۔شریعت میں اس کو "نظر کالگ جانا"، کہتے ہیں حدیث پاک میں ہے کہ العین حق " نظر لگ جاناحق ہے"،یہ عداوت، حسد، کینہ کی وجہ سے یاپیار سے دیکھنے کی وجہ سے لگ جاتی ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو نظر لگی اور آپ ﷺ نے اس کے اتارنے کا طریقہ بتایا۔بہر حال ہم نظر لگنے کو شرعاً حق مانتے ہیں۔

تو اب سوچنے کی بات ہے کہ جس نظر کے اندر عداوت ہو، دشمنی ہو، حسد ہو جب وہ لگتی ہے تو جس کے اندر شفقت ہو، رحمت ہو، اخلاص ہو، تو یہ نظر دوسرے پر اثر کیوں نہیں دکھاسکے

گی۔بہر حال اچھی نظر کے لگ جانے کو توجہ کہتے ہیں۔اب بری نظر سے تو کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث پاک میں اس کا ذکر ہے۔

امام ابنِ کثیر نے نظر لگنے کے متعلق 25 احادیث وروایات ذکر کی ہیں۔

اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر بندے کے دل پر جو اثر ہوتا ہے، یہ اصل میں ان کی توجہ ہوتی ہے اسی وجہ سے سالک نیک بننے اور گناہ چھوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔یہ حدیث پاک سے بھی ثابت ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کی توجہ نقطہ کمال پر تھی، اگر کسی پر ایک نظر رحمت پڑتی تو اسے دھو کر پاک وصاف بنادیتے اور آپ ﷺ کی ایک صحبت دل کی کایاپلٹ کر رکھ دیتی تھی، لوگ مردہ آتے تھے مسیحابن کر لوٹتے تھے اوراہل طریقت بھی اسی فیضانِ نبوت کے ذریعے سالکین کے دل پر ان کی اصلاح کیلئے اثر ڈالتے ہیں۔تصوف وسلوک القائی اورانعکاسی عمل ہے،اس لئے اس راہ پر چلنے اور حصول ترقی کیلئے صحبت ومحبت شیخ ضروری ہے اور شیخ سے اخذ فیض اور حصول توجہ کیلئے اعتماد علی الشیخ نہایت ضروری ہے، توجہ، تصرف، ہمت اور جمع خاطر اس سلسلے کی خاص اصطلاحات ہیں اور ان کا ماخذ کتاب الٰہی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ وَ اَیَّدۡنٰہُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ای تغلیب ملکیۃ علی بشریۃ۔[146]

ترجمہ: ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تائید پاک روح سے کی یعنی وصف ملکیت کو بشریت پر غالب کر دیا۔

حدیث نبوی ﷺ سے اسی حقیقت کی تائید ہوتی ہے:

قال النبی ﷺ اللھُمَّ أَیِّدہُ بِرُوحِ الْقُدُسِ۔

---

[146](تفسیر تبصیر الرحمٰن)

ترجمہ: حضور ﷺ نے (حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حق میں) دعا کی کہ یا اللہ !ان کی مدد پاک روح (یعنی جبرئیل علیہ السلام) سے فرما۔[147]

فائدہ: درج بالا آیت اور حدیث سے تائید و تاثیر باطنی ثابت ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تائید باطنی یوں ظاہر ہوئی کہ اوصاف ملکیہ سے متصف ہوئے اور ملائکہ کی دنیا میں جا آباد ہوئے اور وحی کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید سے یقیناً تائید باطنی مراد ہے۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ حسان (رضی اللہ عنہ) کے دل میں جبرئیل علیہ السلام کے القاء والہام سے کفار کی توہین کرنے کی قوت پیدا کر دے تاکہ وہ ایسے اشعار کہنے پر قادر ہو جائیں۔

قرآن مجید سے القاء اور تصرف باطنی کی چند مثالیں:

قال اللہ تعالیٰ: اِذْ كُنتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (ال عمرٰن ۱۰۳)

ترجمہ: جب تم آپس میں دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔

وقولہ تعالیٰ: اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا (انفال آیت ۱۲)

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔

ایمان والوں کی ہمت بڑھانے اور انہیں ثابت قدم رکھنے کی صورت کیا ہے جس پر فرشتوں کو مامور کیا گیا یہی کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت کا القا کریں کہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور کفار کا مقابلہ پوری دل جمعی سے کریں۔

---

[147] (رواہ مسلم ج ۴ ص ۱۹۳۳ باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)

مسئلہ: جو مواقع شریعت مطہرہ میں جائز اور محمود ہیں ان میں توجہ اور تصرف کا استعمال جائز اور امراض باطنیہ (حسد، کینہ وغیرہ) میں اور سلب امراض اور کشف ونسبت وغیرہ میں جائز و مستحسن اور کسی کے دل پر زور ڈال کر اس کے دل کا حال معلوم کرنے یا اس سے کوئی رقم حاصل کرنے وغیرہ میں ممنوع ہے۔

حکایت: مثنوی شریف میں مولانا روم رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے: ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ ﷺ کے ساتھ ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ ! پانی نہیں ہے اور ہم کافی زیادہ پیاسے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ میں سے کوئی ایک چلا جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ مبارک کو لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے ساتھ لے آئے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ یہ سامنے پہاڑ جو نظر آرہا ہے، اس کے پیچھے تین میل کے فاصلے پر ایک کالا حبشی غلام اونٹنی پر سوار ہے اور پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اس کے پاس ہے، اس غلام کو میرے پاس لے آؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس طرف تشریف لے گئے اور اس حبشی کو اسی مقام پر پایا جس کی نشاندہی آپ ﷺ نے فرمائی تھی، تو اسے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا: "ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ آپ کو بلا رہے ہیں۔" حبشی غلام نے کہا کہ میں تو آپ کے آقا و مولا کو نہیں پہچانتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں پہچان کرا دوں گا۔ حبشی ڈر گیا اور زور سے آواز دینے لگا کہ "اے لوگو! یہ آدمی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، مجھے بچاؤ!" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "میں آپ کو قتل نہیں کرنا چاہتا، بلکہ رسول اللہ ﷺ آپ کو بلا رہے ہیں۔" آخر حبشی غلام کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: اے حبشی! آپ کہاں جارہے ہو؟ حبشی نے جواب دیا کہ مجھے میرے آقا نے پانی لینے کے لئے بھیجا تھا، اور میں نے پانی پالیا لیکن ابھی کافی دیر ہو چکی ہے لہٰذا مجھے جانا ہے، کہیں میرا آقا یہ نہ سوچے کہ کسی نے اس کے غلام کو قتل کر دیا ہے۔ لیکن جب حبشی غلام نے آپ ﷺ کے والضحیٰ چہرۂ انور کا دیدار کیا اور آپ ﷺ کے حسن و جمال پر نظر پڑی تو حبشی غلام حیران ہوا اور ہر چیز بھول گیا اور زور سے چلانے لگا اور کہنے لگا، اے میرے بھائیو، دنیا اور زمین میں میں نے ایسا چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاتھ دو۔ حبشی نے ہاتھ دے دیا تو آپ ﷺ اسے کلمہ پڑھانے لگے، اور وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے حبشی غلام سے پانی کا مشکیزہ لیا اور اس پر اپنی انگلیاں مبارک رکھیں، اصل میں اس وقت آپ ﷺ کا دست مبارک حوضِ کوثر کے ساتھ ملا ہوا تھا اور واسطہ وہ مشکیزہ بنا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس سے وضو بھی کیا اور پانی بھی پی لیا یعنی آپ ﷺ کی انگلی مبارک کی برکت سے اس مشکیزے سے چشمے جاری ہوئے لیکن پھر بھی اس مشکیزہ کا پانی کم نہیں ہوا۔ حبشی غلام نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کا عقیدہ اور بھی مضبوط ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب آپ واپس چلے جائیے۔ حبشی نے کہا کہ مجھے اپنے آپ سے جدا نہ کریں۔ حتیٰ کہ مجھے اپنے مالک کے گھر کا بھی پتہ نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک اس پر ڈالی اور اسے اپنے سینے کہ ساتھ لگا کر توجۂ اتحادی فرمائی۔ جب حضور ﷺ نے اس سے چادر ہٹائی تو اس کا لے حبشی غلام کا کالا رنگ تمام بدن سے ختم ہو چکا تھا، اور اس کا چہرہ سفید چمک رہا تھا۔ تمام حالات اس کے بدل گئے۔ آپ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا کہ آپ کو میرا امر ہے کہ آپ واپس چلے جائیں۔ حبشی غلام اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ وہاں اس کے گاؤں کے پاس اس کا آقا اور اسکے ساتھ کچھ لوگ اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ جب اس کے آقا نے اس اونٹنی کو دیکھا تو کہنے لگا کہ اونٹنی

بھی وہی ہے، مشکیزہ بھی وہی ہے، صرف آدمی بدلا ہوا ہے، یہ میرا غلام نہیں ہے کیونکہ وہ تو کالا تھا اور یہ تو بالکل سفید اور نورانی چہرہ والا انسان۔ اسکے آقا کو شک ہوا کہ اس کے غلام کو اس شخص نے قتل کیا ہے اور اب اونٹ کو چوری کر کے لے جا رہا ہے۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ اس کو پکڑ لو۔ حبشی سمجھ گیا کہ میرے آقا نے مجھے نہیں پہچانا تو یہ بھی اپنے لئے فکر مند ہوا اور آواز لگائی "کہ میں وہی کالا حبشی غلام ہوں"۔ تو گاؤں کے لوگوں نے اس کی آواز سے اس کو پہچان لیا۔ حبشی غلام نے تمام واقعہ ان کے سامنے بیان کیا، تو حبشی نے اپنے آقا اور گاؤں کے تمام لوگوں کو حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا اور سب کے سب مشرف بہ اسلام ہوئے۔[148]

فائدہ: اس واقعہ سے آپ ﷺ کا علم غیب عطائی بھی ثابت ہوا اور توجہ اتحادی بھی ثابت ہوئی جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو گئی۔

توجہ کے بارے میں ابو الزھراء اویس بن عبد اللہ المجتبی الحسینی لکھتے ہیں:

كيفية التوجه الى اللطائف و المقامات: (لطائف اور مقامات کی طرف توجہ کی کیفیت)

اعلم ان مشائخنا يتوجهون " اولاً: على اللطائف و طريقة التوجه أن يجعل الشيخ قلبه حذاء قلب الطالب ملتجئاً الى حضرة الحق و مستمداً من ارواح مشائخ الطريقة و يصرف همته لِإلقاء أنوار الذكر التي وصلت إلى قلبه لتصل إلى قلب الطالب حسب استعداده و يتوجه الى جميع اللطائف مثل ذلك۔

ترجمہ: جان لو کہ ہمارے مشائخ توجہ فرماتے ہیں، سب سے پہلے مشائخ کی توجہ لطائف پر ہوتی ہے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو طالب (مرید) کے قلب کی طرف کر کے اس حال میں

[148] (التجليات الرحمانيه فی معادن الحقائق الاسلاميه ج ١ ص ٣١٦)

کہ شیخ بارگاہ حق سبحانہ تعالیٰ سے التجاکرنے والاہو اورمشائخ طریقت کی ارواح سے استمداد لینے والاہو اوراپنی ہمت کو صرف کرے ذکر کے انوار کے القاء کیلئے جو اس کے سینے سے پہنچتی ہے مرید کے قلب کی طرف،اس کی استعداد کے موافق،اسی طرح تمام لطائف کی طرف توجہ کرے۔

وکذلک یتوجہ فی أی مقام من مقامات السلوک وینبغی اولاًأن ینصبغ بأنوار ذلک المقام وکیفیاته ثم یلقیهابصرف همته التوبة اِلی زیادة باطن الطالب ـ وکذلک یتوجه الشیخ إلی المراقبة کل نوع منهابحسبه ویتوجه کذلک لحصول نسبة الجمعیة وحضور القلب۔

ترجمہ:اسی طرح شیخ توجہ کرے گا سلوک کے مقامات میں سے کسی مقام میں،مناسب ہے کہ اول رنگ دے اس مقام کو انوار کے ساتھ اوراسکی کیفیت کے ساتھ،پھر یہ کثرت توبہ کی اِلقاء کرے اپنی ہمت کو صرف کرتے ہوئے طالب کے باطن پر،اوراسی طرح شیخ توجہ کرے گا مراقبے کی طرف اسکی ہراک قسم سے اندازے کے مطابق اوراسی طرح توجہ کرے گا تاکہ نسبتی جمعیت اوراسے حضور قلب حاصل ہو جائے۔

وجمعیة القلب عبارة عن زوال الخطرات والحضور عبارة عن توجه قلب الطالب اِلی الحق فإن حصلت له نسبة الجمعیة والحضور توجه اِلیه لحصول الجذب اِلی الفوق فإن حصل له ذلک وظهرت له الانوار التی علامتهاتوجه القلب اِلی اصله فوق العرش وکذلک تصل کل لطیفة اِلی اصلهاأویحصل له جذب ببرکة توجه الشیخ الکامل وحصول السرعة فی سیر السالک یکون من دوام استنفاعه بالاذکار والانقطاع عن الخلق ودوام التوجه اِلی اللّٰه ومن کثرة توجهات الشیخ الکامل ومن قوة استعداد المرید۔

ترجمہ:جمعیت قلب عبارت ہے خطرات(وسواس)کو زائل کرنے سے اور حضور عبارت ہے طالب کے قلب کی توجہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اگر اس کو نسبت جمعیت اور حضور حاصل

ہو جائے تو یہ حصول جذب کیلئے فوق کی طرف متوجہ ہو تا ہے پس جب اس کو یہ حاصل ہو جائیں اور ظاہر ہو جائیں اس فوق کی نشانیاں اور انوارات تو پھر قلب متوجہ ہو جاتا ہے اپنی اصل کی طرف جو فوق العرش ہے اسی طرح ہر ایک لطیفہ اپنے اصل کی طرف پہنچتا ہے یا اسکو جذب حاصل ہو تا ہے شیخ کامل کی توجہ کی برکت سے، اور سالک کے سلوک میں سرعت کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے اذکار سے ہمیشہ نفع طلب کرتا ہے اور مخلوق خدا سے انقطاع تعلق رکھے و راللہ کی طرف ہمیشگی کے ساتھ تعلق رکھے یا اسی طرح سیر السلوک میں اسکو تیزی شیخ کامل کی کثرت توجہات اور مرید کی استعداد کی قوت سے بھی ملتی ہے۔[149]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اور توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ مرشد پہلے خود تمام خیالات سے خالی ہو جائے اور پھر اپنے دل کو اس کے دل کے مقابل کرے اور خدا کے اسم ذات کی ضرب اس کے دل پر لگائے اور یہ خیال کرے کہ موجودہ ذکر کی کیفیت میری وجہ سے اس کو حاصل ہو رہی ہے اور یہ ذکر اس کے دل میں سرایت کر رہا ہے اور یہ ضربیں ایک سو ایک بار ہونی چاہیئے تاکہ شوق اور ذکر کی حرارت اس کے قلب پر اثر کرے اور اس کا قلب ذکر سے حرکت کرنے لگے بعد ازیں جو ذکر اس کی حیثیت کے مطابق ہو اس کو دینا چاہیئے اور مرید کو مرشد کے بتائے ہوئے اشغال میں مشغول ہونا اور باطنی اسرار کو چھپانا چاہیئے تاکہ انوار و اسرار اس کو حاصل ہو جائیں۔[150]

---

[149] (الاشارات السنیۃ لسالکی الطریقۃ النقشبندیۃ ص ۶۸)

[150] (کلیات امدادیہ ص ۱۲ و ص ۵۴)

مشائخ کے تصرفات اور توجہ کا طریقہ:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شیخ تمام باتوں سے خالی ہوا اپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں جس کا القاء مرید پر منظور ہو متوجہ ہو اور توجہ قلبی مرید کی طرف مائل کرے کہ میری کیفیت جذب مرید میں اثر کر رہی ہے خیال کرے ان شآء اللہ حسب استعداد نور و برکتیں حاصل ہو نگی اور لطیفۂ قلب کے جاری کرنے کے بعد ہر لطیفہ پر تدریجاً توجہ کرے اور اس طرح انوار مراقبات و لطائف کے القاء میں توجہ کرے اور اگر مرید موجود نہ ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ کرے اور اسے فائدہ پہنچائے۔[151]

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ اپنے مکتوبات میں مکتوب نمبر ۳ میں فرماتے ہیں:

عرض داشت آنکہ یاراں کہ این جا اند و ہم چنین یاران آنجائے ہر کدام با مقام محبوس اند طریق برآوردن آنہا از آن مقامات متعسر ست آن قدر قدرت کہ مناسب آن مقام ست در خود نمی یابد حق سبحانہ ببرکت توجہات علیہ حضرت ایشان ترقی بخشد۔

ترجمہ: گزارش ہے کہ وہ ساتھی جو یہاں ہے اور ایسے ہی وہاں کے ساتھی ہر کوئی کسی نا کسی مقام پر رکا ہوا ہے ان کو ان مقامات سے باہر نکالنے کا طریقہ مشکل ہے یہ فقیر اپنے اندر اس قدر قدرت نہیں پاتا جو اس مقام کے مناسب ہے اللہ تعالیٰ آپ کی بلند توجہات کی برکت سے انہیں ترقی بخشے۔

---

[151] (کلیات امدادیہ ص ۵۴)

شرح: حضرت امام ربانی قدس سرہ اپنے یاران طریقت کے باطنی حالات کا تجزیہ اپنے مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ احباب جو یہاں سرہند شریف میں زیر تربیت ہیں اور وہ یار جو آپ نے دہلی سے بندہ کی تربیت میں سلوک طے کرنے کیلئے بھیجے ہیں وہ کسی نا کسی خاص مقام پر پہنچ کر رکے ہوئے ہیں اور آگے ترقی نہیں کر رہے یہ فقیر بھی (ابھی تک) اپنے اندر اتنی ہمت اور وسعت نہیں پاتا کہ انہیں اس مشکل سے نکال سکے۔ اس لئے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توجہات عالیہ کی برکت سے انہیں ترقی عطا فرمائے۔ یاران اینجا سے مراد صوفیائے سرہند شریف اور آپ کے خاص و خدام ہیں یاران آنجا سے مراد صوفیائے دہلی شریف اور وہ خاص خدام ہیں جو حضرت خواجہ قدس سرہ نے منازل سلوک طے کرنے کیلئے حضرت امام ربانی قدس سرہ کے زیر تربیت رہنے کیلئے بھیجے ہوئے تھے۔ یار فارسی زبان کا لفظ ہے جو دوست، خلیل، محب اور محبوب کے معنی میں مستعمل ہے۔ اصطلاح طریقت میں مرید یا پیر بھائی کو یار کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے متقین کے باہمی اخلاص و تعلق پر بھی یہ لفظ صادق آسکتا ہے۔

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ (الزخرف ٦٧)

گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیز گار۔

اور حدیث مبارکہ این المتحابون بجلالی۔[152] بھی اسی مفہوم کی غماز ہے۔

سالکین کی تین اقسام:

منازل سلوک میں سیر کرنے والے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:

(۱) واقفین (۲) راجعین (۳) سابقین

[152] (ترمذی ص ۶۲ ج ۲)

واقفین

اثنائے سلوک میں کسی مقام پر تھوڑی دیر کیلئے رک جانے والوں کو واقفین کہا جاتا ہے۔

راجعین

وہ سالک جو زیادہ دیر تک کسی مقام میں رکے رہیں اور ترقی نہ کریں انہیں راجعین کہا جاتا ہے۔ یہ مقام خطرے سے خالی نہیں زیادہ دیر رکے رہنے سے رجعت واقع ہو جاتی ہے اور سالک تنزلی کا شکار ہو کر اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔

سابقین

وہ خوش نصیب سالکین جو رحمت خداوندی سے ہر آن ترقی پذیر ہوتے رہیں اور قرب و وصل کے مقام تک جا پہنچیں۔ سابقین کہلاتے ہیں۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (۱۰) أُولَئِکَ الْمُقَرَّبُونَ (الواقعۃ ۱۱)

اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرّبِ بارگاہ ہیں۔ (سورۃ واقعہ) میں ایسے ہی حال و مقام کی طرف اشارہ ہے۔

دلیل نمبر۱:

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اس مکتوب میں اپنے احباب کی دو حالتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ہمارے بعض ساتھی واقفین ہیں اور بعض سابقین ہیں لیکن ہمارے ساتھی راجعین کے زمرے میں نہیں آتے۔ والحمدللہ علی ذالک۔ آپ قدس سرہ نے احباب کی باطنی تکمیل کے بارے میں جو اپنے عجز کا اظہار فرمایا ہے یہ آپ کی کسر نفسی ہے یا اثنائے سلوک میں ہونے کی وجہ سے اپنی ہمت صرف کرنے کی بجائے اپنے شیخ کی توجہ کو زیادہ موثر اور مفید سمجھ کر یہ عرض داشت پیش کی ہے۔

توجہ شیخ کیا ہے۔۔۔۔۔؟

شیخ کا اپنی قوت ارادی اور قلبی طاقت سے طالب کے دل پر اثر ڈال کر اس کی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا کر دینا توجہ کہلاتا ہے۔ سلوک کی منزلوں میں شیخ ہر سبق کیلئے توجہ کے ذریعے طالب کے لطائف پر فیض القا کرتا ہے اس کو تصرف یا ہمت بھی کہا جاتا ہے۔

توجہ کا ثبوت قرآن و حدیث سے

توجہ کے اس مفہوم کی قرآن و حدیث سے تائید ہوتی ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی توجہ اولاد کیلئے اصلاح احوال کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ (یوسف ۹)

کہ تمہارے باپ کا چہرہ (رخ) صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر نیک ہو جانا۔

یہاں صالحیت سے مراد اصلاح دینیہ بھی ہے اور دنیویہ بھی (فافھم)۔

دوسری جگہ ارشاد قرآنی ہے:

اِذْيُوحِى رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّى مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا (سورۃ انفال ۱۲)

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔

''یعنی ان کی ہمت بڑھاؤ،، فرشتوں کا ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کی ہمت بڑھانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت اور جذبہ القاء کریں کہ وہ کفار کے مقابلے میں مضبوطی دکھائیں اور ڈٹ کر لڑیں، یہ عمل بھی توجہ ہی کہلائے گا''۔

اسی طرح پہلی وحی کے نزول کے وقت غار حراء میں جبریل امین علیہ السلام کا حضور سرور عالم ﷺ کو سینے سے لگا کر دبانا قوت توجہ اور صرف ہمت کا واضح ثبوت ہے۔

جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

فَغطنی حتی بلغ منی الجھد۔[153]

یعنی جبریل علیہ السلام نے مجھ (ﷺ) کو دبایا یہاں تک کہ مجھے مشقت پہنچی۔

اس حدیث کی شرح میں عارف کامل حضرت عبد اللہ بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فیہ دلیل علی ان اتصال جرم الغاط بالمغط و ضمہ الیہ تحدث بہ فی الباطن قوۃ نوریۃ۔

یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جس کو دبایا گیا ہے تو یہ اتصال حصول فیض کا ایک طریقہ ہے جس سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور آگے چل کر لکھتے ہیں:

وقد وجد ذلک اھل المیراث من اھل الصوفۃ المتبعین المحققین حتی لقد حکی عن بعض فضلائھم انہ اتاہ ناس یتکدون علیہ فابی عن اجابتھم و کان بحضرتہ رجل من العوام راعی غنم فدعاہ الشیخ فضمہ الیہ ثم قال لہ اجب ھؤلاء عما سئلوا عنہ فاجاب الرجل و ابلغ فی الجواب ثم اعرضوا علیہ مسائل فبکی یفصل ویمنع ویجیز حتی قطع من حضرہ من الفقھاء فی البحث ثم دعاہ الشیخ فضمہ الیہ فاذا ھو قد رجع الیٰ حالہ او لاً لا یعرف شیئاً فقال لہ رجل یا ایھا السید ان الفقراء اذا و ھبوا شیئا لا یرجعون فیہ فقال لہ نعم ھو کذلک و لکن لیس لک نسبۃ فی ذلک الشان ثم بشرہ بخیر و کان کذلک۔

ترجمہ: فیض کا جو فیضان ہے یہ میراث ہے ان صوفیاء محققین کرام کیلئے جو آپ ﷺ مبارک کی کامل تابعداری کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض علماء نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک اللہ والے کے پاس کچھ

---

[153] (بخاری ص ۲ ج ۱)

علماء (اہل ظاہر) آئے اوران پر اعتراضات اور سوالات کرنے لگے تو اس اللہ کے ولی نے جواب دینے سے انکار کیا تو ان کی مجلس میں ایک عام آدمی جو کہ بھیڑ بکریوں کا چرواہا تھا اس اللہ والے نے اسے بلوایا اور اسے اپنے سینے سے لگایا (اور توجہ اتحادی اس کی طرف کی) پھر اس اللہ والے نے کہا کہ ان لوگوں کو جواب دو تو اس چرواہے نے ان لوگوں کو جواب دیئے جو انہوں نے سوالات کیے تھے اور حق جواب دیئے پھر انہوں نے کچھ مسائل پیش کئے تو کسی میں تفصیل بیان کی تو کسی میں ممنوعیت بیان کی اور کسی میں اجازت دی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے فقہاء بحث کرنے میں خاموش کھڑے رہ گئے پھر اس اللہ والے نے اسے اپنے سینے سے لگایا تو وہ شخص پہلے کی طرح چرواہا بن گیا جو کچھ نہیں جانتا تھا، تو اس چرواہے نے کہا کہ اے اللہ کے ولی !اے سید! اللہ والے جب کوئی چیز کسی کو عطا کر دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بالکل ایسا ہی ہے لیکن تو اس کا اہل نہیں ہے پھر اس اللہ والے نے اسے خیر کی بشارت دی۔[154]

اسی طرح احادیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام کا حضرت سیدنا عمر، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت سیدنا معاذ بن جبل، حضرت ابو محذورہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پکڑ کر، سینے پر ہاتھ رکھ کر، سر سے ناف تک ہاتھ پھیر کر، نظر خاص فرما کر توجہ کے ذریعے احوال و کیفیات بدل دینا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔[155]

---

[154] (بهجة النفوس ص ١٦ ج ١ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[155] (تفصیلات کیلئے مستدرک ص ٨۴ ج ٣، مجمع الزوائد ص ٦٨ ج ٩، مسند احمد ص ١۴٩ ج ١، ابو داؤد ص ١۴٩ ج ٢، مسند احمد ص ٧٨ ج ۵، ابن ماجه ص ۵٢)

اسی طرح اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہات اور تصرفات سے بیشمار انسانوں کے دلوں اور دماغوں میں انقلاب پیدا ہونا، توبہ کی توفیق ملنا اور فیض ولایت حاصل ہونا بھی تسلسل کے ساتھ ثابت ہے جس سے کسی بھی اہل عقل و فہم کو انکار نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر ۲:

شیخ کی توجہ کیلئے طالب اور مرید کے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے اس لئے یہ اعتراض بے جا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو طالب وغیرہ پر توجہ کیوں نہ فرمائی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل اللہ کی توجہات حکمت خداوندی کے تابع ہوتی ہیں کیونکہ ہدایت اور ضلالت اللہ تعالےٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا (البقرہ ۲۶)

اللہ بہت سے لوگوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتا ہے۔

اقسام توجہ:

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالےٰ نے توجہ و تصرف کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں جن میں سے تین اقسام زیادہ معروف ہیں۔

ا۔ توجہ انعکاسی

جیسے کسی چیز پر شیشے یا روشنی کا عکس اور پرتو پڑنا یا اہل مجلس کا عطر وغیرہ کی خوشبو پانا انعکاسی توجہ کے مشابہ ہے۔ یہ توجہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔ اس قسم کا اثر بھی تھوڑی دیر کیلئے ہوتا ہے اسلئے یہ توجہ اگرچہ ضعیف ہوتی ہے لیکن فائدے سے خالی نہیں۔

۲۔توجہ القائی

اس توجہ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص دیئے (چراغ) میں بتی اور تیل ڈال کر لایا تو دوسرے نے آگ لگا کر روشن کر دیا۔ یہ تاثیر کچھ طاقت رکھتی ہے اور کچھ دیر اس کا اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی بیرونی صدمہ پہنچے مثلاً آندھی، بارش وغیرہ تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے اس لئے یہ توجہ کسی حد تک مفید ضرور ہے لیکن لطائف کی مکمل اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس لئے مرید کو مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔اتحادی:

یہ توجہ سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے اس میں شیخ اپنی پوری ہمت صرف کر کے اپنی روح کے کمالات طالب کی روح میں القاء کر دیتا ہے اس طرح کہ دونوں روحیں باہم جذب ہو جاتی ہیں جیسے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نانبائی کو توجہ اتحادی دے کر اس کے ظاہر و باطن کو اپنے جیسا بنا دیا جس کو وہ ضبط نہ کر کے وصال پا گیا۔[156]

دلیل نمبر ۳:

اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے ازالہ گناہ، القائے توبہ، حل مشکلات، سلب امراض اور احیائے اموات کیلئے بھی توجہ ڈالنا ثابت ہے اور یہ معاملہ ان کی کرامات کے زمرے میں آتا ہے۔

طریقہ توجہ:

شیخ مرید کو سامنے بٹھا کر اپنے قلب کو اس کے قلب پر غالب کرے اور خطرۂ غیر کو اس کے قلب پر آنے سے روک کر جذبہ قلبی کے ساتھ مرید کے دل پر اپنی نسبت القا کرے اور اپنے آپ کو

---

[156] (تفسیر عزیزی سورۃ علق)

ہر قسم کے خیالات سے خالی کرکے اپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں متوجہ ہو جائے جس کو طالب کے دل میں ڈالنا منظور ہو اور اپنی پوری باطنی ہمت کے ساتھ یہ تصور کرے کہ میرے دل سے فیوض و انوار طالب یا مرید کے دل میں سرایت کررہے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ طالب کی قابلیت اور استعداد کے مطابق اس کو فیوض وبرکات حاصل ہونگے اسی طرح مرید کے جس لطیفے میں ذکر جاری کرنا مقصود ہو اپنے اسی لطیفہ کو مرید کے لطیفہ کے مقابل سمجھ کر ہر قسم کے خیال کو دونوں طرف سے روک کر مرید کے دل کو اپنے دل کی طرف کھینچے اور اسم ذات کی ضرب لگائے تاکہ اس توجہ اور ضرب کے اثر سے مرید کے اس لطیفہ میں جنبش پیدا ہو کر ذکر جاری ہو جائے۔ اسی طرح دیر تک متوجہ رہے اور روزانہ اس عمل کا تکرار جاری رکھے تاکہ توجہ کی تاثیرات راسخ ہو جائیں اور مرید کے دل میں حرارت اور نفیٔ خاطر کی کیفیت پیدا ہو جائے اگر مرید غیر حاضر ہو تو اس کی صورت کا تصور کرکے غائبانہ توجہ بھی دی جاسکتی ہے جیسا کہ بعض مشائخ کا معمول منقول ہے۔ صرف ہمت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں جمعیت اور یکسوئی رہے اور ارادہ مضبوط رہے تاکہ دل میں اس مراد کے سوا کوئی دوسرا خیال نہ آسکے۔[157]

حضرت ابو العباس محی الدین سید شیخ احمد رفاعی الحسنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الرجل من يربی بحاله لا من يربی بمقاله ، واذا جمع بين الحال و القال فهو الرجل الأكمل۔

---

[157] (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳ ص ۱۶۷ تا ۱۷۳)

ترجمہ: مرد وہ ہے جو اپنے حال سے (مریدوں کی) تربیّت کرے نہ وہ جو تنہا باتوں ہی سے تربیّت کرے اور جو شخص حال ومقال دونوں کا جامع ہو (کہ حال سے بھی تربیّت کرتا ہو اور زبان سے بھی، روک ٹوک کرنا، نصیحت کرنا، علوم ومعارف بیان کرتا رہتا ہو) وہ تو بڑا کامل مرد ہے۔[158]

سراج السالکین سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ادخال السرور فی قلب المؤمن کالبحر و سائر العبادات کالقطر۔

مومن کے دل میں سرور داخل کرنا سمندر کی طرح ہے اور دیگر عبادات قطرے کی طرح ہے۔[159]

حضرت سیدنا شیخ المشائخ میر برہان شیخ الشیوخ امیر کلال رحمہ اللہ کے حالات میں، جب بزرگ والدین نقشبند سر تاج اولیاء بہاؤ الحق رحمہ اللہ نے آپ پر توجہ کی تو یہ حالت ہو گئی کہ ہر وقت جذب و سکر میں رہتے۔ لوگوں سے قطع تعلق ہو گیا اور کسی کے پاس آرام وسکون نہ ملتا۔[160]

وھم ایشان (حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ) فرمودند کہ: خواجہء بزرگ (بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) را در خواب دیدم کہ در من تصرّف کردند ومن بیخود بیفتادم۔ چون باخود آمدم، خواجہ از من گزشتہ بودند، خواستم کہ در عقب بروم۔ پیرھائے من درھم منی پیچید۔ بہ محنت بسیار بہ خواجہ رسیدم۔ فرمودند کہ مبارکباد۔

ترجمہ: حضرت سیدنا شیخ کبیر خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے تھے کہ خواجہ بزرگوار (امام طریقہ بہاء الحق والدین رحمہم اللہ) کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ پر توجہ ُتصرف

---

[158] (البرھان المؤید، آداب الذکر، ص، ۴۳، مکتبۃ المعارف، بیروت)
[159] (مکتوباتِ اشرفی /پھلا ایڈیشن، ص: ۲۳۹)
[160] (خزینۃ الاصفیاء ص، ۴۲)

فرمائی جس سے میں بیخود ہو کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو خواجہ تشریف لے گئے تھے، میں نے چاہا کہ آپ کے پیچھے جاؤں لیکن میرے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ بڑی محنت سے خواجہ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو مبارک ہو۔[161]

وھمہء مریدان ابوالقصر چنان بودند کہ ایشان را نعرہ ھای عظیم بود، وھر دو ازوی حکایت کردی۔

ترجمہ: حضرت سیدنا شیخ المشائخ خواجہ کاکا ابوالفقیر رحمہ اللہ بستی کے حالات میں ابو قصر کے سب مرید ایسے تھے کہ نعرے بڑے مارا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں اپنے پیر کی حکایات بیان کرتے تھے۔[162]

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بہ غلام محمد خان صدور یافتہ در بیان استفسار حالات معہ امر بتوجہ گرفتن ازین جامع مکاتیب نالائق کار و دیگر نوازشات دربارۂ این ناہنجار: خان صاحب عالی مراتب غلام محمد خان سلمہ اللہ تعالیٰ از فقیر غلام علی عفی عنہ بعد سلام اشتیاق معلوم نمایند دیراست کہ ورود عنایت نامہ مسرت رسان نگردیدہ امید کہ بہ تحریر احوال خود شادکام فرمودہ باشند درین ولایت صاحب جامع کمالات حضرت رؤف احمد صاحب بعنایت الٰہی طریقہ از فقیر گرفتہ اجازت یافتہ اند مناسب

---

[161] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۴۱۶، مرکز پخش: انشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ تہران) (نفحات الانس ص 442)

[162] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۳۴۳، مرکز پخش: انشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ تہران) (نفحات الانس ص 369)

آن نمود کہ ایشان دران ضلع الفت دارند و طریقہ را رواج بخشند و شما را اگر فرصت باشد از ایشان توجہ بگیرند بس مناسب است اللہ تعالیٰ بیمن قدم ایشان دران ضلع برکت وآبادی کرامت فرماید والسلام۔[163]

ترجمہ: ”غلام محمد خان (صاحب رحمہ اللہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا، حالات کے استفسار، نیز اس جامع مکاتیب، نکھے (حضرت شاہ رؤف احمد رحمہ اللہ) سے توجہ لینے کا حکم فرمانے اور اس ناچیز پر دیگر نوازشوں کے بیان میں: (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) عالی مراتب خان صاحب غلام محمد خان سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر غلام علی عفی عنہ سے شوق بھرے سلام کے بعد معلوم فرمائیں کہ مدت سے آپ کا مسرت رساں عنایت نامہ نہیں آیا۔ امید ہے کہ اپنے احوال لکھ کر خوش کریں گے۔ اس ملک میں کمالات کے جامع حضرت رؤف احمد صاحب نے عنایت الٰہی سے اس فقیر سے طریقت کی اجازت حاصل کی ہے۔ یہ مناسب معلوم ہوا کہ وہ اس ضلع میں الفت رکھتے ہیں، اور وہاں اس طریقے کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو اگر فرصت ہے تو ان سے توجہ حاصل کریں، بس مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قدم مبارک سے اس ضلع کو برکت اور آبادی کرامت فرمائے۔ والسلام“

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بجناب شاہ عبد اللطیف در ترغیب افادہ نمودن ازین ہیچمدان کہ فی الحقیقۃ فیض حضرت ایشان است: بخدمت شریف شاہ صاحب والا مناقب حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب معروف بمیاں ننھے صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام نیاز گزارش مینماید عنایت نامہ بورود مسعود مسرت

[163] (مکاتب شریفہ، مکتوب بیست و ھفتم، صفحہ ۴۷)

بخشید با این ہمہ الطاف سلامت باشند یاد آوری بزرگان خوردان را موجب سعادت ایشان است امید کہ بدعای خیر حسن خاتمہ ودوام عافیت وسلامت ایمان و مغفرت مدد فرما باشند حضرت میان رؤف احمد پیرزادہ سلمہ اللہ تعالی ازین فقیر طریقہ گرفتہ بشغل ومراقبہ فیض حاصل کردہ اجازت یافتہ اند تاثیر در صحبت و توجہ ایشان اللہ تعالیٰ عنایت فرمودہ است فالحمد للہ علی ذلک ایشان را آنجا فرستادہ شدہ تا ہر کہ خواہد از ایشان استفادہ نمایند اللہ تعالیٰ آنچہ گمان بندہ در حق ایشان است صادق فرماید آمین والسلام۔[164]

ترجمہ: ”جناب شاہ عبد اللطیف (رحمۃ اللہ علیہ) کو تحریر فرمایا، اس نادان (حضرت شاہ رؤف احمد رحمہ اللہ) سے استفادہ کرنے کی ترغیب میں، جو دراصل حضرت اقدس ہی کا فیض ہے:

(بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) بلند مناقب شاہ صاحب، حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب، معروف میاں ننھے صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت شریف میں سلام نیاز کے بعد التماس ہے کہ آپ کے عنایت نامہ کے ورود مسعود خط پہنچنے نے مسرت بخشی۔ ان تمام مہربانیوں کے ساتھ سلامت رہیں۔ بزرگوں کا چھوٹوں کو یاد فرمانا، ان کی سعادت کا ذریعہ ہے۔ امید ہے کہ خاتمہ بالخیر، ہمیشہ کی عافیت، ایمان کی سلامتی اور بخشش کی دعائے خیر کے ساتھ مدد فرماتے رہیں گے۔ پیرزادہ حضرت رؤف احمد سلمہم اللہ تعالیٰ نے اس فقیر سے طریقہ سیکھ کر شغل و مراقبہ حاصل کر کے اجازت (کی سعادت) پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت و توجہ میں تاثیر عنایت فرمائی ہے۔ **فالحمد للہ علی ذلک**۔ انہیں

[164] (مکاتب شریفہ، مکتوب سوم صفحہ ۴۸)

اس جگہ بھیجا گیا ہے تا کہ جو بھی چاہے ان سے استفادہ کرے۔ بندہ کے بارے میں جو گمان ہے، اللہ تعالیٰ اسے ان کے حق میں سچ فرمائے۔ آمین۔“

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بقاضی صدور یافتہ در تقید ذکر و دوام توجہ وانکسار و تعمیر اوقات بمراقبات واذکار: قاضی صاحب شمشیر خان صاحب سلمہ اللہ تعالی از فقیر غلام علی عفی عنہ بعد سلام نیاز واضح می نماید رقیمہ کریمہ رسید مسرت بخشید مندرجہ اش واضح گردید دریاد حضرت حق سبحانہ عمر وانفاس متبرکہ بگزرانند وذکر ودوام توجہ و نیاز وانکسار لازم گیرند وبمراقبہ وتلاوت اوقات خود را معمور دارند مردمان کہ برای توجہ پیش ایشان بیایند باید کہ باین فقیر متوجہ شدہ توجہ نمایند وخود را درمیان نہ بینند۔ مصرع:

ازما و شما بہانہ برساختہ اند

والسلام وبدوستان سلام رسانند وتاکید نمایند کہ بر نماز وذکر واستغفار ودرود وتلاوت مواظبت بکنند۔ بیت:

بسیار دیدہ ام کہ یکی رادو کرد تیغ   شمشیر عشق بین کہ دو کس رایکی کند

آن شمشیر الہی بشمشیر الہی بشمشیر محبت خودی رابریدہ اتحادی پیدا می نماید۔[165]

[165] (مکاتب شریفہ، مکتوب چھل و چھارم، صفحہ ۵۷)

ترجمہ: قاضی (شمشیر خان رحمۃ اللہ علیہ) کو تحریر فرمایا ذکر دوام توجہ اور انکسار کی پابندی اور مراقبات و اذکار سے اوقات کو آباد کرنے کے بیان میں: (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) قاضی صاحب شمشیر خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر غلام علی عفی عنہ کی طرف سے سلام نیاز کے بعد واضح فرمائیں کہ آپ کا عنایت نامہ ملا، خوشی ہوئی۔ اس کے مندرجات سے آگاہی ہوئی۔ حضرت حق سبحانہ کی یاد میں عمر اور مبارک سانسیں گزاریں، ذکر دوام توجہ اور نیاز و انکساری کو لازم پکڑیں۔ اپنے اوقات کو مراقبہ اور تلاوت سے لبریز رکھیں۔ جو لوگ توجہ کے لئے آپ کے پاس آئیں چاہیئے کہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہو کر توجہ کریں اور خود کو درمیان میں نہ دیکھیں۔ مصرع: ہم اور تم کا بہانہ ختم کر دیا گیا ہے۔

والسلام۔ دوستوں کو سلام پہنچائیں اور تاکید کریں کہ نماز و ذکر، استغفار، درود اور تلاوت کے ہمیشہ پابند رہیں۔

شعر:

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تلوار نے ایک کے دو ٹکڑے کئے
لیکن عشق کی تلوار کو دیکھ! جو دو آمیوں کو ایک بنا دیتی ہے۔
وہ شمشیر الٰہی محبت کی تلوار سے خودی کو کاٹ کر ایک اتحاد پیدا کر دیتی ہے

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نیز باین جامع مکاتیب صدور یافتہ در تقیید توجہات نمودن بحال مولوی حبیب اللہ صاحب معہ نصائح دیگر: حضرت سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مولوی حبیب اللہ بخدمت میر سند بحال ایشان

توجہات فرمایند تا حضور وجمعیت وجذبات وواردات وتہذیب لطائف وتبدل رذائل بحماید وتفویض وتسلیم ورضا ومقامات عشرہ صوفیہ حاصل شود وازاحوال خود ومستفیدان نوشتہ باشند واز ورد واہب العطیات سر نیاز والتجا حرکت نکند انت حسبی فلاتکلنی الی نفسی طرفۃ عین موطاء امام محمد وسنن ابو داود وابن ماجہ وترجمہ حضرت عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ وآنچہ از کتب تحصیلی میسر شود در کار است بتوجہ ودعا وہمت درین وقت پیری وضعف مدد فرما باشند جزاکم اللہ خیر الجزاء۔[166]

ترجمہ: "نیز اس جامع مکتوب (حضرت شاہ رؤف احمد مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ) کو تحریر فرمایا، مولوی حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حال پر توجہات کی قید لگانا، معہ دوسری نصیحتوں کے بارے میں: حضرت سلامت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مولوی حبیب اللہ خدمت میں پہنچ رہے ہیں، ان کے حال پر توجہات فرمائیں، تاکہ انہیں حضور و جمعیت، جذبات و واردات، لطائف کی اصلاح، برائیوں کی (نیکیوں میں) تبدیلی ہاتھ لگ جائے اور تسلیم و رضا اور صوفیہ کے مقامات عشرہ حاصل ہو جائیں۔ اپنے اور مستفید ہونے والوں کے حالات لکھ کر بھیجیں اور عطیات بخشنے والے (رب قدوس) کی درگاہ سے سر نیاز اور التجا کو (ادھر ادھر) حرکت نہ دیں (یعنی ہر وقت اس کے حضور سر جھکا کر التجا کرتے رہیں)۔ انت حسبی فلاتکلنی الی نفسی طرفۃ عین۔ یعنی: (اے اللہ!) میرے لئے (تو ہی) کافی ہے، پس تو مجھے پلک جھپکنے کی دیر تک بھی میرے نفس کے سپرد نہ فرما۔[167]

---

[166](مکاتب شریفہ، مکتوب ہشتاد و سیوم، صفحہ ۱۰۷)

[167](مظہر جمال مصطفائی ۳۱۴)

آپ توجہ، دعا اور ہمت سے اس بڑھاپے اور ضعف کے وقت میں (میری) مدد فرماتے رہیں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔"

اسی طرح حضرت العلامہ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بہ سید احمد بغدادی در جواب عریضہ ایشان معہ احوال خانقاہ عرش اشتباہ و طریقہ توجہ نمودن و بیان مقام اجازت طالبان:

بخدمت شریف سیادت و منقبت مرتبت صاحبزادہ عالی نسب حضرت سید احمد بغدادی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون و دعای برآمد مطالب ترقی درجات واضح می نماید الحمد للہ کہ فقیر بعنایت الٰہی سبحانہ بخیریت است و شب و روز بحلقہ و مراقبہ باتباع پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اوقات خوش دارد و طالبان گاہی صد و ہفتاد گاہی ازان کم بالفعل صد و چہل باشند می باشند درین کثرت توجہ کم میشود لیکن می گویند ما را فائدہ می شود اگر سی کس بنوبت بیایند توجہ جذب و حضور و واردات حاصل شود بسیار بایںہا گفتہ است و آنجناب ہم فرمودہ بودند پٹھانان خود رائی کردہ اند و می کنند با کود بد فرمایند در عمر ہمین بالقای نور و جمعیت و حضور شغل نمودہ ام اللہ تعالیٰ قبول فرماید و بفضل خود بواسطہ آنجناب و دیگر مردم کہ بعنایت الٰہی فیضہا یافتہ اند طریقہ مرا پایدار و باقی دارد و عنایت نامہ دیروز سید مسرتہا بخشید درآمدن خطوط بسیار خوش میشوم شدت انتظار مکدر داشتہ بود

الحمد للّٰہ کہ بعنایت الٰہی بواسطۂ تحریر آنجناب رفع شد از ترقیات باطن شریف و مستفیدان نوشتہ باشند ہمت و توجہ بالتجا بجانب حضرت حق سبحانہ بواسطۂ مشایخ کرام رحمۃ اللہ علیہم و خود را در خیال این فقیر را متخیل نمودہ در ترقی طالبان سعی نمایند ہر گاہ حضور و جمعیت و توجہ و جذبات وواردات لطائف علام أمر را دریابد توجہ بر لطیفۂ نفس نمایند پس بلطائف عالم خلق و دیگر درجات باید نمود کسی را حضور قلب و لطیفہ نفس حاصل شود قابل اجازت است وآنچہ از تقدیر ملائم و ناملائم ظہور نماید شکر و استغفار لازم شناسند مطالعہ وملاحظہ بکنند کہ این ناموافق چرا رسیدہ وازان احتراز واجب شناسند حضرت مولوی بشارت اللہ صاحب سلمہم اللہ تعالی یکسال درین جا بودہ بوطن رفتند خُذِ الْعَفْوَ وَامُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف ۱۹۹) خلق کریم خود نمایند ومرا در دعا یاد دارند چہ خوش بود کہ در بغداد شریف وآن دیار بعافیت رسیدہ اشاعت طریقہ فرمایند از دوستان سلام وبدوستان سلام رسانند۔[168]

ترجمہ: ”نواب شمشیر خان (صاحب رحمہ اللہ) کو ظاہری و باطنی ترقیوں کی دعا اور ان کے عریضہ کے جواب میں بعض تحریر فرمائے: (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) نواب صاحب، بلند مناقب، عالی مراتب، مخلصوں پر مہربانی فرمانے والے، تمام مطالب کی ترقی چاہنے والے نواب شمشیر بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ!

---

[168] (مکاتب شریفہ، مکتوب صدو چہارم، صفحہ ۱۰۷)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ایمان وعرفان میں ایسی ترقی کہ گویا حضرت حق کو مشاہدہ کرتے ہیں، اسلام میں ایسی ترقی کہ ظاہری اعمال میں ایک کامل حصہ حب الٰہی کے ذوق میں بڑھاتے ہیں۔ محبت میں ایسی ترقی کہ دلکشا نالہ سے اندر جلنے کے شوق کو تازہ رکھتے ہیں۔ صداقت میں ایسی ترقی کہ زندگی صدیقوں کے اخلاص پر بسر کرتے ہیں۔ دنیا کے جاہ و دولت میں ایسی ترقی کہ جہاں کو کام بکشی سے معمور رکھتے ہیں۔ عافیت اور کامیابیوں کے لئے دعا کی جاتی ہے اور کامیابی نہیں ہوتی، مگر ان ترقیوں کے حصول سے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان مطالب سے بہرہ کامل عطا فرمائے اور دوام اذکار اور تمام اشغال کو ان مقاصد سے محظوظ فرمائے۔

دو دن ہوئے کہ آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا اور (اس نے) آپ کی بلند صفات والی شخصیت کی خیریت کی خبر دے کر خوشی بہم پہنچائی۔ الحمدللہ! لکھا تھا کہ تین آدمی حافظ قرآن مقرر کر کے باندہ میں بھیجے گئے ہیں۔ ہر آدمی بیس پارے ہر روز تلاوت کرتا ہے۔ اتنی تلاوت مشکل ہو جاتی ہے دو وقت میں منزل پڑھنا آسان رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہی پسند ہے۔ لیکن ہمارے بزرگوں میں خلیفہ رسول اللہ ﷺ امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں ختم فرماتے تھے۔ حضرت غوث الثقلین (شیخ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) اور حضرت خواجہ معین الدین (چشتی) رحمۃ اللہ علیہ ہر روز ایک ختم قرآن فرمایا کرتے تھے۔ اربابِ شوق و محبت جینا عبادت میں گزارتے ہیں۔ بغیر بندگی کے زندگی کام نہیں آئے گی۔ والسلام۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ خوش وخرم رکھے، کہ آپ چشم عنایت کا گوشہ فقیروں کے حال پر رکھتے ہیں۔ اہل خانہ اور تمام عزیزوں کی خدمت میں سلام، شوقِ ملاقات، تاکیدِ نماز و ذکر، (حضرت) محمد ﷺ پر درود و سلام، استغفار، کلمات طیبات اور آنجناب کی رضا (ملاحظہ) فرمائیں۔"

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کہ آنحضرت ﷺ روزے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راامر کردند کہ چادر خود دراز کن ایشان چادر خود دراز کردند پس آنحضرت ﷺ بہر دو دست مبارک خود سہ نوبت نوری انداختند وفرمودند کہ برسینۂ خود بمال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہمچنیں کردند حق تعالیٰ قوت حافظہ چناں ایشان راعطا فرمود کہ ہیچ شی ازیاد نمیرفت چنانچہ ہفت ہزار وپانصد حدیث از آنحضرت ﷺ روایت کردند پس عرضہ نمودہ شد از یںجا معلوم شد کہ توجہ وہمت نمودن ہم مروی از پیغمبر است۔ حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ درجواب عارض فرمودند کہ ازیں حدیث القاء مفہوم میشود کہ آنحضرت ﷺ بسینۂ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کردند لیکن توجہ وہمت آنحضرت ﷺ از حدیث دیگر ظاہر وباہر ست کہ ابن کعب رضی اللہ عنہ راخطرۂ جہالت بدل آمد آنحضرت ﷺ بہمت دست مبارک خود رابقلب ایشان زدند فی الحال از قلب ایشان آن خطرہ مرتفع شد واز سینۂ آن باطل محو شد وگفت **کانی انظر الی اللہ فرقا۔**

ترجمہ: حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی چادر بچھاؤ۔ انہوں نے اپنی چادر بچھائی تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے تین دفعہ اس چادر میں نور ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے کہ ساتھ لگاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس چادر کو اپنے سینے سے لگایا تو اللہ جل شانہ نے آپ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی قوت حافظہ عطا فرمائی کہ کوئی چیز آپ سے نہ بھولتی تھی، جیسا کہ ۵۰۰ ۷ احادیث مبارکہ انہوں نے آپ ﷺ سے روایت کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ توجہ اور ہمت کرنا یہ سب آپ ﷺ سے مروی ہے۔ حضرت غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خط کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے القائے توجہ مفہوم ہوتا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سینہ کی طرف فرمایا۔ لیکن آپ ﷺ مبارک سے توجہ اور ہمت دیگر احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ ابن کعب رضی اللہ عنہ کے دل میں جہالت والی بات دل میں آئی تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پہ مارا تو فی الحال ان کے قلب سے وہ خطرہ اور وسوسہ ختم ہوا اور وہ فرمانے لگے کہ آپ ﷺ کے دست مبارک میرے سینے پہ مارنے سے میرا ایسا حال ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔[169]

مکتوب چہارم:

باین بندہ لاشی عفی عنہ صدور یافتہ درجواب عرضی کہ متضمن بعضی ازحالات قلبی بود دربیان حضور بی غیبت مبراازجہت فوق کہ نسبت نقشبندیہ عبارت ازان است **و استھلاک توجہ و ماینا سب ذلک۔**

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ۔ حضرت سلامت رقعہ شریفہ رسید بمضامین مندرجہ اش مسرور گردانید اللہ تعالیٰ شمارا بمقامات وعلوم ومعارف آباء کرام رساند درسیر قلبی تلوینات بسیار پیش مے آید این ہمہ از تلوینات مبارک است سعی فرمایند وبجناب الٰہی سبحانہ

[169] (حجۃ السالکین فی رد المنکرین، صفحہ ۲۴۷)

التجا نمایند کہ احوال باطن بہ تمکین رسد وحضوری کہ حضرت حق سبحانہ رابذات مبارک است پر توآن بر باطن شریف ظہور نماید حضوری غیبت مبرا از جہت فوق کہ متوہم مے شود دوام پذیرد وشامل جمیع جہات ستہ گردد تانسبت نقشبندی حاصل شود واز کیفیات وحالات گذشتہ بغیر توجہ تام نقد وقت نباشد بلکہ آنہم مستہلک گردہ واین استہلاک علامت تمامی سیر لطیفہ قلبی است والسلام۔

ترجمہ: اس بندۂ ناچیز (حضرت شاہ رؤف احمد رحمۃ اللہ علیہ) کو لکھا گیا، اس التماس کے جواب میں جو بعض قلبی حالات پر مشتمل تھی۔ بے غیبت حضوری، جو جہت فوق سے پاک ہے جس سے مراد نسبت نقشبندیہ ہے اور توجہ کو نابود کرنے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حضرت سلامت رہیں۔ (آپ کا) رقعہ شریف ملا۔ اس کے لکھے گئے مضامین نے خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے آبائے کرام اسلاف کے مقامات، علوم اور معارف تک پہنچائے، سیر قلبی میں بہت سے مقامات پیش آتے ہیں، یہ سب مقامات (فقر) ہیں۔ کوشش فرمائیں، اور جناب الٰہی سبحانہ میں التجا کریں کہ باطنی احوال (مقام) تمکین پر پہنچ جائیں ور حضرت حق سبحانہ کی ذات مبارک کی حضوری کا نور باطن شریف پر ظاہر ہو جائے۔ جہت فوق سے پاک حضور، جس کا وہم ہوتا ہے وہ دوام (ہمیشگی) پائے اور سب چھ جہتوں میں شامل ہو جائے، تاکہ نسبت نقشبندیہ حاصل ہو جائے۔ گزشتہ کیفیات وحالات کامل توجہ کے بغیر ہاتھ نہیں لگتے، بلکہ وہ بھی نابود ہو جاتے ہیں اور یہ نابودی لطیفہ قلبی کی سیر کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔ والسلام۔[170]

---

[170] (مکتوب نمبر ۴ ص ۱۸)

صاحبزادہ حافظ شاہ ابو سعید دہلوی نقشبندی مجددی جو کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں

آپ لکھتے ہیں کہ:

ارباب قلوب کے سیر و سلوک کے بیان میں ولایت صغریٰ کے دائرہ میں واقع ہوتا ہے، حضرت پیر دستگیر اور آپ کے خلفاء کا معمول یہ ہے کہ شروع شروع میں طالب کے لطائف میں ذکر ڈالنے کیلئے توجہ فرماتے ہیں، اور توجہ دینے کا ان کے ہاں طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو اسکے قلب کے مقابل کر کے جناب الہی سے بتوسل مشائخ کرام یوں عرض کرے کہ خداوند! جو انوار ذکر پیران کبار سے مجھ کو حاصل ہوئے ہیں اور میرا دل ان سے منور ہو چکا ہے، تو اس طالب کے دل میں ڈال دے اور ان سے ان کے دل کو منور فرما دے۔ پھر اپنی توجہ و ہمت بڑے زور سے طالب کے قلب کی طرف مصروف رکھے، حق سبحانہ سے قوی امید ہے کہ چند ہی بار کی توجہ سے اس کے قلب کے اندر ذکر کی حرکت پیدا ہو جائے گی، پھر اسی طرح اپنی روح کو اس کی روح کے مقابل رکھ کر توجہ کرے اور خیال میں لائے کہ پیران عظام کے ارواح شریفہ سے جو نور ذکر میرے لطیفہ روح میں پہنچا ہے، میں اس کو اس طالب کے روح میں القاء کرتا ہوں۔ اور اسی طرح اس کے دوسرے لطائف (سر و خفی و اخفیٰ و لطیفہ نفس و قالب) پر متوجہ ہو کر ذکر القاء کرے۔ پھر طالب کے تمام لطائف میں ذکر جاری ہونے کے بعد نفی و اثبات کا ذکر تلقین فرما کر جمعیت و حضور کی نسبت القاء کرے۔ دل کے بے خطرہ یا کم خطرہ ہونے کو جمعیت کہتے ہیں، اور حضرت حق تعالیٰ کی طرف طالب کے دل میں توجہ پیدا ہونے کو حضور کہتے ہیں۔ اور جب طالب کے قلب میں حضور و جمعیت پیدا ہو جائے تو شیخ مرید کے قلب کو اپنی ہمت اور توجہ سے فوق (اوپر) کی طرف جذب فرمائے (کھینچ لے)۔ (مصنف رحمۃ اللہ

علیہ) میں نے اکثر طلاب کو دیکھا ہے کہ اول جذب کا ادراک کرتے ہیں، اور جب لطیفہ قالب سے بر آمد ہوتا ہے تب نسبت حضور دریافت کرتے ہیں، شیخ کو لازم ہے کہ اسی طرح جس مقام کے فیض کے واسطے توجہ کرے پہلے اپنے تئیں اس مقام کے فیض کے رنگ سے رنگین کر کے اس مقام کا فیض طالب کے باطن میں القاء کرے۔ علاوہ بر آں اس فیض کے مورد کو بھی ملحوظ رکھے۔[171]

فیض القاء کرنا:

ملفوظات غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المعروف درالمعارف میں ہے کہ حضرت شاہ گل محمد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے طریقہ توجہ کے بارے میں پوچھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو طریقہ ہم تک پہنچا ہے وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے ارواح طیبہ کیلئے فاتحہ خوانی کرے یعنی حضور امام الانبیاء سید الاصفیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیران کبار اور صاحبان اسرار خصوصاً خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ ،خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے فاتحہ خوانی کرے اس کے بعد بارگاہ خداوندی میں دست دعا دراز کر کے عاجزی پیش کرے اور اپنے مشائخ سے مدد طلب کرنے کے بعد قلب طالب کی طرف متوجہ ہو حضرت غلام علی شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب کو قلب طالب کے سامنے کر کے توجہ ڈالتا ہوں اور ذکر کا نور اپنے مشائخ عظام کے ذریعے عاجز کے دل میں آیا ہے اسے طالب کے دل میں القاء کرتا ہوں، یہاں تک کہ

[171] (ہدایۃ الطالبین ص ۳۲-۳۱)

طالب کا قلب ذاکر ہو جاتا ہے، اس طریقے کے مطابق لطیفہ روح سری خفی اخفیٰ کے ذریعے ذکر القاء کرتا ہوں۔[172]

تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن فرمایا کہ عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہر وردی سے منقول ہے کہ ایک سانپ ہوتا ہے اس کی نظر میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ جس چیز پر اس کی نظر پڑتی ہے وہ اس وقت جل جاتی ہے جبکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک حیوان کی نظر میں یہ تاثیر رکھی ہے تو ایک کامل کی نظر میں جو کہ اشرف موجودات ہے کیا کچھ تاثیر ہو گی۔ جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے وہ احمق ترین آدمی ہے بلکہ اللہ والوں کی نظر میں تو ایسی تاثیر ہوتی ہے جس پر پڑ جائے اسے کمال حاصل ہو جائے۔

آناں کہ خاک را بہ کیمیا کنند — سگ را ولی کنند مگس را ہما کنند

آناں کہ چشم را بہ دو صد حیلہ راکنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند[173]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب شاہ عبد الرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجمالاً اور ان کے بعض احباب سے تفصیلاً سننے میں آیا ہے کہ سرہند کا ایک شخص طبعی طور پر منکر ولایت تھا پہلے پہل ایک بزرگ سے بیعت کر کے اس سے فیضان حاصل کیا اتفاقاً عید کے دن شیخ بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

---

172 (در المعارف فیض نقشبند ملفوظات غلام علی شاہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ مترجم مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہ جھان پوری ص ٤٦)

173 (تذکرہ خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، مترجم صاحبزادہ محمد حسین للہ شریف)

علیہ کے صاحبزادہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیاتوانہوں نے فرمایا:میاں دیر سے آئے ہو کہاں تھے اس قسم کے جملے ازراہ تلطف فرمائے تواس کا دل ان کی طرف پھر گیااورآناجاناشروع کردیا۔پہلے بزرگ کے ہاں آنے جانے میں کمی کردی۔جب اسے یہ قصہ معلوم ہوا۔(اس بزرگ کو)تووہ توجہ کے ذریعے شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے ہلاک کرنے پر کمربستہ ہوگیا۔انہوں نے مدافعت کی یہاں تک کہ اس کا بھیجاہواا ثراسی پرپلٹااوروہ ہلاک ہوگیا۔اس کے بعد وہ مرید اس طرف حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتارہا۔کافی مدت کے بعد ادھر سے بھی (حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ)سے اس کے دل میں شک واضطراب پیداہوا الغرض اس طرح وہ درویشوں کے ہاں آتاجاتااورانکارکرتارہااس سبب سے کوئی نفع نہ حاصل کرسکاایک دن میرے پاس آیااورکہنے لگاکہ کوئی شخص بھی صاحب تصرف نہیں ہے یہ سن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تووہ بےخودہوگیااوراسی بےخبری کے عالم میں دیکھاکہ گویااسے سبز خلعت دی گئی ہے جب اسے افاقہ ہواتواس کادیکھاواقعہ بھی میں نے اسے بیان کردیااس نے واقعہ سن کراعتراف کیامگر فطرتاً منکرولایت ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کرسکاکاتب (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)کہتاہے کہ یہ واقعہ طویل ہے مگر مجھے سبز خلعت والے جملے تک ہی یادرہ سکا۔حضرت والدصاحب سے اجمالاًاوران کے بعض دوستوں سے تفصیلاًیہ بھی سناگیاکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک بکری پر حالت غلبہ میں توجہ کی تواس پرایک عجیب حالت طاری ہوگئی،کئی دن اسے گھاس اورپانی کاشعورتک نہ رہااور بالآخر مرگئی۔[174]

[174] (انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ،مترجم سید محمد فاروق قادری ایم اے ص ۱۲۹)

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مجذوب نے سوال کیا کہ اگر اولیاء کرام اپنے تصرف اور توجہ سے لوگوں کی زندگی بدلتے ہیں تو سب کی زندگیاں کیوں نہیں بدلتے۔ کتنے خالی لوٹتے ہیں اور اگر یہ لوگ تصرف نہیں کر سکتے ہیں تو لوگ ان کے پاس کیا لینے آتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فرمایا کہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم مشائخ عظام طبیب قلبی ہوتے ہیں دوا تجویز کرتے ہیں نسخہ بناتے ہیں لیکن آنے والا دوائی کے اجزاء خود لاتا ہے، مثلاً ایک آدمی کے پاس ہرڑا اور نمک ہے تو طبیب ان دونوں چیزوں کی ترتیب ٹھیک کر کے جو نسخہ بن سکے گا وہی بنائے گا اور جو مریض آٹھ یا دس مختلف جڑی بوٹیاں لاتا ہے اسے ان کے مطابق نسخہ تیار کر دے گا اور ان کے پاس کوئی اجزاء نہ لے کر آئے تو اپنی طرف سے اسے کوئی چیز نہیں دے گا آپ نے یہ مثال دے کر واضح کیا کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق حاصل کرتا ہے اور کسی میں بالکل استعداد نہیں ہوتی وہ محروم رہتا ہے۔[175]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

کہ سیدنا غوث اعظم جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ اپنی محفل میں پہلے وعظ فرماتے تھے پھر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قیل و قال کا وقت اب ختم ہو گیا ہے اور حال کی طرف آتے ہیں تو مجمع میں آہ و بکاء شروع ہو جاتی کچھ لوگ تڑپتے کچھ کپڑے پھاڑ دیتے اور دوڑ کر جنگلوں میں چلے جاتے اور کچھ مر جاتے تھے۔[176]

بعض سیرت نگاروں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ شہادت کی انگلی کے اشارے سے **لا الہ الا اللہ** فرماتے اور مجمع میں مختلف کیفیات کا ورود ہوتا۔

---

[175] (مکتوبات حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ)

[176] (اخبار الاخیار شیخ محدث عبد الحق دھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ،،لمعات ،،میں نقل فرماتے ہیں کہ سارے اولیائے امت اوراصحاب سلاسل میں جن کی روحانیت کا مقام سب سے بلند ہے اور جنکی قوت نسبت سب سے اتم واکمل ہے وہ حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں بزرگوں نے ارشاد فرمایاہے کہ وہ اپنی قبر مبارک میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔

سلطان احمد فاروقی سیالوی اپنی کتاب ''چشت اہل بہشت''میں نقل کرتے ہیں کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو آدمی ہاتھ ملاتا تھااس پر رونے کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اوراس کے باطن میں عجیب ذوق پیدا ہو تا تھا۔[177]

سیر العارفین میں درج ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی وفات پاگئے وہ بہت امیر اورایک لمبے چوڑے باغ کے مالک تھے والد صاحب کی یہ تمام جائیداد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں آئی۔ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ اس موروثی باغ میں بیٹھے تھے کہ خواجہ ابراہیم مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا گزر وہاں سے ہوا جو کامل ترین ولی اللہ تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کی تعظیم کے لئے اٹھے ،بڑی تواضع کے ساتھ انہیں بٹھایااوراپنے باغ سے انگور کے کچھ خوشے چن کر ایک پلیٹ میں رکھ کر ان کی خدمت میں پیش کئے ۔خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے انگور خوشی سے تناول فرمائے۔پھر انہوں نے اپنی بغل میں سے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اورآپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیااس ٹکڑے پر انہوں نے لعاب دہن بھی لگادیا مذکورہ ٹکڑا کھاتے ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا باطن روشن ہو گیااور دنیاوی جائیداد سے دل اچاٹ ہو گیا۔چنانچہ

---

[177] (چشت اھل بھشت،سلطان احمدفاروقی سیالوی)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ باغ غربا میں تقسیم کر دیا اور خود سفر پر روانہ ہو گئے۔ روٹی کے ٹکڑے سے دل کی دنیا بدلنا تصرف کی کیفیت ہے۔[178]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی توجہ کا طریقہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہی لکھا ہے۔[179]

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نسمات القدس میں لکھتے ہیں کہ:

حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کبار مشائخ متقدمین میں سے کسی کی عظمت کے احوال سنا رہے تھے کہ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آپ کو بھی یہ بلند مرتبہ حاصل ہوتا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اسی لحظہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا پاؤں حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پیر کی پشت پر رکھ دیا اسی وقت حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کو وہ تمام برکات حاصل ہو گئیں جو ان بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کو اتنے زیادہ سالوں کی ریاضت کے بعد حاصل ہوئی تھیں۔ نیز حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معاملات عظیمہ کے حصول کی محبت کی زیادتی اور حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے رابطے کے بعد ایک دن حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا:

"تو مارا دوست می داری۔ یا ماترا معروض داشتم کہ من ایشاں را دوست میدارم"۔

(تو مجھے دوست رکھتا ہے یا میں تجھ سے کہوں کہ میں انہیں دوست رکھتا ہوں) اور پھر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لمحہ تصرف فرمایا کہ میں نے اپنے دل و جان کو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت سے خالی پایا یعنی حضرت خواجہ کی وہ محبت میرے دل سے اچانک غائب ہو گئی۔ ناچار میں

---

[178] (سیر العارفین)

[179] (کلیات امدادیہ)

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں پر گر گیا اور معذرت کی یہاں تک آپ رحمۃ اللہ علیہ پھر وہ محبت دوبارہ عنایت فرمادی کہ ہمیشہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محبتِ یقینی صمیمی قدیمی وجدیدی میں سرشار رہا۔ اگرچہ حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے اوران کے چاند نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آفتاب سے کسب نور کیا تھا۔ آپکا بھی عظیم درجہ تھا، فرماتے ہیں ":بہ عنایت حق سبحانہ وتعالیٰ و نظر عنایت بزرگ قدس سرہ اگر اختیار کنم ہمہ عالم مقصود حقیقی واصل شوند،،(حق سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے اور حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کرم سے اگر چاہوں تو سارا عالم مقصود حقیقی پالے اور واصل ہو جائے۔)اور آپ نے ایک بیت بھی ارشاد فرمایا۔

گر نشکستے دل دربان راز　　　قفل جہاں را ہمہ بکشودمے

(اگر دل دربان رازنہ فاش کر دیتا تو میں تمام دنیا کے قفل کھول ڈالتا)

حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

حضرت خواجہ پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس عنایت کی توجۂ خاص کی بناء پر فرمایا کہ "ہرچہ گوید ہمہ شود،،(آپ جو کہتے وہ ہوتا) کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ شریف سے دوسرے کو یہ مرتبہ حاصل ہو جاتا تو پھر خود آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ کیا ہو گا۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں مذکور ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاضر وغائب ،موجود و غیر موجود مریدوں کی جزئیات وکلیات کو ان سے بہتر جانتے تھے چنانچہ ایک بار دور دراز کے سفر کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخلص جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

’’احوالیکہ دریں مدت بر تو گزشتہ است تو میگوئی یا ما میگوئم‘‘۔

(جو حالات اس مدت میں تم پر گزرے ہیں میں بتاؤں یا تم بتاؤ گے۔)

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود بیان فرمانا شروع کر دیتے اور ارشاد فرماتے:

"روئے زمین در نظر ما چوں روئے ناخن است۔"

(روئے زمین ہماری نظر میں روئے ناخن کی طرح ہے۔)

پس باوجود باطنی احوال، ظاہری متابعت، علوم رتبت، تصرفاتِ کونیہ و تصرفاتِ ارشادیہ وکشوفات عالیہ کے ظہور و انکسار و دیدِ کسور احوال آپ رحمۃ اللہ علیہ پر کچھ اس طرح درجہ غالب تھے کہ بیان سے باہر ہے۔

سید کائنات ﷺ ایسے مرتبہ پر فائز تھے کہ تمام عالم اور جمیع مخلوقات کو وجود آپ ﷺ کے وجود کے طفیل ملا کہ آپ ﷺ باعثِ تخلیق کائنات ہیں اور محبوبیت کے اعلیٰ درجے پر فائز۔

حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے غایتِ قوتِ مناسبت اور مرتبہ محبوبیت کی بناء پر فرماتے ہیں:

یالیت رب محمد لم یخلق محمدا۔

(اے کاش! محمد ﷺ کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا۔)

خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی محمد تھا۔ اس عبارت میں خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذات ہی مراد لی ہے، معاذاللہ یہ بات حضور اکرم ﷺ کیلئے نہیں کہہ رہے۔ اور غایت خضوع اور انکساری کی بناء پر اس حدیث کو بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے۔

انہ لیغان علی قلبی و انی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ۔[180]

[180](مسلم، کتاب الذکر، باب ۱۲ رقم الحدیث ۲۷۰۲)

ترجمہ: ”میرے دل پر کبھی بادل چھاجاتے ہیں اور میں ہر روز ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں“۔

اور ابتداء میں تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں اتنا خشوع اور اتنی خاکساری تھی کہ قوت بشری سے بھی بعید ہے۔ یہاں تک کہ زخمی خارش زدہ کتے کو بھی اگر آپ دیکھ لیتے تو جبکہ دوسرے لوگ تو اس کے پاس جانا بھی پسند نہ کرتے آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دست مبارک سے اسے دھوتے اور اس پر مرہم رکھتے۔ نیز خود کا انتہائی کم درجہ کی مخلوقات اور معمولی جانوروں سے موازنہ کیا کرتے اور خود کو سب سے کمتر جانا کرتے تھے۔ آخری عمر میں انتہائی انکساری کی بناء پر آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے۔

”بایں مہ خرابی وافلاسی و بیحالی وعاجزی کہ من دارم لیاقت ندارم کہ کسے سلام مرا جواب گوید و حق تعالیٰ مرا در میان خلق رسوا کردہ است و مردم را بمن مشغول گردانیدہ“۔

ترجمہ: میری اس تمام خرابی، افلاس، تہی دامنی اور عاجزی و مسکینی کے باعث مجھ میں اتنی بھی لیاقت نہیں کہ کوئی میرے سلام کا جواب دے۔ حق تعالیٰ نے مجھے مخلوق میں رسوا کیا ہے کہ لوگوں کو میرے ساتھ مشغول کر دیا ہے کہ مخلوق کا میری طرف یہ رجوع ہے،، اسی فروتنی وانکساری کے باعث جب ایک شخص نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کرامات کا مطالبہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

کدام کراماتِ مابرابر آنست کہ بایں بار گناہ بر زمین می رویم فرو نمی شویم

ہمہ

"ہماری کونسی کرامت اس کے برابر ہے کہ گناہوں کے اس تمام بوجھ کے باوجود ہم زمین پر چل رہے ہیں اور دھنس نہیں جاتے"۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"نفی وجود نزد ما اقرب طرق است و ایں جز بترک کاروبار و دید قصور اعمال میسر نہ شود"۔

(ہمارے نزدیک وجود کی نفی سب سے زیادہ قریب کا راستہ ہے اور یہ ترکِ کاروبار اور انکسار کے بغیر میسر نہیں)۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"در عبادت طلب وجود ست و در عبودیت تلف وجود تا ہستیٔ ما با ماست ہیچ عمل نتیجہ نہ دھد"۔

(عبادت میں وجود کی طلب ہے اور عبودیت میں وجود کا مٹنا اور ختم ہو جانا۔ جب تک ہماری ہستی ہمارے ساتھ ہے یعنی اس کا احساس ہم میں موجود ہے، اسوقت تک کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔ اسکا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا)

ازراہ بردباری و تحمل اور استقامتِ احوال کیلئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"درویش در مقام بارکشی باید کہ چوں دہل باشد کہ ہرچند طبانچہ خورد صدائے مخالف از وظاہر نشود"

(درویش کو چاہئیے کہ اپنے آپ کو مقامِ بارکشی میں جانے۔ بوجھ کھینچنے والے بچھڑے کی طرح کہ جب ڈھول بجے یہ کتنے ہی طمانچے کھائے مگر کوئی مخالفانہ آواز اس سے ظاہر نہ ہو۔) آں سرور ﷺ کی کمالِ اتباع کے باعث باوصف اسکے کہ آخر زمانے کے تقاضے بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ

کے ساتھ تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہری فقر بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی فقر کی طرح کامل تھا۔وہ کہا گیا۔اذاتم الفقر فھو اللہ۔(جب فقر مکمل ہو جائے تو وہ اللہ ہے یعنی ظاہر و باطن کا فقر سب اللہ کی رضا کیلئے) آپ رحمۃ اللہ علیہ پر پوری طرح صادق آتا تھا۔چنانچہ سالہاسال آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بوسیدہ عمامہ اور پرانی پوستین میں گزارے ہیں۔اور کئی شب وروز ایک پرانا کپڑا آپ رحمۃ اللہ علیہ کالباس رہا۔سخت سردی کے موسم میں بھی گھاس آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تکیہ کی جگہ ہوتی اور پرانا بوریا اور پانی کالوٹا۔اس تمام فقر کے باوجود خلق نبوی ﷺ کا شیوہ اپناتے ہوئے مہمانوں اور درویشوں پر خرچ کرنے میں بڑی سعی فرماتے تھے اور خود بنفس نفیس مہمان اور اس کی سواری کی خدمت کرتے۔اپنی روزی کے حصول کیلئے قلیل زراعت کرتے اور خود زمین کاشت کرتے۔مزاج کی اس تمام لطافت کے باوجود سورج چمک رہا ہوتا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ زراعت میں سعیٔ بلیغ فرمارہے ہوتے اور اپنے ظاہری وباطنی احوال کے چھپانے میں پوری کوشش فرمایا کرتے تھے۔چنانچہ ایک عالم کئی سال آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک گھر میں رہے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال اور کمال پر مطلع نہ ہو پائے۔

اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک ایک مخلص بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت خواجہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے گزشتہ ادوار میں بڑے بڑے بزرگ ہوئے مگر یہ شہرت جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو دوسو سال میں ملی کہ ماوراء النہر کے تمام تشنہ لب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی رحمت خاص کی نہر سے سیراب،ترکستانیوں کے دل آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جذبۂ اخلاص سے ترکتاز،کاشغر وخطاوالوں کی مشام جان آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نافۂ نسبتِ روح سے معطر،ختن والے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آفتاب ہدایت سے منور،ساکنانِ عراق کی عروق جان (رگیں) آپ

رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کی حبل متین (مضبوط رسی) سے مضبوط و متیقن،شام والوں کے دل آپ رحمۃ اللہ علیہ کی چودھویں رات کی روشنی سے روشن، مصر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی برکات کی مٹھاس سے شیریں کلام،اہل روم الغ بحکم آیت کریمہ **اذا غلبت الروم** آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مغلوبِ محبت، سیستان زابلستان میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت و ناموری ایسی گویا نصف النہار کا سورج، کابل و کشمیر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رخسار مبارک سے رشک کے باعث ارغوانی و زعفران زار،اہل مملکت ہندوستان،مانند طوطی شیریں مقال آپ رحمۃ اللہ علیہ جیسے تاج الرجال کی مدحت میں نغمہ سنج قدس اللہ سرہ الاقدس۔تو اس سوال کے جواب میں مخلص بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ صاحب برکات نے اپنی تمام زندگی اپنے احوالِ فضل و کرامات کو مخلوق خدا سے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں پوری پوری کوشش فرمائی تو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس کی مکافات میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مثل چاند سورج کے ظاہر فرمایا اور دنیا والوں کے کانوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت ڈال دی۔

ایک دوسرے شخص نے اس فقیر راقم (حضرت ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھا کہ اللہ پاک کی صفتِ کاملہ میں سے ایک صفت کلام بھی ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ہمیشہ متکلم ہے اور خرس و سکوت اس کی صفت نہیں پس جو بزرگ اخلاق الھیہ سے متخلق ہوں انہیں چاہیئے کہ سکوت کے مقابلہ میں کلام کرنے کو پسند کریں حالانکہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ سکوت و خاموشی ہے۔اس عاجز نے حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ و امداد سے جواب دیا کہ وہ کلام الٰہی جسے تم نے کلام سمجھا ہے وہ حرف و آواز والا کلام نہیں بلکہ اس سے وراء الوراء ہے اور کلام بشر سے مختلف ۔حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اورآپ رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین نے اس لئے ایسے کلام

کو چھوڑا ہے جو کلام بشر کی طرح حرف و آواز والا ہو اور ایسے کلام کو اختیار کیا ہے جو کلام بیچون الٰہی کی طرح ہے۔ اس طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ ایسے کلام کے تخلق کے باعث متخلق باخلاق الٰہیہ ہیں تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تو در حقیقت اصل کی طرف گئے ہیں ۔ مختصر یہ کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت و بزرگی تحریر و بیان سے باہر ہے۔ قیامت تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت کی نشانیاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات و معونت و امدادان پر بھی جو دور ہیں اور ان پر بھی جو قریب ہیں ظاہر و آشکار ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت کے تصرفات آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بھی ظاہر ہوئے ہیں جو مختلف رسائل میں بیان ہوئے ہیں۔ بعض بزرگوں نے وہ خود دیکھے اور بعض نے دوسرے صادق القول حضرات سے سنے ۔ اگر ہم انہیں بیان کرنا شروع کریں تو دفتر کے دفتر مرتب ہو جائیں۔ میں صرف ایک قصہ اور ایک کرامت کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس فقیر کے ایک مخلص بخاری بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً و تکریماً (اللہ تعالیٰ ان دونوں کے شرف و عزت کو زیادہ کرے) سے واپس ہو رہے تھے کہ ضرورت وقت کے پیش نظر انہوں نے ساتھیوں سے ایک خاص کشتی میں بیٹھنے کیلئے کہا۔ ساتھیوں نے جو تعداد میں تقریباً پچاس تھے شروع میں انکار کیا لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو وہ سب ناچار اس کشتی میں بیٹھ گئے۔ حالت سفر ہی میں تھے، دریائے شور میں پہنچنا تھا کہ اچانک زبردست ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں بادل کی گرج اور پھر طوفانِ بادوباراں اور بجلی کی زبردست کڑک، شدید تاریکی، کشتی والوں کی جان پر بن گئی اور انہوں نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ مجبوراً میرے کہنے سے وہ کشتی میں بیٹھے تھے۔ میں بھی زندگی سے مایوس ہوا کہ اچانک مجھے خیال آیا کہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ تو ہندو اور فرنگیوں کی پکار پر بھی ان کی مدد فرماتے ہیں مگر کیا ہم ان سے بھی کمتر ہیں اور اس غوث

الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہمارا اخلاص ان غیر مسلموں سے بھی کم ہے کہ وہ ہماری دستگیری نہ فرمائیں گے اور اسی طرح غرق ہونے دیں گے میں نے یہ کہا اور اسی جوش میں میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار فائض الانوار کا تصور کیا اور میں اسی تصور میں گم ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ نورانی شکل پانی کی سطح پر نمودار ایک کشتی میں بیٹھے عجلت کے ساتھ ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں ۔مجھے غیب سے القاء ہوا کہ یہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور تمہاری مدد کو تشریف لائے ہیں جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نزدیک ہوئے تو میری جانب تبسم فرمایا۔ میں نے شکوہ کیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ تو دشمنوں کی بھی مشکل آسان فرماتے ہیں ۔میری اس مشکل میں مدد فرمائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پھر تبسم فرمایا اور شفقت فرمائی کہ خاطر جمع رکھو ہم اسی مقصد سے آئے ہیں مجھ پر عجیب جوش اور سکر کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو دیکھتا ہوں کہ نہ وہ بارش، نہ وہ کڑک، نہ بجلی، نہ وہ طوفان، نہ وہ تاریکی ۔میں چلایا۔ ساتھیو خوشخبری ہو کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مدد کو آپہنچے ہیں اور ہم سب غرق و ہلاکت سے بچ گئے ہیں۔ خوش ہو جاؤ، شکر بجا لاؤ اور جان و دل سے حضرت کی نذر کر دو وہ سب بے اختیار رو پڑے۔ شکر بجا لائے اور غریبوں کو کھانا کھلانے کی جو منتیں مانی تھیں ساحل پر آکر وہ پوری کیں۔ **الحمدللہ علی انعائہ بتوسط اولیائہ۔** (خدا کی نعمتوں کا شکر اسکے اولیاء کے توسط سے) ایک اور بزرگ رحمۃ اللہ علیہ جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رابطۂ طریق رکھتے تھے اپنا ایک کشف اسطرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب نماز تہجد کے بعد میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔ اولین و آخرین ایک میدان میں جمع ہیں۔ دھوپ کی تیزی کا یہ عالم کہ بیان سے باہر اور دور ایک بار گاہ ہے عظیم اور عجیب۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ بار گاہ شفاعت محمدی ﷺ ہے **علی صاحبھا الصلوۃ والسلام** ۔اسی دوران ایک عجیب سا زلزلہ اور زبردست

شوراٹھا کہ لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ یہ کیا چیز ہے۔لوگ کہنے لگے یہ دوزخ ہے۔اسے زنجیروں میں جکڑ کرلایا گیاہے اور میدان حشر کے کناروں سے اسے گزار رہے ہیں۔اسی دوران میں نے دیکھا حکم ہوا تمام کافروں کو دوزخ میں ڈال دو اور حساب کتاب کیلئے ایک گروہ پر نظر رکھو چنانچہ انتہائی ذلت کے ساتھ کفار کو جہنم کی طرف گھسیٹا گیا۔اسی دوران ایک شخص کو گھسیٹ کر لے جارہے تھے اور وہ گڑگڑا رہا تھا۔ہر ایک نے اپنے نیک اعمال کا جائزہ لیا مگر ان سے کچھ فائدہ نہ ہو سکا کہ ناگاہ اس نے کہا۔میں نے ایک بار پانچ فلس (پیسے) نذر خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کیے تھے کہ وہ خدا کے کامل دوستوں میں سے ہیں۔چنانچہ فرمان صادر ہوا کہ اس پر نگاہ رکھو پھر مجھے معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا معاملہ گزرا۔ہاں میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ اے کاش ہم دنیا میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے منسلک ہوتے۔شاعر نے خوب کہا:

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است بانگ او کردم اگر در دہ کس است!

میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں خود کو ان کے زیر فرمان کر دوں، اگر دس میں سے کوئی ایک ہے تو میں اسی کا نعرہ ماروں۔

اور فرمایا:

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

کاملین کے مرتبہ کو ناتجربہ کار و ناپختہ کیا سمجھے۔پس گفتگو مختصر کر کے والسلام کہنا ہی بہتر ہے۔[181]

---

[181] (نسمات القدس ص ۶۵)

اللہ کے ولی کی توجہ سے پتھر دو ٹکڑے ہو گیا:

علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن علی بن یوسف بن جریر، قدس سرہ، شطنوفی فرماتے ہیں:

اجتمع الشیخ علی بن وھب، والشیخ عدی ابن مسافر، والشیخ موسی الزولی رضی اللہ عنھم، عند صخرۃ عظیمۃ، بجبل السلو، ببلاد المشرق، فقالا للشیخ علی بن وھب: ما التوحید؟ فقال: ھکذاو اشار بیدہ الی تلک الصخرۃ، قال: اللہ فانفلقت نصفین، وھی الی الآن معروفۃ، یصلی الناس بین نصفیھا۔

ترجمہ: شیخ علی بن وہب، شیخ عدی بن مسافر اور شیخ موسی زولی رحمہ اللہ ایک بڑے پتھر کے پاس جو کہ "السلو" بلاد مشرق میں تھا جمع ہوئے پھر ان دونوں نے شیخ علی بن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ توحید کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس طرح، اور اپنے ہاتھ سے اشارہ اس پتھر کی طرف کیا اور کہا اللہ: پھر وہ پتھر دو ٹکڑے ہو گیا اور وہ اب تک مشہور ہے لوگ ان دونوں کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔[182]

جس طرح اولیاء کرام رحمہم اللہ اجمعین اپنی توجہات کی برکات سے لوگوں کے دلوں کو منور فرماتے ہیں اسی طرح توجہ سلبی بھی فرماتے ہیں لیکن یہ توجہ یا تو منکرین کو زیر کرنے کیلئے یا کسی حکمت کی بناء پر یا کسی کو راہ راست پر لانے کیلئے توجہ فرماتے ہیں۔

توجہ کے ذریعے شیخ رضی اللہ عنہ کا شیخ شہاب الدین سہروردی کے سینہ سے علم کلام کو دور کرنا:

امام ابو الحسن الشطنوفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خبر دی ہم کو ابو محمد حسن بن ابی عمران موسیٰ بن احمد قرشی خالدی اور ابو محمد سالم بن علی بن عبد اللہ دمیاطی نے قاہرہ میں ۶۷۱ھ میں ان دونوں نے

[182](بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار، ص، ۴۳۱، مؤسسۃ الشرف بلاھور، باکستان)(امام اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، ص: ۴۶۴)

کہا کہ خبر دی ہم کو شیخ عالم ربانی شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد عبد اللہ سہر وردی نے کہا کہ خبر دی ہم کو حسن نے حلب میں ۶۱۸ ھ میں کہا خبر دی ہم کو سالم نے بغداد میں ۶۱۴ ھ میں کہا کہ میں اس حالت میں کہ جوان تھا علم کلام میں مشغول ہوا اور اس میں میں نے بہت سی کتابیں حفظ کیں اس میں فقیہ بن گیا میرا چچا اس پر مجھے بہت جھڑ کتا رہتا تھا لیکن میں باز نہ آتا تھا وہ ایک دن مجھے ساتھ لیکر حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ کی زیارت کو آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے عمر! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایماندارو! جب تم رسول ﷺ سے تخلیہ میں باتیں کرنے آؤ تو صدقہ دے لیا کرو۔ اور ہم ایک ایسے شخص کی خدمت میں چلے ہیں کہ اس کا دل خدا تعالیٰ کی طرف سے باتیں کرتا ہے تم سوچو کہ ہم ان کی خدمت میں کیسے جاتے ہیں کہ ان کی زیارت کی برکت حاصل کریں پھر جب ہم ان کی خدمت میں بیٹھے تو میرے چچا نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! یہ عمر میرا بھتیجا ہے علم کلام میں مشغول ہے میں اس کو منع کرتا ہوں لیکن یہ باز نہیں آتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر! تم نے کون کون سی کتاب علم کلام کی حفظ کی ہے میں نے کہا فلاں فلاں کتاب۔ تب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر پھیرا تو خدا کی قسم اس علم کو میرے سینہ سے ایسا نکالا کہ مجھ کو ایک لفظ بھی اس کا یاد نہ رہا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ تمام مسائل بھلا دیئے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں اسی وقت علم لدنی بھر دیا پھر میں آپ کے پاس سے اٹھا تو حکمت کی باتیں کرتا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ اے عمر تم عراق میں سب سے آخر میں مشہور ہوں گے وہ کہتے ہیں کہ شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ سلطان حقیقت اور حقیقتِ وجود میں تصرف کرنے والے تھے۔[183]

---

[183](بھجۃالاسرار ص ۶۵)

شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی فردوسی قدس سرہ کے ملفوظ "گنج لا یخفیٰ" میں منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ایک مجلس میں ہم جنب وہم پہلو تشریف فرماتھے کہ اس اثنامیں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور دونوں بزرگوار کے بیچ میں بیٹھ گئے اور حضرت شیخ الشیوخ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں جو حضرت کے ہم پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔"شیخ الشیوخ نے فرمایا"ایشان از خلفائے بندگی خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی اند۔امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیابم عرفت اللہ کہ آپ نے خداکوکس طرح اور کس دلیل سے پہچانا۔حضرت نے جواب دیا کہ "بالواردات الالھیۃالغیبیۃالتی لاتحملھاالافھام الضعیفۃ" یعنی ہم نے خداکی معرفت ان واردات الہیہ غیبیہ کے ذریعہ سے حاصل کی جوافہام ضعیفہ کے ادراک وتحمل وطاقت سے باہر ہیں۔امام رازی یہ جواب سن کرعالم حیرت میں آکرساکت ہورہے۔اس واقعہ کودیگرکتب میں تفصیل کے ساتھ یوں لکھاہے کہ اس مجلس میں بڑے بڑے مشائخ وعلماء حاضرتھے۔امام رازی علیہ الرحمۃ نے مشائخ طریقت پر علمی تفوق اور عالمانہ شان کااظہارچاہااور علمی مباحث پر گفتگو فرمانے لگے۔پہلے شیخ الشیوخ کو مخاطب فرماکرکوئی مسئلہ پوچھا شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ پیرایہ میں اسکاجواب شافی دیدیالیکن امام فخر الدین رازی نے اس پر اکتفانہ کی اور طول طویل تقریریں کرنے لگے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کی طرف متوجہ ومخاطب ہوئے،آپ کو یہ بحث مباحثہ ناگوارخاطرعاطرہوا۔ظاہراًسکوت اختیارفرمایااورزبان مبارک سے کوئی جواب نہ دیامگران کے باطن کی طرف ایک نگاہ کی اورانکے قلب کی طرف متوجہ ہوگئے تمام علم وفضل سب سلب ہوگیاامام رازی خود فرماتے ہیں کہ اس وقت میراعجب حال ہوگیاتمام علوم میرے دل سے مٹ گئے

سارا علم غائب ایک حرف حروف تہجی کا یاد نہ آتا تھا مناقب الاصفیاء میں ہے چنانچہ امام فخر الدین رحمہ اللہ خود در رسالہ آوردہ است کہ ہر چند اندیشہ مے کردیم کہ مرا حرفے از حروف تہجی یاد آید نمی آمد غرض امام رازی سخت گھبرائے اور توبہ واستغفار کیا اور بعد برخاست مجلس شیخ نجم الدین کبریٰ کے حضور میں حاضر ہو کر باکمال ادب نہایت معذرت وعذر خواہی کی شیخ نے فرمایا اور تمام علوم وفنون اپنے سینے میں موجود پائے اس واقعہ کے بعد امام فخر الدین رازی آپ سے نہایت ہی عقیدت رکھنے لگے اور باکمال ادب آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہیں جیسے کہ امام سبکی رحمہ اللہ نے طبقات ج۶ص ۱۱ میں لکھا ہے کہ اس حکایت وروایت سے حضرت نجم الدین کبریٰ کے زور ولایت وکرامت وتصرف کے علاوہ حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر کے ان دونوں خلیفوں یعنی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کے اندازوروش کے تفاوت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور دونوں بزرگوار کے روش کی علیحدگی صاف معلوم ہوتی ہے حضرت شیخ الشیوخ کا طریقہ ستر واستتار حال اور ظاہر شریعت کی پابندی اور تحمل وبردباری اور لسانی اتمام حجت اور ابلاغ وتبلیغ ورشد وارشاد اور وعظ وپند وغیرہ کا تھا اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے یہاں کثرت کرامات وخوارق عادات کا سلسلہ تھا اور زیادہ تر اپنی پاک روحانیت اور باطنی تصرفات اور قوی تاثیرات سے کام لیتے اور رشد وہدایت فرماتے تھے حقیقت میں دونوں بزرگوار اپنی روش اور انداز میں ٹھیک اور اپنی اپنی خدمتوں اور روشوں پر مامور من اللہ تھے۔[184]

[184](تذکرہ حضرت عبدالقاہر السہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۱۴۱-۱۳۹، مناقب الاصفیاء ص ۹۷-۹۶)

اولیاء اللہ جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں اپنے توجہات کی برکت سے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

این بزرگواران ہمچنان کہ قدرت کاملہ براعطاء نسبت دارند و حضور و آگاہی را دراندک وقت بہ طالب صادق، عطاء مے فرمایند، درسلب آن نسبت نیز قدرت تامہ دارند و بہ یک بی التفاتی، صاحب نسبت را مفلس می سازند بلی آنھا کہ می دھند می ستانند ہم۔ **اعاذنا اللہ سبحانہ من غضبہ و غضب اولیاء الکرام۔**

بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے غضب سے بچائے۔[185]

حضرت نجم الدین کبریٰ کی توجہ کی برکت سے ہزاروں طالب علم منزل مقصود تک پہنچے:

آپ کی روحانی قوت اس قدر پرزور اور قوی تھی کہ آپ کی ادنیٰ ہمت سے ایک دم میں جذب وسلوک کے سارے مرحلے طے ہو جاتے تھے اور صرف ایک توجہ میں ایک عامی عارف کامل ہو جاتا تھا۔ آپ مستی و وجد و خروش کی حالت میں جس پر ایک نگاہ ڈالتے وہ ولی ہو جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کو ولی تراش کا لقب دیا گیا۔[186]

---

[185] (مکتوبات امام ربانی ج ا مکتوب ۱۲۲ ص ۲۴۰)

[186] (نفحات و مناقب الاصفیاء و تذکرۃ الاولیاء)

ایک دن ایک سوداگر آپ کی خانقاہ میں (بنظر سیر) حاضر ہوا۔ شیخ پر اس وقت ایک خاص حالت وجد طاری تھی وہ شخص شیخ کی نظر مبارک کے سامنے آگیا آپ نے اس پر ایک پر فیض نگاہ ڈالی وہ اسی وقت مرتبۂ ولایت سے فائز المرام ہو گیا۔ آپ نے پوچھا "تو کس ملک یا کس شہر کا باشندہ ہے" اس نے شہر کا نام بتایا۔ آپ نے اسے ارشاد ہدایت کی اجازت وخلافت لکھ دی اور فرمایا "جاؤ" اپنے وطن میں خلق خدا کو ہدایت وارشاد کرو۔[187]

شیخ اوحدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں حضرت شیخ کا توسل اس طور پر کرتے ہیں:

یارب بولی تراشش مطلق | آن نجم و نجوم ملت حق
یارب بولی تراشیٔ او | خاصیت فیض پاشیٔ او

توجہ کے ذریعے سے مقامات طے کرانا:

خبر دی ہم کو ابو محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ میں نے بغداد میں شیخ بزرگ عارف ابو عبد اللہ محمد بن احمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک سال تک خدمت کی اور ان سے ان کے ابتدائے حال کی بابت پوچھا لیکن انہوں نے اس کو چھپایا پھر میں نے دوسرے سال ان کی خدمت کی تب کہا کیا تم ضرور سنوگے؟ میں نے کہا اگر آپ مناسب سمجھیں۔ انہوں نے کہا جب تک میں زندہ رہوں کسی کو یہ خبر نہ سنانا میں نے کہا ہاں (بہت اچھا) جب ان کو میرے راز چھپانے کا یقین ہو گیا تو کہا کہ میں بلخ سے بغداد کی طرف جوانی کی حالت میں اس لئے آیا کہ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زیارت کروں میں ان سے ایسے حال میں ملا کہ وہ اپنے مدرسے میں نماز پڑھ رہے تھے پہلے اس سے نہ میں نے ان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا نہ انہوں

---

[187] (سفینۃ الاولیاء)

نے مجھے دیکھا تھا۔جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سلام پھیر چکے اور لوگ ان کی طرف سلام کیلئے دوڑے تو میں بھی آگے بڑھا اور میں نے مصافحہ کیا آپ نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور ہنس کر میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے بلخی !اے محمد تم کو مرحبا ہو،اللہ تعالیٰ نے تیرا مرتبہ جان لیا، تیری نیت کو معلوم کر لیا۔ شیخ مذکور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کلام زخمی کی دوا، بیمار کی شفا تھا تب میری آنکھیں خوف الٰہی کے مارے بہہ نکلیں میرے شانہ کا گوشت ہیبت کے مارے پھڑکنے لگا میری آنتیں شوق ومحبت کی وجہ سے کٹ گئیں میرا نفس لوگوں سے گھبرانے لگا میں نے اپنے دل میں ایسی بات پائی کہ جسے میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا پھر یہ حالت بڑھتی اور قوی ہوتی گئی اور میں اس سے مقابلہ کرتا رہا۔میں اندھیری رات میں اپنے وظیفہ کیلئے کھڑا ہوا تب میرے دل سے دو شخص ظاہر ہوئے ایک کے ہاتھ میں محبت کی شراب کا پیالہ تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں خلعت تھا مجھ کو صاحب خلعت نے کہا کہ میں علی ابن ابی طالب ہوں اور یہ ایک فرشتہ مقرب فرشتوں میں سے ہے یہ محبت کی شراب کا پیالہ ہے اور یہ رضا کے حلول کی خلعت ہے۔پھر جب مجھے یہ خلعت پہنادی ان کے ساتھی نے پیالہ مجھے دیا جس کے نور سے مشرق ومغرب روشن ہو گیا جب میں نے وہ پیا تو مجھ پر غیبوں کے اسرار اور اولیاء اللہ کے مقامات وغیرہ عجائبات ظاہر ہوگئے۔ان میں سے ایک مقام ایسا تھا کہ عقلوں کے قدم اس کے بھید میں پھسلتے ہیں اور فکروں کے فہم اس کے جلال میں گم ہو جاتے ہیں عقلوں کی گردنیں اس کی ہیبت کی وجہ سے جھکتی ہیں اس کی قدر وقیمت میں طبیعتوں کے بھید بھول جاتے ہیں اس کے انوار کی شعاعوں کی وجہ سے دلوں کی آنکھیں مدہوش ہوتی ہیں ۔ملائکہ کروبی وروحانی ومقربین اس مقام کا مقابلہ کرتے ہیں اپنی پیٹھوں کو رکوع کرنے والے کی طرح اس مقام کے قدر کی تعظیم کی وجہ سے جھکائے ہیں اور اللہ عزوجل کی تسبیح طرح طرح کی تقدیس وتنزیہ کے

ساتھ کرتے ہیں اس مقام والوں پر سلام کرتے ہیں کہنے والے کہتے ہیں کہ اس سے اوپر سوائے عرش رحمٰن کے اور کچھ نہیں اس کی طرف دیکھنے والا تحقیق نظر سے دیکھتا ہے کہ واصل کا ہر مقام یا مجذوب کا ہر حال یا محبوب کا سر یا عارف کا علم یا مقرب کا مقام ہر ایک کا مبداء اور انجام اجمال و تفصیل کل بعض اول و آخر اس میں قرار یافتہ ہے، اسی سے پیدا ہوا ہے۔ اسی سے صادر ہوا ہے۔ اسی سے کامل ہوا ہے۔ پھر میں کچھ عرصہ وہاں پر ٹھہرا۔ اس کی طرف دیکھنے کی مجھے طاقت نہ تھی، پھر مجھ کو مقابلہ کی طاقت ہوئی اور ایک مدت ٹھہرا مجھے طاقت نہیں تھی کہ اس کے اندر والے شخص کو معلوم کروں پھر ایک مدت کے بعد میں نے اس شخص کو معلوم کیا جو اس میں ہے تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کے دائیں طرف حضرت آدم وابراہیم و جبرائیل علیہم السلام تھے اور بائیں جانب حضرت نوح و عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے بڑے بڑے اصحاب و اولیاء کرام خادموں کی طرح کھڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جن صحابہ کرام کو میں پہچانتا تھا ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہم تھے اور جن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو میں پہچانتا تھا وہ معروف کرخی، سری سقطی، جنید، سہل تستری، سر تاج العارفین ابو الوفا شیخ عبد القادر، شیخ ابو سعید، شیخ احمد رفاعی اور شیخ عدی رضی اللہ عنہم تھے۔ صحابہ میں سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے قریب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور اولیاء اللہ میں سے زیادہ قریب حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ تھے۔ تب میں نے کسی قائل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین اولیاء محبین محمد ﷺ کی زیارت کے مشتاق ہوتے ہیں تو آپ ﷺ اعلیٰ مقام سے جو آپ ﷺ کے اپنے رب کے نزدیک ہے اتر کر اس مقام پر اترتے

ہیں تب ان کے انوار آپ کے دیدار سے دگنے ہو جاتے ہیں آپ ﷺ کے مشاہدہ سے ان کے حالات پاکیزہ بن جاتے ہیں ان کے مرتبے اور مقامات آپ ﷺ کی برکت سے بلند ہوتے ہیں پھر آپ ﷺ رفیق اعلیٰ کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔تب میں نے سب کو یہ کہتے ہوئے سنا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیکَ الْمَصِیرُ (البقرہ:۲۸۵)یعنی ہم نے سنااوراطاعت کی ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اے رب ہمارے اور تیری طرف باز گشت ہے)پھر میرے لئے قدس اعظم کے نور سے ایک چمک ظاہر ہوئی جس نے مجھ کو ہر ایک حاضر چیز سے غائب کر دیا ہر ایک موجود سے مجھ کو اچک لیا تمام مختلف چیزوں میں تمیز کرنا مجھ سے چھین لیااوراس حال پر میں تین سال تک رہا۔پھر مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ایک دم باتیں کرنے لگااور شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ میرے سینے کو تھامے ہوئے ہیں،ایک پاؤں آپ کا میرے پاس اورایک بغداد شریف میں ہے۔میری عقل لوٹ آئی اور میں اپنے امر کامالک ہوا تب مجھ کو شیخ رضی اللہ عنہ نے کہااے بلخی!بے شک مجھے حکم ہواہے کہ تم کو تمہارے وجود کی طرف لوٹادوں اور تیرے حال کا تجھ کو مالک بنادوں تجھ سے وہ چیز چھین لوں جس نے تجھ کو مغلوب کرر کھاہے۔پھر میرے تمام مشاہدات واحوال کی اول سے لے کر اب تک سب خبر دی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو میرے حال کی ذرہ ذرہ کی خبر ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تیرے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سات دفعہ سوال کیا یہاں تک کہ تجھ کو اس مقام کے دیکھنے کی طاقت ہوئی۔پھر سات دفعہ سوال کیاتوتب آپ کو مقابلہ کی طاقت ہوئی اور سات دفعہ پوچھاتب تووہاں کے اندر کی باتوں پر مطلع ہوااور سات دفعہ پوچھاتب تو نے منادی کی آواز سنی اور بے شک اللہ تعالیٰ سے تیرے بارے میں سات اور سات اور سات دفعہ سوال کیا یہاں تک کہ تیرے لیے وہ روشنی اور چمک ظاہر ہوئی اور پہلے اس سے میں نے ستر دفعہ تیرے

لیے سوال کیا یہاں تک اس نے تجھ کو اپنی محبت کا پیالہ پلایا اور اپنی رضامندی کا خلعت پہنایا اے میرے پیارے فرزند! اب تو تمام فوت شدہ فرائض کو قضا کر۔[188]

شیخ کی توجہ سے شراب کا سرکہ بن جانا:

خبر دی ہم کو ابوالحسن علی بن ابو بکر ابہری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کہا: میں نے قاضی القضاۃ ابو صالح نصر رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میرے والد یعنی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ایک دن نماز جمعہ کیلئے نکلے میں اور میرے دو بھائی عبد الوہاب اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہما آپ کے ساتھ تھے۔ راستہ میں ہم کو سلطان کے شراب کے تین مٹکے ملے جن کی بو بہت تیز تھی۔ ان کے ساتھ کوتوال اور دیگر کچہری کے لوگ تھے ان سے شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ وہ نہ ٹھہرے اور جانوروں کے چلانے میں انہوں نے جلدی کی پھر آپ رضی اللہ عنہ نے جانوروں سے کہا کہ ٹھہر جاؤ، وہ اپنی جگہ پر ایسے ٹھہر گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں وہ بہتیر امارتے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ چلتے تھے اور ان سب کو قولنج کا درد شروع ہو گیا اور زمین پر دائیں بائیں سخت درد کی وجہ سے لوٹنے لگے۔ پھر تسبیح کے ساتھ چلانے لگے اور علانیہ توبہ استغفار کرنے لگے۔ پھر ان سے درد فوراً جاتا رہا اور شراب کی بو سرکہ سے بدل گئی انہوں نے برتنوں کو کھولا تو وہ سرکہ تھا جانور بھی آدمیوں کی طرح چلانے لگے شیخ رضی اللہ عنہ تو جامع مسجد کو چلے گئے اور یہ خبر سلطان تک پہنچ گئی تب وہ ڈر کے مارے رونے لگا بہت سے محرمات کے فعل سے ڈر گیا۔ شیخ کی زیارت کیلئے حاضر ہوا اور حضرت رضی اللہ عنہ کی جناب میں نہایت عاجزانہ بیٹھا کرتا تھا۔[189]

---

[188] (بهجة الاسرار ص ۷۵)

[189] (بهجة الاسرار ص ۸۲)

ایک سوداگر کو مجلس میں حاجت براز ہونا اور شیخ رضی اللہ عنہ کی توجہ سے اس کا دور تک جانا اور پھر اسی وقت لوٹ آنا

خبر دی ہم کو فقیہ ابوالفتح نصر اللہ بن القاسم بن یوسف بن خلیل بن احمد ہاشمی بغدادی کرخی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے قاہرہ میں ٦٦٩ ھ میں کہا کہ خبر دی ہم کو دو بڑے شیخوں قاضی القضاۃ ابو صالح نصر بن الحافظ ابو بکر عبد الرزاق بن امام محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہم اور شیخ ابو الحسن علی بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہم نانبائی نے بغداد میں ٦٣١ ھ میں کہا ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہم کو ہمارے والد عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ اور میرے چچا عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے ٥٩١ ھ میں کہا ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہم کو عمران کیماتی رحمۃ اللہ علیہ اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ٥٩٠ ھ میں اور خبر دی ہم کو ابو عبد اللہ بن عبادہ عبد المحسن بن منذر انصاری جیلی رحمۃ اللہ علیہم نے قاہرہ میں ٦٧٢ ھ میں اور کہا خبر دی ہم کو دو شیخوں شیخ پیشوا ابو محمد عبد اللہ بن عثمان یونینی رحمۃ اللہ علیہم نے دمشق میں ٦١٦ ھ میں اور شیخ عارف ابو اسحٰق ابراہیم بن محمود بن جوہر بعلبکی رحمۃ اللہ علیہ پھر عقیبی نے وہاں پر ٦٢٣ ھ میں ان دونوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابو محمد عبد اللہ بطائحی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں مدرسہ بغداد میں ٥٥٣ ھ میں ابو المعالی محمد بن احمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تاجر حاضر ہوئے پھر ان کو حاجت براز نے ایسا تنگ کیا کہ چلنے پھرنے سے روک دیا بڑی سخت تکلیف ہوئی اس نے شیخ رضی اللہ عنہ کی طرف فریادرس ہو کر دیکھا اور شیخ رضی اللہ عنہ اپنے منبر کی سیڑھی سے نیچے اتر آئے اور پہلی سیڑھی پر ایک سر آدمی کے سر کی طرح ظاہر ہوا پھر اور نیچے اتر آئے یہاں تک کہ کرسی پر ایک صورت شیخ رضی اللہ عنہ کی صورت کی طرح برابر ہو گئی۔ لوگوں کے سامنے شیخ رضی اللہ عنہ کی آواز کی طرح بولتی تھی اور شیخ

رضی اللہ عنہ کے کلام کی طرح کلام کرتی تھی اس بات کو سوا اس شخص کے اور جس کو خدا نے چاہا اور کوئی نہ دیکھتا تھا۔ آپ لوگوں کو چیرتے ہوئے آئے یہاں تک کہ اس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور اس کے سر کو اپنی آستین سے ڈھانک لیا عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اپنے رومال سے ڈھانک لیا۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک دم ایک بڑے جنگل میں پہنچ گیا جس میں نہر ہے اس کے پاس ایک درخت ہے اس میں اس نے وہ کنجیاں جو اس کی جھولی میں تھیں لٹکا دیں اور خود قضاء حاجت سے فارغ ہوا اس نہر سے وضو کیا اور دو رکعت نفل پڑھے جب سلام پھیر لیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی آستین کو یا رومال کو اس پر سے اٹھالیا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اسی مجلس میں ہے اور اس کے اعضاء پانی سے تر ہیں اور قضاء حاجت کی حالت جاتی رہی شیخ رضی اللہ عنہ اپنی کرسی پر ہیں گویا کہ وہ وہاں سے اترے ہی نہیں۔ وہ چپ رہا کسی سے ذکر نہ کیا اپنی کنجیوں کو گم پایا اور اپنے پاس نہ دیکھیں۔ پھر وہ ایک مدت بعد بلاد عجم کی طرف قافلہ تیار کر کے چلا۔ بغداد سے چودہ دن تک چلے اور ایک منزل جنگل میں اترے جس میں نہر تھی تب وہ اس جنگل میں گیا کہ قضاء حاجت کرے۔ کہنے لگا یہ جنگل اس جنگل سے بہت مشابہ ہے اور یہ نہر اس نہر کے مثل ہے اور اس دن کے واقعہ کو یاد کیا تو اتفاقاً وہی نہر وہی زمین وہی درخت وہی قضاء حاجت کی جگہ نکلی۔ جو اس روز دیکھی تھی تب اس کو پہچان لیا اور کوئی بات نہ بھولی۔ اپنی کنجیوں کو اسی درخت میں معلق پایا۔ پھر جب بغداد کی طرف لوٹے تو وہ شیخ رضی اللہ عنہ کی جناب میں آیا کہ آپ کو خبر دے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی خبر دینے سے پہلے کان پکڑ کر فرمایا کہ اے ابو المعالی! میری زندگی میں کسی سے یہ ذکر نہ کرنا وہ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتا رہا حتٰی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

شیخ رضی اللہ عنہ کے تصرف سے علماء کا علم جاتا رہنا:

خبر دی ہم کو ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن علی قطفنی رحمۃ اللہ علیہم نے کہا خبر دی ہم کو شیخ علی بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہما نانبائی نے کہا کہ میں نے شیخ ابو الحسن جوسقی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں زاہران میں سیدی شیخ علی بن الہیتی رضی اللہ عنہ کی مجلس سماع میں حاضر ہوا تھا۔اس میں مشائخ و صلحاء،فقہاء ، قراء کی ایک جماعت موجود تھی جب مشائخ کو سماع کا مزہ آیا(یعنی وجد میں ہوئے)توفقہاء و قرأ نے اپنے اپنے دلوں میں انکار کیا۔تب شیخ علی بن الہیتی رضی اللہ عنہ نے ان فقہاء و قراء پر چکر لگایا۔ان میں سے جب کسی پر کھڑے ہو کر دیکھتے تو وہ اپنے سینے سے تمام علم و قرآن کو مفقود پاتا۔یہاں تک کہ ان کے اخیر تک پہنچے وہ سب چل دیئے اور ایک مہینہ ان کی یہ کیفیت رہی (یعنی محض بے علم بن گئے)پھر سب کے سب شیخ رضی اللہ عنہ کی طرف آئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں چومے آپ سے معافی مانگنے لگے تب شیخ رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے دستر خوان بچھوایا۔انہوں نے کھانا کھایا شیخ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ کھایا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک لقمہ کھلایا تب ان میں سے ہر ایک نے جو کچھ علم گم کیا تھا اس شیخ رضی اللہ عنہ کے لقمہ کی برکت سے سب پالیا پھر وہ خوشی خوشی گھروں کو لوٹ گئے۔[190]

تانبے کے برتن شیخ کی توجہ سے بعض چاندی اور بعض سونے کے بن گئے:

راوی کہتا ہے کہ ان کے پاس ایک مغربی شخص بھی آیا جس کا نام عبد الرحمان بن احمد اشبیلی تھا۔اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک سونے کی ڈلی رکھ دی اور ان سے کہا اے میرے سردار! یہ میری ترکیب سے ہے۔فقراء کیلئے پیش کرتا ہوں پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے

---

[190](بھجۃ الاسرار ص ۲۹۹)

کہا کہ جس کے پاس تانبے کا برتن ہو وہ میرے پاس لے آئے۔تب لوگ بہت سے تانبے کے برتن از قسم طشت طباق وغیرہ لائے۔ان کو حکم دیا کہ حجرہ کے اندر رکھ دو۔ آپ رضی اللہ عنہ اٹھے اور ان کی طرف گئے پھر ان میں سے بعض سونے کے ہوگئے اور بعض چاندی کے بن گئے مگر صرف دو طشت باقی رہے۔پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے برتن والوں سے کہا کہ جس کا جو برتن ہو وہ لے لے پھر انہوں نے وہ برتن سونے چاندی کے لے لئے پھر عبدالرحمان سے کہا کہ اے فرزند عزیز! بے شک اللہ عزوجل نے ہم کو یہ سب کچھ دیا ہے لیکن ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے ٹکڑۂ زر کی ہم کو حاجت نہیں پھر ہم نے ان سے برتنوں کے اختلاف کا سبب پوچھا تو کہا کہ جب میں نے کہا تھا کہ جس کے پاس کوئی برتن ہو تو وہ ہمارے پاس لے آئے۔اب جو شخص میرے کلام پر اٹھ کھڑا ہوا۔اس کے دل میں کوئی شبہ پیدا نہ ہوا تو اس کا برتن سونے کا بن گیا اور جس کے دل میں شبہ پیدا ہوا۔اس کا برتن چاندی بن گیا اور دو شخصوں کے دل میں مجھ سے بدظنی پیدا ہوئی۔تو ان کے برتن نہ بدلے۔[191]

حضرتِ امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ فرماتے ہیں:

بہ (حکیم صدر) در بیان سلامتی قلب ونسیان او مر مادون حق را سبحانہ اھلُ اللّٰہ، اَطبّاءِ اَمراضِ قلبیہ اند۔ ازالۂ عللِ باطنیہ، منوط بہ توجہ این بزرگواران است۔ ((ھم کلام ایشان دواست و نظر ایشان شفا (هم قوم لا يشقى جليسهم وهم جلساءُ اللّٰه بهم يمطرون و بهم يرزقون)۔

---

[191] (بهجة الاسرار ص ٢٤٦)

رأس امراض باطنیہ و رئیس علل معنویہ، گرفتاری قلب است بہ مادون حق۔ سُبۡحَانَہٗ وَ تعالیٰ۔ و تاازین گرفتاری بہ تمام آزادی میسر نشود۔ سلامتی محال است۔ چہ شرکت رادرآن حضرت جل سلطانہ اصلاً بار نیست (اَلَا لِلّٰہِ الدِّینُ الۡخَالِصُ) (الزمر ۴)

حکیم صدر کی طرف صادر فرمایا۔ سلامتی قلب اور اس کے غیر حق سبحانہ کو بھلا دینے کے بیان میں۔ اہل اللہ قلبی امراض کے طبیب ہیں۔ باطنی امراض کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کا کلام دوا اور ان کی نظر شفاء ہے۔

حدیث پاک میں وارد ہے:

ھم قوم لا یشقیٰ جلیسھم۔

یعنی یہ ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بد نصیب نہیں۔[192]

وھم جلساء اللہ، یعنی یہ لوگ اللہ کے ہمنشین ہیں۔ **بھم یمطرون وبھم یرزقون،** (بخاری شریف) انہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے رزق ملتا ہے۔ امراض باطنی اور علل معنوی میں سب سے بڑی بیماری دل کی غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری ہے۔ جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر نجات حاصل نہ ہو سلامتی قلب کا نصیب ہونا محال ہے۔ کیونکہ اس ذات اقدس جل سلطانہ کے لیے کسی اور کی شرکت کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔

أَلَا لِلّٰہِ الدِّینُ الۡخَالِصُ (زمر ۳)

ترجمہ: سن لو خالص دین صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔[193]

---

[192](بخاری ومسلم)

[193](مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۰۹، ج ۱، ص ۲۷۸، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تھران)

شرح:

زیر نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیزاہل اللہ کے فیوض وبرکات وتوجہات اور ان کی صحبت و مجلس کی فوائدو ثمرات کا تذکرہ فرمارہے ہیں دراصل اہل اللہ امراض باطنیہ اور علل معنویہ کے طبیب ہوتے ہیں اس لئے سالک کو اپنے ذاتی مفادات نفسانی خواہشات اوردنیاوی اغراض کو پس پشت ڈال کر ہمیشہ ان کا نیاز مند رہنا چاہیئے تاکہ ان کی توجہات قدسیہ اورارشادات عالیہ کی بدولت اسی قلبی امراض اورماسواء اللہ کی محبت سے نجات حاصل ہوجائے۔بقول شاعر:

ہم نشینی اولیاءچو کیمیااست　　　　کیمیائے خود بایں خوبی کجااست

حضرت شیخ ابو بکر بن سعدان رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

من صحب الصوفیۃفلیصحبھم بلانفس و لاقلب و لاملک فمتی نظرالی شئ من اشیائہ قطعہ ذالک عن بلوغ مقصدہ۔

ترجمہ:یعنی جو شخص صوفیاء کی صحبت اختیار کرے تو اسے چاہیے کہ بے نفس وبے قلب اور بے ملکیت ہو کر ان کی صحبت اختیار کرے۔پس جب وہ اپنی اشیاء میں سے کسی شئے کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اسے مقصود تک رسائی سے روک دیتی ہے۔[194]

بلکہ بقول شاعر طالب صادق کی کیفیت یوں ہونی چاہیے:

بجپہ مشغول کنم دیدہ ودل راکہ مدام　　　　دل ترا مے طلبد دیدہ ترا مے خواہد

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے اچھی اور بری صحبت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

---

[194](مکتوبات معصومیہ ج ۲ مکتوب ۱۱۰)

چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا مَثَلُ جَلِيسِ الصَّالِحِ , وَجَلِيسِ السَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ , وَنَافِخِ الْكِيرِ , حَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ , وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ , وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً , وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يَحْرِقَ ثِيَابَكَ , وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ , وَمُسْلِمٌ فِي الصَّحِيحِ , عَنْ أَبِي كُرَيْبٍ , عَنْ أَبِي أُسَامَةَ۔[195]

یعنی اچھے اور برے مصاحب کی مثال کستوری اٹھانے اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے۔ کستوری اٹھانے والا یا تمہیں کستوری تحفے میں دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا تمہیں اس کی خوشبو آئے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم کو اس کی ناگوار بدبو آئے گی۔

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

نیکاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان عطاراں
سودا بھانویں مول نہ لیے حلّے آوّن ہزاراں
بریاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھانویں کنج کنج بہیئے چنگاں پین ہزاراں

جب کوئی مرید صادق کسی اہل اللہ کی صحبت میں عقیدت و نیاز مندی سے سرشار ہو کر چند لمحے گزارتا ہے تو باہمی اخلاص کی بدولت اس مقام کی فضا میں لطافت اور مٹی میں شرافت آجاتی ہے کیونکہ وہاں رحمتوں کا ورود اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ تَتَنَزَّلُ عَلَيهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حم سجدہ آیت ۳۰) سے واضح ہے۔

---

[195] (شعب الایمان ج ۱۲ ص ۴۳، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۲۶)

بقول شاعر:

آسمان سجدہ کند پیش زمینے کہ درو | یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشینند

چونکہ اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے اور اس کے جلیس و ہم نشین ہوتے ہیں اس لئے گناہگار بھی ان کی مجلس سے محروم نہیں لوٹتے جیساکہ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ کو مغفرت کا مژدہ سنایا تو فرشتوں نے عرض کی: رَبِّ فِيهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ، إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَلَهُ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔ یعنی اے رب تعالیٰ ان میں فلاں شخص بڑا گناہگار تھا وہ تو فقط گزر رہا تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے اسے بھی بخش دیا کیونکہ یہ وہ قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بدبخت نہیں ہوتا۔[196]

ایک روایت میں یوں ہے کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے:

فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ. قَالَ: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔

ان میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو ان میں سے نہیں بلکہ وہ تو کسی کام کیلئے آیا تھا۔ ارشاد فرمایا یہ وہ ارباب مجلس ہیں کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص کبھی بدبخت نہیں ہوتا۔[197]

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُم۔

---

[196] (صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار الرقم ۲۶۸۹، باب فضل مجالس الذکر ج۴ ص ۲۰۶۹، احمد بن حنبل فی المسند، ج۲ ص ۲۵۲، الرقم: ۷۴۲۰، والمنذری فی الترغیب والترھیب، ج۲ ص ۲۵۹ الرقم ۲۳۱۶)

[197] (صحیح البخاری، باب فضل ذکر اللہ ج۸ ص ۸۶، مشکوۃ ص ۱۹۷)

یعنی ضعیفوں کی بدولت تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تم کو رزق دیا جاتا ہے۔[198]

نیز حضور اکرم ﷺ نے یوں بھی ارشاد فرمایا:

يُسقَى بِهِمُ الغَيثُ، وَيُنتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الأَعْدَاءِ۔

یعنی ان اہل اللہ کی برکت سے بارشیں برستیں اور دشمنوں پر فتح و نصرت عطا ہوتی ہے۔[199]

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

اسی طرح حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ اپنے مکتوبات میں مکتوب نمبر ۱۶۸ البینات جلد چہارم میں فرماتے ہیں:

متن: نسبت ایشاں فوق ہمہ نسبتہاآمدہ کلام ایشاں دواء امراض قلبیہ است ونظر ایشاں شفاء علل معنویہ وتوجہ وجیہ ایشاں طالبان راازگرفتاری کونین نجات می بخشد وہمت رفیع ایشاں مریداں راازحضیض امکاں

---

[198] (مشکوٰۃ ۴۴۶، صحیح البخاری ج ۴ ص ۳۶، شرح السنۃ للبغوی باب فضل الفقراء، ج ۱۴ ص ۲۶۴)

[199] (مشکوٰۃ ۵۸۳، فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۹۰۶، مسند احمد الرسالہ ج ۲ ص ۲۳۱)

بذروۂ وجوب می برد... لیکن دریں اوان کہ آن نسبت شریفہ عنقاء معرب گشتہ است۔

ترجمہ: ان کی نسبت تمام نسبتوں پر غالب آگئی ہے۔ ان کا کلام قلبی امراض کیلئے دوا اور ان کی نظر روحانی بیماریوں کیلئے شفا ہے اور ان کی زبردست توجہ طالبوں کو دونوں جہاں کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے۔ ان کی بلند ہمت، مریدوں کو امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی پر لے جاتی ہے... لیکن اس زمانے میں یہ نسبت شریفہ عنقائے مغرب ہو گئی ہے۔

شرح: یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز طریقت نقشبندیہ کی فوقیت اور مشائخ نقشبندیہ کی توجہات قدسیہ کی برکات کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ دراصل خواجگان نقشبندیہ رضی اللہ عنہم کی نسبت و توجہ و کلام اس قدر قوی اور پر تاثیر ہوتی ہیں جن کی بدولت انکے مریدین کے باطن کا تصفیہ اور نفوس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور وہ ہر ماسویٰ سے چھٹکارہ حاصل کر کے توحید عیانی، وصل عریانی اور تجلی ذاتی دائمی سے شاد کام اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ العزیز نے خوب کہا:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراند　　　　کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

مرورزمانہ، لوگوں کی کم ظرفی اور دوں ہمتی کی وجہ سے نسبت نقشبندیہ کبریت احمر کی مانند کمیاب، پوشیدہ اور عنقاء ہو گئی ہے۔ چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے نسبت نقشبندیہ کو "عنقائے مغرب،، سے تشبیہ دی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عنقائے مغرب کے متعلق قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق۔

عنقاء مغرب ایک عجیب الخلقت اور مقطوع النسل دراز گردن پرندہ ہے جسے فارسی میں سیمرغ کہتے ہیں چنانچہ روایت ہے !اللہ تعالیٰ نے دوراول میں ایک پرندہ تخلیق فرمایاجسے عنقاء کہاجاتا تھا۔بلاد حجاز میں اس کی نسل کثرت سے پائی جاتی تھی۔وہ بچوں کو اچک کرلے جاتاتولوگوں نے قبیلہ بنی عبس کے سردار خالد بن سنان سے اس کی شکایت کی توانہوں نے اس کی انقطاع نسل کیلئے دعائے ضرر فرمائی،اس لئے وہ نابود ہو گیا۔اب بزم گیتی میں محض اس کانام باقی ہے۔[200]

دلیل:

قطب الارشاد حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ الغفار نسبت نقشبندیہ کی جامعیت وعظمت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحہم آں نسبت شریف کہ جامع جمیع نسبتہاست وخلاصہ ومنتہائے مجموع طریقہ است۔[201]

یعنی نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحہم وہ نسبت شریفہ ہے جو جمیع نسبتوں کی جامع ہے اور تمام طریقوں کا خلاصہ ومنتہاہے۔ایک اور مقام پریوں ارشاد فرماتے ہیں کہ خواجگان ایں سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم بہرزراقی ور قاصی نسبت ندارد کارخانۂ ایشاں بلند است اس سلسلہ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کسی مکاراور رقاص کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے ،ان کا کارخانہ بلند ہے۔[202]

---

[200](کنزالعمال ج ۱۲ ص ۳۳۷)
[201](فقرات ص ۳۸)
[202](مکتوب نمبر ۱۶۸ البینات جلد چھارم)

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں کہ:

بہ برکت توجہ حضرت ایشاں بحقیقت بندگی رساندو عروج برفوق محدد بسیار واقع شد بعد از طی مسافت چوں پر فوق محدد رسید دار الخلد از آنجا بماتحت مشہود گشت وفوق محدد آں مقدار عروج واقع شد کہ از مرکز خاک تا محدد یا اندکہ کمتر از ین۔

ترجمہ: اپنے شیخ مبارک کی توجہات کی برکت سے حقیقت بندگی نصیب ہوئی اور میرا عروج محدد سے اوپر واقع ہوا یعنی جب پہلی مرتبہ عروج واقع ہوا اور میں عرش پر پہنچا اور جنت عرش کے نیچے مشاہدے میں آئی اور پھر محدد سے اتنا عروج واقع ہوا کہ زمین کے مرکز سے لے کر محدد تک یا اس سے کم۔[203]

شرح: حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ جب مجھے پہلی بار فوق العرش عروج روحانی نصیب ہوا تو میں نے جنت کو عرش کے نیچے دیکھا۔ آپ کا یہ کشف و شہود فرمان نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے عین مطابق ہے۔

حدیث میں ارشاد ہے:

سقفھا عرش الرحمٰن۔

یعنی عرش جنت کی چھت ہے۔[204]

---

[203](مکتوب نمبر ۱ ج ۱ ص ۴)

[204](تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۸۳)

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

الجنۃ فوق السموات تحت العرش۔

یعنی جنت آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے۔[205]

اور اسی پر اکثریت کا اتفاق منقول ہے۔ واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے مکشوفات اور مشاہدات علوم شرعیہ کے عین مطابق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نسبت مجددیہ میں اتباع شریعت اور التزام سنت کا لحاظ غالب ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم امر کے پانچوں لطائف کا وطن اصلی عرش کے اوپر ہے لہذا حکمائے یونان کا یہ قول کہ "عرش سے اوپر کچھ نہیں،، محض باطل ہے۔

توجہ بھی کرامت کی مانند ہے

حضرت محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خارق اول آنکہ یکی از فضلای دہلی کہ باکرے بعقد درآوردہ بود سالہا رفتہ اورا فتحی روی ندادہ از ادعیہ وادویہ اثر ندیدہ چون وصف ایشان شنیدہ روزے کہ ایشان بجای سوارہ میرفتہ اندو رعنان درآمدہ بہ نیاز تمام قصّہ را معروض داشتہ التماس زوال عنیت نمودہ حضرت خواجہ رادل بر شفقت کشودہ از مرکب فرود آمدہ اورا در کنار شریف کشیدہ مُعانقہ سخت نمودہ اند و فرمودہ اند کہ رفتہ متوجہ شوید کہ فتح ست دی ہمان لحظہ در خود قوت غریب دیدہ رفتہ و بسہولت تمام ہمان لحظہ فتح نمودہ۔

---

[205] (تفسیر خازن ج ا ص ۲۸۳)

ترجمہ: ایک کرامت یہ ہے کہ دہلی کے ایک فاضل نے ایک لڑکی سے شادی کی لیکن کئی سال تک دوری جیسی رہی۔ دوا اور دعا بھی مفید نہ ہو سکی آپ کی تعریف سن کر آپ کے پاس آیا۔ آپ سواری پر کہیں جارہے تھے۔ اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آپ سے اپنا حال بیان کیا اور مقصد میں کامیابی چاہی۔ آپ سواری سے اتر پڑے اور زور سے تین دفعہ اس سے معانقہ کیا اور فرمایا کہ جاؤ اس شخص میں بھرپور قوت آگئی اور وہ کامیاب ہوا۔ [206]

فنا میں اولیاء کرام کا تصرف

نقل کردند خدمت خواجہ علاء الحق والدین عطر اللہ تربتہ کہ روزی قدم مبارک حضرت خواجہ ما را می مالیدم واتفاقا شریف زادہ در آن صحبت حاضر بود و خواجہ سخن در مقام فنا می گفتند۔ در آن اثنا فرمودند کہ اولیا را در فنا تصرف می دھند۔ آن شریف زادہ از حضرت خواجہ سوال کرد کہ اولیا در فنا چگونہ تصرف می کنند؟ خواجہ قدم مبارک خود را بہ سینہ من رسانیدند۔ در من کیفیتی پیدا شد واز خود رفتم۔ آن عنایت پیش از وقت نماز دیگر بود، تا وقت نماز بامداد داشت۔ چون بہ جای اصلی باز آمدم وبہ حضرت خواجہ مشرف گشتم، فرمودند ما این معاملت با توبجہت آن کردیم کہ آن شریف زادہ را یقینی بحالی درویشان بحاصل آید۔

یعنی حضرت خواجہ علاء الحق والدین عطر اللہ تربتہ نے نقل فرمایا کہ ایک روز میں حضرت خواجہ ماقدس اللہ روحہ کی خدمت اقدس میں آپ کے قدم مبارک مل رہا تھا۔ اتفاق سے ایک شریف زادہ

---

[206] (برکات احمدیہ، نام دگر زبدۃ المقامات، ص، ۲۱)

آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مقام فنا کے بارے میں گفتگو فرمارہے تھے۔ اسی وقت آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اولیاء کرام فنا میں تصرف کرتے ہیں۔ اس شریف زادہ نے حضرت خواجہ رحمہ اللہ سے سوال کیا اولیاء فنا میں کیسے تصرف کرتے ہیں؟ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے اپنا قدم مبارک میرے سینے پہ رکھا تو مجھ میں ایک کیفیت پیدا ہو گئی اور میں از خود رفتہ ہو گیا۔ مجھ پہ یہ عنایت نمازِ عصر سے لے کر نماز صبح تک رہی۔ جب میں اصلی حال میں لوٹ آیا تو حضرت خواجہ رحمہ اللہ سے مشرف ہوا آپ نے فرمایا ہم نے تیرے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا ہے کہ اس شریف زادہ کو درویشوں کے حال پر یقین ہو جائے۔ [207]

اولیاء کرام کی توجہ کی برکت سے جذب وسکر میں رہنا:

حضرت زبدہ المؤرخین عمدۃ المحققین علامہ مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

شیخ بہاؤالدین والدین نقشبند تفویض فرمود چوں شاہ متوجہ حال وہ شد حالتے روداد کہ مدام در جذبہ قوی و سکر بودی و قطع علائق نمود وہر گز باکسی انس وآرام نمی گرفت۔

یعنی حضرت سیدنا شیخ المشائخ میر برہان بن سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں جب بزرگ والدین نقشبند سر تاج الاولیاء بہاء الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توجہ کی تو یہ حالت ہو گئی کہ ہر وقت جذب وسکر میں رہتے تھے۔ لوگوں سے قطع تعلق ہو گیا اور کسی کے پاس آرام نہیں ملتا تھا۔ [208]

---

[207](انیس الطالبین عدۃ السالکین، ص ۹۹)

[208](خزینۃ الاصفیاء، جلد ا ص ۵۲۵)

اولیاء کرام کا خواب میں توجہ پر تصرف:

حضرت فخر صوفیاء علامہ نور الدین محمد عبد الرحمن جامی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

وہم ایشان (حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ) فرمودند کہ خواجہ بزرگ (بہاءالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) را در خواب دیدم کہ در من تصرف کردند و من بیخود بیفتادم۔ چون با خود آمدم، خواجہ از من گذشتہ بودند، خواستم کہ در عقب بروم۔ پایہاے من درھم می پیچید۔ بہ محنت بسیار بہ خواجہ رسیدم۔ فرمودند کہ مبارک باد۔

یعنی حضرت سیدنا شیخ کبیر خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ خواجہ بزرگوار (امام طریقہ بہاء الحق عرف والدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ کو توجہ کرتے تھے۔ میں بے خود پڑ گیا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے، میں نے چاہا کہ آپ کے پیچھے جاؤں لیکن میرے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ بڑی محنت سے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو مبارک باد ہو۔[209]

اولیاء کرام کا بعد الوفات توجہ اور تصرف اور مقامات طے کروانا:

قدوۃ الاولیاء حضرت خواجہ حاجی محمد فضل اللہ مجددی لکھتے ہیں:

خدمت ایشان بعد وصال والد صاحب کمال پنجاہ و شش سال بر مسند ارشاد و اکمال اتکا داشتند و ازان جملہ شش سال بکسب زوائد فوائد چنانچہ ایما بر آن رفتہ بخدمت حضرت عروۃ الوثقیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سلوک

---

[209] نفحات الانس من حضرات القدس، صفحہ ۴۱۶

نمودند از نسبت هاىٔ مخصوص ایشان بهره ورشده فقیر از زبان مبارک حضرت شاه عطاء الله قدس سره که والد والده فقیر اند شنیده ام وخدمت ایشان از اکابر مسموع داشتند که روزی جناب حضرت عروة الوثقی رحمۃ الله علیه بحضرت وحدت قدس الله تعالیٰ سره فرمودند که وعده بتومی نمایم که چهل توجه بتو عنایت نمایم و بهر توجه آن قدر ترقی در حال تو خواهد شد که در مدت مدید حصول آن بدشواری باشد ازان جمله سی وچهار توجه عنایت شده بود که مقدمه انتقال حضرت عروة الوثقی رضی الله تعالیٰ عنه بعام رخ نمود پس از این واقعه جان کاه روزی حضرت وحدت قدس الله تعالیٰ سره بر قبر متبرکه ایشان رفته معروض داشتند که از جمله توجه هائے موعود شش عدد توجه باقی است امید از الطاف حضرت آنکه بوفا انجامد بایشان چنان ایما شد که بر قبر متوجه شده بنشین تا آنچه معدود و موعود جود ایفا رود خدمت حضرت وحدت عرض نمودند که وعده در حالت حیات بود الحال نیز به هیبت حیات شده توجه عنایت شود معلوم ایشان شد که در خلوت آمده باش یعنی وقتیکه دیگرے بر قبر حاضر نه باشد ایشان وقت را مراعت نموده بر قبر مبارک می رفتند و حضرت عروة الوثقی به هیئت حیات شده از قبر مبارک خروج می فرمودند و توجه می دادند روز ششم که اتمام موعود بود حضرت وحدت قدس سره سیاهی و قلم همراه

داشتند بعد از فراغ توجہ عرض نمودند کہ بدستخط مبارک نوشتہ عنایت شود کہ آنچہ بعبد الاحد وعدہ رفتہ بود کہ چھل توجہ خواہم داد از آنھا سی وچہار توجہ در حالت حیات دادہ شدہ بود شش توجہ باقی را بہیئت حیات شدہ ایفائے موعود ا داشد خدمت حضرت عروۃ الوثقی قدس سرہ العزیز را بدستخط مبارک خود عبارتے کہ قرین این مدعا بودہ باشد نوشتہ دادند حضرت وحدت قدس سرہ آن نوشتہ را بسائر بنی اعمام خود نمودند ہمہ مخدوم زادہ گان دستخط والد شریف خود را شناختہ و حضرت حجۃ اللہ رضی اللہ عنہ برپشت آن کہ کاغذ نوشتند۔ ہذا ھو الحق الیقین بلی الا ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار۔

ترجمہ: آپ اپنے والد محترم کے وصال کے بعد ۵۵ سال تک مسند ارشاد پر تشریف فرما رہے اور ان میں سے چھ سال کے لئے آپ کے حکم پر مزید فوائد کے حصول کے لئے روانہ ہوئے۔ اور حضرت خواجہ عروہ وثقیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور مخصوص نسبت سے بہرہ ور ہوئے۔ فقیر نے آپ کے متعلق اپنے نانا حضرت شاہ عطاء اللہ رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے سنا ہے انہوں نے یہ اپنے اکابر سے سنا تھا کہ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ رحمہ اللہ نے حضرت وحدت قدس اللہ سرہ سے وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے اوپر چالیس توجہات کروں گا کہ جس سے تمہارے احوال میں اتنی ترقی ہو گی کہ ایک لمبی مدت میں اتنی ترقی حاصل کرنا محال ہے اس وعدہ کے مطابق ابھی ۳۴ توجہات کی تھیں کہ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ قدس سرہ کا وصال مبارک ہو گیا۔ اس واقعہ جانکہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ وحدت قدس سرہ آپ کی قبر مبارک پر گئے وہاں جا کر عرض کیا کہ

حضور آپ نے مجھ سے چالیس توجہ کا وعدہ کیا تھا ابھی ان میں سے ۳۴ مکمل ہوئی تھیں اور چھ رہتی تھیں کہ آپ دنیا سے رخصت ہوگئے اور وعدہ مکمل نہ ہوا۔ امید ہے کہ آپ اپنے وعدہ کو مکمل فرمائیں گے۔ آپ کو اشارہ ہوا کہ اس فقیر کی قبر کی طرف توجہ کر کے بیٹھو تا کہ وعدہ مکمل ہو جائے۔ آپ نے عرض کیا کہ یہ وعدہ حالت حیات کا تھا لہٰذا اب بھی حالت حیات میں یہ وعدہ مکمل ہونا چاہئیے۔ تو آپ کو پھر بتایا گیا کہ ہمارے پاس اس وقت آنا جب کوئی اور نہ ہو۔ تو حضرت نے اس وقت پر نظر رکھی اور جانا شروع کیا، وہاں جاکر دیکھا کہ آپ اپنی قبر مبارک سے باہر تشریف لاتے ہیں اور توجہ فرماتے ہیں، چھ دن وعدہ کے مطابق ایسا ہی ہوتا رہا اور وعدہ مکمل ہو گیا۔

آخری دن آپ قلم سیاہی ساتھ لے گئے تھے فراغت کے بعد گزارش کی کہ آپ اپنے ہاتھ سے یہ تحریر فرمائیں کہ عبد الاحد کے پاس چالیس توجہ کرنے کا وعدہ کیا تھا جن میں سے ۳۴ حالت زندگی میں اور باقی چھ وصال کے بعد حالت زندگی میں آکر مکمل چالیس کی ہیں۔ اور وعدہ مکمل کیا ہے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس اللہ سرہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے مطابق عبارت لکھ کر دستخط بھی کئے حضرت وحدت قدس سرہ نے اپنے تمام چچازادوں کو یہ لکھا ہوا دکھایا، سب اپنے والد محترم کے خط کو جانتے تھے۔ حضرت حجۃ اللہ رحمہ اللہ نے اس کاغذ کی پشت پر یہ لکھا: یہ حق الیقین ہے کیوں نہیں اولیاء اللہ فوت نہیں ہوتے بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔[210]

خشک لکڑی پر توجہ کا اثر:

حضرت علامہ امام یوسف اسماعیل نبہانی لکھتے ہیں:

قال قدس اللہ سرہ رأیت الکعبۃ المطھرۃ تطوف بی تشریفاً منہ تعالیٰ وتکریما لی، وقال ان اللہ اعطانی قوۃ عظیمۃ من امر الھدایۃ بحیث لو توجھت الی خشبۃ یابسۃ لا خضرت۔

---

[210](تفسیر روح البیان)(عمدۃ المقامات، ص ۳۶۰)

یعنی حضرت امام مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے کعبہ مطہرہ کو دیکھا کہ اللہ کریم کی عطا فرمودہ میری عظمت کو دیکھ کر وہ میرا طواف کر رہا ہے اللہ کریم نے مجھے ہدایت کے معاملہ میں عظیم قوت عطا فرمارکھی ہے اگر میں خشک لکڑی پر توجہ ڈالوں تو وہ سبز ہو جائے۔[211]

توجہ میں اثر ہے یا نہیں؟

حضرت علامہ شیخ بدر الدین نقشبندی مجددی سرہندی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

وقتے کہ حضرت ایشان قدس سرہ وے را خلافت دادہ رخصت بوطن مالوف کردند، گویند کہ در اثنائے راہ بخاطرش رسید کہ حضرت ایشان مرا اجازت تعلیم طریقہ فرمودند، در طالبان تصرف باید کرد۔ بارے بیازمایم کہ مرا قوت وقدرت تصرف ہست یا نہ وتوجہ من اثرے دارد یانے، ناگاہ ڈولی دختر کافرے کہ وے کہ خدا کردہ می بردند بنظر افتاد، تصرف را بروے سردادم، بالفور آن عروسہ قطع نظر از حیائے کہ دختران رامی باشد کردہ وبے اختیار شدہ از ڈولی خود را انداختہ بجانب شیخ بشتافت وخود را بر قدم وے انداخت۔ شیخ، نظر باثارت فتنہ کردہ مطلب کہ تجربۂ توجہ بود حاصل نمودہ تصرف خود را از وے بازداشت، ہمان ساعت وے حیا عود نمود بازگشت ودر ڈولی نشست۔

حضرت امام مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جب آپ (شیخ بدیع الدین سہارنپوری رحمہ اللہ) کو خلافت دے کر آپ کے وطن مالوف کی طرف رخصت کیا تو کہا جاتا ہے کہ آپ کو خیال آیا کہ جب

[211] (جامع کرامات اولیاء ج ۱ ص ۴۹۲)

حضرت نے مجھے تعلیم طریقہ کی اجازت دی ہے تو طالبوں میں تصرف کرنا چاہیئے میں آزما کر دیکھوں کہ مجھے تصرف کی قوت اور قدرت ہے بھی یا نہیں اور میری توجہ میں اثر ہے یا نہیں ہے، اتفاق سے ایک کافر لڑکی کی ڈولی پر کہ جس کی ابھی شادی ہوئی تھی نظر پڑی میں نے اس پر تصرف کیا تو اس دلہن نے حیاء شرم جو لڑکیوں کو ہوتی ہے ترک کر کے فوراً بے اختیار ہو کر ڈولی میں سے چھلانگ لگائی اور شیخ کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور ان کے قدموں پر گر پڑی، شیخ نے فتنے کو فرو کرنے کے لئے اور اپنا مطلوب جو توجہ کے تجربے کے لئے تھا، حاصل کر کے اس کی طرف سے اپنا تصرف واپس کر لیا تو اسی وقت اس کی حیاء واپس آگئی اور وہ پلٹ کر ڈولی میں بیٹھ گئی۔[212]

توجہ سے جذبہ، شوق اور رونے کی حالت ہو جانا:

حضرت خواجہ محمد عبد الکریم نقشبندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بعض اوقات آپ کی توجہ کی یہ حالت ہوتی کہ تلقین کرنے کے بعد اسی وقت آدمی بے ہوش ہو جاتا تھا اور جو بے ہوش نہیں ہوتے تھے، تو ان کے دل میں ذکر کا جوش اور عجیب حالت اور شہودِ حق کا ظہور ہوتا تھا۔ اکثر اوقات، آپ رحمہ اللہ کے ساتھ توجہ میں مولانا غلام نبی اور سید جماعت علی شاہ صاحب بیٹھتے تھے، اور شاہ صاحب کی یہ حالت تھی کہ جس کی طرف توجہ کرتے تو اس کو اسی وقت جذبہ و شوق و گریہ ہو جاتا تھا۔ حافظ جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر آپ کی نظرِ مہربانی بہت تھی۔ جس روز آپ رحمہ اللہ نے ان کو تلقین فرمایا اور باطنی توجہ سے معمور فرمایا تو حافظ صاحب کی یہ حالت تھی کہ مثل ماہی بے آب زمین پر تڑپتے تھے۔ ایک برس تک ان کی یہی حالت رہی، اور تلقین کے بعد اسی وقت آپ نے تاج مبارک ان کے سر پر رکھا اور ماذون کیا جس وقت مولانا و مرشدنا

---

[212] (حضرات القدس ج ۲ ص ۳۴۰)

راولپنڈی تشریف لائے تو میں نے عرض کی یاسیدی رحمہ اللہ آپ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت جلدی ماذون کیا ہے، تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا میں حکم کا بندہ ہوں اور نیز شاہ صاحب رحمہ اللہ کی محبت اور علم و حلم مجھ کو پسند آیا۔[213]

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقدقال العارفون رضی اللہ عنھم۔من لا ینفع لحظه لا ینفع قوله۔

یعنی ”جس کی توجہ نافع نہیں، اس کی باتیں بھی نفع نہیں دے سکتیں۔“

فالعارف من یسلک الناس وھم فی حرفھم۔

یعنی ”پس عارف وہ ہے جو لوگوں کو ان کے کاروبار کی مشغولی ہی میں سلوک طے کرادے۔“[214]

مردہ دلوں کو توجہ سے زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

کہ پیر دل مردہ را زندہ گردانیدہ است و بہ مشاہدہ ومکاشفہ رسانیدہ (است) نزد عوام، احیای جسدی، عظیم الشان است و نزد خواص، احیای قلبی وروحی، برھان رفیع الشان است (خواجہ محمد پارسا)۔ قدس سرہ در رسالہ (قدسیہ) می فرماید کہ احیای جسدی پیش اکثر مردم چون اعتبار داشت، اہل اللہ از آن احیا اعراض نمودہ بہ احیای روحی پرداختہ اند ومتوجہ احیای دل مردۂ طالب گشتہ اند والحق کہ احیای جسدی نسبت بہ احیای قلبی، کالمطروح فی

---

[213](ھدایۃ الانسان الی سبیل العرفان، ص ۱۱۲)

[214](الانوار القدسیه فی بیان آداب العبودیه، ص ۹۹)

الطریق است ونظر بہ این، داخل عبث چہ، این احیا سبب حیات چند روزہ است وآن احیا، وسیلۂ حیات دائمی است، بلکہ گوییم کہ فی الحقیقت وجود اہل اللہ کرامتی است از کرامات ودعوت ایشان مر خلق را بہ حق۔ جل سلطانہ۔ رحمتی است از رحمت ھای حق۔ جل سلطانہ۔ واحیای قلوب اموات،آیت است از آیت ہای عظمیٰ۔ ایشان امان ارض اند وغنیمت روزگارند (بھم یمطرون وبھم یرزقون) در شان شان است کلام شان دواست ونظر شان شفا۔ ھم جلساء اللہ وھم قوم لا یشقیٰ جلیسھم ولا یخیب انیسھم۔

یعنی "پیر کا اس کے مردہ دل کو زندہ کرنا عظیم ہے۔ اور خواص کے نزدیک روحانی اور قلبی طور پر زندہ کرنا بڑی بلند مرتبہ دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ اپنے رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ جسم کا زندہ کرنا چوں کہ اکثر آدمیوں کے نزدیک معتبر ہے۔ اللہ والوں نے اس طرح زندہ کرنے سے منہ موڑا ہے، اور روحانی طور پر زندہ کرنے میں مشغول ہوئے اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ جسم کو زندہ کرنا دل کو زندہ کرنے کی نسبت بالکل بے کار چیز ہے۔ اور اس پر نگاہ ڈالنا بھی عبث ہے۔ کیونکہ جسم چند روزہ زندگی کا سبب ہے۔ اور قلبی زندگی حیات دائمی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فی الحقیقت اللہ والوں کا وجود بذات خود کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اور ان کا لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دینا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ یہ لوگ زمین والوں کے لئے امان ہیں اور زمانے کے لئے غنیمت ہیں۔ (بھم یمطرون وبھم یرزقون) "ان ہی کے سبب بارشیں ہوتی ہیں اور انہی کے ذریعے لوگوں کو رزق ملتا ہے" ان ہی کی شان میں ہے۔ ان کی گفتگو دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم

جلیس ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا، اور نہ ان سے دوستی رکھنے والا نا مراد ہوتا ہے۔"[215]

اللہ والے کے وضو کے پانی کی چھینٹوں سے بے خودی طاری ہوئی

شیخ روزبہان کبیر مصری رحمہ اللہ گازرونی الاصل ہیں مگر مصر میں سکونت اختیار فرمائی اور یہیں آپ سے رشد و ارشاد کا سلسلہ جاری ہوا۔ آپ اکابر صوفیاء اور اعاظم اولیاء اللہ سے ہیں۔ حضرت ابو النجیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختص لوگوں میں سے ہیں۔

حضرت جامی فرماتے ہیں:

"از مریدان شیخ ابوالنجیب سہروردی است"۔[216]

اور حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"و شیخ روزبہان نسبت بحضرت ابو النجیب سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارد"۔[217]

آپ اکثر عالم استغراق میں رہتے تھے۔ "در اکثر اوقات در مقام استغراق می بودہ" مگر باوجود اس کے شریعت کی اتباع و پابندی سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔ مصر میں آپ کی خانقاہ شریف فقرا و درویشوں کے لئے مرکز تھی۔ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ بھی آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور ایک مدت تک آپ کی تربیت حسب تعلیم و تلقین آپ کے ریاضات

---

[215](مکتوبات امام ربانی، ج ۲ مکتوب ۹۲، ص ۲۸۲)
[216](نفحات ص ۴۸۰)
[217](لطائف اشرفی ص ۳۷۶)

کرتے رہے۔ شیخ روزبہان کبیر رحمہ اللہ نے کئی مرتبہ آپ کو خلوت میں بٹھایا اور آپ سے متعدد چلے اور اربعین کرائے۔[218]

اور لطائف اشرفی صفحہ ۳۷۵ پر ہے:

"تکمیل و تحصیل سلوک الٰہی و عبور بر مقامات نامتناہی بحضرت شیخ روزبہان کبیر میسر شد۔"

حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت میں مصر پہنچا اور شیخ روزبہان کی خانقاہ میں داخل ہوا تو شیخ کے تمام مریدان واصحاب کو مشغول ومراقب پایا۔ میری طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی اور صرف اپنے کام میں مصروف رہے۔ میں نے کسی دوسرے شخص سے دریافت کیا کہ شیخ کون اور کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ شیخ خانقاہ سے باہر وضو فرمارہے ہیں۔ میں اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ شیخ تھوڑے سے پانی میں وضو کر رہے ہیں۔ میرے دل میں یہ خطرہ آیا کہ شیخ کو یہ مسئلہ شاید معلوم نہیں کہ اتنے قلیل مقدار پانی میں وضو جائز نہیں ہے۔ پھر ایسا شخص جسے ایسا مسئلہ بھی نہ معلوم ہو، شیخ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ادھر شیخ کو انکشاف ہو گیا۔ آپ نے وضو کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو میرے منہ پر لا کر چند چھینٹیں دیں، پانی کی چھینٹیں میرے چہرے پر پڑنا تھیں کہ مجھ پہ بے خودی طاری ہو گئی۔ شیخ اپنی خانقاہ میں آئے اور دو رکعات شکرانہ وضو ادا فرمانے لگے۔ میں کنارہ پہ کھڑا رہا کہ نماز سے فارغ ہوں تو میں سلام کروں اور قدم بوس ہوں اسی درمیان میں مجھ پر بے خودی طاری ہو گئی اور میں اس عالم سے گزر گیا۔ اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہے اور دوزخ کی آگ بھڑک رہی ہے۔ لوگ گرفتار ہو کر اس میں ڈالے جارہے ہیں۔ اور جہنم کے اوپر ایک پشتہ

---

[218](نفحات الانس ص ۲۱)

ہے جس پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اس بزرگ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ بالکل رہا کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسروں کو اس آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔ ناگاہ مجھے بھی فرشتے گرفتار کر کے دوزخ کی طرف لے چلے۔ میں کہنے لگا کہ مجھے اس بزرگ سے تعلق ہے۔ میری زبان سے یہ کلمہ سن کر مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں اس پشتہ کے اوپر پہنچا، دیکھا شیخ روزبہان رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں اور وہ بزرگ آپ ہی ہیں جن کے دامن پاک کے تعلق کی وجہ سے لوگ جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدموں پر سر رکھ دیا۔ شیخ روزبہانؒ نے زور سے میری پشت پر ایک دھول ماری جس کی وجہ سے میں منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ شیخ نے دھول لگاتے ہوئے فرمایا: ''پیش ازین اہل حق راانکار مکن'' یعنی بے سمجھے پہلے ہی سے اہل حق پر انکار مت کرو۔ زمین پر گرنے کے ساتھ ہی میں اس عالم سے عالم ہوش و حواس میں آیا اور اپنے آپ کو زمین پر پڑا پایا۔ اور شیخ رضی اللہ عنہ بھی تحیۃ الوضو سے فارغ ہو چکے تھے۔ میں دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ شیخ نے عالم شہادت میں بھی اسی طرح ایک دھول مجھ پر رسید کی اور وہی جملہ فرمایا کہ ''پیش ازین اہل حق راانکار مکن'' اس وقت میرے قلب سے تمام خیالات و وساوس اور ساری کدورتیں دور ہو گئیں''۔[219]

حضرت شیخ روزبہان کبیر مصری قدس اللہ سرہ نے حضرت شیخ ابوالنجیب نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی اپنی صاحبزادی سے شادی بھی کروادی تھی جن کے بطن مبارک سے حضرت نجم الدین کبریٰ کی متعدد اولاد ہوئی۔[220]

---

[219](نفحات الانس ۴۸۴تا ۴۸۸)

[220](نفحات ص ۴۸۰)(بحوالہ تذکرۃ حضرت ابو النجیب عبدالقاہر السہروردی رحمہ اللہ، صفحہ ۱۴۶)

توجہ قسری:

خواجہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان مجددی، قدس سرہ، فرماتے ہیں:

درین سال حضرت ایشاں توجہ قسری بفرزند چہارم حضرت خواجہ محمد اشرف دادند توجہ قسری آنرا گوئیند کہ دریک توجہ سالک را شیخ کامل ازابتداتاانتہا برساند حضرت خواجہ محمد اشرف دربیاض بدستخط خودرقم نمودہ اند کہ حضرت ایشاں درکوشک نشستہ بودند مرا فرمودند سال درزندگانی من باقی ماندہ است باتوجہ برتو بکنم کہ تاحال ہیچ کس برہیچ مریدے نکردہ باشد وبعدازین نیز نکند ومرالقاء نسبت کردند وتوجہ کامل دادند می فرمودند دریک توجہ مارا بمنتہائے کمالات الہیٰ مافوق آن متصور نباشد رسانیدن وتمامی این مقامات ولایت صغریٰ وکبریٰ وعلیا وکمالات نبوت وکمالات رسالت وحقیقت کعبہ وحقیقت قرآن وحقیقت صلوت وملاحت وصباحت وغیرہ باستقلال تمام درہمہ نوقت مرا حاصل شد وجمیع این مقامات درفہمیدم۔الحمدللہ علی ذلک۔

اس سال حضرت قیوم ثانی رحمہ اللہ نے اپنے چوتھے فرزند خواجہ محمد اشرف رحمہ اللہ پر توجہ قسری کی توجہ قسری کا مطلب یہ ہے کہ ایک توجہ میں شیخ کامل سالک کو ابتداء سے لے کر انتہا تک پہنچادیتا ہے حضرت خواجہ محمد اشرف رحمہ اللہ اپنے بیاض میں خود اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں کہ حضرت قیوم ثانی رحمہ اللہ محل میں بیٹھے تھے۔مجھے فرمایا کہ اب میری زندگی کا صرف ایک سال اور ہے آؤ! میں تم پر ایسی توجہ کروں کہ اب تک کسی نے اپنے مرید پر نہ کی ہو۔اور نہ آئندہ کوئی کرے۔پھر مجھے

القائے نسبت کیا اور کامل توجہ دے کر فرمایا کہ ہم نے تمہیں کمالات الٰہی کے انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ جس کے آگے وہم وخیال میں نہیں آسکتا۔

آنحضرت رحمہ اللہ نے ولایتِ صغریٰ، کبریٰ، علیا اور کمالاتِ نبوت و کمالات رسالت، حقیقتِ کعبہ، حقیقت قرآن اور حقیقتِ صلوٰۃ اور صباحت و ملاحت وغیرہ سب کچھ ایک ہی وقت میں مجھے حاصل کروا دیئے۔ چنانچہ ان تمام مقامات کا احساس میں اپنے آپ میں کرنے لگا۔ **الحمدللہ علی ذٰلک۔**[221]

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، فرماتے ہیں:

قدسیہ: حضرت حق سبحانہ از عنایت بے غایت خویش این درویش را آنقدر بخشیدہ است کہ اگر باین چوب خشک ہمت گمارم جہانے ازوے منور گردد، اما این آخر زمان مرضی دادار جہان در اظہار آن نمی یابم۔

قدسیہ: آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا عنایت سے اس فقیر کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ اگر ایک خشک لکڑی پو توجہ دوں تو یہ عالم اس سے منور ہو جائے گا لیکن اس آخر زمانے میں اس طرح کی توجہ کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے۔[222]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ توجہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وللنقشبندية تصرفات عجيبة من جميع الهمة على مرادفيكون على وفق الهمة والتاثيرفی الطالب ودفع المرض عن المريض وافاضة التوبة على العاصی والتصرف فی قلوب الناس حتی يحبوا ويعظموا وفی مدارکهم حتیٰ تتمثل فيهاواقعات عظيمة والاطلاع

---

[221](روضۃالقیومیہ، ج، ۲، ص، ۲۴۱)

[222](حضرات القدس، ص، ۱۶۳، ناشر محکمہ اوقاف پنجاب لاہور)(حضرات القدس، ج ۲، ص، ۱۸۰)

علی نسبة اهل الله من الاحیاء واهل القبور والاشراف علی خواطر الناس ومایختلج فی الصدور وکشف الوقائع المستقبلة ودفع البلیة النازلة وغیرها ونحن ننبهک علی نموذج منها۔

ترجمہ: نقشبندیوں کے عجیب تصرفات ہیں ہمت باندھنا کسی مراد پر وہ مراد ہمت کے موافق اور طالب میں تاثیر کرنا اور بیماری کو مریض سے دفع کرنا اور عاصی پر توبہ کا افاضہ کرنا اور لوگوں کے دلوں میں تصرف کرنا تاکہ وہ محبوب اور معظم ہو جاویں یا ان کے خیالات میں تصرف کرنا تاکہ ان میں واقعات عظیمہ متمثل ہوں اور آگاہ ہو جانا اہل اللہ کی نسبت پر خواہ زندہ ہوں یا اہل قبور اور لوگوں کے خطرات قلبی پر اور جو ان کے سینوں میں خلجان کر رہا ہے اس پر مطلع ہونا اور وقائع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلائے نازل کو دفع کر دینا اور سوائے ان کے اور بھی تصرفات ہیں اور ہم تجھ کو اسے کتاب کے دیکھنے والے ان میں سے بعض تصرفات پر آگاہ کرتے ہیں بطریق نمونے کے۔

طریقہ تاثیر طالب یعنی توجہ دادن: سالک کو توجہ کرنے کا طریقہ

اماهذه التصرفات عند کبرآئهم اصحاب الفنآءفی الله والبقآء به فلها شأن عظیم واماعندسائرهم فالتاثیر فی الطالب ان یتوجه الشیخ الی نفسه الناطقة ویصادمها بالهمة التامة القویة ثم یستغرق فی نسبته بالجمعیة وهذابعد ان تکون نفس الشیخ حاملة لنسبة من نسب القوم وکانت ملکة راسخة فیها فتنتقل نسبته الی الطالب علی حسب استعداده ومنه من یشوب بهذا التوجه الذکر والضرب علی قلب الطالب واذا غاب الطالب فانهم یتخیلون صورته ویتوجهون الیها۔

ترجمہ: اور اس قسم کے تصرفات کاملین نقشبندیوں کے نزدیک جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے لوگ ہیں تو انکی تو اور شان عظیم ہے اور اکابر کے سوا باقی متوسطین کے نزدیک طالب میں تاثیر کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ مرشد طالب کے نفس ناطقہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی پوری قوی ہمت سے ٹکرائیں پھر

ڈوب جائیں اپنی نسبت میں جمعیت خاطر سے اور یہ تصرف اس کے بعد ہو گا کہ نفس مرشد کسی نسبت کا حامل ہو ان بزرگوں کی نسبتوں میں سے اور اس نسبت کا اس کو ملکہ راسخہ ہو کہ ہر دم اس کے قابو میں ہو پھر مرشد کی نسبت طالب کی طرف منتقل ہو گی اسکی لیاقت اور استعداد کے موافق اور بعضے نقشبندی اس توجہ کی ساتھ ذکر کو اور طالب کی دل پر ضرب لگانے کو بھی ملا دیتے ہیں اور جب کہ طالب غائب ہو تو اس کی صورت کو خیال کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی غائب کو توجہ دیتے ہیں اس کی صورت کو تصور کر کے۔

حقیقت ہمت:

واماالھمۃ عن اجتماع الخاطر وتأکد العزیمۃ بصورۃ التمنی والطلب بحیث لایخطر فی القلب خاطر سوی ٰھذا المراد کطلب المآء للعطشان واخبرنی من اثق بہ ان من الشیوخ من یشتغل با لنفی والاثبات ویعنی بہ لاراد بھذہ الآفۃ او لارازق او ما یناسب ھذا الا اللہ فانہ الفاعل بھذا الفعل۔

ترجمہ: اور ہمت تو عبارت ہی اجتماع خاطر اور قصد کے مضبوط ہو جانے سے بصورت آرزو اور طلب کے اس طرح پر کہ دل میں کوئی خطرہ نہ سماوے سوااس مراد کے جیسے پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے اور مجھ کو خبر دی اس نے جس پر مجھ کو اعتماد ہے کہ بعضے شیوخ نفی اوراثبات میں مشغول ہوتے ہیں اور لا الہ اللہ سے یہ ارادہ کرتے ہیں کہ آفت کا ٹالنے والا نہیں اور کوئی روزی دینے والا نہیں یااس کے مناسب جو مدعاہو سوائے اللہ کے۔

توجہ کے ذریعے سبب مرض:

وامارفع المرض فعبارة عن ان یتخیل نفسه المریض وان به هذاالمرض ویجمع الهمة بحیث لایخطر فی قلبه خطرة دون هذافان المرض ینتقل الیه وهذا من عجائب صنع الله فی خلقه۔

ترجمہ: اور بیماری کا دور کرنا اس سے عبارت ہے کہ مرد صاحب نسبت اپنی ذات کو بیمار خیال کرے اور یہ جانے کہ یہ بیماری مجھ میں ہے اور اس پر ہمت کو جمع کرے اس طرح پر کہ اس کے دل میں کوئی خطرہ نہ آوے سوائے اس تصور کے تو مریض کی بیماری اس شخص کی طرف منتقل ہو جاوے گی اور یہ امر عجائبات قدرت اور صنعت ایزدی سے ہے اس کی خلق میں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کی برکت سے ایک صاحب دل کے عجب کا علاج:

جیسے ظاہری مرض کی طرف اگر شیخ متوجہ ہو جائے اور اس بندے سے ظاہری بیماری دفعہ ہو جاتی ہے اسی طرح باطنی بیماریاں جو کہ تقریباً ننانوے ہیں وہ بھی شیخ کامل کی توجہ کی برکت سے ختم ہو جاتی ہیں ۔حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں ایک صاحب دل سید صاحب حاضر ہوئے،ان کا دل ایسا ذاکر تھا کہ پاس بیٹھنے والے بھی ذکر کی آواز سنتے تھے ، خصوصاً جب وہ سوتے تھے تو دور دور تک ذکر کی آواز سنائی دیتی تھی اور ان کو بعض مشائخ سے خلافت بھی حاصل تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی اسی توقع سے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ صاحب استعداد ہیں مگر غلبۂ ذکر اور خلافت مشائخ نے ان کو عجب و غرور اور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کی راہ ترقی مسدود ہو گئی ہے ،لہٰذا ان کا علاج ان کے حالات سلب کر لینے سے

ہو گا۔ چنانچہ دوروز بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت نے ان کے حالات سلب کر لئے۔ سید صاحب نے جب اپنے کو بے حال پایا تو بہت پریشان ہوئے، گریہ وزاری شروع کی اوراشک حسرت آنکھوں سے جاری ہو گئے، لیکن حضرت نے ان کے حال پر ذرا التفات نہ کی۔ جب چندروز کے بعد ان کے دماغ سے عجب وپندار نکل گیا اور روتے روتے بری حالت ہو گئی تو حضرت نے ان کو خلوت میں طلب فرما کر ایسے مقامات عالیہ پر پہنچادیا کہ اس کا پہلا ذکر ان کے مقابلے میں زینۂ اول حیثیت بھی نہ رکھتا تھا، وہ سید صاحب خود بھی اپنی پہلی حالت کے نقص کے معترف ہو گئے۔[223]

طریقہ توبہ بخشی:

واماافاضة التوبة فصورته ان یتخیل نفسه ذلک العاصی بعدان اثر فیه نوع تاثیر کان نفسه افاضت الی نفسه ووقع بین النفسین اتصال ماثم یستانف فیندم ویستغفر اللہ فان ذلک العاصی یتوب عن قریب۔

ترجمہ: اورافاضہ توبہ کی صورت یہ ہے کہ صاحب نسبت اس عاصی شخص کے نفس کا تصور کرے بعد اس کے کہ کچھ اس میں تاثیر کرے اس طرح پر کہ گویا اس کی ذات اس کی ذات سے مل گئی اور دونوں میں اتصال پیدا ہو گیا پھر ندامت کا اظہار کر کے حق تعالیٰ سے استغفار کرے تو اس سے وہ عاصی بھی جلد توبہ کرے گا۔

طریقہ تصرف قلوب:

والتصرف فی قلوب الناس حتی یحبوا اومدارکهم حتی یتمثل فیهاالواقعات صورته یصادم نفس الطالب بقوة الهمة ویجعلهامتصلة بنفسه ثم یتخیل صورة المحبة اوالواقعة ویتوجه الیهابجامع قلبه فان المتوجه الیه یتاثر ویظهر فیه الحب وتتمثل له الواقعة۔

---

[223](زبدۃ المقامات ص ۲۷۸، حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۶)

ترجمہ: اور تصرف کرنا لوگوں کے دل میں تا کہ ان میں محبت آجائے یا ان کی محل ادراک میں تصرف کرنا تا کہ ان میں واقعات متمثل ہو جائیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ بقوت ہمت طالب کے نفس سے لڑے اور اس کو اپنے نفس سے متصل کرلے پھر محبت یا واقعے کی صورت کو خیال کرے اور ان کیطرف متوجہ ہو اپنے دل کی جمعیت سے تو اس میں اثر ہو گا جس کی طرف ہو اور اس میں محبت ظاہر ہو جاوے گی اور واقعہ اسکے ذہن میں صورت پکڑ جاوے گا۔

طریقہ اطلاع نسبت اہل اللہ:

واما الاطلاع علی نسبة اهل الله فطریقه ان یجلس بین یدیه ان کان حیا او عند قبره ان کان میتا ویفرغ نفسه عن کل نسبة ویفضی بروحه الی روح هذا الشخص زمانا حتی یتصل بها ویختلط ثم یرجع الی نفسه فکل ما وجد من الکیفیة فهو نسبة هذا الشخص لا محالة۔

ترجمہ: اور اہل اللہ کی نسبت سے مطلع ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اس کے سامنے اگر وہ زندہ ہو یا اس کی قبر کے پاس بیٹھے اگر وہ مردہ ہو اور اپنی ذات کو ہر نسبت سے خالی کر ڈالے اور اپنی روح کو اسکی روح تک پہنچاوے چند ساعت یہاں تک کہ اس کی روح سے متصل ہو اور مل جاوے پھر اپنی ذات کی طرف رجوع کرے پھر جو کیفیت کہ اپنے نفس میں پاوے تو البتہ وہی اس شخص کی نسبت ہے۔

طریقہ اشرافِ خواطر:

واما الاشراف علی الخواطر فطریقه ان یفرغَ نفسه من کل حدیث وخاطر ویفضی بنفسه الیٰ نفس هذا الشخص فان اختلج فی نفسه حدیث من قبیل الانعکاس فهو خاطره۔

ترجمہ: اور اشراف خواطر یعنی دل کی باتوں کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی ذات کو ہر بات اور ہر خطرے سے خالی کرے اور اپنے نفس کو اس شخص کے نفس تک پہنچادے پھر اگر اس کے دل میں کچھ کھٹکے اور کوئی بات معلوم ہو بطریق پر توپڑنے کے تو وہی بات اس کے دل کی ہے۔

طریقہ کشفِ وقائع آئندہ: آئندہ کے حالات کا کشف حاصل کرنا:

واما کشف الوقائع المستقبلة فطریقه ان یفرغ نفسه عن کل شیئ الا انتظار معرفة هذه الواقعة فاذا انقطع عنه کل حدیث وکان الانتظار کطلب الماء للعطشان جعل یربوا بنفسه زمانا بعد زمان الی الملاء الاعلی او السافل بقدر استعداده ویتجرد الیهم فانه عن قریب ینکشف علیه الامر بهتف هاتف او رؤیة واقعة فی الیقظة او رؤیا فی المنام۔

ترجمہ: اور آئندہ آنے والے واقعات کے کشف کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو خالی کرے ہر چیز سے سوائے اس واقعے کے دریافت کے انتظار کے پھر جب اسکے دل سے ہر خطرہ منقطع ہو جائے اور انتظار اس مرتبہ پر ہو جیسے پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے اپنی روح کو ساعت بساعت ملاءِاعلیٰ یا اسفل کی طرف بلند کرنا شروع کرے بقدر اپنی استعداد کے اور ان ہی کی طرف یک سو ہو جائے تو جلد اس پر حال کھل جائے خواہ ہاتف کی آواز سے یا جاگتے میں اس واقعہ کو دیکھ کر یا خواب میں۔

طریقہ دفع بَلا

واما دفع البلیة النازله فطریقه ان یتخیل تلک البلیة بصورتها المثالیة ویتخیل مصادمتها ودفعها بقوة ثم یجمع همته علیٰ ذالک ویربوا بنفسه زمانا بعد زمان الیٰ حیز الملاء الاعلیٰ او السافل ویتجرد الیهم فانها عن قریب تندفع۔ واللہ اعلم۔

وشرط هذه التصرفات وما یجری مجراها اتصال نفس الموثر فیه والالمام بها والافضاء الیها والاصحاب التجرید من غواشی البدن یعرفون هذا الاتصال ویقدرون علیٰ

تحصیله و الله اعلم و هذا الذی ذکرنا من الاشغال هو الذی کان یختار سیّدی الو الد قدّس سره۔

ترجمہ: اور آنے والی مصیبتوں کے دفع کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اس بلا و مصیبت کو اس کی صورتِ مثالی کے ساتھ خیال کرے اور اس کی مصادمت اور دفع کرنے کو بقوتِ تمام خیال کرے پھر اپنی ہمت کو اس پر مجتمع کرے اور اپنی روح کو ساعت بساعت ملاءِ اعلیٰ یا ملاءِ سافل کے مکان کی طرف بلند کرے اور ان ہی کی طرف یکسو ہو جاوے تو عنقریب وہ دفع ہو جاوے گی۔ و اللہ اعلم۔

اور ان تصرفات کی شرط اور جو ان کے قائم مقام ہیں متصل کرنا ہے اثر دینے والے کے نفس کو اس کے نفس سے جس میں تاثیر کرنا منظور ہے اور ملا دینا اس کے ساتھ اور اس تک پہنچا دینا اور جو لوگ کہ بدن کے حجابوں سے پاک ہو گئے ہیں وہ اس اتصال کو جانتے ہیں اور یہ وہ اشغال ہیں کہ وہ اسکے حصول پر قادر ہیں واللہ اعلم اور یہ جو اشغال ہم نے ذکر کیے ہیں یہ وہ ہیں کہ جن کو ہمارے والد مرشد پسند کرتے تھے۔[224]

ایک مرید کے دل سے غیر عورت کی محبت کا دور کرنا اپنی توجہ کی برکت سے:

خواجہ حسام الدین احمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے خواجہ جمال الدین حسین اپنے والد بزرگوار کے حکم سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں سرہند شریف حاضر ہوئے فرماتے تھے کہ جب میں خدمت عالی میں حاضر ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ کو ذکر کی تعلیم دے کر توجہ فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا: میں تمہارے دل میں کسی عورت کی محبت کا نقش ایسا جما ہوا پاتا ہوں جس طرح کہ پتھر مٹی میں، سچ کہو کیا بات ہے جب تک کہ اس کی محبت کا نقش تمہارے دل سے نہ نکل جائے گا خدا کی محبت سے تم مستفیض نہیں ہو سکتے۔ میں نے کہا کہ پھوپھی کی کنیز سے

---

[224] (شفاء العلیل القول الجمیل ص: ۱۱۱ تا ۱۱۹)

میرا تعلق ہے اور میں اس کا شیفتہ ہوں۔ اس کے بعد آپ نے توجہ فرمائی اور اس کے تعلق سے میرے دل کو پاک کر دیا۔ اس کی محبت میرے دل سے اس طرح جاتی رہی گویا کبھی اس سے الفت ہی نہ تھی۔[225]

آپ کی توجہ کا اثر:

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ابھی حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا، میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر کے یہ راز دریافت کیا"کہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت میں غیر صحابی کامل اولیاء سے افضل ہوئے کیا اسی ایک صحبت میں ان پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ جس کے باعث وہ تمام اولیاء سے افضل ہو گئے۔" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا"اس سوال کا حل صحبت و خدمت سے تعلق رکھتا ہے" اس درویش کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی صحبت بابرکت سے مشرف ہوا، اول ہی صحبت میں مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ اس کی شرح بیان میں نہیں آسکتی۔ آخر اسی روز حضرت نے مجھے بلا کر فرمایا"آج ہی تمہاری صورت حال کچھ اور ہو گئی ہے اسی سے اپنے سوال کا حل سمجھ سکتے ہو۔[226]

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

عرض داشت کمترین بندگان احمد آنکہ مرشدِ علی الاطلاق جلّ شانہ بہ برکتِ توجہِ عالی بہر دو طریق جذبہ و سلوک تربیت فرمودہ بہر

---

[225] (زبدۃ المقامات ص ۱۴۸-۱۴۷)

[226] (زبدۃ المقامات ص ۲۷۸)

دو صفت جمال و جلال مربی ست حالا جمال عینِ جلال ست و جلال عین جمال۔

ترجمہ: حضور کا کمترین خادم احمد عرض کرتا ہے کہ مطلق طور پر ھدایت کرنیوالے یعنی اللہ تعالیٰ جلّ شانہ نے آنجناب کی توجہ عالی کی برکت سے جذبہ اور سلوک کے دونوں طریقوں اور جمال و جلال کی دونوں صفتوں سے تربیت فرمائی ہے۔اب جمال عین جلال ہے اور جلال عین جمال ہے۔

شرح:

ابتداء مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ذات حق سبحانہ وتعالی کے لئے۔"مرشد علی الاطلاق" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کیونکہ رشد وھدایت در اصل اللہ تعالی کے فضل و کرم پر موقوف ہے اور وہی حقیقی طور پر مرشد وہادی ہے بندگانِ خدا پر لفظ مرشد وہادی کا اطلاق مجازا ہے۔ بعد ازاں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اپنے متعلق جذبہ وسلوک کے دونوں طریقوں اور جمال وجلال کی دونوں صفتوں سے تربیتِ باطنی کی نعمت حاصل ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔اس مضمون کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔وباللہ التوفیق۔

جذبہ وسلوک کیا ہے۔۔۔؟

جذبہ: جذبہ 'سیر انفسی کا نام ہے اللہ تعالی کے فضل اور مرشدِ کامل کی توجہات سے سیر انفسی میں عالمِ امر کے لطائف کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور لطائف اپنی اصل میں فنا ہو جاتے ہیں یہ کیفیتِ جذب ہے اور اس تربیت کے حاصل کرنے والے کو مجذوب کہتے ہیں

سلوک: سلوک سیر آفاقی کا نام ہے۔ مرشدِ کامل کی ھدایت کے مطابق اتباعِ سنت و شریعت اور ریاضت و مجاھدہ کے ذریعے طہارتِ نفس و عناصر حاصل کرنا سیر آفاقی ہے۔ اس کو سلوک کہتے ہیں اور اس قسم کی تربیت حاصل کرنے والے کو سالک کہا جاتا ہے۔

جذبہ سلوک سے مقدم ہو تو ایسے مرید کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔ اگر سلوک جذبے پر مقدم ہو تو ایسے مرید کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔ حضراتِ نقشبندیہ جذبے کو سلوک پر مقدم رکھتے ہیں اسی لئے اکثر نقشبندی صوفیاء مجذوب سالک ہوتے ہیں دیگر سلاسل کے بزرگ سلوک کو جذبے پر مقدم کرتے ہیں اسی لئے ان کے اکثر صوفیاء سالک مجذوب کہلاتے ہیں۔

یہاں مجذوب کا عوام میں متعارف معنیٰ مراد نہیں بلکہ مجذوب کا لفظ توجہِ شیخ سے فیضیاب ہونے والے پابند شریعت صوفی پر استعمال فرمایا ہے۔

اقسامِ جذبہ

جذبہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جذبہ بدایت (۲) جذبہ نہایت

جذبہ بدایت کو جذبہ صوری اور جذبہ نہایت کو جذبہ حقیقی کہتے ہیں۔ جذبہ بدایت سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے جو حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت کا خصوصی فیضان ہے۔ اندراج النہایت فی البدایت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ جذبہ نہایت تمام سلاسل، طریقت میں مشترک ہے۔

تعبیراتِ جمال و جلال

صوفیاء کرام کے نزدیک جمال و جلال کے متعدد مفہوم ہیں مثلاً:

(۱) جمال سے مراد اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام ہے جو بصورتِ راحت ورحمت اور صحت و شفاء ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) جلال سے مراد اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب ہے۔ جو بصورتِ رنج والم وتکلیف و مصیبت ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) جمال سے مراد تجلّی لطف و رحمت ہے۔ تمام افعال و آثار خیرات و طاعات اور اعمالِ عبادات وحسنات کامصدر اسی تجلی جمال سے وابستہ ہے۔

(۴) جلال سے مراد تجلی قہاری ہے۔ تمام افعال و آثار ضلالت وشرارت اور اعمالِ کثافت کا صدور اسی تجلیِ جلال سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) جمال سے مرتبہء وحدت اور جلال سے مرتبہء احدیت بھی مراد لیا گیا ہے۔

(۶) جمال سے التفاتِ محبوب اور جلال سے استغناءِ محبوب مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

سالک جب تزکیہ نفس کے بعد مقامِ معرفت پر فائز ہوتا ہے اور جذبہ و سلوک کی دونوں جہتوں سے حصہ پاتا ہے اور جمالی و جلالی صفتوں کے ساتھ تربیت پاتا ہے تو اس کو ذات حق سبحانہ وتعالی کے ساتھ محبت ذاتی کا مرتبہ حاصل ہوجاتاہے اس مرتبے میں اسے جمال اور جلال دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ کیونکہ جمال اور جلال دونوں اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں۔ محبوب کے فعل بھی محبوب ہوتے

ہیں۔ اسی لئے جمال و جلال کی خصوصیات اس کی نظر سے اوجھل رہتی ہیں اور اس کی ساری توجہ صرف محبوب کی طرف رہتی ہے۔[227]

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چون حدوثِ این قضیۂ نزول پُر زود بود و حقیر را بواسطۂ تناول جلاب ضعفے طاری شدہ بود بانجام کار این نزول نپر داخت ان شآء اللّٰہ تعالیٰ ظاہر خواہد شد۔

ترجمہ: چونکہ نزول کے اس معاملہ کا واقع ہونا قوی اور زوردار تھا اور اس حقیر کو اسہال (جلاب آور دوا) لینے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوگئی تھی، اس لئے نزول کے نتیجہ میں مشغول نہیں ہوا، ان شاءاللہ تعالیٰ آئندہ ظاہر ہو جائے گا۔

شرح: آپ کے اس فرمان سے دو امر ثابت ہوئے پہلا یہ کہ راہِ طریقت میں سالک کے لئے مجاہدہ وریاضت کے ساتھ ساتھ شیخ کی باطنی توجہات بھی ضروری ہیں اور اس کے لئے سالک کو کمالِ اہتمام اور اخلاص کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سالک کو جس طرح عروجی مراتب میں مرشد کی توجہ درکار ہے اسی طرح نزول کے مرتبوں میں بھی خصوصی توجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے اور سالک (مرید) کسی وقت بھی اپنے شیخ کی توجہات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

دوسرا یہ کہ باطنی امور کے کشف و ظہور میں صرف ہمت اور وظائف طریقت کی ادائیگی کے معاملات کے لئے سالک کی ظاہری جسمانی صحت و تندرستی بھی لازمی ہے کیونکہ جسمانی صحت روحانی صحت پر اثرانداز ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت اور طب نبوی ﷺ میں حفظانِ صحت کے

[227] (مکتوب ۲، البینات جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ تا ۲۶۰)

اصول و قواعد بتائے گئے اور معاملاتِ زندگی میں اعتدال و توازن کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ وظائفِ عبودیت بجالانے اور آدابِ طریقت ادا کرنے کے لئے جسمانی صحت و علاج معالجہ کے اصولوں پر بھی مکمل طور پر کاربند رہے۔ حدیث نبوی ﷺ فان لجسدک علیک حقا (تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے) اسی امر پر دال ہے۔

ہمارے مشائخ کے نزدیک عبادات و معاملات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ رزق، صحت اور دوا جیسی نعمتوں کا بھی مناسب اہتمام و استعمال ہونا چاہیئے، غیر شرعی جسمانی مشقتوں اور غیر مسنون چلوں وریاضتوں کے ذریعے روحانی ترقی حاصل کرنے کی بجائے سنت و شریعت پر عمل کرکے روحانی ارتقاء حاصل کرنا چاہیئے چنانچہ عزیمت پر عمل کرنا خصوصیتِ نقشبندیہ میں سے ہے۔[228]

حضرت پیر حافظ عبد الکریم نقشبندی عید گاہ شریف والے کی جب کسی طالب پر نظر پڑتی تھی اس کا حال متغیر ہو جاتا تھا اور بے خودی اور جذب و محویت کے آثار ظاہر ہو جاتے تھے۔[229]

ایک ہی توجہ کی نگاہ سے موت آپڑی:

حضرت شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری لکھتے ہیں:

نقل است کہ بوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ مریدے داشت عظیم گرم وصاحب وجد ہر دو بیامدند بہ بسطام کہ چشم مرید بوتراب بر بایزید افتاد بلرزید، ودر حال خشک شد و بمرد، شیخ گفت درنھاد این جوان کارے بود ہنوز وقت کشف آن نبود در مشاہدہ بایزید آن کار بہ یکبار براو افتاد طاقت نداشت فرو شد۔

---

[228](مکتوب ۱۷ ، البینات جلد ۱ صفحہ ۵۱۳ تا ۵۱۴)

[229](کنز القدیم فی آثار الکریم، ص، ۱۹)

شیخ ابوتراب کا ایک مرید بڑا گرم اور صاحب وجد تھاایک دن شیخ ابوتراب اس کو سلطان العارفین حضرت ابویزیدرحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔جب سلطان العارفین حضرت ابویزیدرحمہ اللہ کی نظر اس مرید پر پڑی تو مرید زمین پر گر پڑا اور تڑپ کر واصل بحق ہو گیا۔سلطان العارفین حضرت شیخ تراب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ حضرت ایک ہی نگاہ اور موت تو آپ نے فرمایاابوتراب رحمہ اللہ اس نوجوان کے بدن میں ایک نور تھا جس کا افشاں ہونے کا ابھی تک وقت نہیں آرہا تھاحضرت سلطان العارفین حضرت ابویزیدرحمہ اللہ کی نگاہ توجہ سے وہ فوراًافشاں ہو گیااسے اس جلال کی قوت برداشت نہ تھی اس نے دم توڑ دیا۔[230]

حدیث فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثال:

حضوراکرم ﷺ جب غارِ حرا میں تھے۔تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور تین بار فرمایااقرأ دو دفعہ حضور ﷺ نے جواب دیاما انا بقاری۔مگر تیسری بار حضرت جبریل علیہ السلام نے سینہ سے لگا کر چھوڑا تو حضور ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔

بخاری کی اس حدیث کی شرح میں عارف کامل محدث اجل عبداللہ ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے فرمایاہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذنی فغطنی۔ الخ فیه دلیل علی ان اتصال جرم الغاط بالمغط وضمه الیه تحدث به فی الباطن قوۃنوریۃ متشعشعۃتکون عونا علی حمل مایلقی الیه لان جبریل علیہ السلام لما اتصل جرمه بذات محمد السنیۃ حدث له بذلک ماذکرناہ وھو حمله ماالقی الیه ووقوفه لسمع خطاب الملک ولم یکن قیل له ذلک وقدوجدذلک اھل المیراث من اھل الصوفۃالمتبعین المحققین۔

---

[230](تذکرۃالاولیاءص ۱۵۳)

ترجمہ:اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھینچا گیا۔ جو ایک طریقہ حصول فیض کا ہے تو اس جسم کے اتصال سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس قوت سے دوسرا شخص اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب جبریل علیہ السلام کا جسم مبارک رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے متصل ہوا تو اس میں وہ کیفیت نورانیہ پیدا کر دی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ مزید یہ کہ فرشتہ کی آواز سنی جو اس سے پہلے نہ سنی تھی۔ اور متبعینِ سنت اور محققین صوفیاء(جو اصل وارث ہیں)نے یہی طریقہ حاصل کیا ہے۔اس حدیث مبارکہ کے تحت لامع الدراری علی جامع البخاری میں لکھتے ہیں:

شاہ عبد العزیز اور توجہ کی اقسام اربعہ

واجادشیخ مشائخنا الشاہ عبدالعزیز فی تفسیرہ فی حکمۃ ہذہ الضغطۃ فقال مامعربہ ان ہذہ الضغطۃ کانت الانشاء اثر روحانیۃ جبرئیل علیہ السلام فی روحہ ﷺ وذالک ان تاثیر المشائخ الکاملین فی نفس الاخر الذی یعبرونہ فی اصطلاحہم بالتوجہ علی اربعۃ انحاء الاول تاثیر انعکاسی مثالہ رجل لطخ علی جسدہ طیبا کثیرا او معطرات غالیۃ یفوح منہا الریاح الطیبۃ الکثیرۃ فجلس فی مجلس وحولہ عصابۃ تمتعوا بہذہ الریاح وتدخل ہذہ الریاح الطیبۃ فی مشامہم فیتاثرون بہا وہذا اضعف التاثیرات لان اثرہ یبقی ماداموا فی مجلس ہذا الشیخ والثانی تاثیر القائی بمنزلۃ رجل اخذ سکرجۃ والقی فیہا من الزیت والفتیلۃ وذہب عند الشیخ فاخذ منہ لہا نور مصباحہ کان الشیخ القی فیہ انوارہ وہذا اقوٰی من الاول اذ یبقی اثرہ بعد صدورہ من مجلس الشیخ ومع ذالک لو عارض مصباحہ شیئ من الریح الشدید وغیرہ اطفیٔ نورہ وایضا لا یکون فی ہذا النوع مزید اصلاح لنفس المرید لانہ لم یوثر فیہ الشیخ الا بالقاء نورہ فمدار اصباحہ علی نظافۃ زیتہ وجودۃ فتیلتہ ان کانتا اجود کان الضیاء ایضا جیدا والا فلا۔الثالث تاثیر اصلاحی بمنزلۃ رجل حفر نہراً واصلح صنعتہ واوصلہ الی البحر لیجری منہ الماء فی نہرہ وجعلہ فی نزول عند البحر حتٰی

یجری منه السیل فی نهره بالسرعة والشدة وهذاالتاثیراقویٰ من الاولین فان فیه یزول العوارض المانعةمن جریان الماء کالتراب والاوراق وغیرذالک فانهاتسیل مع الماءالاان یقع عارض فی النهرمن الخرق والنقب وغیر ذالک۔الرابع تاثیراتحادی بان یجعل روحه الحامل للکمالات العلیة متحدابروح المسترشدبالقوة والشدة والضغطة ومعلوم ان هذاالتاثیراقویٰ التاثیرات السابقةوذکرفی ذالک قصةمعروفةلشیخ مشائخناالنقشبندیة الخواجه باقی باللہ شیخ حضرت المجددالف ثانی رحمۃاللہ تعالیٰ علیه التی وقعت مع الطباخ الذی هیأضیافة اضیاف شیخ المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیه قال الشیخ فغطة جبرئیل علیه السلام کان من هذاالقبیل حتی تاثرروحه الشریف برو حانیة جبرئیل علیه السلام الملکیة واصطبغ به اصطباغاتاماًقلت وهذاتوجیه لطیف لاینکره الامن جهل هذاالطریق۔

ترجمہ: شیخ المشائخ الشاہ عبدالعزیزاپنی تفسیرمیں اس حدیث کی حکمت میں اپنی کتاب میں ارشادفرماتے ہیں کہ کچھ دبانااس لیے تھاکہ جبرائیل علیہ السلام کی روحانیت حضورعلیہ السلام کی روح میں شامل ہو جائے اس لیئے کہ کاملوں کی تاثیرجودوسرے کے اندراثرپیداکرتی ہے جس کواہل طریقت کے عرف میں توجہ کہتے ہیں چارطرح سے ہوتی ہے۔

اول: تاثیرانعکاسی وہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص خوب عطرلگاکرمجلس میں آئے اوراس عطرکی خوشبو سب ہم نشینوں کے دماغ کومعطرکردے پس یہ قسم سب قسموں میں توجہ کی ضعیف ہے کیونکہ اس کا اثرتب تک ہی ہے جب تک اس کی صحبت ہے بعداس کے کچھ باقی نہیں رہتا۔

دوسری: تاثیرالقائی: وہ اس قسم کی ہے جیسے کوئی شخص بتی اور تیل دیے میں ڈال کرلایااوردوسرے شخص کے پاس آگ تھی اس نے اس کوروشن کردیاپس چراغ تیارہوگیااس قسم کی تاثیرالبتہ کچھ قوت رکھتی ہے کہ سیکھنے سکھانے کی صحبت کے بعدبھی اس کواثرباقی رہتاہے لیکن جب کوئی صدمہ

پہنچا جیسے آندھی یا مینھ یا کوئی اور آفت تو اسکا اثر جاتا رہتا ہے کیونکہ یہ تاثیر نفس اور لطیفوں کو درست نہیں کر سکتی ہے جیسے خام تیل اور بتی اور دیے کو فقط شعلہ سنوار نہیں سکتا۔

تیسری: تاثیر اصلاحی: اس کی مثال گویا کہ ایک شخص کی ہے کہ جو ایک نہر کھود کر اس کو درست کرتا ہے پھر دریا تک پہنچاتا ہے تاکہ دریا سے اس نہر میں پانی آجائے اور اس نہر کو دریا سے نیچے کر دیتا ہے تاکہ دریا سے اس میں پانی شدت اور تیزی سے آجائے کیونکہ اس میں پانی کو روکنے والی اشیاء مثلاً مٹی، پتے اور خس وخاشاک پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ جاتی ہیں ہاں اگر نہر میں کوئی پھٹن یا سوراخ ہو تو پھر پانی کا نقصان ہو گا۔ اس قسم کی تاثیر پہلی دو تاثیروں سے بہت قوی ہے اسی طرح نفس کی اصلاح اور ستھرائی لطیفوں کی بھی اس میں ہوتی ہے لیکن خزانے (دل) کی استعداد راہ کی مسافت کے موافق فیضان ہوتا ہے نہ کنوئیں اور دریا کے برابر اور ان سب باتوں کے ساتھ بھی اگر خزانے (دل) میں کچھ آفت یا فتور واقع ہو جائے تو البتہ نقصان پڑ جاتا ہے۔

چوتھی- تاثیر اتحادی: کہ شیخ اپنی روح باکمال کو طالب کی روح کے ساتھ خوب زور سے ملائے کہ شیخ کی روح کا کمال طالب میں اثر کر جائے اور یہ مرتبہ سب قسم کی تاثیروں سے زیادہ تر قوت رکھتا ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہو جانے سے دونوں کے جو کچھ کہ شیخ کی روح میں ہے طالب کی روح میں سماجاتا ہے اور بار بار حاجت فائدہ لینے کی نہیں رہتی ہے سو اولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر بہت کم پائی گئی ہے چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک روز آپ کے مکان پر کئی مہمان آگئے اور اس روز آپ کے ہاں کچھ کھانے کی قسم سے موجود نہ تھا اس واسطے ان کو کمال تشویش ہوئی اور ان کے کھانے کی تلاش کرنے لگے اتفاقا ایک نان بائی کی دکان آپ کے مکان کے متصل تھی اس نے اس بات کی خبر پا کر ایک خوان روٹیوں کا بھرا ہوا روٹیوں کا خوب مکلف مرغن

نہاری کے ساتھ آپ کے سامنے لا کر حاضر کیا آپ اس کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے اس نے عرض کی کہ مجھ کو اپنے جیسا کر دیجئے فرمایا کہ تو اس حالت کا تحمل نہ کر سکے گا کچھ اور مانگو مگر وہ اسی بات کا سوال کئے جاتا تھا اور خواجہ انکار کرتے تھے جب وہ بہت سی عاجزی کرنے لگا تو ناچار ہو کر اس کو اپنے ساتھ حجرے میں لے گئے اور توجہ اتحادی اس پر کی جب حجرے سے باہر نکلے تو خواجہ میں اور اس نان بائی کی صورت شکل میں کچھ فرق باقی نہ رہا تھا لوگوں کو پہچاننا مشکل پڑا تھا لیکن اس قدر تھا کہ خواجہ ہوش میں تھے اور وہ نان بائی بے ہوش اور سر شار القصہ اس نان بائی نے تین روز کے بعد اسی سکر اور بے ہوشی میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ تاثیر جبرئیل علیہ السلام کی اس بھینچنے میں تاثیر اتحادی تھی کہ اپنی روح لطیف کو بدن کے مساموں کی راہ سے آنحضرت ﷺ کے بدن میں داخل کر کے آپکی روح مبارک سے ملادی اور شیر و شکر کے مانند گھل مل گئیں تو ایک عجیب حالت ملکیت اور بشریت کے درمیان میں پیدا ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ اور جو توجیہ بیان کی گئی حدیث مبارکہ کی بہت ہی لطیف ہے اور اس کا انکار نہیں کرتا مگر وہ جو اس طریق سے بے خبر ہو۔[231]

توجہ شیخ اور فقہاء:

تصوف و سلوک کی خصوصیت میں سے منازل سلوک اور مقامات سلوک طے کرنا ہے جیسے کہ شامی ج۴ ص۲۳۹ پر ہے:

الطریقۃ ھی السیرۃ المختصۃ بالسالکین الی اللہ تعالیٰ من قطع المنازل و الترقی فی المقامات۔

[231] (لامع الدراری علی جامع البخاری جلد ۱ ص۵ ،تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۴۵ سورۃ علق،فتاوٰی عزیزی ص ۱۰۰ ایچ ایم سعید کمپنی)

اوراس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ شیخ کامل کی توجہ ہے اور یہ ذریعہ محض ایجاد بندہ نہیں بلکہ اس کی اصل حدیث میں موجود ہے چنانچہ۔[232]

وقال هذاالقدرمن الحديث اصل عظيم من اصول الدين وقاعدة مهمة من قواعد المسلمين وهوعمدةالصديقين وبغيةالسالكين وكنزالعارفين واداب الصالحين وقدندب اهل التحقيق الى مجالسة الصالحين ليكون ذالک مانعامن التلبس بشئ من النقائص احترامالهم واستحيأمنهم۔

ترجمہ: فرمایایہ حدیث (جبرئیل یاحدیث حسان رضی اللہ عنہ) اصول دین میں سے عظیم اصل ہے۔اور قواعد مسلمین میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔اور یہ حدیث صدیقین کی معتمدعلیہ اور سالکین کی مطلوبہ چیزہے۔اور عارفوں کاخزانہ اور صلحاء کے آداب میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء محققین نے صلحاء کی مجالس کی ترغیب دلائی ہے تاکہ ان اولیاء اللہ وصلحاء کی مجلس، عیوب ونقائص پیدا ہونے میں رکاوٹ بن جائے جس کی وجہ ان صلحاء کا احترام یاان سے حیا کرناہوگا۔[233]

اور تحفۃ الباری میں توجہ صوفیاء کا واضح ثبوت بیان ہوا ہے:

فاخذني وغطني اى ضمني وعصرني قال علماء الشريعة كان هذاالغط ضربامن التنبيه لاحضارالقلب ليقبل بكلية الى مايلقى اليه وعليه وقال علماء الطريقة كان هذاالغط توجهاباطنيالايصال الفيض الروحاني وتغليب الملكيةعن البشرية۔

ترجمہ: پس جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگایااور بھینچا۔علماء ظواہر کہتے ہیں کہ یہ بھینچنادل کو متوجہ کرنے کیلئے ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ جوچیز قلب پر القاءہووہ اسے قبول

---

[232](فتح الباری شرح بخاری ج ا ص ۸۹)
[233](فتح الباری شرح بخاری ج ا ص ۸۹)

کرلے اور علماء طریقت کہتے ہیں کہ یہ سینے سے لگانا حصول فیض کیلئے باطنی توجہ تھی اور بشریت پر ملکیت کو غالب کرنا مقصود تھا۔

قیل الغط الاول فیتخلی عن الدنیا و الثانیۃ یستفرغ لمایوحیٰ الیہ الثالثۃ للموانسۃ و مثل ھذا التصرف الباطنی ثابت بالکتاب و السنۃ و علیہ السادۃ الصوفیۃ قال اللہ عزوجل اذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین امنوا ای بالقاء الخضیۃ و التوجھات الباطنیۃ۔

پہلی مرتبہ بھینچنے سے مقصد دل کو دنیا سے خالی کرنا تھا، دوسری مرتبہ وحی کیلئے دل کو فارغ کرنا تھا اور تیسری مرتبہ انس پیدا کرنے کیلئے تھا۔ اسی طرح تصرف باطنی قرآن و سنت سے ثابت ہے اور اسی پر صوفیائے کرام کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تیرے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو یعنی القاء اور توجہ باطنی سے ثابت قدم رکھو۔[234]

فائدہ:

ہمارے سلسلہ میں اس فعلی حدیث کی روشنی میں سالک پر ابتداء میں تین بار توجہ کی جاتی ہے اور یہی طریقہ ہمارے ہاں متوارث چلا آرہا ہے۔

مشکوٰۃ میں حدیثِ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ان کی زبانی مذکور ہے:

فَسَقطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفِضْتُ عَرَقًا وَكأنما أنظر إِلَى اللهِ عزوَجل۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانۂ جاہلیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہوگئی۔ جب رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ پر چھائی ہوئی کیفیت دیکھی تو

---

[234] (تحفۃ الباری جلد ۱ ص ۲۱)

میرے سینے پر دست اقدس مارا تو میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ حالت یہ ہو گئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں۔[235]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّانَالَهُ بَرَكَةُ يَدِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - زَالَ عِنْه الْغَفْلَةَ وَالْإِنْكَارُ وَصَارَ فِي مَقَامِ الْحُضُورِ وَالْمُشَاهَدَةِاه۔

ترجمہ: حضور ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے صحابی کی غفلت زائل ہو گئی اور فوراً ہی مقام حضور ومشاہدہ حاصل ہو گیا۔[236]

وعن ابی بن کعب قال: قال رسول اللہ ﷺ یا ابا المنذر! اتدری أی آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ معک اعظم؟ قلت: اللہ ورسولہ اعلم، قال: یا ابا المنذر! أتدری أیّ آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ معک أعظم؟ قلت: اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (بقرہ ۲۵۵) قال: فضرب فی صدری وقال لیهنک العلم یاأبا المنذر"۔[237]

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو منذر کیا تمہیں معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے عظیم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: اے ابو منذر! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے کہا: اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

---

[235](صحیح مسلم، رقم: مشکوٰۃ المصابیح، رقم: ۲۲۱۳)

[236](مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب، فضائل القرآن، باب، اختلاف القراءت، ج، ۵، ص، ۹۳، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ)

[237](رواہ مسلم)

کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پہ مارا اور فرمایا اے ابو المنذر، خدا کرے تمہارا علم خوش گوار ہو۔(تمہیں تمہارا علم مبارک ہو)

اس حدیث شریف کے تحت العلامہ المحدث عبد الحق الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفی الحقیقة کان درکه ایضاً من تصرفه ﷺ و تعلیمه فی الباطن۔

یعنی حقیقت میں ان کے سینے میں علوم کا آنا، یہ آپ ﷺ کے تصرفات میں سے تھا اور علم باطن کی تعلیم تھی۔[238]

علامہ ابو زہرا اویس بن عبد اللہ المجتبی الحسینی لکھتے ہیں:

التوجہ:

بعد فتح مكة همّ فضالة بن عمير أن يقتل رسول الله ﷺ وهو يطوف بالبيت، فلما دنا منه قال له رسول الله ﷺ: اى فضالة، قال: نعم يا رسول الله ﷺ فقال: ماذا كنت تحدث به نفسك؟ قال: لا شئ، كنت اذكر الله، فضحك النبی ﷺ ثم قال: (استغفر الله)، ثم وضع يده على صدره فسكن قلبه وكان فضالة، يقول: والله مارفع يده عن صدری حتى ماخلق الله شيئاً احب منه۔ وتأثيره ﷺ بمجرد توجيه نظره اِلى شخص فی السنة كثير، وهذه الافاضة ممايتوارثه الأولياء عن سيد المرسلين ﷺ فيستطيعون باذن الله أن يزكوا مريدهم المستعدين لذلک بافاضة الأنوار على قلوبهم حتى تخلص وتزكوا نفوسهم۔

ترجمہ: توجہ: فتح مکہ کے بعد فضالہ بن عمیر نے قصد اور ارادہ کیا کہ آپ ﷺ مبارک کو قتل کر دے اور آپ ﷺ مبارک طواف فرمارہے تھے جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فضالہ؟ تو اس نے جواب دیا، جی یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے

[238] (لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح، جلد ۴ ص ۲۶ ۵)

فرمایا کہ تم اپنے دل میں کیا سوچ رہے ہو؟ تو فضالہ نے کہا کہ کچھ نہیں میں تو اللہ کا ذکر کر رہا ہوں ۔تو آپ ﷺ مبارک مسکرانے لگے پھر فرمایا اللہ سے توبہ کر۔ پھر آپ ﷺ مبارک نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا پس اس کے دل کو سکون اور قرار ملا۔ فضالہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے سے اٹھایا ہی نہیں تھا حتی کہ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب مجھے آپ ﷺ کی ذات ہو گئی۔ آپ ﷺ کی تاثیر خالص کسی کی طرف دیکھنے کے ساتھ احادیث مبارکہ میں کثرت کے ساتھ مروی ہے۔اور یہ افاضہ (یعنی توجہ)وراثت میں اولیاء کرام کو ملی ہے آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے۔ تو یہ طاقت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کہ یہ مریدین مستعدین کا تزکیہ کریں انوار کے فیضان سے ان کے دلوں پر۔ یہاں تک کہ مخلصین اوران کا تزکیہ نفوس ہو جائے۔[239]

فائدہ:

۱۔ توجہ کرنے کی غرض وغایت، سالکین کے دلوں سے غفلت کو دور کرنا اور نور ایمان کو تیز کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہکے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہو جاتا ہے۔

۳۔ مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہا سال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔

۴۔ شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہو سکتے کیونکہ سلوک اور تصوف، القائی اور انعکاسی عمل ہے۔

---

[239] (الاشارات السنیۃ لسالکی الطریقۃ النقشبندیۃ ص ۴۶ انظر القصۃ فی البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر ج ۴ ص ۳۰۸)

۵۔ توجہ کے لئے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے۔[240]

فصل در بیان
شلوار وغیرہ ٹخنوں سے اونچا کرنے
اور نیفہ موڑنا

بعض مفتیانِ کرام فقہ حنفی سے بے خبر کہتے ہیں کہ نماز میں شلوار کو موڑنا اور پینٹ کے پائنچے موڑنا مکروہ تحریمی اور نماز واجب الاعادہ ہے حالانکہ یہ بات کسی بھی سلیم العقل اور سلیم الفطرت شخص سے پوشیدہ نہیں کہ آج جتنا مشکل اور تکلیف دہ وقت دین اور دین والوں پر آچکا ہے چشمِ فلک نے شاید ہی اتنے درد اور کرب والے لمحات پہلے کبھی دیکھے ہوں۔ آج کفر اور اس کے کارندے پوری تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ مسلح ہو کر تاجدارِ کائنات ﷺ کے لائے ہوئے دینِ فطرت کے خلاف اور مسلمانوں کی رہی سہی عزت کو بھی اپنے ناپاک قدموں تلے روندنے کے لئے میدان میں اتر چکے ہیں۔ محسنِ کائنات آقائے دو عالم ﷺ کے خاکے شائع کر کے مسلمانوں کے ایمان اور جذبات کو ٹھیس پہنچائی جارہی ہے۔ کائنات کی سب سے سچی اور محفوظ کتاب قرآن مجید کی توہین کر کے اہل ایمان کی غیرت کو للکارا جارہا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں صلیبی جنگ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر کے مسلمانوں کے املاک، عزت و آبرو کو پامال کیا جارہا ہے۔ مختلف این جی اوز کی صورت میں اپنے گماشتوں کے ذریعے غریب اور پس ماندہ علاقوں میں مسلمانوں کو عیسائیت اور قادیانیت کی طرف پھیرنے کے لئے تحریک بڑے زور و شور سے چلائی جارہی ہے۔

تو ایسے پُر فتن اور فساد کے دور میں ہم سب پر لازم ہے کہ اللہ کے محبوب اور مقرب بندوں کا دامن تھام لیں اور اپنے دین و مذہب، جو کہ فقہ حنفی ہے، پر کما حقہ عمل کریں۔

---

[240] (بحوالہ احسن الصناعۃ فی تشریح اقسام التوجہ والافاضۃ مصنف مفتی سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی رحمہ اللہ)

خادمِ اولیاء واصفیاء، فقیر الحاج عبد الحق شاہ سیفی عرض کرتا ہے کہ استدلال کرنے والا مجتہد ہو گا یا مقلد۔ اگر مجتہد ہو گا تو وہ استدلال کرے گا قرانِ مقدس سے یا سنتِ رسول ﷺ سے یا اجماع یا قیاس سے جو ان تمام سے مستنبط ہے اور اس کی تفصیل اصولِ فقہ شریف میں مذکور ہے اس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے اور اگر استدلال کرنے والا مقلد ہو تو اس کی دلیل اپنے مجتہد کا قول ہو گی۔

جیسا کہ صاحب کشف المبہم نے صفحہ ۱۱ پر اپنے اس قول میں لکھا ہے:

"واما المقلد فمسنده قول مجتهده (الخ)

ترجمہ: اور جو مقلد ہے تو اس کا استدلال اپنے مجتہد کا قول ہو گا۔

شرح طریقه محمدیه (ج ۱ ص ۶۵) کے مؤلف لکھتے ہیں:

ولذا كان دليل المقلد هو قول المجتهد الخ ايضاً۔ ج ۱ ص ۲۵۴، ج ۱ ص ۱۴۷، ج ۲ ص ۱۰۱ میں بھی ایسا ہی ذکر ہے (ترجمہ) اور اس لئے کہ مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہے۔

جب تمہیں مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ مقلد کی دلیل صرف اور صرف اپنے مجتہد کا قول ہوتا ہے، پس جاننا چاہیئے کہ اگر تعارض تمہیں معلوم ہو جائے نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تو مقلد کی دلیل فقہاء کا قول ہے کیونکہ ان کا وہ قول نہ نص سے ہو گا اور نہ وہ اپنے علم کے مطابق نص سے استنباط کرے گا کیونکہ احکامات کا نصوص سے نکالنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا کیونکہ اگر کوئی نص ہو تو اس نص کی دوسری نص معارض ہو گی یا اس کے لئے کوئی تاویل یا تخصیص ہو گی، یا اس کے لئے کوئی ناسخ وغیرہ ہو گا اس قبیلہ سے جو خاصہ مجتہد کا اور مقلد کے خیال کی رسائی اس کی طرف ممکن نہیں ہے تو یہ نص کے مقابل میں رائے پر عمل کرنا ہے۔

جیسا کہ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ نے اپنے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ولذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتھد لا النصوص اذ استخراج الاحکام منھا لیس الا منصب المجتھد وقد قالوا اذا تعارض النص وقول الفقھاء یؤخذ بقول الفقھاء اذ یحتمل کون النص اجتھادیا وله معارض قوی وتاویل وتخصیص وناسخ وغیرھا مما یختص بمعرفته المجتھد وان ذالک کالرائی فی مقابلة النص الخ۔

ترجمہ: ''اور مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے نہ کہ نصوص کیونکہ احکامات کا نکالنا یہ مجتہد کا مرتبہ ہے نہ کہ دوسرے کا، اس لئے کہا گیا ہے کہ جب نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو فقہاء کا قول لیا جائے گا۔ کیونکہ نص اجتہادی یا اس کے مقابل میں قوی دلیل ہو یا وہ تاویل کے باب سے ہو یا تخصیص اور ناسخ کے قبیل سے ہو وغیرہ تو اس کا جاننا مجتہد کا کام ہے یہ اس کے ساتھ خاص ہے اگرچہ ان کی رائے مقابل نص میں واقع ہو''۔[241]

اور اسی مؤلف بریقہ نے ذکر کیا ہے:

وکان احتجاج المعترض بالحدیث والکتب الضعیفة کان رایا فی مقابلة النص وترجیح المرجوح علی الراجح وقد کان دلیل المقلد ھو قول من قلده لا غیر فالاحتجاج بالنص ھو منصب الاجتھاد الخ۔

ترجمہ: ''اور جب احتجاج معترض کا حدیث سے ہو اور کتب ضعیفہ سے اور رائے نص کے مقابلہ میں ہو اور مرجوح کی راجح پر ترجیح ہو تو مقلد کی دلیل اسی کی ہوگی جس کی وہ تقلید کرتا ہے کیونکہ احتجاج نص کے ساتھ اجتہاد کے قبیل سے ہے۔[242]

---

[241](بریقة ج ۱ ص ۶۵)

[242](بریقه ج ۲ ص ۱۰۱، وایضاح ج ۱ ص ۱۴۷، ص ۹۱)

آگے لکھتے ہیں:

"وان ادلة المقلدلیست الا قول المجتهد لهذا اذا ظهر التعارض بین اقوال الفقهاء وبین آیات وحدیث فیقدم قول الفقهاء لان معرفة علی وجه التحقیق المجتهد فلعل لتلک الآیة مثلاً معارضاً او مخصصا او تاولاً او ناسخاً اطلع علیه المجتهد ولم تطلع انت۔

ترجمہ: اور کیونکہ مقلد کے دلائل مجتہد کے دلائل کی طرح نہیں ہوسکتے بلکہ وہ مجتہد کا قول ہوتا ہے اس لئے جب اقوال فقہاء اور آیات وحدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو فقہاء کے قول کو مقدم رکھو گے کیونکہ اس کا جاننا اور تحقیق مجتہد کے لئے ہے تو شاید وہ آیت معارض ہوگی یا مخصص یا اس میں تاویل ہوگی یا اس کے لئے ناسخ ہوگی جب کہ مجتہد کو اس پر اطلاع مل گئی ہوگی اور تمہیں اس کی اطلاع نہ ہو"۔[243]

اور مقلد اپنے مجتہد کے قول سے خروج نہیں کرے گا جیسا کہ اس کو امام شعرانی نے اپنی میزانِ شعرانی میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ومن شان المقلدان لایخرج عن قول امامه۔

ترجمہ: مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے نہ نکلے اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ اپنے مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے اور اس پر جزماً یقین رکھے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہے۔[244]

---

[243](بریقه ج ۱ ص ۲۵۴)

[244](میزان شعرانی ص ۱۳)

اور اسی بات کو امام شعرانی نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں لکھا ہے:

فیجب علی کل مقلد ان لا یعترض علی قول مجتهد الی ان قال و کذالک یجب علیه الاعتقاد الجازم بان ذالک الامام علی هدی من ربه فی ذالک۔[245]

تو ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے آگے لکھا ہے کہ اور اس طرح اس چیز پر پختہ یقین رکھنا واجب ہے کہ وہ امام اس مسئلہ میں اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔

آگے امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید لکھا ہے:

"فاعتقادک یا اخی الصحة فی کلام ائمة الهدی واجب علیک الخ"۔

ترجمہ: تو اے میرے بھائی، ہدایت کے اماموں کے کلام کی صحت پر یقین رکھنا تم پر واجب ہے اور مقلد کو یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں الجھے۔[246]

اور اسی بات کو مؤلف تفسیرات احمدیہ لکھتے ہیں:

ولیس للمقلد ان ینازع المجتهد فی حکمه۔[247]

اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے اور کسی مقلد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مجتہد کو خطاوار ٹھہرائے اور نہ ان کے کلام میں طعن کرے کہ وہ اللہ کی شریعت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اللہ نے ان کا حکم ماننا لازم کیا ہے (کہ وہ اولوا الامر میں داخل ہیں) پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت کی تو اس نے گویا شارع علیہ السلام کی طرف خطاء کی نسبت کی کیونکہ شارع نے اس کے حکم کو ثابت کیا ہے۔

---

[245](میزان الکبریٰ ج ا ص ۵۹)
[246](میزان الکبریٰ ج ا ص ۶۲)
[247](تفسیراتِ احمدیہ ص ۲۰۹)

اور اسی بات کو صاحبِ میزان شعرانی نے اپنی کتاب "میزان الکبریٰ" میں یوں لکھا ہے:

لا ینبغی لاحد قط ان یخطیٔ مجتھد او یطعن فی کلامہ لان الشرع الذی ھو حکم اللہ تعالیٰ قد قدر حکم المجتھد فصار شرع للہ تعالیٰ بتقریر اللہ تعالیٰ ایاہ فکل من خطأ مجتھدا بعینہ فکانہ خطأ الشارع فیما قررہ حکماً الخ۔

ترجمہ: کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مجتہد کو مخطی سمجھے یا اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ وہ شرع اللہ کا حکم ہوتا ہے تو مجتہد کا قول قرار پایا گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقریر شرع اللہ کا ہوا خاص اسکے لئے تو مجتہد کو بعینہ خطاوار سمجھا تو گویا اس نے شارع کو خطاءوار سمجھا اس نے اس کے حکم کو مقرر کیا ہے۔[248]

تقلید اور فقہ حنفی کی ضرورت اور اہمیت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر میں

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ حنفی کی تقلید خود بھی کی اور مریدین و محبین کو بھی اس امر پر کاربند رہنے کا حکم دیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ مذہب مقامات کمالات نبوّت کا حامل ہے اور امت کی ایک کثیر تعداد اس سے وابستہ ہے چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدین کو نصیحت کرتے ہوئے مکتوب ۲۸۶ دفتر اول میں یوں رقم طراز ہیں: جس طرح کتاب و سنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح کتاب و سنت پر اس طریقہ کے مطابق جو ائمہ مجتہدین نے ان سے استنباط فرمایا ہے اور ان سے حلال و حرام، فرض و واجب، اور سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ احکام پر عمل کرنا اور ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلدین کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود ہی کتاب و سنت سے احکام اخذ کرتا پھرے اور ان پر عمل کرے۔

---

[248](میزان، ص ۲٦)

عمل میں اپنے مجتہد کے مذہب میں جس کا تابع ہے قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطا کی صورت میں بھی مجتہد کی تقلید کو لازم قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ دفتر اول مکتوب ۳۱ میں اپنے عزیز کو یوں نصیحت فرماتے ہیں:

"تقلید اول (اہل کشف) بر تقدیر احتمال خطا جائز نباشد و تقلید ثانی (المجتہد) بر تقدیر احتمال خطا جائز است۔"

یعنی اہل کشف کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں جائز نہیں ہے اور مجتہد کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں بھی جائز ہے۔"

آپ دفتر سوم مکتوب ۲۲ میں ملا مقصود علی تبریزی کو لکھتے ہیں:

"بر مجتہد چہ جائے اعتراض است کہ خطاء او را نیز یک درجہ ثواب است و تقلید او اگرچہ خطا کند موجب نجات است"۔

یعنی "اور مجتہد پر کیا اعتراض کہ اس کی غلطی بھی ایک ثواب کا درجہ رکھتی ہے اور اگرچہ وہ خطا کر جائے پھر بھی اس کی تقلید نجات کا سبب ہے۔"

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اولیاء اللہ اور صوفیا باوجود اپنی عظمت و بزرگی کے، تقلید کے مکلف ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بچوں کے نام مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں لکھتے ہیں:

"ارباب ولایت خاصہ اور عام مؤمنین مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور وہ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید

بغدادی، اور شبلی رحمہم اللہ احکامِ اجتہاد میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمر، بکر اور خالد کے ساتھ جو کہ عام مؤمنین ہیں، برابر ہیں۔"

امام ربّانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چونکہ حنفی المسلک تھے اس لیے اپنے مکتوبات اور دیگر تصانیف میں جابجا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں توصیفی کلمات لکھتے ہیں۔

ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں راقم ہیں:

"حاسدوں اور بیہودہ اور فاسد نظریوں پر ہزار ہا افسوس ہے، فقہ کے بانی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، اور فقہ کے تین چوتھائی حصے آپ کو مسلم ہیں اور باقی چوتھائی حصہ میں باقی ائمہ سب شریک ہیں۔ فقہ میں صاحب خانہ آپ رحمہ اللہ ہیں اور باقی سب ان کے اعیال۔ باوجود اس مذہب کے التزام کے مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے محبت ذاتی ہے اور میں ان کو بزرگ جانتا ہوں اسی واسطہ سے بعض اعمال نافلہ میں اس کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے لوگ باوجود کمال علم و ان کے تقویٰ کے امام صاحب رحمہ اللہ کے آگے بچوں کی طرح نظر آتے ہیں"۔

اسی مکتوب میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ ببرکت فروع و تقویٰ وبدولت متابعت سنۃ درجہ علیا دراجتہاد واستنباط یافتہ است دیگران در فہم آن عاجز و قاصراند"۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سی ہے، جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط میں وہ درجہ بلند حاصل کیا ہے جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے"۔

بعد میں فرمایا: "امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہ جس نے ان کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے، فرمایا ہے کہ الفقهاء كلهم عيال ابي حنيفة۔ فقہاء سب ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عیال ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسے مذہب حنفی کے تقلید کرنے والے بلکہ اپنے ساتھ جڑے ہر اس شخص کو مذہب حنفیہ کا پابند ہونے کی تلقین کرتے ہیں جو ان کا مرید ہے یا ان سے محبت رکھتا ہے۔ خود بھی ایک سرے بھی مذہبِ حنفیہ کے اقوال سے عملی اختلاف نہیں کیا، اس بات کی شہادت ایک مکتوب شریف میں موجود ہے: مکتوب ۲۹ دفتر اول: "وہ پانی جس سے ازالہ حدث کیا گیا ہو یا بہ نیت عبادت و ثواب وضو کے لئے استعمال کیا گیا ہو لوگوں کے لئے اس کا پینا جائز قرار نہ دیں۔ کیونکہ یہ پانی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نجاست غلیظہ کا حکم رکھتا ہے۔ ہاں وضو سے بچے ہوئے پانی کو انہوں نے شفاء کہا ہے۔ اگر عقیدت کے طور پر کوئی طلب کرے تو وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے دیں۔ اس فقیر کو ایک دفعہ دہلی میں یہ آزمائش پیش آئی، بعض دوستوں کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ فقیر کے وضو کا مستعمل پانی پیئیں ورنہ ضرر عظیم لاحق ہو گا۔ ہر چند اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن نتیجہ نہ نکلا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر تین بار اعضاء دھولینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیت عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں تو وہ مستعمل نہ ہو گا۔ اس حیلہ سے بے نیت قربت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لئے دیا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فقہ حنفی کی عظمت کو اپنے کشف کی بنا پر مکتوب ۵۵ دفتر دوئم میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''بغیر تکلف کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں اور ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی سب کچھ دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب پر ہے''۔

مکتوب ۲۸۲ دفتر اول میں فرماتے ہیں:

''اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالاتِ نبوت کا منسب فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض محال اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کے اس سخن کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی جو انہوں نے فصول ستہ میں نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نزول کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے''۔

بظاہر یہ بات بڑی عجیب ہے مگر مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

اور یہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے، ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لکھا ہے۔ یعنی روح اللہ کا اجتہاد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجتہاد کے موافق ہوگا۔ نہ یہ کہ

ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ روح اللہ علیہ السلام کی شان اس سے برتر ہے کہ علماء امت کی تقلید کریں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فقہ حنفی سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کتب کا نہ صرف خود مطالعہ فرماتے بلکہ مریدین کو بھی مطالعہ کی تلقین فرماتے۔ علم فقہ کے مقابلے میں باقی تمام علوم کو ہیچ سمجھتے تھے۔ مکتوب ۸ دفتر اول میں اپنے پیر و مرشد سے اپنی خواہش بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اور علماء و طلباء سے بہت محبت پیدا ہوگئی ہے اور ان کا طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور آرزو کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے گروہ میں ہوں اور تلویح کے مقدمات اربعہ سے طالب علمی کے وقت سے مباحثہ کیا کرتے تھے اور کتاب ہدایہ فقہ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ مکتوب ۲۹ دفتر اول میں کتب فقہ کی کتب تصوف پر فوقیت کا ذکر کر کے ان کے مطالعہ کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔ شیخ نظام تھانیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں: پس چاہیئے کہ جس طرح آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر رہتا ہے، اسی طرح فقہ کی کتابیں فارسی میں بہت ہیں۔ مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام، اور کنز خاری وغیرہ کتب تصوف اگر نہ بھی مذکور ہوں تو کچھ خوف نہیں کیونکہ وہ احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور قال میں نہیں آتی اور کتب فقہ کے مذکور نہ ہونے میں ضرر کا احتمال ہے"۔

مکتوب ۲۴۴ میں فرماتے ہیں:

عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہ کا سیکھنا ضروری ہے اور فرض و واجب حلال اور حرام سنت و مندوب و مشتبہ و مکروہ کے جانے بغیر چارہ نہیں ہے اور ایسا ہی اس علم کے موافق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں اور اعمال صالحہ کے بجالانے میں بڑی کوشش مد نظر رکھیں۔

مکتوب ۴ دفتر دوئم میں فرماتے ہیں:

"مطالعہ کتب فقہ از دست نہ دہد و نشر احکام از شریعت فرماید و بمتابعت سنۃ سنیہ ترغیب کند واز بدعت تحذیر نماید۔"

یعنی فقہ کی کتب کا مطالعہ نہ چھوڑیں اور احکام شریعت کو پھیلائیں۔ اور سنت نبویہ ﷺ کی ترغیب دیں اور بدعات سے لوگوں کو ڈرایا جائے۔ فقہ کی فارسی کتابیں ترغیب الصلوٰۃ وتیسیر الاحکام وغیرہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں۔ اور مسائل شرعیہ کو ان میں سے دیکھ کر ان پر عمل کریں۔ ان تمام مکاتیب میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ کی اہمیت اور مطالعہ کی اہمیت دلائی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پوری عزیمت سے فقہاء کبار کے مختار اور مفتیٰ بہ قول پر عمل کرتے تھے اور ایسا عمل جس میں کچھ جواز اور کچھ کراہت کا پہلو فقہاء بیان کرتے تو آپ کراہیت کے پہلو کو ترجیح دے کر اس پر عمل نہ کرتے اور فرماتے کہ اگر جواز و عدم جواز اور حل و حرمت کا اختلاف ہو جائے تو جانب عدم جواز اور جانب حرمت کو ترجیح دینی چاہیئے۔

جیسے مکتوب ۳۱۳ میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:

"گویم اگر تعارض در جواز و عدم جواز و حل و حرمت واقع شود ترجیح بجانب عدم جواز است وجانب حرمت را۔"

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کے درمیان جواز و عدم جواز اور حلال و حرام کا تعارض واقع ہو جائے تو عدم جواز کے پہلو کو ترجیح دی جائے۔

بعض علماء کے نزدیک سنت اور دوسروں کے نزدیک بدعت ہو تو اس کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجحاً علی فعل البدعۃ۔[249]

اور امام اہل سنت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ ج ۳ ص ۶۸۴ میں سنت اور مکروہ میں تعارض کی صورت میں ترک ہی اولیٰ سمجھتے ہیں۔ اور علماء کو اپنے مذہب کے مفتیٰ بہ قول کے خلاف فتویٰ دینا اور عمل کرنا بغیر اشد ضرورت صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا علماء وقت کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو اپنے مذہب سے آگاہ کریں اور مذہب کی کتابیں پڑھیں اور پڑھائیں۔ خصوصاً صوفیانِ وقت کو درکار ہے کہ اپنے اپنے حلقوں میں حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح اپنے مریدین کو بھی فقہ حنفی کے پابند رہنے کی تلقین کریں۔

اب ہم اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کی کامل نجات دو چیزوں پر موقوف ہے:

(۱) امتثالِ اوامر (یعنی اوامر فرائض، واجبات اور سنن موکدہ کو بجالانا)۔

(۲) اجتناب عن النواھی (یعنی منکرات و معاصی سے پرہیز کرنا)۔

پھر منکرات اور گناہوں کی دو قسمیں ہیں، ظاہری گناہ اور باطنی و مخفی گناہ، اور دونوں کا چھوڑنا نجات کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (الأنعام ۱۲۰)

یعنی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو۔

---

[249] (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۵۰)

البتہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ظاہری گناہ بہ نسبت باطنی گناہ کے زیادہ خطرناک ہیں، اس لئے ان کے چھوڑنے میں پہلے خوب اپنی ہمت استعمال کرنی چاہیئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

کل امتی معافی الا المجاھرین۔

یعنی میری پوری امت لائقِ عفو ہے مگر وہ جو ظاہری گناہ کرتے ہیں۔[250]

وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری گناہ مخفی گناہ کی نسبت زیادہ شدید ہے۔

حضراتِ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر جہراً کھانے پینے والے کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولو أکل عمداً شھرۃً بلا عذر یقتل وتمامه فی شرح الوھبانیۃ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : قولہ: وتمامه فی شرح الوھبانیۃ) قال فی الوھبانیۃ:

ولو أکل الانسان عمداً وشھرۃ ولا عذر فیہ قیل بالقتل یؤمر

قال الشرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ: صورتھا: تعمد من لا عذر له الأکل جھاراً یقتل لانه مستھزئ بالدّین او منکر لماثبت منه بالضرورۃ، ولا خلاف فی حلّ قتله والامر به فتعبیر المؤلّف بقیل لیس بلازم الضعف اھ۔[251]

---

[250](بخاری ۲:۸۹۶)

[251](الشامیۃ ۳/۴۴۹، ط، رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے بھی پتہ چلا کہ جہری گناہ بہت سنگین گناہ ہے، گویا بزبانِ حال یہ شخص اعلانیہ دین کا مذاق اڑاتا ہے یا دین کے مسئلہ کا انکار کر رہا ہے۔

قارئین کرام: ان سنگین اور جہری گناہوں میں سے جس طرح رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر کھلے عام کھانا پینا اور ڈاڑھی منڈوانا اور مٹھی سے کم کاٹنا وغیرہ ہیں اسی طرح "مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا" بھی ایک جہری اور سنگین گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ (القصص ٧٦)

ترجمہ: بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اِترا نہیں بیشک اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی متوفی، لکھتے ہیں:

قوله تعالى: (فَبَغَى عَلَيْهِمْ) بغيه أنه زاد في طول ثوبه شبرا؛ قاله شهر بن حوشب وفي الحديث: "لا ينظر الله إلى من جر إزاره بطرا" فَبَغَى عَلَيْهِمْ۔

اس (قارون) کی بغاوت یہ تھی کہ اس نے اپنے کپڑے کی لمبائی ایک بالشت زیادہ رکھی ہوئی تھی، یہ حضرت شہر بن حوشب کا فرمان ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے: جس آدمی نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[252]

---

[252](تفسیر القرطبی، القصص، تحت الایۃ: ٧٦، ج، ١٣، ص، ٢٠٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴)

ترجمہ: اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى الْقَوْلِ الثَّامِنِ قَالَ: إِنَّ الْمُرَادَ بِهَا الثِّيَابُ الْمَلْبُوسَاتُ، فَلَهُمْ فِي تَأْوِيلِهِ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ: أَحَدُهَا - مَعْنَاهُ وَثِيَابَكَ فَأَنْقِ، وَمِنْهُ قَوْلُ امْرِئِ الْقَيْسِ: ثياب بني عوف طهاری نقية۔ الثَّانِي - وَثِيَابَكَ فَشَمِّرْ وَقَصِّرْ، فَإِنَّ تَقْصِيرَ الثِّيَابِ أَبْعَدُ مِنَ النَّجَاسَةِ، فَإِذَا انْجَرَّتْ عَلَى الْأَرْضِ لَمْ يُؤْمَنْ أَنْ يُصِيبَهَا مَا يُنَجِّسُهَا، قَالَهُ الزَّجَّاجُ وَطَاوُسٌ. الثَّالِثُ - وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ مِنَ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ، قَالَهُ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ وَابْنُ زَيْدٍ وَالْفُقَهَاءُ. الرَّابِعُ - لَا تَلْبَسْ ثِيَابَكَ إِلَّا مِنْ كَسْبٍ حَلَالٍ لِتَكُونَ مُطَهَّرَةً مِنَ الْحَرَامِ. وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: لَا تَكُنْ ثِيَابُكَ الَّتِي تَلْبَسُ مِنْ مَكْسَبٍ غَيْرِ طَاهِرٍ. ابْنُ الْعَرَبِيِّ وَذَكَرَ بَعْضَ مَا ذَكَرْنَاهُ: لَيْسَ بِمُمْتَنِعٍ أَنْ تُحْمَلَ الْآيَةُ عَلَى عُمُومِ الْمُرَادِ فِيهَا بِالْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ، وَإِذَا حَمَلْنَاهَا عَلَى الثِّيَابِ الْمَعْلُومَةِ الطَّاهِرَةِ فَهِيَ تَتَنَاوَلُ مَعْنَيَيْنِ: أَحَدُهُمَا - تَقْصِيرُ الْأَذْيَالِ، لِأَنَّهَا إِذَا أُرْسِلَتْ تَدَنَّسَتْ، وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِغُلَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَقَدْ رَأَى ذَيْلَهُ مُسْتَرْخِيًا: ارْفَعْ إِزَارَكَ فَإِنَّهُ أَتْقَى وأنقى وأبقى. وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، وَمَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ فَقَدْ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَايَةَ فِي لِبَاسِ الْإِزَارِ الْكَعْبَ وَتَوَعَّدَ مَا تَحْتَهُ بِالنَّارِ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يُرْسِلُونَ أَذْيَالَهُمْ، وَيُطِيلُونَ ثِيَابَهُمْ، ثُمَّ يَتَكَلَّفُونَ رَفْعَهَا بِأَيْدِيهِمْ، وَهَذِهِ حَالَةُ الْكِبْرِ، وَقَائِدَةُ الْعُجْبِ، وَأَشَدُّ مَا فِي الْأَمْرِ أَنَّهُمْ يَعْصُونَ وَيَنْجَسُونَ وَيُلْحِقُونَ أَنْفُسَهُمْ بِمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ مَعَهُ غَيْرَهُ وَلَا أَلْحَقَ بِهِ سِوَاهُ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ وَلَفْظُ الصَّحِيحِ: "مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ

مِنْهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ) فَعَمَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهْيِ، وَاسْتَثْنَى الصِّدِّيقَ، فَأَرَادَ الْأَدْنِيَاءُ إِلْحَاقَ أَنْفُسِهِمْ بِالرُّفَعَاءِ، وَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُمْ۔

جو آٹھویں قول کی طرف گیا ہے تو اس نے کہا: یہاں ثیاب سے مراد ملبوسات ہیں، ان کے نزدیک اس معنیٰ کی چار وجوہ ہیں:

(۱) اس کا معنیٰ ہے اپنے کپڑوں کو پاک رکھو: اسی معنیٰ میں امراء القیس کا شعر ہے: ثیاب بني عوف طهاری نقية۔

(۲) اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھ، کیونکہ کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا نجاست سے دوری کا باعث ہوتا ہے جب کپڑے زمین پر گھسٹیں تو وہ نجاست لگنے سے محفوظ نہیں ہوتے؛ زجاج اور طاؤس نے یہی بات کہی ہے۔

(۳) اپنے کپڑوں کو پانی کیساتھ پاک کرلو؛ یہ محمد بن سیرین ابن زید اور فقہاء (رحمۃ اللہ علیہم) کا نقطہ نظر ہے۔

(۴) حلال کمائی سے ہی کپڑا پہنو تاکہ وہ حرام سے پاکیزہ ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: جو تو لباس پہنتا ہے وہ حرام کمائی کا نہ ہو علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کچھ کہا جس کا ہم نے ذکر کیا یہ ممتنع نہیں کہ آیت کو عموم مراد پر محمول کیا جائے وہ حقیقت ہو یا مجاز ہو۔

جب ہم اسے پاکیزہ، معروف کپڑوں پر محمول کریں گے تو یہ دونوں معنوں کو شامل ہو گا:

(۱) دامنوں کو سمیٹنا کیونکہ جب انھیں ڈھیلا چھوڑا جائے تو وہ آلودہ ہو جاتے ہیں؛ اس وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے ایک نوجوان کو فرمایا جب انہوں نے اس کا

دامن ڈھیلا دیکھا: اپنا تہبند اونچا کرلو کیونکہ یہ زیادہ تقوی، زیادہ پاکیزگی اور زیادہ عرصہ باقی رہنے کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مومن کا تہبند اس کی نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے بھی نیچے ہو وہ آگ میں ہے“ نبی کریم ﷺ نے تہبند کی انتہا ٹخنہ معین کی ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہو اس پر دھمکی دی ہے ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے دامنوں کو نیچے چھوڑے رکھتے ہیں، اپنے کپڑوں کو لمبا کرتے ہیں پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں اوپر اٹھاتے ہیں یہ تکبر کی حالت ہے اور عجب (اپنے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا) کا طریقہ ہے (اس معاملہ میں سب سے شدید معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں، کپڑوں کو ناپاک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ جا ملاتے ہیں) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے غیر کو نہیں ملایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو لاحق کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا“ صحیح کے الفاظ یہ ہیں: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا“۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میرے تہبند کا ایک پہلو ڈھیلا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ میں اس کا خیال رکھوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نہی کو عام رکھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا تو کمینے لوگوں نے اپنے آپکو بلند مرتبہ لوگوں کیساتھ ملانے کا قصد کیا۔ یہ ان کے لئے جائز نہیں۔[253]

---

[253] (تفسیر القرطبی، المدثر، تحت الآیۃ: ۴، ج ۱۹، ص ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۱۳۷ھ، لکھتے ہیں:

(وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ) جميع ثوب من اللباس أى فطهرها مما ليس بطاهر بحفظها وصيانتها عن النجاسات وغسلها بالماء الطاهر بعد تلطخها فإنه قبيح بالمؤمن الطيب أن يحمل خبيثاً سواء كان في حال الصلاة أو في غيرها وبتقصيرها أيضاً فإن طولها يؤدى إلى جر الذيول على القاذورات فيكون التطهير كناية عن التقصير لأنه من لوازمه ومعنى التقصير أن تكون إلى إنصاف الساقين أولى, الكعب فإنه عليه السلام جعل اية طول لإزار إلى الكعب وتوعد على ما تحته بالنار. وحضرت مرتضى رضى الله عنه كفت كوتاه كن جامهرا. فإنه أتقى وأنقى وأبقى وهو أول ما أمر به عليه السلام من رفض العادات المذمومة فإن المشركين ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات۔

وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴)

ترجمہ: اپنے کپڑے پاک رکھو۔ ثیاب، ثوب کی جمع ہے یعنی لباس، کپڑوں کو اس سے پاک رکھیں جو پاک نہیں ہے اسے نجاسات سے محفوظ اور بچائے رکھیں اور جب میلے ہو جائیں تو پاک پانی سے دھوئیں کیونکہ پاک مومن کے لیے یہ کام قبیح ہے کہ وہ خبیث (ناپاک) اشیاء کا حامل (اٹھانے والا) ہو، نماز کی حالت میں ہو یا غیر نماز میں ہو اور اسے لمبا بھی نہ رکھے کیوں کہ لمبے کپڑے کا دامن پلیدیوں پر گھسیٹا جائے گا اور نجاست آلودہ ہو جائے گا۔ تطہیر (پاک کرنے) تقصیر (لمبانہ کرنے) سے کنایہ ہے کیونکہ یہ اس کے لوازم سے ہے۔ اور تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک یا ٹخنوں تک اونچا ہونا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تہبند کی لمبائی کی انتہاء ٹخنے تک بیان فرمائی، اور اس سے جو نیچے ہو اس پر آگ کی وعید بیان فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اپنے تہبند کو لمبانہ کر کیونکہ اس میں تقویٰ زیادہ ہے اور طہارت و نفاست زیادہ ہے، اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ یہی وہ پہلا امر

ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ہوا کہ مذمومہ عادات کا چھوڑنا لازم ہے اس لیے کہ مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے۔[254]

قال عبد الرحمن بن زيد بن أسلم كان المشركون ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات فأمره الله تعالى بأن يصون ثيابه عن النجاسات۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نجاسات سے اپنے کپڑے بچانے کا حکم فرمایا۔[255]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

أن المراد من قوله فَطَهِّرْ أى فقصر وذلک لأن العرب كانوا يطولون ثيابهم ويجرون أذيالهم فكانت ثيابهم تتنجس ولأن تطويل الذيل إنما يفعل للخيلاء والكبر فنهى الرسول (صلى الله عليه وسلم) عن ذلک۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَطَهِّرْ سے مراد یہ ہے کہ اپنے کپڑے زیادہ لمبے نہ کر۔ کیونکہ عربی لوگ اپنے کپڑے لمبے رکھتے تھے اور اپنے دامنوں کو گھسیٹتے تھے، تو ان کے کپڑے نجاست آلود ہو جاتے تھے، کیونکہ دامن کا لمبا کرنا فخر و تکبر ہی کے لیے کیا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔[256]

---

[254](تفسیر روح البیان، المدثر، تحت الایۃ ۴، ج ۱۰، ص ۲۲۸، ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
[255](تفسیر کبیر، المدثر، تحت الایۃ: ۴، ج ۳۰، ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
[256](تفسیر کبیر، المدثر، تحت الایۃ: ۴، ج ۳۰، ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴) بالماء من النجاسة لأن الصلاة لا تصح إلا بها وهى الأولى فى غير الصلاة، أو فقصر مخالفة للعرب فى تطويلهم الثياب وجرّهم الذيول إذ لا يؤمن معه إصابة النجاسة، أو طهر نفسک مما يستقذر من الافعال۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴)

ترجمہ: اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں۔ یعنی پانی کے ساتھ اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک کریں کیونکہ نماز اس کے بغیر درست نہیں ہوتی ہے اور نماز کے علاوہ میں پاک رکھنا اولیٰ ہے، یا اپنے کپڑوں کو زیادہ لمبا نہ کرو۔ عرب والوں کی اس عادت کی مخالفت کرتے ہوئے، کہ وہ اپنے کپڑوں کو لمبا رکھتے ہیں اور چادروں کے دامن کو زمین پر گھسیٹتے ہیں اس لیے کہ ایسی حالت میں نجاست سے حفاظت نہیں رہ سکتی۔[257]

وقال طاوس رضی اللہ عنہ: ثيابک فقصر لأن تقصير الثوب طهارة لها۔

ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اپنے کپڑوں کو لمبا نہ رکھو کیونکہ کپڑوں کا لمبا نہ ہونا ان کی پاکی (کا سبب) ہے۔[258]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۳۳۳ھ) لکھتے ہیں:

وقال بعضهم: اى قصر ثيابک، ولا تطول لها، فتبلغ الطرافها [الارض، فتصيبها] النجاسة۔

---

[257] (تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاویل، المدثر، تحت الآیۃ: ج ۴، ص ۳، ۴۸۳)

[258] (تفسیر مظھری المدثر تحت الآیۃ: ۴ ج ۷ ص ۲۸۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: اور بعض نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ زیادہ لمبے کپڑے نہ پہنیں، مبادا وہ ان کپڑے کے کنارے زمین تک پہنچیں، تو ان کو نجاست لگ جائے۔[259]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں عمدۃ المفسرین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

احتمال دویم آنکہ جامۂ طاہر را از نجاسات معنوی پاک دارد نجاست معنوی جامہ آنست کہ از کسے بعضب نگرفہ باشد وبدزدی وخیانت ودیگر وجوہ حرام کسب نکردہ وآنچہ استعمال آن حرام ست مثل ریشمین باف برائے مرد باستعمال نیارند ودر قطع ودوخت آن اسراف وامور نامشروعہ را مرتکب نشوند مثل دراز کردن دامن از شتالنگ۔

ترجمہ: دوسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے کو معنوی نجاست سے پاک رکھیں اور کپڑے کی معنوی نجاست یہ ہے کہ کسی سے چھینا ہوا نہ ہو اور چوری، خیانت اور دوسرے حرام طریقوں سے کمایا ہوا نہ ہو، اور وہ جس کا استعمال حرام ہے جسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال میں نہیں لاتے اور اس کے کاٹنے سینے میں اسراف اور غیر شرعی امور کے مرتکب نہ ہوں جیسے دامن کو ٹخنے سے لمبا کرنا۔[260]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ (المرسلات ۴۸)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو نہیں پڑھتے۔

---

259 (تفسیر تاویلات اھل سنت، المدثر، تحت الایۃ: ۴، ج۵ ص، ۳۱۱، مکتبہ معروفیہ، کوئٹہ)

260 (تفسیر عزیزی مسمیٰ بہ فتح العزیز المدثر تحت الایۃ ۴ ج ۲ ص ۲۵۵ مکتبہ حقانیہ کوئٹہ)

عَن قَتَادَة (وَإِذا قيل لَهُم ارْكَعُوا) قَالَ: عَلَيْكُم بِإِحْسَان الرُّكُوع فَإِن الصَّلَاة من الله بمَكَان قَالَ: وَذكر لنا أَن حُذَيْفَة رأى رجلا يُصَلِّي وَلَا يرْكَع كَأَنَّهُ بعير نافر قَالَ: لَو مَاتَ هَذَا مَاتَ على شَيْء من سنة الإِسلام قَالَ: وَحدثنَا أَن ابْن مَسْعُود رأى رجلا يُصَلِّي وَلَا يرْكَع وَآخر يجر إِزَاره فَضَحِك قَالُوا: مَا يضحكك يَا ابْن مَسْعُود قَالَ: أضحكني رجلَانِ أَحدهمَا لَا ينظر الله إِلَيْهِ وَالْآخر لَا يقبل الله صلَاته۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ (المرسلات ۴۸) کی تفسیر میں فرمایا: تم پر اچھے طریقے سے رکوع کرنا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نماز میں ایک خاص مرتبہ اور درجہ ہے۔ فرمایا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع نہیں کرتا، گویا کہ وہ بدکنے والا اونٹ ہے تو فرمایا: اگر یہ آدمی اسی حالت میں فوت ہو گیا تو یہ اسلام کے طریقوں میں سے کسی پر نہیں مرے گا۔ فرمایا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع نہیں کرتا اور دوسرا اپنے تہبند کو گھسیٹ رہا ہے، تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ ہنس پڑے۔ لوگوں نے کہا: اے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کون سی چیز آپ کو ہنسا رہی ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: مجھے دو آدمیوں نے ہنسایا ہے، ان میں سے ایک وہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور دوسرا وہ جس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔[261]

[261] (وأخرج عبد بن حميد وتفسير طبری ابن جرير ج ۲۹ ص ۲۹۰ دار احياء التراث العربی بيروت وابن المنذر الدر المنثور المرسلات تحت الاية: ۴۸ ج ۶ ص ۵۳۲ مكتبة الرحاب القاهره)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

الْأُولٰی- قَوْلُهُ تَعَالَى: (وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً) هَذَا نَهْيٌ عَنِ الْخُيَلَاءِ وَأَمْرٌ بِالتَّوَاضُعِ. وَالْمَرَحُ: شِدَّةُ الْفَرَحِ. وَقِيلَ: التَّكَبُّرُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ: تَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ. وَقَالَ قَتَادَةُ: هُوَ الْخُيَلَاءُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ: هُوَ الْبَطَرُ وَالْأَشَرُ. وَقِيلَ: هُوَ النَّشَاطُ وَهَذِهِ الْأَقْوَالُ مُتَقَارِبَةٌ وَلَكِنَّهَا مُنْقَسِمَةٌ قِسْمَيْنِ: أَحَدُهُمَا مَذْمُومٌ وَالْآخَرُ مَحْمُودٌ، فَالتَّكَبُّرُ وَالْبَطَرُ وَالْخُيَلَاءُ وَتَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ مَذْمُومٌ وَالْفَرَحُ وَالنَّشَاطُ مَحْمُودٌ. وَقَدْ وَصَفَ اللَّهُ تَعَالَى نَفْسَهُ بِأَحَدِهِمَا، ففي الحديث الصحيح لله أفرج بتوبة العبد من رجل ... الحديث. والكسل مَذْمُومٌ شَرْعًا وَالنَّشَاطُ ضِدُّهُ. وَقَدْ يَكُونُ التَّكَبُّرُ وَمَا فِي مَعْنَاهُ مَحْمُودًا، وَذَلِكَ عَلَى أَعْدَاءِ اللَّهِ وَالظَّلَمَةِ. أَسْنَدَ أَبُو حَاتِمِ بْنُ حِبَّانٍ عَنِ ابْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُبْغِضُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُحِبُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللَّهُ فَأَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي الدِّينِ وَالْغَيْرَةُ الَّتِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ دِينِهِ وَالْخُيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ اخْتِيَالُ الرَّجُلِ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَعِنْدَ الصَّدَقَةِ وَالِاخْتِيَالُ الَّذِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْخُيَلَاءُ فِي الْبَاطِلِ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي مُصَنَّفِهِ وَغَيْرِهِ. وَأَنْشَدُوا:

وَلَا تَمْشِ فَوْقَ الْأَرْضِ إلا تواضعا ... فكم تحتها قوم همو امِنْک أَرْفَعُ

وَإِنْ كُنْتَ فِي عِزٍّ وَحِرْزٍ ومنعة ... فكم مات من قوم همو امِنْک أَمْنَعُ

مسئلہ نمبر ا:

قولہ تعالیٰ: وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً۔ یہ غرور اور تکبر سے نہی ہے اور تواضع اور انکساری کا حکم ہے۔ المرح کا معنی ہے بہت زیادہ خوشی اور فرحت کا اظہار کرنا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی چلنے میں تکبر کا اظہار کرنا (یعنی اکڑ کر چلنا) ہے۔ بعض نے کہا ہے: انسان کا اپنی قدر اور مقام سے تجاوز کر جانا ہے۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے: اس سے مراد چال چلن میں غرور اور خود پسندی کا اظہار کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی کسی نعمت پر اترانا اور اس کا شکر ادا نہ

کرنا ہے۔ اور اکڑنا ہے۔ بعض نے کہا ہے: اس سے مراد نشاط اور چستی کا اظہار کرنا ہے۔ یہ تمام اقوال معنوی اعتبار سے قریب قریب ہیں لیکن یہ دو قسموں میں منقسم ہیں: ان میں سے ایک قسم مذموم (قابل مذمت) ہے اور دوسری محمود (قابل تعریف) ہے، پس تکبر کرنا، اترانا، غرور کرنا، اور انسان کا اپنی قدر سے تجاوز کرنا یہ سب مذموم ہے اور فرحت وانبساط اور نشاط وچستی کا اظہار کرنا محمود اور اچھا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک کے ساتھ (یعنی فرحت اور نشاط) اپنے آپ کو متصف فرمایا ہے، پس صحیح حدیث میں ہے: **اللہ افرح بتوبۃ العبد من رجل۔۔۔۔الحدیث۔** اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس آدمی کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے۔[262]

اور سستی شرعاً مذموم ہے اور نشاط اس کی ضد ہے۔ اور کبھی تکبر اور جو چیزیں اس کے معنی میں ہیں محمود اور اچھی ہوتی ہیں، اور وہ یہ کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور ظالموں کے خلاف ہوں۔ حضرت ابو حاتم محمد بن حبان نے ابن جابر بن عتیک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مسند روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”غیرت میں سے وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ مبغوض اور ناپسند جانتا ہے اور وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور غرور اور تکبر میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے اور اس میں سے ایک وہ یہ جسے اللہ تعالیٰ مبغوض قرار دیتا ہے، پس وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے بارے میں ہو اور وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے معاملہ میں نہ ہو اور وہ رعونت وتکبر جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ آدمی کا جنگ کے وقت اور صدقہ دیتے وقت اپنے

---

[262] (مجمع الزوائد کتاب التوبۃ باب الحث علی التوبۃ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳ حدیث ۱۷۴۹۸)

نفس کے ساتھ اظہار فخر کرنا ہے اور وہ تکبر و غرور جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ باطل اور غلط کاموں میں اس کا غرور اور تکبر کرنا ہے"۔[263]

اسے ابو داؤد نے اپنی مصنف وغیرہ میں نقل کیا ہے۔

اور انہوں نے یہ اشعار بھی کہے ہیں:

و لا تمش فوق الارض الا تواضعا   فکم تحتها قوم هم و منک ارفع

ترجمہ: تو زمین کے اوپر تواضع اور انکساری کے بغیر نہ چل پس اس کے نیچے کتنی قومیں ہیں جو تجھ سے بلند اور ارفع تھیں۔

و ان کنت فی عز و حرز و منعة   فکم مات من قوم هم منک امنع

ترجمہ: اور اگر تو عزت، حفاظت اور قوت میں ہے تو قوم میں سے کتنے مر گئے جو تجھ سے زیادہ محفوظ اور طاقتور تھے۔[264]

علامہ موسیٰ شاہین لاشین لکھتے ہیں:

انسان کو تکبر نہیں کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ انسان کے تکبر کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (اسراء ۳۷)

ترجمہ: اور زمین میں اتراتا نہ چل بیشک تو ہر گز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہر گز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو ایک حقیر بوند سے پیدا کیا، جو اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا نجس ہو جاتا ہے، وہ مسکین تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دے کر سر بلند کیا اور وہ مغرور ہو گیا، اس نے گمان کیا

---

[263] (مجمع الزوائد کتاب التوبة باب الحث علی التوبة جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳ حدیث ۱۷۴۹۸)

[264] (تفسیر القرطبی، ج ۱۰، ص ۱۷۰، ۱۶۹، دار الکتب العلمیه، بیروت)

کہ وہ تمام مخلوقات سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو علم سے ایک قطرہ عطا کیا تو اس نے گمان کیا کہ وہ سب سے بڑا عالم ہے۔

حالانکہ قرآن مجید میں وہ پڑھتا ہے:

وَمَا أُوتِيتُم مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (الأسراء ۸۵)

ترجمہ: اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف ۷۶)

ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔

انسان یہ بھول گیا کہ وہ جمادات اور اجرامِ فلکیہ کے مقابلہ میں ایک ذرہ سے بھی کم تر ہے اور اپنے جہل اور غرور کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلے گا تو اپنے قدموں سے زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور اپنا سر اس طرح بلند کرتا ہے گویا کہ وہ پہاڑوں سے بھی سربلند ہے، اگر انسان اپنی ابتدا اور انتہاء پر غور کرلیتا کہ اس کی ابتدا بھی مٹی ہے اور انتہاء بھی مٹی میں مل جانا ہے تو وہ اپنے کپڑوں کو نہ گھسیٹتا اور اپنے قد سے بڑے کپڑے نہ سلواتا۔[265]

علامہ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، شافعی، متوفی، ۷۷۴ھ، لکھتے ہیں:

يَنْهَاهُ عَنِ التَّبَخْتُرِ فِي الْمِشْيَةِ عَلَى وَجْهِ الْعَظَمَةِ وَالْفَخْرِ عَلَى النَّاسِ كَمَا قَالَ تَعَالَى: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (الإسراء ۳۷) يَعْنِي لَسْتَ بِسُرْعَةِ مَشْيِكَ تَقْطَعُ الْبِلَادَ فِي مشيتک هذه، ولست بدقک الأرض برجلک تخرق الْأَرْضَ بِوَطْئِكَ عَلَيْهَا، وَلَسْتَ بِتَشَامُخِكَ وَتَعَاظُمِكَ وَتَرَفُّعِكَ تَبْلُغُ الْجِبَالَ طُولًا، فَاتَّئِدْ عَلَى نَفْسِكَ فَلَسْتَ تَعْدُو قَدْرَكَ. وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي بُرْدَيْهِ يَتَبَخْتَرُ فِيهِمَا، إِذْ خسف الله به الأرض فهو يتجلل فيها إلى يوم القيامة وَفِي الْحَدِيثِ

[265](فتح المنعم، ج۸، ص ۳۳۹، دار الشرق، القاهره ۱۴۲۹ھ)(نعم الباری، ج۱۲، ص ۲۵۲)

الْآخَرِ: إِيَّاکَ وَإِسْبَالُ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا من المخيلة لَا يُحِبُّهَا اللّٰهُ (كَمَا قَالَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: (إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) وَلَمَّا نَهَاهُ عَنِ الِاخْتِيَالِ فِي الْمَشْيِ أَمَرَهُ بالقصد فيه، فإنه لا بد لَهُ أَنْ يَمْشِيَ فَنَهَاهُ عَنِ الشَّرِّ وَأَمَرَهُ بالخير، فقال: (واقصد في مشيک) أَيْ لَا تَتَبَاطَأْ مُفْرِطًا وَلَا تُسْرِعْ إِسْرَاعًا مُفْرِطًا وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِکَ قَوَامًا كَمَا قَالَ تَعَالَى: وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (الفرقان ٦٣)۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو تکبر کرنے سے بھی منع کیا۔ اسی طرح زمین پر اکڑ کر چلنے سے بھی منع کیا ہے، زمین پر اکڑ کر چلنے سے کوئی انسان اپنی رفتار کو اتنی تیز نہیں کر سکتا کہ اس سے شہروں کے فاصلے مٹ سکیں اور نہ ہی زمین پر چلنے سے وہ پھٹ سکتی ہے۔ اسی طرح انسان بڑائی اور عظمت کی وجہ سے پہاڑ کی بلندیوں کو بھی نہیں چھو سکتا، لہذا آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص دو چادر اوڑھ کر نازو نخرے سے چل رہا تھا کہ اتنے میں اللہ کے حکم سے زمین پھٹ پڑی اور وہ اندر دھنسنے لگا اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔[266]

دوسری حدیث شریف میں جناب نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ازار لٹکانے سے پرہیز کرو، یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔[267]

قرآن کریم میں بھی اس کو فرمایا گیا: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (لقمان ١٨) کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ تکبر اور اترانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ میانہ روی اختیار کی جائے، اس لئے آگے چال چلن میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور پھر

---

[266](صحيح البخاری، فی احاديث الانبياء، باب ٥٤، و صحيح مسلم فی اللباس و الزينة رقم: ٣، و مسند احمد، ج، ٢، ص، ٣١٥)
[267](سنن ابو دائود، فی اللباس، باب، ٢٨، مسند احمد، ج، ٥، ص، ٦٣)

فرمایا کہ اللہ جل و علی شانہ کے بندے زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اور ناواقف لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان سے سلامتی سے بات کرتے ہیں۔[268]

حدیث شریف ہے:

ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔

یعنی ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند میں ڈھکا رہے گا وہ جہنم میں ہو گا۔[269]

اس حدیث میں اس گناہ پر جہنم کی وعید آئی ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس گناہ پر جہنم کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے لہٰذا کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں اوپر سے آنے والے کپڑے (مثلاً شلوار، پتلون، تہہ بند، جبہ وغیرہ) سے مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا گناہِ کبیرہ اور حرام ہے۔

محمد اشفاق الرحمٰن، کاندھلوی، لکھتے ہیں:

قلت قال میرک ظاھر بعض الاحادیث تحریم الاسبال یقتضی ان تحریم اسبال الازار مخصوص بالجر لاجل الخیلاء وقال بعض العلماء یعلم من بعض الاخبار تحریم الاسبال لغیر الخیلاء ایضاً لحدیث ابی ھریرۃ فی البخاری ما سفل من الکعبین فی النار و کحدیث لایقبل اللہ صلاۃ رجل مسبل ازارہ و کحدیث فان جر الثوب من المخلیۃ ان الثوب مطلقاً ممنوع وان کان فی المخیلۃ اشد کراھۃ۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ میرک نے کہا بعض احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اسبال کی حرمت تکبر کی بناء پر ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ بعض دیگر احادیث سے معلوم ہوتا کہ مطلق اسبال حرام ہے خواہ تکبر سے ہو یا نہ ہو جیسے بخاری کی حدیث ابو ہریرہ میں ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہوں وہ آگ میں ہے اور حدیث ہے "بے شک ازار لٹکانے والے کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا" اور

[268](البدایۃ والنہایۃ، ج،۲،ص، ۱۳۶، ۱۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت)
[269](بخاری صفحہ ۸۶۱/۲)

حدیث شریف ہے کہ ازار کا کھینچنا تکبر سے ہے۔پس کپڑے کا لمبا کرنا(ٹخنوں سے نیچے ہو جانا)مطلقاً ممنوع ہوا اگرچہ تکبر کی وجہ سے زیادہ سخت کراہت ہے۔[270]

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی لکھتے ہیں:

باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار اي هذا باب يذكر فيه ما أسفل من الكعبين فهو في النار ويذكر معناه في الحديث لأن قوله ما أسفل من الكعبين من لفظ الحديث وقوله فهو في النار ليس لفظ الحديث هكذا بل هو ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار واقتصر في الترجمة في الجزء الثاني وأطلقها ولم يقيدها بلفظ الإزار قصدا للتعميم في الإزار والقيمص ونحو ذلک۔

(باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار)یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ (جس کا) جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو،وہ دوزخ میں ہے۔اور حدیث میں اس طرح نہیں ہے بلکہ حدیث میں اس طرح سے ہے:تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو،وہ دوزخ،میں ہے اور امام بخاری نے عنوان میں صرف جز ثانی پر اقتصار کیا ہے اور اس کو مطلق رکھا ہے اور تہبند کیساتھ مقید نہیں کیا تاکہ عموم رہے ،خواہ قمیص ٹخنوں کے نیچے ہو یا تہبند ٹخنوں کے نیچے ہو یا کوئی اور کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو۔[271]

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

في هذا الحديث ما أسفل من الكعبين ففي النار من الثياب ذلک قال وما ذنب الثياب؟ وقال الخطابي يريد أن الموضع الذي يناله الإزار من أسفل الكعبين من رجله في النار كنى بالثوب عن بدن لابسه۔ وهذا مطلق يجب حمله على المقيد وهو ما كان للخيلاء قوله ففي النار۔

---

[270](کشف المغطاعن وجہ الموطاحاشیہ مؤطاامام مالک،فی اسبال الرجل ثوبہ،ص،۵۲۱،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

[271](عمدۃالقاری،ج۲۱،ص۴۴۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

ترجمہ: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہے وہ دوزخ میں ہو گا تو کپڑے کا کیا گناہ ہے؟ (اس کا جواب یہ کہ) حضرت خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ میں وہ جگہ ہو گی جو اس کے پاؤں کے ٹخنوں کے نیچے والے حصہ کو شامل ہو گا۔ کپڑے سے مراد کپڑا پہننے والا ہے اور کپڑے کو پہننے والے کے بدن سے کنایہ کیا ہے۔ اور یہ مطلق ہے اس کو مقید پر محمول کرنا (قید لگانا) ضروری ہے، اور وہ جس نے تکبر کی نیت سے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا، وہ دوزخ میں ہو گا۔[272]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

أَيْ فَهُوَ أَيْ صَاحِبُهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ بِسَبَبِ الْإِسْبَالِ النَّاشِئِ عَنِ التَّكَبُّرِ وَالِاخْتِيَالِ. قَالَ الْأَشْرَفُ: مَا مَوْصُولَةٌ وَصِلَتُهُ مَحْذُوفَةٌ وَهُوَ كَانَ، وَأَسْفَلَ مَنْصُوبٌ خَبَرُ الْكَانَ، وَيَجُوزُ أَنْ يُرْفَعَ أَسْفَلَ أَيِ الَّذِي هُوَ أَسْفَلُ، وَعَلَى التَّقْدِيرِ هُوَ أَفْعَلُ، وَيَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ فِعْلًا وَهُوَ مَعَ فَاعِلِهِ صِلَتُهُ أَيِ الَّذِي سَفَلَ مِنَ الْإِزَارِ مِنَ الْكَعْبَيْنِ. وَقَالَ السُّيُوطِيُّ: وَيَجُوزُ كَوْنُ مَا شَرْطِيَّةً وَأَسْفَلَ فِعْلٌ مَاضٍ اهـ. وَهُوَ الْأَظْهَرُ، وَفِي غَيْرِهِ تَكَلُّفٌ مُسْتَغْنًى عَنْهُ، وَيُؤَيِّدُهُ رِوَايَتُهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِلَفْظِ: (فَفِي النَّارِ) قَالَ الْخَطَّابِيُّ: يُتَنَاوَلُ هَذَا عَلَى وَجْهَيْنِ، أَحَدُهُمَا: أَنَّ مَا دُونَ الْكَعْبَيْنِ مِنْ قَدَمِ صَاحِبِهِ فِي النَّارِ عُقُوبَةً لَهُ عَلَى فِعْلِهِ، وَالْآخَرُ: أَنَّ فِعْلَهُ ذَلِكَ فِي النَّارِ أَيْ هُوَ مَعْدُودٌ وَمَحْسُوبٌ مِنْ أَفْعَالِ أَهْلِ النَّارِ، قَالَ النَّوَوِيُّ: الْإِسْبَالُ يَكُونُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيصِ وَالْعِمَامَةِ، وَلَا يَجُوزُ الْإِسْبَالُ تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ إِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ، وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِيُّ عَلَى أَنَّ التَّحْرِيمَ مَخْصُوصٌ بِالْخُيَلَاءِ لِدَلَالَةِ ظَوَاهِرِ الْأَحَادِيثِ عَلَيْهَا، فَإِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ فَهُوَ مَمْنُوعٌ مَنْعَ تَحْرِيمٍ، وَإِلَّا فَمَنْعُ تَنْزِيهٍ، وَأَجْمَعُوا عَلَى جَوَازِ الْإِسْبَالِ لِلنِّسَاءِ، وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَهُنَّ فِي إِرْخَاءِ ذُيُولِهِنَّ، وَأَمَّا الْقَدْرُ الْمُسْتَحَبُّ فِيمَا يَنْزِلُ إِلَيْهِ طَرَفُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ فَنِصْفُ السَّاقَيْنِ،

---

[272] (عمدۃالقاری ج ۲۱ ص ۴۴۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وَالْجَائِزُ بِلَا كَرَاهَةٍ مَا تَحْتَهُ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَبِالْجُمْلَةِ يُكْرَهُ مَا زَادَ عَلَى الْحَاجَةِ، وَالْمُعْتَادُ فِي اللِّبَاسِ مِنَ الطُّولِ وَالسِّعَةِ اهـ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمُعْتَادُ الشَّرْعِيُّ لَا الْمُعْتَادُ الْعُرْفِيُّ۔

ترجمہ: یعنی اس قسم کی ازار پہننے والا شخص جہنم کی آگ میں ہو گا اس اسبال کی وجہ سے جو تکبر اور اختیال سے پیدا ہوا ہے۔ ''من الازار'' یہ ''ما'' کے لئے بیان ہے۔ ای من ازار الرجل اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ''ما'' موصول ہے اور اس کا صلہ محذوف ہے اور وہ ''کان'' ہے اور ''اسفل'' منصوب ہے کیونکہ ''کان'' کی خبر ہے۔ اسفل کا مرفوع ہونا بھی جائز ہے۔ ای ''الذی ھو اسفل'' اور دونوں تقدیروں کی بناپر یہ ''افعل'' (اسم تفصیل) ہو گا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو فعل بنایا جائے اور یہ اپنے فاعل کے ساتھ مل کر صلہ ہو گا۔ ای ''الذی سفل من الکعبین'' امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ''ما'' کا شرطیہ ہونا اور ''اسفل'' کا فعل ماضی ہونا درست ہے۔ اھ۔ اور یہی بات زیادہ واضح ہے اور اس کے علاوہ ترکیب میں تکلف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس کی تائید ''جامع الصغیر'' کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں ''ففی النار'' کے الفاظ ہیں۔ امام خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں دو توجیہات ہیں: ایک توجیہ یہ کہ ''مادون الکعبین من قدم صاحبہ فی النار'' پاؤں کا ٹخنے سے نیچے والا حصہ آگ میں ہو گا۔ اس کے فعل پر سزا اور عقوبت کی وجہ سے۔ دوسری توجیہہ یہ کہ اس کا یہ فعل آگ میں ہو گا۔

ای ''ھو معدود محسوب من افعال اھل النار''۔

یعنی مادون الکعبین کو شمار کیا گیا ہے جہنمیوں کے افعال میں سے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ 'اسبال'' ازار، قمیص اور عمامہ سب میں ہوتا ہے اور اگر اسبال کی وجہ سے ہو اور تحت الکعبین ہو تو ناجائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صراحت کی کی ہے کہ یہ تحریم ''خیلاء'' کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ احادیث کا ظاہر اس پر دلالت

کر رہاہے اگر اسبال "خیلاء" کے طور پر ہو تو ممنوع ہے، ممنوع تحریمی ہے ورنہ تو ممنوع تنزیہی ہو گا۔ عورتوں کے لئے اسبال کے جواز پر اجماع ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح طور پر ثابت ہے: "لَهُنَّ فِي إِرْخَاء ذيُولِهِنَّ " البتہ قمیص اور ازار کے اطراف میں قدر مستحب یہ ہے کہ یہ نصف ساقین تک ہو اور کعبین تک جائز بلا کراہت ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو زائد از حاجت ہو اور لمبائی و چوڑائی میں زائد ہو، معتاد طریقے سے وہ پہننا مکروہ ہے انتھی۔ ظاہر یہ ہے کہ معتاد میں اعتبار معتاد شرعی کاہے نہ کہ معتاد عرفی کا۔[273]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

قوله: (المسبل) هذا هو محل الشاهد، وهو مطلق يدل على تحريم الإسبال مطلقاً، ولكن إذا كان بقصد خيلاء صار أشد وأعظم، وإذا كان بدون خيلاء فهو شديد وعظيم۔

ترجمہ: حدیث شریف میں المسبل کپڑا لٹکانے والا، یہ جگہ اس پر شاہد ہے، اور یہ مطلق طور پر کپڑا لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور لیکن جب تکبر کے ارادہ سے ہو تو زیادہ سخت اور زیادہ عظیم گناہ ہے، اور جب بغیر تکبر کے ہو تو شدید اور عظیم گناہ ہے۔[274]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

(ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار)، فهذا يدلنا على تحريم الإسبال، وهو محرم في الصلاة وفي غير الصلاة، ولكنه إذا كان في الصلاة يكون الأمر أخطر۔

---

[273](مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس ج۸ص ۱۹۸، المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

[274](شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج۸، ۴۵۸،ص، ۱۴)

ترجمہ: ماأسفل من الکعبین من الإزار فھو فی النار یہ تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور یہ نماز اور غیر نماز میں حرام ہے اور لیکن نماز میں زیادہ خطرناک معاملہ ہے۔[275]

رہی یہ بات کہ کف ثوب، لف ثوب اور اسبال کا مسئلہ جو پاک وہند میں بہت ہی وسیع پیمانے پر مشہور کر دیا گیا ہے اور کہا جاتا رہا ہے کہ اگر کوئی کف ثوب کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہو گی، اور کف ثوب کی تعریف یہ کر دی گئی ہے کہ "کوئی اس حال میں نماز پڑھے کہ اس نے لمبی شلوار یا پینٹ کے پائنچے موڑے ہوئے ہوں یا اس کو نیفہ سے اڑس (سمیٹ) لیا ہو۔" اور اس طرح لف ثوب کے معنی بھی یہی کرتے ہیں۔ اور خاص کر یہ مسئلہ علماء اہلسنت کے مابین زبان زد عام و خاص ہے۔ یہ مسئلہ تحقیق طلب تھا اور اب بھی ہے کیونکہ تحقیق کا دروازہ کھلا ہے اور ہر شخص کا حق ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے پر جانبین کی حیثیت کو مد نظر رکھ کر اظہار حق کے لئے تحقیق کر سکتا ہے۔

کف ثوب، لف الثوب اور اسبال کی وضاحت اور احادیث مبارکہ میں یا فقہ حنفی میں جن امور کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اور جس سے آپ ﷺ کو منع فرمایا گیا ہے وہ کیا ہے اور اس کی کیا کیفیت ہے؟ اس سے پہلے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علماء کے مابین اس مسئلہ میں مابہ النزاع کیا ہے؟ یعنی وہ کیا وجوہات ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ نوبت آپہنچی کہ لوگوں کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ قرار دی جاتی ہے۔

---

[275] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج، ۴، ص، ۱۴۷)

اسبال

سب سے پہلے ہم اسبال کی تعریف، اسبال سے متعلق احادیث اور اسبال کا حکم بیان کریں گے۔

اسبال کا معنی:

قصداً اپنے اختیار سے اوپر سے آنے والے کپڑے کے ساتھ کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں ٹخنے ڈھانکنے کو اسبال کہتے ہیں۔

اسبال سے متعلق احادیث:

اسبال سے متعلق کتب احادیث میں چار قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں:

پہلی قسم: وہ احادیثِ مبارکہ جن میں تکبر کی قید ذکر کئے بغیر مطلقاً اسبال کو ناجائز اور حرام کہا گیا ہے۔

وعنہ (ای عن أبی ھریرۃ) عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔[276]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند کے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ جہنم کی وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ٹخنے ڈھانکنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، نیز اس میں تکبر کا ذکر بھی نہیں۔

(۲) عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل یجرّ ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمۃ۔[277]

---

[276] (بخاری شریف ۲/۸۶۱)

[277] (بخاری شریف، ۲/۸۶۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص اپنے تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا پس وہ (سخت تکلیف کے ساتھ) قیامت تک زمین میں مسلسل دھنستا جائے گا۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی یہ نہیں ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے ٹخنے ڈھانک کر چل رہا تھا بلکہ اس شخص کو مطلقاً ٹخنے ڈھانپنے پر قیامت تک سخت ترین عذاب میں گرفتار کر دیا گیا۔

محترم قارئین! سوچنے کا مقام ہے کہ اتنی سخت وعید کے بعد بھی کیا یہ کہنا درست ہے کہ تکبر کے بغیر قصداً ٹخنے ڈھانپنا محض مکروہ تنزیہی ہے؟

(۳) عن ابی ذر عن النبی ﷺ انه قال ثلثة لا يكلمهم الله و لا ينظر اليهم يوم القيامة و لا يز كيهم و لهم عذاب اليم قال من هم يا رسول الله فقد خابوا و خسروا فاعادها ثلثا من هم يا رسول الله خابوا وخسروا قال المسبل و المنان و المنفق سلعة بالحلف الكاذب او الفاجر۔[278]

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت بھی نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ (ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ وہ تو ذلیل و رسوا ہو گئے اور خسارے میں چلے گئے، تین مرتبہ (یہ کلمہ) دہرایا۔ میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ وہ تو رسوا

[278] (مسلم، حدیث ۳۰۶، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار و المن بالعطیة الخ، و اللفظ له، و رواه ابو داؤد باب ما جاء فی اسبال الازار، سنن نسائی حدیث ۲۵۶۲، ابن ماجه حدیث ۲۱۹۹، مسند أحمد حدیث ۲۱۳۱۸، مصنف ابی شیبة، باب فی جر الازار، سنن دارمی حدیث ۲۶۶۰، شعب الایمان للبیهقی، حدیث ۴۵۱۰، صحیح ابن حبان حدیث ۴۹۰۷، مسند بزار حدیث ۴۰۲۴)

ہوئے اور خسارے میں چلے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک اپنی شلوار، تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، دوسرا احسان جتلانے والا، تیسرا اپنا سامان جھوٹی قسم سے فروخت کرنے والا یا فاجر۔

اس حدیث مبارکہ میں تکبر وغیرہ کی قید کے بغیر اس عمل پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ان لوگوں سے بات نہ کرنے، ان کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمانے، ان کو پاک نہ کرنے اور **"عذابِ الیم"** اور ناکامی اور خسارہ میں پڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں، اور ظاہر ہے کہ اتنی سخت وعیدیں کسی بڑے گناہ پر ہی ہو سکتی ہیں۔

اور اولاً تو مرد حضرات کے ٹخنے سے نیچے لباس لٹکانے کی اصل وجہ تکبر ہی ہوتی ہے، کہ اس غرض سے وہ ایسا کرتے ہیں، گویا کہ یہ عمل تکبر سے ہی ناشی اور پیدا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے مرد حضرات کا ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا خود تکبر کے قائم مقام ہے (احادیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے) اور اگر اس کے ساتھ کسی کی مستقل تکبر کی نیت بھی ہو تو پھر یہ دوہرا گناہ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس حدیث میں "لٹکانے" کا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ گناہ اس صورت میں ہے جبکہ کپڑا اوپر سے نیچے کی طرف کو لٹکا ہوا ہو، جیسا کہ شلوار، پائجامہ، تہبند وغیرہ ہوتا ہے، اور موزہ کیونکہ اوپر سے نیچے کی طرف لٹکا ہوا نہیں ہوتا، اس لئے اس میں ممانعت نہیں۔

دوسری قسم: وہ احادیث مبارک کہ جن میں تکبر کی قید ہے:

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلاء۔[279]

---

[279] (بخاری شریف ۲/ ۸۶۰، قدیمی کراچی)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطراً۔[280]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا جس نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکایا۔

(۳) عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یارسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الی ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔[281]

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد محترم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا (یہ فرمان سنتے ہی) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے تہہ بند کا ایک حصہ نیچے لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبر کی وجہ سے لٹکاتے ہیں۔

---

[280] (بخاری، ۲/۸۶۱)
[281] (بخاری شریف ۲/۸۶۰)

(۴) عن عطیۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ: من جرّ ازارہ من الخیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ۔ قال: فلقیت ابن عمر بالبلاط فذکرت لہ حدیث ابی سعید عن النبی ﷺ فقال واشار الی أذنیہ: سمعتہ اذنای ووعاہ قلبی۔[282]

حضرت عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ حضرت عطیہ کہتے ہیں کہ میں مقام بلاط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ملا اور میں نے ان کے سامنے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی ہی حدیث ذکر کی تو انہوں نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میرے کانوں نے اس کو (رسول اللہ ﷺ سے) سنا ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کیا ہے۔

(۵) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا صلی فلم یتم صلاتہ خشوعھا ولا رکوعھا واکثر الالتفات لم تقبل منہ، ومن جرّ ثوبہ خیلاً لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ وان کان علی اللہ تعالی کریماً"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس کے خشوع (خضوع) اور رکوع (وسجود) کو مکمل نہیں کرتا بلکہ اِدھر اُدھر توجہ کرتا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور جو شخص نماز میں اپنے کپڑے (تہبند، شلوار وغیرۃ) کو تکبر کی وجہ سے (لٹکاتا ہوا) گھسیٹتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائیں گے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر مرتبے والا ہو۔[283]

---

[282] (سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس مطبوعہ بیروت ۳۶۱۴)

[283] (طبرانی فی الکبیر والترغیب والترھیب ج ۱ ص ۲۰۴ کنز العمال رقم ۱۹۹۶۹ ج۷ ص ۲۰۴ دار الکتب العلمیہ بیروت والترغیب والترھیب ج۳ ص ۷۶، مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَيُكْرَهُ إسْبَالُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ وَالسَّرَاوِيلِ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَمَرَ بِرَفْعِ الْإِزَارِ. فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ الْخُيَلَاءِ حَرُمَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: «مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرْ اللَّهُ إلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَرَوَى أَبُو دَاوُد عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ, قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: مَنْ أَسْبَلَ إزَارَهُ فِي صَلَاتِهِ خُيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنْ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فِي حِلٍّ وَلَا حَرَامٍ۔

قمیص اور تہبند اور شلوار کو تکبر سے لٹکانا مکروہ ہے، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے نماز میں کپڑا لٹکایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حلال میں ہے اور نہ حرام میں ہے۔[284]

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

المعنى: فليس عند الله في شيء، وقد شاع بَيْنَ العَرب ضربُ المثل بقولهم فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام، ويُريدون به أنه سَاقط من الأعْين، لا يُلْتفتُ إليه، ولا يعبا به وبأفعاله، وكذلك معنى الحديث: من أسْبل إزاره في صلاته خُيلاء فليْس هو عند الله في شيء، ولا يَعْبا الله به ولا بصلاته، ثم إسبالُ الثوْب خارج الصلاة إن كان لأجل الاختيال يكره - أيضاً - وإن لم يكن للاختيال لا يكره، وكرهه البعض مطلقا في الصلاة وغَيْرها للاختيال وغيرها۔

مطلب یہ ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے، عرب میں ضرب المثل مشہور ہے، وہ کہتے ہیں: فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام، (فلاں کو نہ حلال سے نفع ہے اور نہ حرام

[284] (المغنی ج ۱ ص ۳۴۱ دار الفکر، بیروت)

سے نفع ہے) اور اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ نظروں سے گر گیا ہے، اور نہ اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور نہ اس کی پرواکی جائے گی، اور نہ اس کے کاموں کی پرواکی جائے گی، اور اسی طرح اس حدیث کا مطلب ہے: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ اس کی پرواکرے گا اور نہ اس کی نماز کی پروا کرے گا، پھر خارج نماز کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے، اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، اور بعض نے مطلق طور پر نماز میں اور نماز کے علاوہ میں، اور تکبر کی وجہ سے اور بغیر تکبر کے مکروہ قرار دیا ہے۔[285]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

(من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه)، وهو حرام مطلقاً في الصلاة وفي غير الصلاة۔

ترجمہ: (من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه) اور یہ مطلقاً حرام ہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ میں ہو۔[286]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

إسبال الإزار بغير قصد الخيلاء من الكبائر؛ لأن النهي عنه جاء مطلقاً يشمل ما كان بخيلاء وما كان بغير خيلاء، والكبائر تتفاوت، فليست على حد سواء؛ والاحاديث في تحريم الإسبال وردت على سبيل الإطلاق، فلا يقال: إنه يحمل على الخيلاء فقط، وإنه يجوز في غير الخيلاء، وإنما الراجح أن الإسبال يحرم وهو من الكبائر وإن انضاف إليه قصد الخيلاء فهو أعظم إثماً۔

---

[285](شرح ابی داود للعینی ج ۲ ص ۳۰۰ دار الکتب العلمیہ)
[286](شرح سنن ابی داود عبدالمحسن العباد ج ۴ ص ۱۴۷)

ترجمہ: بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ ممانعت مطلق طور پر آئی ہے تکبر کے ساتھ ہو یا بغیر تکبر کے ہو کو شامل ہو گی، اور کبیرہ گناہوں میں تفاوت ہوتا ہے، تو حد میں برابر نہیں ہیں، اور لٹکانے کی تحریم میں احادیث مطلق طور پر وارد ہوئی ہیں، تو نہیں کہا جائے گا کہ وہ صرف تکبر پر محمول ہیں، اور بغیر تکبر جائز ہے، اور بے شک راجح لٹکانا حرام ہو گا اور وہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر تکبر کے قصد کی اضافت اس کی طرف کر دی جائے تو وہ اعظم گناہ ہے۔[287]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

قوله: ((وجر الإزار)). يعني: إسبال الثياب، وهذا من الأمور المحرمة، وسواء كان مع قصد الخيلاء أو بدون قصد الخيلاء، ما دام الإنسان قد جر ثوبه فهو آثم، ولكنه إذا كان مع قصد الخيلاء يكون شراً إلى شر۔

قوله: (وجر الازار) یعنی کپڑوں کا لٹکانا، اور یہ حرام کیے ہوئے کاموں میں سے ہے، برابر ہے کہ تکبر کے قصد کے ساتھ ہو یا تکبر کے قصد کے بغیر ہو، جب تک انسان اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور لیکن جب تکبر کے قصد کے ساتھ ہوتا ہے تو برے سے بھی برا ہو گا۔[288]

تیسری قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو تکبر کی علامت اور نتیجہ کہا گیا ہے۔

(۱) عن جابر بن سليم (في حديث طويل) قال قال النبي ﷺ اياک و اسبال الازار فانها من المخيلة و ان الله لا يحب المخيلة۔[289]

---

[287](شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج،۲۳، ص،۱۰۵)
[288](شرح سنن ابی داود عبدالمحسن العباد ج۲۳ ص ۳۹۹)
[289](ابو داؤد ۲/۵۶۴)

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی) فرمایا: تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا وایاک وجر الازار فان جرّ الازار من المخیلة۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ تہبند کو لٹکانا تکبر کے سبب سے ہوتا ہے۔[290]

شیخ ابو محاسن رکن الاسلام محمد بن ابو بکر المعروف امام زادہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

واسبال الازار والقمیص بدعة، ای تطویلھما، وھو من أعلام الکبر والخیلاء، ولبس السراویل سنة، وھو من أستر الثیاب للرجال والنساء واول من لبسه خلیل اللہ علیه السلام۔

ترجمہ: اور قمیص اور تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانا بدعت ہے، یعنی ان کو لمبا رکھنا، اور یہ تکبر اور اترانے کی علامات میں سے ہے، اور شلوار پہننا سنت ہے، اور یہ مردوں اور اس میں عورتوں کے لیے زیادہ پردہ ہے، اس کو سب سے پہلے حضرت خلیل ابراہیم علیہ السلام نے پہنا۔[291]

اور بعض احادیث میں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک اس طرح مروی ہے:

اتق اللہ ولا تحقرن من المعروف او الخیر شیئا، وایاک واسبال الازار فانه من المخیلة، وان اللہ لا یحب المختال۔ فقال رجل یا رسول اللہ ذکرت اسبال الازار، وقد یکون بساق الرّجل القرح او الشئ یستحيٍ منه۔ فقال لا بأس الیٰ نصف الساق، او الی الکعبین، انّ رجلا

---

[290] (فتح الباری ۱۰/۳۲۳، قدیمی کتب خانہ)

[291] (شرعة الاسلام اسبال الازار والقمیص ص ۱۴۱ دار ابشائر السلامیة بیروت بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة السادس والثلاثون الوقحةقلةالحیاء ج۳ص ۵۷ مکتبة العلوم الدینیة کانسی روڈ کوئٹہ)

ممن کان قبلکم لبس بردة فتبختر فیھا فنظر اللہ من فوق عرشہٖ فمقتہٗ فأمر الأرض فاخذتہ فھو یتجلل بین الأرض۔فاحذروا وقائع اللہ عزّ و جل۔[292]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور نیکی یا خیر کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھو، اور اپنے آپ کو ازار لٹکانے سے بچاؤ، کیونکہ وہ تکبر میں سے ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اس کے جواب میں اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ازار لٹکانے کا تذکرہ فرمایا؛ جب کہ کبھی کبھی ایک آدمی کی پنڈلی میں زخم ہوتا ہے یا کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کے اظہار سے وہ شرماتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: آدھی پنڈلی تک یا ٹخنوں تک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلاشبہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے چادر (لنگی وغیرہ) پہنی، پھر اس میں اترایا (یعنی ٹخنوں سے نیچے اسے لٹکایا) تو اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر سے اس کی طرف نظر کی اور اس پر ناراضگی فرمائی اور زمین کو حکم دیا۔ زمین نے اس کو دبوچ لیا پس وہ زمین کے درمیان دھنسا جارہا ہے، پس اللہ عزوجلّ کی پکڑ اور مؤاخذہ سے بچو اور ڈرو۔"

مسند أبی جری جابر بن سلیم الھجیمی التمیمی رضی اللہ عنہ عن أبی تمیمة الھجیمی قال: قال أبو جری جابر: رکبت قعودا لی فأتیت مکة فی طلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فإذا ھو جالس، فقلت السلام علیک یا رسول اللہ، قال: وعلیک، قلت إنا معشر أھل البادیة، قوم فینا الجفاء، فعلمنی کلاما ینفعنی اللہ بہ، قال: اتق اللہ، ولا تحقرن من المعروف أو الخیر شیئا، وإیاک وإسبال الإزار، فإنہ من المخیلة، وإن اللہ لا یحب المختال فقال رجل: یا رسول اللہ ذکرت إسبال الإزار، وقد یکون بساق الرجل القرح أو الشیء یستحی منہ؟ فقال: لا بأس إلی نصف الساق أو إلی الکعبین، إن رجلا کان ممن قبلکم لبس بردة فتبختر فیھا، فنظر اللہ إلیہ، من فوق عرشہ، فمقتہ، فأمر الأرض فأخذتہ، فھو یتجلجل بین الأرض فاحذروا وقائع اللہ۔

---

[292] (معرفة الصحابة لابی نعیم اصبھانی، حدیث ۱۵۳۲، جلد ۲ صفحہ ۵۴۷، واللفظ لہ، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۲۶۲)

(مسند ابی جری جابر بن سلیم ھجیمی تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابو تمیمۃ ھجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو جری جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنی سواری پر سوار ہو کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طلب میں مکہ آیا، دیکھا تو آپ تشریف فرما ہیں، میں نے کہا: **السلام علیک یا رسول اللہ! علیہ الصلوٰۃ و السلام** آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **علیک**، میں نے عرض کیا ہم دیہاتی لوگوں میں سخت مزاجی ہوتی ہے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی بات سکھا دیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرا کر اور کسی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھنا، اور ازار (شلوار) لٹکانے سے بچنا، کیونکہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی متکبر کو پسند نہیں کرتا، اتنے میں ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ آپ نے ازار لٹکانے کا ذکر کیا، بعض دفعہ کسی انسان کی پنڈلی پر کوئی دانہ، پھوڑہ یا کوئی قابل حیا چیز ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدھی پنڈلی اور ٹخنوں تک کوئی حرج نہیں تم سے پہلے کسی شخص نے ایک چادر اوڑھی اور اس میں اترانے لگا اللہ تعالیٰ نے عرش سے اس کی طرف دیکھا، اور اس سے ناراض ہو کر زمین کو حکم دیا (کہ اسے نگل) تو زمین نے اسے پکڑ لیا سو وہ زمین کے درمیان حرکت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) واقعات سے بچو۔[293]

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

هذا باب في بيان حكم من جر إزاره من غير قصد التخييل فإنه لا بأس به من غير كراهة وكذلك يجوز لدفع ضرر يحصل له كأن يكون تحت كعبيه جراح أو حكة أو نحو ذلك إن لم يغطها تؤذيه الهوام كالذباب ونحوه بالجلوس عليها ولا يجد ما يسترها به إلا إزاره أو رداءه أو قميصه وهذا كما يجوز كشف العورة للتداوي وغير ذلك من الأسباب المبيحة للترخص وقال شيخنا زين الدين، وأما جوازه لغير ضرورة لا لقصد الخيلاء فقال النووي إنه

---

[293] (ابو نعیم، کنز العمال، رقم: ۸۸۷۰، ج، ۳، ص، ۳۳۲، ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مکروہ ولیس بحرام، وحکی عن نص الشافعی رضی اللہ تعالی عنہ، التفرقۃ بین وجود الخیلاء وعدمہ۔

ترجمہ: جس شخص نے بغیر قصد تکبر تہبند ٹخنوں کے نیچے رکھا اس میں کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے، اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لیے بھی لباس لٹکانا جائز ہے مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا خارش ہو، یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے تو اس پر مکھیاں اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا خطرہ ہو، اور لمبی قمیص یا لمبے تہبند کے علاوہ کوئی چیز ڈھانپنے کے لیے میسر نہ ہو، یہ ایسا ہے جیسا کہ علاج کے لیے شرمگاہ کو کھولنا جائز ہے، ہمارے شیخ زین الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر کوئی عذر نہ ہو اور نہ ہی تکبر کا قصد ہو تو پھر علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ تکبر کی نیت سے اور بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانے میں فرق ہے۔[294]

شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی آں پارہ از قدم زیر شتالنگ کہ بروی ازار مسبل ست و بعضے گویند معنی آنست کہ این فعل مذموم ست و از افعال نارست کذا قال الطیبی۔ رواہ البخاری تنبیہ بدانکہ جرو اسبال اکثر در ازار درود یافتہ ووعید شدید در آن آمدہ تا آنکہ فرمود مسبل از ارا کہ نماز میگزارد باعادہ نماز ووضو چنانکہ دراوائل کتاب گذشت و در احادیث آمدہ کہ در شب نصف شعبان ہمہ آمرزیدہ شوند الا عاق ومد من خمر ومسبل ازار و تحقیق آنست کہ اسبال در جمیع شیاب رود ہر چہ کہ زیادہ بر قدر حاجت ووفق سنت بود اسبال ست و باعث تخصیص باز ازبجہت کثرت وقوع است

[294] (عمدۃ القاری کتاب اللباس ج ۲۱ ص ۴۳۸، ۴۳۷دار الکتب العلمیہ بیروت)

وچہ لباس اکثر مردم در عہد نبوت رواوازار بود ودر فصل ثانی از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، آمدہ کہ آنحضرت فرمود ﷺ الاسبال فی الازار والقمیص والعمامۃ من جر منہا شیئاً خیلاء الحدیث۔ ودر حدیث اول از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ پیش ازین حدیث مذکور شد جر ثوب مطلق شدہ وعزیمت درازار تانصف ساق ست وازار آنحضرت ﷺ این چنین بودی و فرمود ازار مومن تا نصف ساق ست ورخصت تابالامی شتالنگ و حکم وامان قبا وپیراہن نیز ہمین ست و سنت درآستینہا تابند دست ہست واسبال در عمامہ بارسال عذبہ زیادت بر عادتعدداو وغایت آن تانصف ظہر ست وزیادہ بران بدعت وداخل اسبال محرم واین توسیع وتطویل کہ در بعضے از دیار عرب متعارف شدہ است خلاف سنت وہر چہ ازان بطریق خیلاء ست حرام وانچہ بطریق عرف وعادت شائع شدہ وشعار قومی گشتہ لاباس بہ است اگرچہ افراط خالی از کراہت نیست واسبال مرزنان رانیز حرام است، ودر حق ایشان زیادتی بر مردان بقدر شبر وبقدر ذراع کہ در شبرست نیز رخصت ست بلکہ مستحب ست بقصد تستر۔

یعنی قدم کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے اور اس پر تہبند بطور فخر لٹکایا ہوا ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل مذموم ہے اور اہل نار کے افعال میں سے ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

تنبیہ: خیال رہے کہ اکثر طور پر گھسیٹنے اور لٹکانے کی مذمت تہبند کے بارے میں واقع ہوئی ہے اور اس پر شدید وعید واقع ہوئی ہے یہاں تک کہ تہبند لٹکانے والے کو اس حال میں ادا کی گئی نماز اور وضو کے لوٹانے کا حکم دیا۔ جیسے کہ مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی حصے میں گزرا۔ احادیث میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات میں سب بخش دیئے جاتے ہیں سوائے والدین کے نافرمان، عادی شرابی ، اور چادر لٹکانے والے کے، اور تحقیق یہ ہے کہ لٹکانا تمام کپڑوں میں پایا جاتا ہے، جو کپڑا سنت کی موافقت اور حاجت سے زیادہ ہو وہ اسبال (لٹکانے) میں داخل ہے، تہبند کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ عمل عموماً زیادہ واقع ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اکثر لوگوں کا لباس تہبند اور اوپر لینے والی چادر تھا۔ دوسری فصل میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے ، جس نے ان میں سے کسی چیز کو بطور تکبر لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا ، اس حدیث سے پہلے مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مطلق کپڑے کے گھسیٹنے کا ذکر ہے۔ تہبند میں اصل یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند اسی طرح ہوتا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ مومن کا تہبند آدھی پنڈلی تک ہے اور ٹخنے سے اوپر تک رخصت ہے، قبا اور پیراہن کے دامن کا بھی یہی حکم ہے۔

آستین میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کے جوڑ تک ہو، عمامہ میں لٹکانا یہ ہے کہ شملہ لمبائی میں عام عادت سے زیادہ ہو۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ نصف پشت تک ہو۔ اس سے زیادہ بدعت ہے اور حرام لٹکانے میں داخل ہے ۔ عرب کے بعض علاقوں میں جو لمبائی اور چوڑائی میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ خلاف سنت ہے اور اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہے اور جو عرف اور عادت اور کسی قوم کی علامت

کے طور پر ہو جائے تو اس میں حرج نہیں ہے، اگرچہ زیادتی کراہت سے خالی نہیں ہے، کپڑے کا حاجت سے زیادہ لٹکانا عورتوں کے لئے بھی حرام ہے۔ مردوں کی نسبت ان کے لئے ایک بالشت اور وہ کافی نہ ہو تو ایک ہاتھ کی زیادتی کی رخصت ہے بلکہ مستحب ہے تاکہ ستر کا مقصد پوری طرح حاصل ہو۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔[295]

چوتھی قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو دیکھ کر اصلاح کی گئی ہے۔

(۱) عن الاشعث بن سلیم قال سمعت عمّتی فحدثت عن عمها قال بینما انا امشی بالمدینة اذا انسان خلفی یقول ارفع ازارک فانه اتقی و ابقی فالتفت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله انما هی بردة ملحاء قال امالک فی اسوة؟ فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقیه۔

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا "ارفع ازارک فانه اتقی و ابقی" اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔[296]

(۲) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال بینما رجل یصلی مسبلاً ازاره فقال له رسول الله ﷺ اذهب فتوضا فذهب فتوضا ثم جاء فقال اذهب فتوضا فقال له رجل یا رسول الله

---

[295] (اشعة اللمعات، کتاب اللباس، ج۳، ص، ۵۷۵، ۵۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[296] (شمائل ترمذی ۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

مالک امرته ان یتوضا ثم سکت عنه ثم قال انه کان یصلی وهو مسبلّ ازاره وان الله لا یقبل صلوٰة رجل مسبل۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنا تہبند (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: جاؤ وضو کر آؤ، وہ چلا گیا پھر وضو کیا، پھر آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ وضو کرکے آؤ، تو ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ پھر وہ خاموش ہوگئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ اس نے اپنا ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہوا تھا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس نے ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہو۔“[297]

فائدہ: آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر کی وجہ سے لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی، بلکہ مطلق ارشاد فرمایا۔

اس طرح گزری ہوئی حدیث میں حضرت عبید اللہ بن خالد سے بھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے تکبر کی وجہ سے لٹکایا ہے بلکہ مطلق کپڑا لٹکا ہوا دیکھ کر ان کو منع فرمایا۔

قال الهيثمي: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح۔[298]

بعض حضرات نے اس حدیث کو ابو جعفر انصاری مدنی راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ مقبول درجے کے راوی ہیں، ان سے امام بخاری نے ادب المفرد اور افعال العباد میں اور نسائی نے الیوم واللیلہ میں اور امام ابو داؤد، امام ترمذی وغیرہ نے سوائے مسلم کے روایات لی ہیں۔

---

[297] (ابو داؤد ۲/۵۶۵، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

[298] (مجمع الزوائد ج۵ ص ۱۲۵)

اور علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو مقبول قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور بعض نے جو ان کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مجہول قرار دیا ہے، یا ان کا نام محمد بن علی قرار دیا ہے، یہ درست نہیں، کیونکہ ان کا پورا نام ابو جعفر محمد بن ابراہیم مؤذن انصاری مدنی ہے۔

روی له البخاری فی الأدب وفی أفعال العباد والنسائی فی الیوم اللیلة والباقون سوی مسلم۔ روی له النسائی حدیث النزول، وروی له الباقون حدیث: ثلاث دعوات مستجابات لا شک فیهن وقال الترمذی: لا یعرف اسمه۔[299]

وقال ابن حبان فی صحیحه: هو محمد بن علی بن الحسین۔

قلت: ولیس هذا بمستقیم لان محمد بن علی لم یکن مؤذنا لان أبا جعفر هذا قد صرح بسماعه من أبی هریرة فی عدة أحادیث، وأما محمد بن علی بن الحسین فلم یدرک أبا هریرة فتعین أنه غیره والله تعالیٰ أعلم وفی مصنف ابن أبی شیبة حدثنا أبو معاویة عن الاعمش عن ثابت بن عبید عن أبی جعفر الانصاری قال دخلت مع المصریین علی عثمان فلما ضربوه خرجت اشتد قد ملات فروجی عدوا حتی دخلت المسجد فاذا رجل جالس فی نحو عشرة وعلیه عمامة سوداء فقال: ویحک ماورائِک؟ قال قلت: واللہ قد فرغ من الرجل قال فقال تبا لکم آخر الدهر۔ قال فنظرت فاذا هو علی بن أبی طالب۔ وبه عن الاعمش عن ثابت بن عبید عن أبی جعفر الانصاری/قال: رأیت أبا بکر الصدیق ولحیته ورأسه کأنهما جمر العضا وقد فرق أبو أحمد الحاکم بین هذا وبین الراوی عن أبی هریرة وأظن أنه هو وعنه أبو داؤد فی الصلاة عن یحیی بن أبی کثیر عن أبی جعفر غیر منسوب عن عطاء بن یسار عن أبی هریرة وأظنه هذا۔[300]

---

[299](تهذیب الکمال ج۳۳ص ۱۹۱)

[300](تهذیب التهذیب ج ۱۲، ص ۴۸، ۴۹)

أبو جعفر المؤذن الأنصاری المدنی مقبول من الثالثة ومن زعم أنه محمد بن علی بن الحسین فقد وھم۔[301]

أبو جعفر المؤذن الأنصاری المدنی اسمه محمد بن ابراھیم: عن أبی ھریرة ص و عنه یحیی بن أبی کثیر حسن الترمذی حدیثه۔[302]

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس مقام پر ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:

قال أبو عیسی ھذا حدیث حسن و أبو جعفر الرازی ھذا الذی وروی عنه یحیی بن أبی کثیر یقال له أبو جعفر المؤذن ولا نعرف اسمه وقد روی عنه یحیی بن أبی کثیر غیر حدیث۔[303]

(۳) عن عمرو بن میمون .... وجاء رجل شاب فقال ابشر یا امیر المؤمنین ببشری اللہ لک من صحبة رسول اللہ ﷺ وقدم فی الاسلام ماقد علمت ثم ولیت فعدلت ثم شھادة قال وددت ان ذلک کفافا لا علی ولا لی فلما ادبر اذا ازارہ یمس الأرض قال ردّوا علی الغلام قال یا ابن اخی ارفع ثوبک فانه انقیٰ لثوبک و اتقیٰ لربّک۔[304]

”حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (امیر المؤمنین کے زخمی ہونے کے بعد) ایک نوجوان شخص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کو مبارک اور خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے نوازا اور شروع شروع میں اسلام لانے سے نوازا جو کہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکمران بنایا گیا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدل و انصاف

---

[301] (تقریب التھذیب ج ۲ ص ۳۷۵)

[302] (لسان المیزان، ج۳ص ۲۶۹)

[303] (ترمذی حدیث نمبر ۳۳۷۰، ابواب الدعوات، باب ماذکر فی دعوة المسافر)

[304] (بخاری شریف ۱/ ۵۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

کیا اب شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ یہ (حساب و کتاب میں) نمٹا دیا جائے، نہ میرے اوپر کچھ ہو، نہ میرے لئے کچھ ہو، پھر جب وہ نوجوان واپس جانے لگا تو اس کا تہبند زمین کے ساتھ ٹکرا رہا تھا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس نوجوان کو میرے پاس واپس بلاؤ۔ پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اوپر اٹھا لو کیونکہ اس میں تیرے کپڑے کی زیادہ صفائی ہے اور تیرے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے زیادہ پرہیز گاری ہے۔"

فائدہ: دیکھئے! امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا تم نے تکبر کی وجہ سے تہہ بند لٹکا رکھا ہے، بلکہ مطلقاً منع فرمایا۔

(۴) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث ابی امامة "بینما نحن مع رسول الله ﷺ اذا لحقنا عمرو بن زرارة الانصاری فی حلة ازار و رداء قد اسبل فجعل رسول الله ﷺ یأخذبنا حیة ثوبه یتواضع لله ویقول: عبدک وابن عبدک وامتک، حتی سمعها عمرو فقال: یا رسول الله انی حمش الساقین، فقال: یا عمرو ان الله قد احسن کل شئ خلقه، یا عمرو ان الله لا یحب المسبل" الحدیث وأخرجه احمد من حدیث عمرو نفسه "عن عمرو بن فلاں" وأخرجه الطبرانی ایضاً فقال: "عن عمرو بن زرارة" وفیه "وضرب رسول الله ﷺ باربع اصابع تحت رکبة عمرو فقال: یا عمرو هذا موضع الازار" الحدیث ورجاله ثقات وظاهره ان عمروا المذکور لم یقصد باسباله الخیلاء، وقد منعه من ذلک لکونه مظنة۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (جارہے) تھے کہ پیچھے عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں آکر ملے، انہوں نے تہہ بند اور چادر پہنی ہوئی تھی اور وہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھی، تو آپ ﷺ نے اسکے کپڑے کے ایک کنارے کو پکڑا اور

اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرتے ہوئے فرمایا(یا اللہ! یہ) تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے اور بندی کا بیٹاہے یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ان باتوں کو سن لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں پتلی پنڈلی والا ہوں (اس لئے تہہ بند نیچے لٹکا رکھا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوبصورت پیدا فرمایا ہے، اے عمرو! اللہ تعالیٰ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والوں کے ساتھ محبت نہیں فرماتا اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہکے گھٹنے کے نیچے چار انگلیوں سے مارا اور فرمایا کہ اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تک ازار کی جگہ ہے۔"[305]

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: یہ حدیث ظاہراً اس پر دال ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے تکبر کی وجہ سے ازار نہیں لٹکا رکھی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔"

(۵) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث الشرید الثقفی قال: "ابصر النبی رجلاً قد اسبل ازارہ فقال: ارفع ازارک فقال: انی احنف تصطک رکبتای، قال: ارفع ازارک، فکل خلق اللہ حسن" واخرجہ مسدد و ابو بکر بن ابی شیبۃ من طرق عن رجل من ثقیف لم یسم۔ وفی آخرہ "ذاک اقبح مما بساقک"

"حضرت شرید ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا ازار اوپر اٹھالو! اس نے کہا کہ میں ٹیڑھے پاؤں والا ہوں، میرے گھٹنے آپس میں ٹکراتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا تہہ بند

[305] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اٹھالو، اللہ تعالیٰ کی تمام پیدا کردہ چیزیں خوبصورت ہیں!'' اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اس عیب سے زیادہ قبیح ہے جو آپ کی پنڈلی میں ہے۔''[306]

فائدہ: ظاہر ہے کہ یہ صاحب جو محض اپنا عیب چھپانے کے لئے ڈھانپ رہے تھے نہ کہ تکبر کی وجہ سے، پھر بھی آپ ﷺ نے انہیں منع فرمادیا، معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے ٹخنے ڈھانپنا مطلقاً ممنوع ہے۔

(۲) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: واخرج النسائی وابن ماجة وصححه ابن حبان من حديث المغيرة بن شعبة "رأيت رسول الله ﷺ اخذ برداء سفيان بن سهيل وهو يقول: ياسفيان لاتسبل، فان الله لا يحب المسبلين۔

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ سفیان بن سہیل رضی اللہ عنہ کی چادر کو پکڑ کر فرمارہے تھے: اے سفیان! (چادر کو) نہ لٹکاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ (ٹخنوں سے نیچے) چادر لٹکانے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔[307]

فائدہ: یہ نہیں فرمایا کہ جو تکبر سے لٹکائے اس سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتا بلکہ مطلق ارشاد فرمایا، معلوم ہوا کہ مطلقاً ممنوع ہے۔

عورتوں کا ازار

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلی الله عَلیهِ وسَلم قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلی الله عَلیهِ وسَلم عَنْ ذَيْلِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ شِبْرًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِذًا تَبْدُو أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عورت کے دامن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا: ایک بالشت (مرد سے) زیادہ کرے، میں عرض

---

[306] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)
[307] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

کیا یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ! پھر تو عورت کے قدم نظر آئیں گے تو ارشاد فرمایا: ایک گز (ہاتھ) زیادہ کرے اور اس سے زیادہ نہ کرے۔[308]

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ ذَكَرَ الْإِزَارَ: فَالْمَرْأَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ. تُرْخِي شِبْرًا فَقَالَتْ: إِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ: «فَذِرَاعًا لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ-

ترجمہ: حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم فرمایا کہ ازار میں درازی نہ کرنی چاہیے تو میں نے استفسار کیا کہ عورت کو پھر کیا کرنا چاہیے تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا اے کہ عورت اپنی ازار کو ایک بالشت دراز کرے۔ یعنی آدھی پنڈلیوں سے اور لٹکائے اور بعض نے کہا کہ ٹخنوں سے نیچے ایک بالشت تو اس وقت میں نے کہا کہ اگر ایسا بھی کرے تب بھی کھلا رہے گا یعنی بالشت بھر میں بھی ستر کے کھلنے کا احتمال ہے۔ پس اگر پنڈلی کی درازی کی وجہ سے مثلا فرمایا ستر کھلا رہے تو ایک گز دراز کرے یعنی شرعی گز اور دراز کا معنی یہ ہے کہ پہنچے ایک بالشت یا ایک شرعی گز (ہاتھ) دراز کرے تاکہ یہ مقدار زمین تک پہنچے اور قدم ڈھکے رہیں پھر ممانعت میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت ایک گز سے زیادہ نہ کرے۔[309]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اسبال سے جو مباح فرمایا ہے، وہ صرف ضرورت کے تحت اجازت دی ہے کیونکہ دامن ڈھیلا کرنے سے منع کرنے کے بعد جو عورت کو اسبال کا حکم دیا ہے وہ صرف اتنی

---

[308](سنن الدارمی، باب فی ذیول النساء، ج، ۲، ص، ۱ ۳۶)

[309](سنن ابو داؤد، رقم: ۴۱۱۷، وسنن الترمذی، رقم: ۱۷۳۱، وسنن النسائی، رقم: ۵۳۳۶، وسنن ابن ماجه، رقم: ۳۵۸۰، وموطا امام مالک، رقم: ۱۳، ومسند احمد، ج، ۶، ص، ۳۰۹)

مقدار کہ جس سے وہ اپنا ستر قائم رکھ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شلوار اور چادر وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا واجب اور نیچے رکھنا حرام ہے۔[310]

کفِ ثوب

یہ جاننا چاہیئے کہ صورت مسئولہ میں جس کف ثوب کا تذکرہ ہے اور جس سے نماز کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے یہ بعض علماء اہل سنت کی تحقیق ہے کیونکہ جمہور فقہائے احناف، افغانستان کی اکثریت اور پاکستان کے دیہاتی اور قبائلی علاقہ جات اور دیگر ممالک کے علماء اہل سنت کے ہاں صورت مسئولہ میں نماز میں کوئی کراہت نہیں پائی جاتی اور نماز بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح علماء دیوبند بھی اس مسئولہ طریقے اور کیفیت پر نماز کے جواز اور عدم کراہت کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی اگر کسی نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس نے شلوار یا پتلون کو نیفے یا پائنچے سے موڑا ہوا ہو تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے کیونکہ ان جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہل سنت کے ہاں کف ثوب کی وہ تعریف نہیں ہے جو بعض علماء اہل سنت کرتے جس سے مکروہ قرار دی جائے۔

علماء دیوبند کے حکیم الامت لکھتے ہیں:

مسئلہ : نماز میں ادھر ادھر سے اپنے کپڑے کو سمیٹنا، سنبھالنا کہ مٹی نہ بھرنے پاوے مکروہ ہے۔[311]

امامِ اہلسنت مجدد دین و ملت حضرت شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز میں آستین چڑھانے کے مسئلے میں مسلم شریف کی دو حدیثیں لکھنے کے بعد فقہائے احناف کے

---

[310] (حاشیہ مؤطا امام مالک، في اسبال الرجل ثوبه، ص، ۱ ۲ ۵، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

[311] (بهشتی زیور، ص ۳۳، حصہ دوم، جو چیزیں نماز میں مکروہ اور منع ہیں ان کا بیان، ایچ ایم سعید)

حوالے سے لکھتے ہیں: تمام متون مذہب میں ہے: کرہ کف ثوبہ (کپڑوں کو اٹھانا مکروہ ہے ......اور بعض کتابوں میں ہے کرہ لف ثوبہ۔

غنیۃ میں ہے:

یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود او یدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھو مشمر الکم او الذیل۔

عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے یا بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا تھا۔[312]

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

کپڑے یا بدن یا داڑھی کے ساتھ کھیلنا، کپڑا سمیٹنا مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھا لینا اگرچہ گرد سے بچانے کے لئے ہو اور اگر بلا وجہ ہو تو اور زیادہ مکروہ، کپڑا لٹکانا مثلاً سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں طرف کنارے لٹکتے ہوں یہ سب مکروہ تحریمی ہے۔[313]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب یعنی کپڑا سمیٹنا اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جاتا ہے تو وہ اپنے کپڑے کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بغیر کسی وجہ کے اٹھاتا ہے تو یہ مکروہ ہے نہ کہ نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ سے موڑنا۔

یاد رہے کہ بہار شریعت کی تیسری جلد پر امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی تصدیق و تقریظ بھی موجود ہے۔

---

[312](فتاویٰ رضویہ، ج۷ص ۳۱۰-۳۱۱، باب مکروھات الصلوۃ، رضا فائونڈیشن، لاھور)

[313](عامہ کتب)(بھار شریعت حصہ سوم، ص ۱۶۲، مکروھات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

کف ثوب کی یہی تعریف اور کیفیت جمہور فقہائے احناف، امام احمد رضا خان محدث بریلوی سمیت اکثر علماء اہل سنت اور علماء دیوبند نے بیان کی ہے۔ اگرچہ بعض علماء اہلسنت یوں لکھتے ہیں:

پائنچوں کو نیچے سے موڑ لینا یا ازار بند کی جگہ سے اڑس لینا "کف ثوب" ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی کے حکم میں ہے۔

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے حکم کے ساتھ ساتھ "کف ثوب ہونے کی وجہ سے" جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہلسنت، امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمہم اللہ کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور کف ثوب کی ایسی تعریف بیان فرمائی ہے جو ان علماء نے نہیں کی، جس کی وضاحت آرہی ہے۔

اب ہم احادیث مبارکہ اور فقہ حنفی سے کف ثوب اور لف ثوب کی وضاحت کرتے ہیں کہ کف ثوب اور لف ثوب کیا ہے جو مکروہ ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعۃ اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبھۃ و الیدین و الرکبتین و الرجلین۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ سات اعضاء یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر سجدہ کریں اور موئے مبارک اور کپڑے کو نہ سمیٹیں۔[314]

---

[314](بخاری ص ۱۱۲ ج ۱ باب السجود علی سبعۃ اعظم نور محمد کراچی)

فقہائے احناف کف ثوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ای رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود وقیل ان یجمع ثوبہ ویشدہ فی وسطہ۔۔۔ ولما فیہ من التجبر المنافی لوضع الصلوۃ وھو الخشوع والخضوع۔

کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا۔ ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا (اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ) اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے جو نماز کے مقصد یعنی خشوع و خضوع کے منافی ہے۔[315]

(۲) علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(وقیل ان یجمع ثوبہ الخ) لانہ صنیع اھل الکتاب۔۔۔ (قولہ لما فیہ من التجبر) قال فی منیۃ المصلی ویکرہ کل ما کان من اخلاق الجبابرۃ۔

"ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا کیونکہ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے ۔۔۔ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے، منیۃ المصلی میں ہے کہ متکبرین کا کوئی بھی عمل نماز میں مکروہ ہے۔"[316]

(۳) شیخ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں:

(وقولہ ولا یکف ثوبہ) والکف ان یرفع الثوب من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذا فی المغرب۔

---

[315] (امداد الفتاح، ص ۳۷۹، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز کراچی)

[316] (طحطاوی، ص ۳۵۰، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، قدیمی کراچی)

(شارح کا قول کپڑے نہ سمیٹنے) کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[317]

(۴) ابی محمد محمود بن احمد العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کف ثوب کی تعریف یوں لکھتے ہیں:

المراد من كف الثوب القبض والضم وأن يرفعه من بين يديه أو من خلفه اذا أراد السجود۔

یعنی کف ثوب سے مراد ہے کہ کپڑوں کو ضم کر لینا، یا سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لینا۔

(۵) عبد الرّحمن الجزیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز کی مکروہات کے بارے میں باب لگاتے ہیں:

{رفع المصلي ثوبه من خلفه أو قدامه وهو يصلّي۔} منها رفع ثوبه بين يديه أو من خلفه في الصلاة لقوله ﷺ: "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم وأن لا أكف شعراً ولا ثوباً" ورواه الشيخان۔

بعض مکروہات میں سے یہ ہے کہ کپڑوں کو نماز میں آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[318]

(۶) علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی لکھتے ہیں:

(وكره كفه) سواء كان من بين يديه أو من خلفه عند الانحطاط۔

---

[317] (کفایہ علی الهدایہ، مع فتح القدیر ص ۳۵۹، ج ۱، فصل ویکرہ للمصلی الخ، حقانیہ پشاور)

[318] (کتاب الفقه على المذاهب الأربعة، ج ۱، ص ۲۵۰)

یعنی کف ثوب مکروہ ہے اور اس کی تعریف یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت کپڑوں کو آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لے۔[319]

(۷)البرجندی شرح لمختصر الوقایہ میں ہے:

و کفه ای کف الثوب و هو القبض و الضم و ان یرفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود۔

یعنی کف ثوب یہ ہے کہ کپڑوں کو ضم کرلینا یا سجدہ میں جاتے وقت آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔[320]

(۸)علامہ ابو بکر بن علی بن محمد حداد یمنی لکھتے ہیں:

و لا یکف ثوبه و هو ان یرفعه من بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود قال علیه السلام امرت ان اسجد علی سبعة اعظم لا اکف ثوبا و لا اعقص شعرا۔

نمازی کپڑے کو نہ سمیٹے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے لئے جائیں، آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[321]

(۹)علامہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانی لکھتے ہیں:

(و کفه) ای ضم الثوب و رفعه من بین یدیه او من خلفه عند السجود کما فی الکرمانی۔

(کف ثوب یہ ہے) کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا اور اٹھانا جیسا کہ کرمانی میں ہے۔[322]

---

[319](حاشیہ طحطاوی ج ۱، ص ۲۷۰)

[320](مختصر الوقایہ، ج ۱، ص ۱۳۰)

[321](الجوهرة النيرة، ص ۵۷، ج ۱، باب صفة الصلوة، قدیمی کراچی)

[322](جامع الرموز، ص ۱۹۴، ج ۱، فصل یفسد الصلوة، ایچ ایم سعید)

(۱۰) امام برہان الدین ابو المعالی محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری لکھتے ہیں:

كذلک يكره له ان يكف ثيابه او يرفعها لئلا يتترب لان فيه نوع تجبر ويكره للمصلی ما هو من اخلاق الجبابرة۔

ترجمہ: اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تاکہ مٹی میں نہ لگے۔ اور اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے اور نمازی کے لئے متکبرین کی روش اختیار کرنا مکروہ ہے۔[323]

(۱۱) علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

ويكره ان يكف ثوبه لما روی عن النبی ﷺ انه قال امرت ان اسجد علی سبعة اعظم وان لا اكف ثوبا ولا اكف شعرا ولان فيه ترک سنة وضع اليد۔

نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑوں کو نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں اور اس میں (ناف پر) ہاتھ رکھنے کے سنت طریقے کا ترک آ رہا ہے۔[324]

(۱۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

يكره للمصلی۔۔۔ ان يكف ثوبه بان يرفع ثوبه من بين يديه او من خلفه اذا اراد السجود كذا فی معراج الدراية۔

اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے یا اٹھائے جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔[325]

---

[323](المحيط البرهانی، ص ۱۳۹، ج ۲، الفصل الرابع: مايكره فی الصلوة، ادارة القرآن کراچی)
[324](بدائع الصنائع، ص ۲۱۶ ج ۱، فصل واما بيان مايستحب فيها وما يكره، رشيديه، کوئٹہ)
[325](فتاویٰ عالمگيری، ج ۱، ص ۱۰۵، باب السابع فيما يفسد الصلوة وما يكره فيها، الفصل الثانی فيما يكره فی الصلوة وما لا يكره، رشيديه، کوئٹہ)

(۱۳)علامہ عالم بن علاء انصاری دہلوی لکھتے ہیں:

وکذلک یکرہ لہ ان یکف ثوبہ او یرفعہ لئلا یتترب۔

اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تا کہ مٹی نہ لگے۔

(۱۴)علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

ویکرہ ایضا کف ثوبہ۔۔۔وھو رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود۔

کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[326]

(۱۵)علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔

کپڑا اٹھانا اور چڑھانا مکروہ ہے اگرچہ مٹی سے بچانے کے لئے ہو، جیسا کہ آستین یا دامن کو چڑھانا۔[327]

(۱۶)علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

(قولہ رفعہ) ای سواء کان من بین یدیہ او من خلفہ عند الانحطاط للسجود۔بحر۔

ماتن کا قول کپڑے سمیٹنا، خواہ آگے سے ہو یا پیچھے سے، جب سجدہ کے لئے جھکتا ہو۔[328]

(۱۷)علامہ شلبی لکھتے ہیں:

وھو ان یضم اطرافہ اتقاء التراب ونحوہ۔

---

[326](النہر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، امدادیہ ملتان)

[327](الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[328](الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

کف ثوب یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے مٹی سے بچانے کے لئے سمیٹ لئے جائیں۔[329]

احادیث مبارکہ اور فقہاء کے اقوال میں لفظِ "کف" آیا ہے جس کا مطلب سمیٹنا ہے اسی طرح بعض فقہاء کرام کی عبارات میں لفظ "لف" آیا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے: لف الثوب۔۔۔ الخ (الباب السادس فی المکروھات)۔ اس کا ترجمہ کف ہی کی طرح ہے، جیسا کہ صاحبِ خلاصہ نے خود اس کی وضاحت کی ہے: وھو رفع الثوب من بین یدیه او من خلفه عند السجود وھو نوع تجبر۔

اجلہ حنفی فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب اور لف ثوب اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جائے تو اپنے کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بلاوجہ آگے یا پیچھے سے اٹھائے، ان مذکور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے وہ تعریف نہیں کی جو بعض علماء اہلسنت نے کی کہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچوں یا نیفے کو موڑ کر لپیٹ لیا جائے، اور ان فقہاء نے (سوائے علامہ شامی کے جس کی وضاحت آرہی ہے) اس کے ساتھ یہ بھی نہیں لکھا کہ اس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کف ثوب کی تعریف یہی ہے جو عبارات فقہ سے معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کف ثوب مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

کیا کف ثوب مکروہ تحریمی ہے؟

بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب (جس کی تعریف فقہاء احناف کی عبارات سے واضح کر دی گئی یعنی سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) کو علامہ شامی کے حوالے سے مکروہ تحریمی قرار دیا کہ

---

329 (حاشیہ علی تبیین الحقائق، ص ۴۱۰، ج ۱، کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا: **وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراھۃفیہ تحریمیۃ۔** علامہ خیر الدین رملی نے لکھاہے کہ کف ثوب مکروہ تحریمی ہے۔[330]

علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول جم غفیر فقہائے احناف کے مقابلے میں واجب القبول نہیں ہے یہ ان کی اپنی تحقیق ہے جس کی طرف کسی اور فقیہ نے التفات نہیں فرمایا، اور علامہ رملی (علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ مجتہد نہیں ہیں اور اگر مجتہد مان بھی لیاجائے پھر بھی ان کا قول خلاف مذہب ہونے کی وجہ سے نہیں ماناجائے گا) نے کف ثوب کی کراہت تحریمی کی کوئی علت اور دلیل بھی ذکر نہیں فرمائی حالانکہ علامہ شامی نے مکروہ تحریمی کی تعریف فرماتے ہوئے لکھاہے: **قلت: وَيُعْرَفُ أَيْضًا بِلَا دَلِيلِ نَهْيٍ خَاصٍّ، بِأَنْ تَضَمَّنَ تَرْكَ وَاجِبٍ أَوْ تَرْكَ سُنَّةٍ. فَالْأَوَّلُ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا، وَالثَّانِي تَنْزِيهًا۔ میں (شامی ج ۱ ص ۶۳۹ مطلب فی الْكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِيَّةِ وَالتَّنْزِيهِيَّةِ)** کہتاہوں کہ مکروہ کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اگرچہ اس میں کسی خاص نہی کی دلیل نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی واجب یا سنت کے ترک کو متضمن ہو تو اس صورت میں پہلا (جب واجب ترک ہو جائے تو) مکروہ تحریمی ہے، اور دوسرا (جب سنت ترک ہو جائے تو) مکروہ تنزیہی ہے۔

اور یہ معلوم ہوا کہ کف ثوب کے عمل سے کسی ایسے عمل کا ترک لازم نہیں آتا جو نماز کے واجبات میں سے ہو۔ بلکہ علامہ شامی نے خود بحر کے حوالے سے اس کراہت تحریمیہ کارد فرمایاہے، لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بصونه عن التراب۔ بحر عن المجتبیٰ۔

---

[330] (شامی ص ۶۴۰، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

اگر مٹی سے کپڑوں کو بچانے کے لئے کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (یعنی مکروہ نہیں ہے)۔[331]

معلوم ہوا کہ علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول واجب العمل والافتاء نہیں ہے۔[332] کہ جمہور کے مقابلے میں ایک قول کو لے کر کف ثوب پر کراہت تحریمی کا فتویٰ لگا کر لوگوں کی نماز کو واجب الاعادہ قرار دیا جائے۔ (یاد رہے کہ کراہت کا یہ اختلاف اس کف ثوب کے بارے میں ہے جس کی تفصیل اور وضاحت فقہائے احناف کی عبارات میں کر دی گئی ہے، پائینچے موڑنے یا نیفہ سے شلوار کو اڑسنے کو کسی فقیہ نے حتی کہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کف ثوب کی تعریف میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ سب حضرات نے حدیث کی روشنی میں کف ثوب کی تعریف یہ کی ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا اور اٹھانا۔)

کف ثوب مکروہ نہیں ہے:

بعض فقہاء احناف نے کف ثوب کو مکروہ بھی قرار نہیں دیا، اور جنہوں نے مکروہ قرار دیا اس کی دو علتیں ذکر فرمادیں، ایک یہ کہ اس میں متکبرین کی نشانی پائی جائے اور دوسرے یہ کہ اس میں اہل کتاب (غیر مسلموں) سے تشبیہ آتی ہے، جیسا کہ عباراتِ فقہاء سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب اگر یہ علت بھی نہ ہو تو (حکم) کراہت بھی ختم ہو جائے گی اس لئے بعض علماء نے کف ثوب کو مکروہ قرار نہیں دیا بلکہ کپڑے چڑھا کر نماز ادا کرنا خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے اور اگر آپ ﷺ کے اس

---

331 (شامی، ص ٦٤٠، ج ١، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

332 (بلکہ قاعدہ مسلمہ ھے کہ حق وھی ھوتاھے جو جمھور کھتاھے کمافی البدر الساری الی فیض الباری ج ٢ ص ٦٤ ١ مکتبہ عزیزیہ فلعمل علی ماعلیہ جمھور العلماء فتح الملھم ج ٢ ص ٤٤٠ وبالجملۃ ان مذھب الامام وھو مذھب المنصور والیہ ذھب الجمھور فیض الباری ج ٤ ص ١٨٤)

عمل کو دیکھ کر اگر کوئی اس طریقے پر (کپڑا اسمیٹ کر) نماز پڑھے گا تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب قرار دینا چاہیئے اور یہی محبت رسول اللہ ﷺ کا تقاضا بھی ہے کہ محبوب کی ادا بھی محبوب ہونی چاہیئے نہ کہ مکروہ۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَلِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ. مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ۔

ابو جحیفہ نے کہا میں نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ نیزہ لاکر زمین میں گاڑ دیا پھر اقامت کہی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حلہ کو چڑھائے (سمیٹے) آئے اور نیزہ کی طرف دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے لوگوں کو اور جانوروں کو آپ ﷺ کے سامنے نیزے کے آگے چلتے دیکھا۔[333]

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

رواہ الثوری عن عون بن ابی جحیفۃ فقال فی حدیثہ کأنی انظر الی بریق ساقیۃ قال الاسماعیلی: وھذا ھو التشمیر، ویؤخذ منہ ان النھی عن کف الثوب فی الصلوۃ محلہ فی غیر ذیل الازار۔

ثوری نے عون بن ابی جحیفہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی حدیث میں فرمایا: گویا میں رسول اللہ ﷺ کی پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں" اسماعیلی نے کہا یہی تشمیر (کپڑے کو چڑھانا، سمیٹنا)

[333](بخاری ص ۵۴ ج ۱ باب فی الثوب الاحمر قدیمی کراچی)

ہے۔اس حدیث سے یہ نتیجہ لیا جاسکتا ہے کہ نماز میں جس کف ثوب سے منع کیا گیا ہے اس کا محل تہبند (یا شلوار وغیرہ) کے علاوہ کپڑوں کو سمیٹنا اور چڑھانا ہے۔[334]

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ازار (تہبند) مبارک کو اتنا اونچا کر کے نماز پڑھی کہ آپ ﷺ کی پنڈلی مبارک کی چمک بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھ لی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار اوپر چڑھا کر (نیفہ سے یا پائنچوں سے موڑ کر) نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ یہ ممنوع کف ثوب کا مقام نہیں ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

التشمیر: بالشین المعجمة ازاره اذا رفعه ۔۔۔ وفیه التشمیر فی الصلوٰة مباح وعند المهنة والحاجة الیه وهو من التواضع ونفی التکبر والخیلاء۔

تشمیر شین کے ساتھ شمر ازارہ سے مشتق ہے جب کوئی کپڑے اٹھائے (سمیٹے) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز میں کپڑے سمیٹنا مباح ہے اور کام کاج یا ضرورت کے تحت کپڑے چڑھانا (بھی مباح ہے) اور یہ (کپڑے سمیٹنا) عاجزی کی دلیل ہے اور اس میں تکبر اور خود پسندی کی نفی ہے۔[335]

علامہ عینی کی تحقیق نے ان حضرات کو لاجواب کر دیا جو عوام الناس سے کہتے رہتے ہیں کہ نماز میں کف ثوب مکروہ ہے اور یہ کہتے ہیں کہ کپڑا اڑسنا یا سمیٹنا تکبر کی نشانی ہے حالانکہ علامہ عینی نے کف ثوب کو غیر مکروہ (مباح) اور عاجزی کی نشانی بتائی اور اسی نیت سے عوام نماز میں کپڑے سمیٹتے ہیں جو احسن طریقہ ہے۔

---

[334] (فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۶۹ ج ۱۲ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب مکتبہ مصطفی البابی مصر) (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج ۱۲، ص ۵۰۸، کتاب الباس، باب التشمیر فی الثیاب، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

[335] (عینی شرح بخاری، ص ۲۹۶ ج ۲۱ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب، بیروت)

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

وفی الخلاصۃ انہ لا یکرہ قال الحلبی و ھو المختار۔

خلاصہ میں ہے کہ کف ثوب (کپڑے سمیٹنا) مکروہ نہیں ہے اور یہی مختار ہے۔[336]

شمس الدین محمد خراسانی قہستانی لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بہ لصونہ عن التتریب کما فی الزاھدی۔

کہا گیا کہ مٹی سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[337]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بصونہ عن التراب کما فی المجتبیٰ۔

کہا گیا کہ مٹے سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ کپڑوں کو مٹی سے پاک رکھنے کی نیت سے یا بغیر اس نیت کے بلاوجہ کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے عمل کی وجہ سے محبوب ہونا چاہیئے۔

کف ثوب کی کراہت نماز کے اندر ہے نہ کہ باہر:

جیسا کہ احادیث مبارکہ اور فقہائے کرام کی کتب سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً السنن الکبریٰ جلد ثانی صفحہ ۳۴۲ میں ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باب باندھا ہے:

---

[336] (طحطاوی، ص ۳۵۰، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، قدیمی کراچی)

[337] (البحر الرائق، ص ۲۴، ج ۲، کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ و ما یکرہ فیھا، رشیدیہ کوئٹہ)

باب کراھیۃ اسبال الازار فی الصلوۃ۔ یعنی باب شلوار کو نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی کراہیت پر۔ جیسا کہ اس باب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فی ظرفیت کے لئے ہے، اور مظروف ظرف کے اندر ہوتا ہے۔

اسی طرح کتاب کے شروع میں مذکورہ حدیث میں بھی کف ثوب کا جو ذکر ہے وہ نماز کے اندر مکروہ ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعۃ اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبھۃ و الیدین و الرکبتین و الرجلین۔[338]

اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

أخبرنا حمید بن مسعدۃ عن یزید قال حدثنا شعبۃ وروح عن عمرو بن دینار عن طاوسٍ عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال: أمرت أن أسجد علی سبعۃ و لا أکف شعراً و لا ثوبا۔[339]

اسی طرح عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد ٦، صفحہ ٩١) میں حدیث کے اس حصے **(و لا یکف شعرا و لا ثوبا)** کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وفیہ کراھۃ کف الثوب و الشعر و ظاھر الحدیث النھی عنہ فی حال الصلاۃ و الیہ مال الداودی۔ ظاہرِ حدیث اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے اور داؤدی بھی اس طرف گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے، خاص طور پر سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑے کو سمیٹ لینا۔ اس ہی بات کی تائید فقہائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی ہے جیسا کہ علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی نے لکھا ہے: **ویکرہ ایضا کف ثوبہ۔۔۔ وھو رفعہ بین یدیہ او من**

---

[338] (بخاری، ص ١١٢، ج ١، باب السجود علی سبعۃ اعظم، نور محمد کراچی)
[339] (السنن الکبریٰ ج ١ ص ٢٣٥، باب النھی عن کف الشعر فی السجود)

خلفه اذا ارادالسجود۔ کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[340]

فقہائے کرام نے باب باندھا ہے

باب فی کراھیۃ الصلوۃ۔ یعنی یہ باب نماز کے مکروہات کے بارے میں ہے، اور یہاں پر بھی فی ظرفیت کے لئے آیا ہے۔ اور ان ہی ابواب میں کف ثوب کا مسئلہ بھی مندرج ہے۔ یعنی کف ثوب نماز میں مکروہ ہے، نہ کہ باہر۔

اگرچہ بعض علماء اہل سنت نے علامہ شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ کف ثوب یعنی مسئولہ صورت مطلقاً (خواہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے اندر) مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

جیسے کوئی آستین چڑھا کر یا دامن سمیٹ کر نماز شروع کرے اور مصنف (صاحب در مختار) نے اپنے اس قول کے ذریعے اس جانب اشارہ دیا ہے کہ کراہیت صرف اثناء نماز میں کپڑے اڑسنے پہ ہی موقوف نہیں بلکہ اگر کسی نے نماز سے پہلے بھی ایسا کیا تو اس کی نماز مکروہ ہو گی۔

لیکن فقہائے احناف میں سے بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ کف ثوب یعنی کپڑے اٹھانا سمیٹنا اس وقت مکروہ ہے جب نماز کے اندر ہو جیسا کہ فتاویٰ رضویہ صفحہ ۳۱۰، ج۷ کے حوالے سے گزر گیا، یعنی نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ موڑنے یا سمیٹنے سے نماز مکروہ نہیں ہو گی۔

شیخ ابراہیم حلبی لکھتے ہیں:

ویکرہ ایضا ان یکف ثوبه وهو فی الصلوٰۃ بعمل قلیل بان یرفعه من بین او من خلفه عند السجود۔

---

[340] (النهر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ مایکرہ فیها، امدادیه ملتان)

نمازی کے لئے نماز کی حالت میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا چڑھانا مکروہ ہے وہ اس طرح کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے اٹھائے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں:

ویکرہ للمصلی ان یکف ثوبہ او یرفعھا۔

نمازی کے لئے کپڑا اسمیٹنا یا اٹھانا مکروہ ہے۔[341]

فقہاء احناف کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نماز سے پہلے وضو کرنے یا کسی کام کاج (محنت مزدوری) کے لئے آستین چڑھائی اور پھر اسی حالت میں نماز پڑھے تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔

آستین کہنی تک یا آدھی کلائی سے زیادہ چڑھائی ہو تو مکروہ ورنہ نہیں:

بعض علماء بریلوی کا شامی کے حوالہ سے لکھنا کہ جس نے آستین چڑھا کر نماز پڑھی تو وہ مکروہ تحریمی ہے، لیکن انہوں نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ کتنی حد تک آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر مطلق آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے (جیسا کہ ان کے فتوے سے معلوم ہو رہا ہے) تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض فقہائے احناف نے اس کی تحدید آدھی کلائی سے زیادہ کی فرمائی ہے اور امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی صاحب کا فتویٰ بھی ان بعض علماء کے خلاف ہے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں:

ولو صلی رافعا کمیہ الی المرفقین یکرہ۔

[341] (خلاصۃ الفتاویٰ، ص ۵۸ ج ۱ مایکرہ فی الصلوۃ، امجد اکیڈمی، لاہور)

اگر کسی نے اس حال میں نماز پڑھی کہ آستین کہنیوں تک چڑھائی ہو تو مکروہ ہے۔[342]

علامہ سدید الدین کاشغری لکھتے ہیں:

وان یرفع کمیہ الی المرفقین۔

آستین کو کہنیوں تک چڑھانا مکروہ ہے۔[343]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

ویدخل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمّین کما فی فتح القدیر وظاھرہ الاطلاق وفی الخلاصۃ ومنیۃ المصلی قید الکراھۃ بان یکون رافعاً کمیہ الی المرفقین وظاھرہ انہ لا یکرہ اذا کان یرفعھا الی مادونھا۔

اور کپڑا موڑنے میں آستینوں کا اڑسنا بھی شامل ہے اسی طرح فتح القدیر میں ہے اور بظاہر مطلق ہے لیکن خلاصہ اور منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر آستینوں کو کہنیوں تک چڑھالیا تو مکروہ ہوگا اور کہنیوں سے کم تک آستین چڑھائی تو مکروہ نہیں ہوگا۔[344]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: علماء محققین فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔[345]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی دوسری جگہ لکھتے ہیں: حیلہ میں ہے:

ینبغی ان یکرہ تشمیر ھما الی مافوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علی ھذا۔

---

[342](خلاصۃ الفتاویٰ، ص ۵۸، ج ۱، مایکرہ فی الصلوۃ، امجد اکیڈمی لاھور)
[343](منیۃ المصلی، ص ۱۴۲، فصلی فیمایکرہ فی الصلوۃ، مکتبۃ الحرم لاھور)
[344](البحر الرائق ص ۲۴، ج ۲ کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، رشیدیہ کوئٹہ)
[345](فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج ۷، باب مکروھات الصلوٰۃ، رضا فائونڈیشن لاھور)

آستینوں کا نصف کلائی کے اوپر تک اٹھانا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس پر بھی کپڑا اٹھانا صادق آرہاہے۔[346]

درج بالا عبارات احناف سے معلوم ہوا کہ آستین چڑھائے ہوئے نماز اس وقت مکروہ ہے جب کہنیوں تک ہو اگر کہنیوں سے کم ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوگی، اسی لئے تو امام احمد رضا خان محدث بریلوی نے لفظ "ینبغی (چاہیئے)" والی عبارت نقل فرمائی جو اس بات پر دال ہے کہ حتمی طور پر مکروہ نہیں ہے۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔[347]

معلوم ہوا کہ آدھی کلائی یا اس سے کم آستین چڑھا کر پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آدھی آستین چڑھانے میں بھی کپڑے کو کئی دفعہ موڑنا اور سمیٹنا ہوتا ہے جبکہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ میں اس قدر موڑنا نہیں آتا یعنی وہ آدھی پنڈلی تک نہیں موڑے جاتے، معلوم ہوا کہ جس طرح اس سے (آستین کو آدھی کلائی تک چڑھانے میں) نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں تو اس (یعنی شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ موڑنے) سے بھی نماز مکروہ تحریمی نہیں ہونی چاہیئے۔

معلوم ہوا کہ کف ثوب (جس کی تعریف و تشریح اور کیفیت عبارات فقہ سے مبرہن ہوئی، یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) ان دو علتوں کی وجہ سے جس کا تذکرہ ہوچکا ہے مکروہ

---

[346](فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج۷، باب مکروھات الصلوٰۃ، رضافائونڈیشن لاھور)

[347](بہار شریعت، ص ۱۶۲، حصہ سوم، مکروھات کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی جس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔ مراد وہ کف ثوب نہیں جو دور حاضر یا ماضی قریب کے علماء و مفتیان اہل سنت کی تحقیق ہے کہ شلوار یا پتلون کے پائنچے موڑنا۔ دوسری بات یہ کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے مکروہ تحریمی کے بعد یہ قاعدہ قانون لکھا: جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

جب کہ ان ہی علماء اہل سنت نے ایک اور فتویٰ یوں دیا ہے کہ نماز میں ایک کام کو مکروہ تحریمی قرار دیا مگر بعد میں یہ لکھا کہ اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہے۔

لکھتے ہیں: نماز میں ترتیب سے سورتوں کو پڑھنا واجب ہے یہ احکام قرأت قرآن کے ہیں احکام الصلوۃ کے نہیں، اگر قصداً ترتیب کے خلاف پڑھے تو مکروہ تحریمی ہے مگر اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ الٹا قرآن مجید پڑھنا، کسی واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[348]

معلوم ہوا کہ ایک کام اگرچہ مکروہ تحریمی ہو گا مگر پھر بھی اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی، ان بعض علماء نے اگرچہ اس کو احکام صلوۃ میں شمار نہیں کیا مگر مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو نماز کے مکروہات تحریمہ میں شمار کیا ہے۔

کن مکروہات سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے؟

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تعاد الصلوۃ للاحتیاط علی وجہ لیس فیہ کراھۃ وھو الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ کما اذا ترک واجبا من واجبات الصلوۃ انتھی لان الاعادۃ بترک الواجب واجبۃ۔

---

[348] (بھار شریعت ص ۱۶۲، حصہ سوم، مکروھات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

نماز کو احتیاط کے طور پر اس طرح لوٹادی جائے کہ جس میں کراہت نہ ہو اور یہ حکم ہر اس نماز کے لئے ہے جو کراہت سمیت ادا کی جائے جیسا کہ کسی نماز میں نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے کیونکہ ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہے۔

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے اس کو دوبارہ پڑھنا جواب ہے، یہ قاعدہ قانون بھی مطلقا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ کراہت تحریمی ہے جس کا تعلق احکامِ نماز (یعنی واجبات نماز کے ترک کرنے) سے ہو، اب اگر مکروہ تحریمی کام جس کا تعلق نماز کے ساتھ نہ ہو (یعنی وہ نماز کے واجبات کا ترک کرنا نہ ہو) تو اس کی موجودگی میں نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی جیسا کہ اس کی ایک مثال گزر گئی ہے۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: کوئی ایسا واجب ترک ہوا جو واجباتِ نماز سے نہیں بلکہ اس کا وجوب امر خارج سے ہو تو سجدہ سہو واجب نہیں مثلا خلاف ترتیب قرآن مجید پڑھنا ترک واجب ہے مگر موافق ترتیب پڑھنا واجباتِ تلاوت سے ہے واجباتِ نماز سے نہیں لہٰذا سجدہ سہو واجب نہیں۔[349]

جب یہ معلوم ہوا کہ نماز ان مکروہات تحریمیہ سے واجب الاعادہ ہوتی ہے جس کا تعلق نماز کے واجبات چھوڑنے سے ہوتا ہے اور یہ بھی **اظہر من الشمس** ہے کہ کسی بھی حنفی فقیہ نے نماز سے پہلے کپڑے کو نہ موڑنا (نہ سمیٹنا اور نہ اڑسنا) نماز کے لئے واجب قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ کف ثوب کا تعلق نماز کے واجبات اور مکروہات سے نہیں بلکہ خارجی امور میں سے ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔

---

[349](بہار شریعت ص ۴۹، حصہ چہارم، سجدہ سہو کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

لوگ نماز شروع کرنے سے پہلے شلوار کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے کیوں اڑستے اور موڑتے ہیں؟

نماز شروع کرنے سے پہلے بعض وہ اہل علم حضرات اور اکثر عوام الناس جن کی شلواریں یا پینٹ عام حالت میں ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہیں (خواص اور اکثر اہل علم حضرات عام حالت میں بھی سنت نبوی ﷺ کے مطابق اپنی شلوار کو ٹخنوں سے اونچی ہی رکھتے ہیں) وہ اپنی شلواروں کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے موڑ کر نماز شروع کرتے ہیں اس کی وجہ ان کے ذہن میں یہ ہے کہ انہوں نے سن رکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہوتا ہے وہ جہنم میں ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات خاص کر نماز کی حالت میں اپنے ذہن کے مطابق اس گناہ سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

جبکہ بعض اہل علم (علماء و طلباء، مدرسین و متعلمین) کا اس بات کی طرف کہ وہ عام زندگی میں یا نماز سے پہلے اپنے لباس کو ٹخنوں سے اونچا رکھ کر اس وعید شدید سے بچنے کی کوشش کریں جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کے بارے میں بیان ہوئی ہے، التفات کرنا تو درکنار بلکہ ان لوگوں کو بھی جو لباس کو سنت کے مطابق ٹخنوں کے اوپر رکھنا چاہتے ہیں یہ کہہ کر کہ ”شلوار کو اڑسنا اور پتلون کے پائنچے موڑنا مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے“ ان کو بھی گناہ اور وعید کا مستحق قرار دیتے ہیں حالانکہ دلائل ظاہرہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس طرح کرنا نہ مکروہ تحریمی ہے اور نہ اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

یہ اہل علم حضرات خواہ جس مکتبہ فکر سے بھی متعلق ہوں ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں لباس کو ٹخنوں سے اونچا نہ کرنے کی دو وجوہات ہیں۔

(۱) لباس کو ٹخنوں سے نیچے کرنا اس وقت گناہ اور ناجائز (حرام اور مکروہ تحریمی) ہے جب تکبر کی نیت ہو، اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آپ اس وعید سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

(۲) لباس کو ٹخنوں سے اونچا کرنے میں تبلیغی جماعت (دیوبندی، جبریہ، جہمیہ) سے تشبیہ آتی ہے جو اپنے چھوٹے بھائی کی شلوار پہنے گھومتے رہتے ہیں، اور آپ ﷺ نے فرمایا جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو گا۔

مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

آج کل آدھی پنڈلی تک تہبند، منڈا ہوا سر بہت لمبی داڑھی وہابیوں کی نشانی ہے اس لئے ٹخنہ کے اوپر تہبند رکھے یعنی اس جائز کام پر عمل کرے، سر نہ منڈائے، داڑھی صرف ایک مشت رکھے زیادہ نہ رکھے تا کہ ان کی مشابہت سے بچے، **من تشبہ بقوم فھو منھم۔**[350]

معلوم ہوا کہ بعض اہل علم وغیرہ کے نزدیک ان دو وجوہات کی بناء پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا جائز ہے۔ اب ہم ان دونوں وجوہات پر بحث کرتے ہیں کہ ان اہل علم کی بات کس حد تک مقبول اور صحیح ہے۔

[350] (مرعات شرح مشکوۃ، ص ۱۰۱، ج ۶، لباس کا بیان)

لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور گناہ ہے:

اگرچہ بعض احادیث جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی مذمت اور وعید کے لئے علت تکبر کو قرار دیا ہے مگر چند احادیث ایسی بھی ہیں جن میں مطلقاً ٹخنوں کو چھپانے کی وعید ہے اور تکبر کا تذکرہ نہیں ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (یا شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ دوزخ میں ہے۔[351]

عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمۃ۔

عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص اپنا تہبند گھسیٹتا چل رہا تھا، کہ اسے دھنسایا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔[352]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا کل شیء جاوز الکعبین من الازار فی النار۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت منقول ہے کہ تہبند (شلوار وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے۔[353]

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا عن النبی ﷺ: ماتحت الکعبین من الازار ففی النار۔

---

[351] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین ففی النار، قدیمی کراچی)

[352] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، قدیمی کراچی)

[353] (صحیح البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[354]

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ما خلف الکعبین ففی النار۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا: جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[355]

رہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت جو امام بخاری نے روایت کی، لکھتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق یا رسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الا ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنا کپڑا تکبر سے نیچے رکھے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ اس کا بہت ہی خیال رکھوں، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ کام تکبراً کریں۔[356]

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: کپڑے سے مراد تہبند یا پائجامہ ہے اور نیچے سے مراد ٹخنوں کے نیچے ہے تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے ۔۔۔(ابو بکر نے کہا) یعنی میں تو خود نہیں لٹکاتا خود ہی لٹک جاتا ہے، شکم کسی قدر بھاری ہے اس لئے

---

[354](اخرجہ احمد)

[355](صحیح البخاری)

[356](بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، قدیمی کراچی)

پیٹ سے سرک جاتا ہے نہ ارادہ ہے نہ غرور۔۔۔۔(آپ ﷺ نے فرمایا)یعنی ہم نے تکبر و غرور سے تہبند نیچا رکھنے سے ممانعت کی ہے تم کو غرور سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پھر قصداً لٹکاتے بھی نہیں لہٰذا تم اس حکم کی زد میں نہیں آتے۔

درج بالا عبارت سے یہ بات **اظہر من الشمس** ہوئی کہ آپ ﷺ نے صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استثناء فرمایا نہ کہ سب لوگوں کا کہ اب ہم میں سے ہر کس و ناکس اپنے لئے یہ دلیل بنائے کہ میں اس لئے ٹخنوں سے نیچے کپڑے رکھتا ہوں کہ میرے دل میں تکبر نہیں ہے حالانکہ اس دور میں ایسا کرنے والے اور اس کے جواز کو ڈھونڈنے والے کے دل میں اتنا تکبر ہوتا ہے کہ وہ اس کو سمجھتا بھی نہیں ہے اور وہ خود اس کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمہارے دل میں تکبر نہیں تو تم نے کب کسی ٹیلر (درزی) سے کہا کہ میری شلوار ٹخنوں سے اوپر تک کی مقدار تک سینا اس سے زیادہ نہیں سینا تاکہ میرے کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہیں۔ اور مفتی نعیمی صاحب کی تحقیق (""تکبر افرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے") سے بھی معلوم ہوا کہ آج کل فیشن کا ایسا دور چل رہا ہے کہ عوام تو عوام خواص (علماء اور طلباء) بھی ہر ٹیلر اور درزی سے کپڑے نہیں سلواتے بلکہ فیشن ایبل لوگوں سے سلواتے ہیں اور ایسا کرنے والوں کے تکبر کی دوسری علامت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی شلوار تکلفاً ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تہبند خود بخود (کوشش کے باوجود) سرک جاتا تھا، اتنی صراحت کے باوجود اپنے مکروہ فعل کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل پر قیاس کرکے کہتے ہیں کہ ہم تکبر سے نہیں لٹکاتے۔

سنتِ رسول ﷺ پر عمل نہ کرنا تکبر کی نشانی ہے

تکبر نہ ہونے کی رٹ لگانے والے کے تکبر کی ایک اور بڑی علامت یہ ہے کہ جس کے دل میں تکبر نہیں ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے عمل پر اپنے عمل کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ آپ ﷺ کے عمل کو اپناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الأحزاب ٢١)

اور آپ ﷺ نے خود بھی اپنی اتباع کا حکم فرمایا ہے:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔[357]

دوسری حدیث میں ہے:

فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔[358]

لباس کے معاملے میں آپ ﷺ کی عادت مبارکہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپ ﷺ کے لباس کا طریقہ کار کیا ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس بارے میں کیا حکم دیا تھا کہ تہبند کتنی حد تک ہونا چاہیئے۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیہ حلة حمراء کأنی انظر الی بریق ساقیه۔[359]

---

[357](حدیث صحیح اخرجہ ابو داؤد والترمذی ومشکوۃ ص ۳۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[358](صحیحین)

[359](متفق علیه)

امام ابن ماجہ روایت فرماتے ہیں:

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یلبس قمیصا قصیر الیدین و الطول۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ چھوٹی آستینوں اور کم لمبائی والی قمیص زیب تن فرماتے تھے۔[360]

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

وفی روایۃ ابن عساکر عنہ: کان یلبس قمیصا فوق الکعبین مستوی الکمین باطراف اصابعہ۔

ابن عساکر کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایسی قمیص زیب تن فرماتے تھے کہ جو ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں کے پوروں کے برابر ہوتی تھیں۔[361]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

و کانت ثیابہ کلھا مشمرۃ فوق الکعبین ویکون الإزار فوق ذلک إلی نصف الساق۔

ترجمہ: اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر چڑھے ہوتے تھے، اور تہبند تو اس سے بھی اوپر یعنی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی۔[362]

یہ تو آپ ﷺ کا اپنا عمل تھا کہ آپ ﷺ کی قمیص مبارک ہمیشہ ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی تو کیا تکبر لگانے والے سے یہ بھی ثابت کریں گے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں تھا اس لئے ان کا استثناء فرما کر تہبند نیچے ہونے پر کوئی وعید نہیں سنائی اور (نعوذباللہ)

---

[360] (ابن ماجہ ص ۲۶۴، کتاب اللباس، باب کم القمیص کم یکون)

[361] (مرقات ص ۱۲۹ ج ۸ کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

[362] (احیاء العلوم اخلاقہ وآدابہ فی اللباس ج ۲ ص ۵۲۸ المکتبۃ التوفیقیۃ القاھرۃ)

آپ ﷺ کے دل میں تکبر تھا اس لئے خود بنفس نفیس اپنے لباس مبارک کو ہمیشہ ٹخنوں سے اونچا رکھا۔(العیاذ باللہ)

معلوم ہوا کہ تکبر کی رٹ لگانے والے چونکہ فیشن ایبل دور میں رہ رہے ہیں اور ان کو اپنا بھرم بھی دکھانا ہے اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس غیر ارادی فعل کو اپنے لئے دلیل بنا کر سنتِ رسول ﷺ سے روگردانی کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں حالانکہ ایک طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر اختیاری فعل ہے جو صرف اور صرف ان کے ساتھ خاص ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کا عمل مبارک ہے۔

کیا اس دور کے علماء واعظین (مقررین)، مدارس کے طلباء اور پیر زادے اس مرض ووبا (شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے) میں مبتلا نہیں ہیں ؟

درج بالا وذیل دلائل کے مابین ناچیز نے اس مکروہ کام کے مرتکب علماء اور خواص کو جابجا متکبرین کے نام سے لکھا تو کیا ایسا نہیں ہے؟ اور کیا عوام کی بنسبت اکثر خواص اس مرض میں مبتلا نہیں ہیں؟ ناچیز (بریلوی مکتبہ فکر کے) ایک عظیم محدث مفتی ہند، اہلسنت محمد شریف الحق امجدی صاحب کی عبارات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مفتی صاحب موصوف "باب ما اسفل من الکعبین" کے تحت لکھتے ہیں: بطور عادت اور شوق ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے آج کل کے علماء خصوصا واعظین اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلاء ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔[363]

---

[363](نزھۃ القاری شرح بخاری، ص ۵۱۸، ج۵، کتاب اللباس، فرید بکسٹال لاھور)

مفتی صاحب موصوف "باب قول النبیﷺ لو کنت متخذا خلیلا" میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تہبند والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: آج کل مقررین و پیرزادگان کی عادت ہوگئی ہے کہ وہ پائجامے اور تہبند ٹخنوں کے نیچے تک لٹکائے رکھتے ہیں اور بہت سے لوگ آج کل علماء جبے بھی زمین پر گھسٹتے رہتے ہیں، ٹوکنے پر کہہ دیتے ہیں ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے (ان کا یہ کہنادر حقیقت اس ارشادربانی کی تردید ہے۔ وَلا يَحُضُّ عَلَى طَعامِ الْمِسْكِينِ۔تَرْکُ الْمُوَاسَاةِ مَعَهُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنِ الْمُوَاسَاةُ وَاجِبَةً. وَقَدْ يُذَمُّ الْمَرْءُ بِتَرْكِ النَّوَافِلِ لَا سِيَّمَا إِذَا أُسْنِدَ إِلَى النِّفَاقِ وَعَدَمِ الدِّينِ[364] یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر داروگیر مناسب نہیں، مگر ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عوام اس کو سخت معیوب مانتے ہیں حتیٰ کہ ان کی اکثریت یہ خیال کئے ہوئے ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں، ان مدعیان رہنمائی کو خبر نہیں کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ اتقوا مواضع التہم، تہمت کی جگہوں سے بچو اور فرمایا: ایاکم و ما یعتذر منه۔ ایسے کاموں سے بچو جس کا عذر بیان کرنا پڑے۔[365]

نزہۃ القاری کی درج بالا عبارات سے تین مسائل کا استخراج ہوتا ہے:

ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے (اور فاسق کی وضع تشبیہ کی وجہ سے ناجائز ہے)۔

دوسرا یہ کہ آج کل کے علماء خصوصاً واعظین، پیرزادگان اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلا ہیں۔

---

[364] (التفسیر الکبیر ج ۳۲ ص ۳۰۲)

[365] (نزھۃالقاری شرح بخاری، ص ۵۲۹، ج ۴، کتاب المناقب، فرید بک سٹال لاھور)

تیسری بات یہ کہ ان علماء کی اس بات کی کوئی حیثیت نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ "ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر دارو گیر مناسب نہیں"، یہ ان کی اپنی من مانی ہے نہ کہ سنت نبوی ﷺ پر عمل کرکے اہل سنت اور سنی بننا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو سُنّی کہلانے والا ہر شخص پابندِ سنتِ مصطفی ﷺ نہیں ہوتا، کبھی کبھی وہ خلافِ سنت پر عمل کرکے بھی سنی کہلانے پر فخر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

بلکہ محسنِ کائنات، مربی عالم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا جن کی شلوار (یا تہبند) ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھیں اور اہل خواص کو تو شریعت کی پابندی اور بھی زیادہ ضروری ہے اسی وجہ سے ہمارے پیر و مرشد قدوۃ الاولیاء والعلماء شیخ المشائخ پیران پیر خواجہ خواجگان حضرت سیدنا و مرشدنا سیف الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ اپنے مریدین پر شریعت کے معاملے میں بہت ہی زیادہ سختی فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ مستحبات کے چھوڑنے پر بھی سرزنش فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ کاملین اولیاء کرام کا طرز و طریقہ ہے۔ جیسا کہ

حضرت علامہ امام عبد الوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

ثم لا يخفى عليك يا أخي أن من شأن أهل الله عز و جل كونهم يأخذون العهد على المريد بتركه المباح زيادة على الأمر و النهي طلب الترقية إذ المباح لا ترقي فيه من حيث ذاته وإنما هو أمر برزخي بين الأمر و النهي جعله الله تعالى مرتبة تنفيس للمكلفين يتنفسون به من مشقة التكليف إذ الإقبال على الله تعالى في امتثال الأمر و اجتناب النهي على الدوام ليس من مقدور البشر فأراد أهل الله تعالى للمريد أن يقلل من المباح جهده ويجعل موضعه فعل مأمور و اجتناب منهي أو مرغب في فعله أو تركه لأخذهم بالعزائم دون الترخيصات۔

ترجمہ: پھر اے بھائی تم پر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہنی چاہیئے کہ اللہ والے لوگ اپنے مرید کی ترقی کے لئے اللہ کے امر و نہی کے علاوہ ان سے یہ عہد لیا کرتے ہیں کہ وہ صرف جائز ہونے والے کاموں سے رکے رہیں گے کیونکہ صرف جائز ہونے والے کام میں ذاتی طور پر اس کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو امر و نہی کے درمیان ایک کام ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تسلی کا سبب بنایا ہوتا ہے جن پر اس کے احکام لاگو ہوتے ہیں چنانچہ ایسے مباح کاموں کی وجہ سے انہیں تسلی ملتی رہتی ہے کیونکہ ہمیشہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے اور منع کی ہوئی باتوں سے رکتے ہوئے اللہ کی طرف توجہ کرنا کسی بندے کی ہمت میں نہیں ہوتا چنانچہ اللہ والے اپنے مرید کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نرے جائز کہلانے والے کاموں کی کوشش کم سے کم کریں البتہ ان کی جگہ وہ کام کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا ان سے بچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہوا ہے یا جن کے کرنے اور چھوڑنے کا شوق دلایا گیا ہے تاکہ ایسے کام کر سکیں جن کا پختہ حکم ہے اور وہ کام نہ کریں جن میں ڈھیل دی گئی ہے۔یعنی عزیمت کو اختیار کریں۔[366]

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

أن أهل الله عز و جل لا يسامحون المريد بارتكابه شيئا من المكروهات فضلا عن المحرمات الظاهرة أو الباطنة وأن طريقهم محررة على موافقة الكتاب و السنة كتحرير الذهب بخلاف مايظنه من لا علم له بطريقهم۔

[366](لواقح الانوار القدسیة فی بیان العهود المحمدیة ج ۱ ص ۷۸، دار التقوئ)

ترجمہ: اللہ والے اپنے مرید کو مکروہ کام کرنے پر بھی معاف نہیں کیا کرتے چہ جائیکہ وہ ظاہری یا باطنی طور پر حرام کاموں میں پڑیں اور ان کا طور طریقہ کتاب و سنت کی طرح سنہری حروف میں لکھا ملتا ہے، وہ نہیں جیسے ان کے طریقے سے ناواقف لوگ بتاتے ہیں۔[367]

جیسے کہ الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وبلغ من اعتناء الحق تعالیٰ بأحدهم: أنه كان يعاقب أحدهم على خلاف الأولیٰ۔

اور اللہ رب العزت کے فضل سے اولیاء اللہ پر یہ احسان ہے کہ اولیاء اللہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو خلاف اولیٰ کام کرنے پر بھی سرزنش دیتے ہیں۔ پس سنن اور مستحبات میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔[368]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وکان الجنید رضی اللہ تعالی یقول: طریق الفقهاء هی أساس طریقنا التی بنیت علیه ولکن زاد الصوفیة علی الفقهاء کثرة مراعاة العمل بالشریعة وعدم التساهل فی ترک العمل بشیء منها ای طریقهم ترک الرخص و التاویلات و الاخذ بالعزائم و التمسک بالمندوب کالواجب و اجتناب المکروه و خلاف الاولی کالحرام۔

ترجمہ: حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی بناء پر ہے لیکن صوفیاء فقہاء نے جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم پکڑنا اور

---

[367] (لواقح الانوار القدسیة فی بیان العهود المحمدیة ج ۱ ص ۸۲، دار التقویٰ)

[368] (الاجوبة المرضیه عن ائمة الفقهاء و الصوفیة ص ۱۴۱)

مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[369]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ یقول: الحق تعالی یمقت علی ترک الادب وعلی خلاف الاولی فضلاعن المکروہ والحرام۔

ترجمہ: اور سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔[370]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وسمعت سیدی علی المرصفی رحمہ اللہ تعالی یقول: لایصح لمرید قدم فی الارادۃ حتی یترک المباحات جملۃ ویجعل مکان مباح ترکہ فعل مأمور شرعیٔ من مندوب اواولی حتی یجتنب المباح کانہ خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانہ منھی عنہ کراھۃ تنزیہ وحتی یجتنب الحرام کانہ کفر وحتی یفعل المندوب کانہ واجب ویفعل الاولی کانہ مندوب کل ذالک تعظیما لامر اللہ تعالی ونھیہ۔

ترجمہ: اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کیلئے جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑ دے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس

[369] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ ص ۱۲۷)
[370] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ ص ۱۸۸)

کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔[371]

شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبداللہ بن المبارک رضی اللہ تعالی عنہ من تھاون بالآداب عوقب بحرمان السنۃ ومن تھاون بالسنۃ عوقب بحرمان الواجبات ومن تھاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تھاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفۃ او کما قال۔

یعنی فرمایا عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔[372]

کیا مکروہ تنزیہی کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ متقی پرہیز گار کے لیے بڑی بات ہے۔

حضرتِ عالی مقام امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

---

[371] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ ص ۱۹۰)

[372] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ عوارف المعارف دار الکتب العلمیہ)

پس رعایتِ ادبی واجتناب از مکروہی اگرچہ تنزیہی باشد فکیف کہ تحریمی بمراتب از ذکر وفکر ومراقبہ وتوجہ بہتر باشد آرے این امور باین رعایت واجتناب اگر جمع کند "فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيماً" وبدونہ خرط القتاد۔

ترجمہ: لہٰذا ایک مستحب کی رعایت اور مکروہ سے بچنا، اگرچہ تنزیہی ہی ہو اور مکروہ تحریمی تو بطریق اولیٰ کئی مرتبے ذکر فکر اور مراقبہ اور توجہ سے بہتر ہے ہاں ہاں اگر یہ امور اس رعایت اور اس اجتناب کے ساتھ جمع کرے تو عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ اس کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔[373]

چھوٹے بڑے گناہوں کو معمولی نہ جانو

حضرت علامہ امام عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

(أخذ علينا العهد العام من رسول الله صلى الله عليه وسلم) أن لا نتهاون بارتكاب شيء من صغائر الذنوب فضلا عن كبائرها ولا بارتكاب شيء من مكروهاتها حتى خلاف الأولى منها ولا نصر على ذنب بل نتوب منه على الفور وذلك لأن ارتكاب المعاصي وما قاربها مع الإصرار يظلم به القلب حتى يصير لا يحن إلى فعل شيء فيه خير وتتفاوت الناس في مقدار ظلمة القلب بحسب مقاماتهم فربما أن بعض الناس لا يحس بظلمة القلب عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الصغائر دون المكروهات وربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الضغائر دون المكروهات وربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب المكروهات دون خلاف الأولى ولكل مقام

---

[373] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب ۲۹، ص ۷۶، مکتبہ امدادیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

رجال فكلما صفا القلب كلما ظهر فيه الظلمة وأدركها بصر صاحبها كالحبر على الورق وكلما تكدر القلب خفي فيه الظلمة ولم يدركها بصر صاحبها كالحبر على الفحم.

فيحتاج من يريد العمل بهذا العهد إلى السلوك على يد شيخ ناصح يسد عليه جميع المخارس التي يدخل منها الشيطان ويشغله بالطاعات المتوالية حتى تتراكم عليه الأنوار ويخلص من سائر الذنوب ويدخل حضرة الإحسان فهناك لا يتهاون بذنب ولو خلاف الأولى فضلا عن المكروهات فضلا عن الصغائر فضلا عن الكبائر فإن أهل كل حضرة يساعدون بعضهم بعضا بمشاهدة بعضهم أحوال بعض ومن هنا شرطوا في إتمام التوبة هجر إخوان السوء لئلا يزلزلوا توبته بمشاهدتهم لمعاصيهم وأمروا التائب أن يخالط أهل الطاعات ليشاهد طاعاتهم وينقل نفسه من المعاصي والطباع تسرق من الجليس الأفعال التي يشاهدها منه من خير وشر ولو على طول فينتقل جميع ما في ذلك الجليس لك يا أخي فالعاقل من أتى البيوت من ابوابها (والله عليم، حكيم)

وقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه مرفوعا (إن العبد المؤمن إذا أخطأ خطيئة نكتت في قلبه نكتة سوداء فإن هو نزع واستغفر صقلت فإن عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه فهو الران الذي ذكره الله تعالى بقوله (كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون) (المطففين، ١٤) والنكتة: هي نقطة تشبه الوسخ في المرآة.

روى الإمام أحمد والطبراني والبيهقي مرفوعا: [إياكم ومحقرات الذنوب فإنهن يجتمعن على الرجل حتى تهلكه كمثل قوم نزلوا أرض فلاة فحضر صنيع القوم فجعل الرجل ينطلق فيجئ بالعود والرجل يأتي بالعود حتى جمعوا سوادا وأججوا نارا وأنضجوا ما قذف فيها].

وروى النسائي بإسناد صحيح وابن حبان في صحيحه وغيرهما مرفوعا: [إن الرجل ليحرم الرزق بالذنب يصيبه].

روى الطبراني عن ابن مسعود: [إني لأحسب الرجل ينسى العلم كما تعلمه بالخطيئة يعملها].

وروى البخاري وغيره عن انس رضي الله عنه قال: [إنكم لتعملون أعمالا هي أدق في أعينهم من الشعر كنا نعدها على عهد رسول الله صلى الله عليه و سلم من الموبقات يعني المهلكات]۔

وروى ابن حبان في صحيحه مرفوعا: [[لو أن الله يؤاخذني وعيسى بن مريم بذنوبنا لعذبنا ولا يظلمنا وأشار بالسبابة والتي تليها]. وفي رواية: [لو يؤاخذني الله وعيسى بن مريم بما جنت هاتان يعني الإبهام والتي تليها لعذبنا ثم لم يظلمنا شيئا]۔

وروى الإمام أحمد والبيهقي مرفوعا: [لو غفر لكم ما تأتون إلى البهائم لغفر لكم كثيرا]۔ وفي رواية انه من كلام ابي الدرداء. وروى الحاكم وقال صحيح الإسناد أن عبدالله بن مسعود قرأ (ولو يؤآخذ الله الناس بما كسبوا ما ترك على ظهرها من دابة ولكن يؤخرهم إلى أجل مسمى) ثم قال (كاد الجعل يعذب في جحره بذنب ابن آدم) والجعل بضم الجيم وفتح العين دويبة تكاد تشبه الخنفساء تدحرج الروث بأنفها۔

رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم چاہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ کرنے کو بھی معمولی نہ سمجھیں، نہ مکروہ کام کرنے کو معمولی جانیں اور نہ ہی زیادہ بہتر کے مقابلے میں کم درجہ کام کو معمولی بنائیں، یونہی کسی گناہ پر جمے نہ رہیں بلکہ فوراً اس سے توبہ کریں کیونکہ گناہ اور اس کے قریب کام جم کر کرنے سے دل میں اندھیرا چھا جاتا ہے چنانچہ جو شخص کسی بہتر کام کی طرف جھکاؤ نہیں کرتا، پھر لوگوں کے دل ان کے اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق تاریک ہوتے ہیں چنانچہ کسی کو دل کی تاریکی کا پتہ بڑے گناہ کرنے ہی سے چلتا ہے، چھوٹوں پر نہیں، کئی ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اس تاریکی کے بارے میں اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ چھوٹے گناہ کرتے ہیں، مکروہ کاموں پر نہیں چلتا، کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جنہیں مکروہ کام کرنے پر پتہ چلتا ہے، خلاف اولیٰ کرنے پر نہیں کیونکہ بندے ہر طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ جس کا دل صاف ہو تو جب بھی اس میں تاریکی آتی ہے تو دل والے کی آنکھ اسے یوں دیکھتی ہے جیسے کاغذ پر سیاہی لگی ہو اور جب بھی دل پر میل ہو اور تاریکی کم ہو جائے تو اسے دل والے

کی آنکھ یوں دیکھتی ہے جیسے کوئلے پر سیاہی لگی ہو چنانچہ جو اس ہدایت پر عمل کرنا چاہتا ہے، اسے ایسے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو نیک ہو اور شیطان کے داخل ہونے کے سب راستے بند کر دے اور مسلسل اسے عبادتوں میں لگائے رکھے تاکہ اس پر انوار کی بارش شروع ہو جائے، وہ سب گناہوں سے پاک ہو جائے اور احسان کے مرتبہ میں چلا جائے، چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر وہ خلاف اولیٰ سمیت کسی بھی گناہ کو معمولی نہیں جانے گا، مکروہات بلکہ بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ بھی ہلکے نہیں جانے گا کیونکہ ہر مقام والے ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ دوسروں کے حالات دیکھ رہے ہوتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر علماء نے توبہ کے پورا ہونے میں شرط لگائی ہے کہ برے بھائیوں کو چھوڑ دو تاکہ ان کے گناہ دیکھ کر اپنی توبہ کو خراب نہ کر لیں اور توبہ کرنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ عبادت کرنے والوں میں گھل مل کر رہیں تاکہ وہ ان کی عبادتوں کا مشاہدہ کریں اور اپنے آپ کو گناہوں سے نکال لیں کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ ہے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں سے اچھے برے وہ کام سیکھتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے خواہ دیر ہی سے سیکھے چنانچہ اے بھائی! اس بیٹھنے والے ساتھی سے سب کچھ تمہارے پاس آ جاتا ہے لہٰذا عقلمند وہ ہوتا ہے جو اصل راستے سے مقصد تک پہنچے۔ واللہ علیم حکیم۔

☆ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے کہ "جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے چنانچہ اگر وہ اسے صاف کرتے ہوئے استغفار کرے تو وہ دھل جاتا ہے، اگر دوبارہ کرے تو زیادہ ہو جاتا ہے اور آخر اس کے دل کو گھیر لیتا ہے، چنانچہ یہ وہی "ران" ہے کہ جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ "کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے، ان کی کمائیوں نے" اس نکتہ سے مراد وہ نقطہ ہے جو شیشے پر میل جیسا ہوتا ہے۔

☆امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "اپنے آپ کو حقیر گناہ کرنے سے بچاؤ کیونکہ یہ آدمی میں جمع ہو جاتے ہیں اور آخر کار اسے یوں ہلاک کر دیتے ہیں جیسے کچھ لوگ کہیں جنگل میں ٹھہریں اور کھانے کا وقت ہو جائے چنانچہ ایک شخص جا کر لکڑی لے آئے، دوسرا آدمی ایک اور لکڑی لائے اور یوں وہ گٹھا جمع کر لیں اور آگ جلا کر اس میں ڈالی چیز کو پکالیں۔"

☆ نسائی اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "انسان گناہ کر لینے پر روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔"

☆ امام طبرانی کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ "میں اس آدمی کا خیال رکھتا ہوں جو علم سیکھ کر اس لئے بھلا دیتا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہوتا ہے۔"

☆ حضرت امام بخاری کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی باریک ہوتے ہیں لیکن جنہیں ہم رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں تباہ کرنے والے سمجھتے تھے۔

☆ ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "اگر بالغرض اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ بن مریم رضی اللہ عنہا کو ہماری خطا کی وجہ سے پکڑ لے اور تکلیف دے تو اس میں اس کی طرف سے ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہو گا، پھر انگشت شہادت اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر بتایا" (کہ اتنا ظلم بھی نہیں ہو گا)

☆ ایک اور روایت میں ہے "اگر مجھے اور عیسیٰ بن مریم کو ان دونوں انگلیوں (انگوٹھا اور ساتھ والی انگلی) کی وجہ سے ہونے والی کوتاہیوں کے بدلے میں پکڑ کر تکلیف پہنچانا چاہے تو اس میں ہم پر ظلم نہیں ہو گا۔"

☆ امام احمد اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے "اگر اللہ تعالیٰ تمہارا وہ گناہ معاف کردے جو تم جانوروں کے ساتھ برائی کی وجہ سے کرتے ہو تو تمہارے بہت سے گناہ معاف کردے گا۔"

☆ امام حاکم کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں پڑھا "اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کئے پر پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا لیکن ایک مقرر میعاد تک انہیں ڈھیل دیتا ہے۔" پھر فرمایا ہوسکتا ہے کہ جعل نامی (گودھا) کیڑے کو حضرت آدم علیہ السلام کی کوتاہی کی بناء پر عذاب دیتا۔[374]

پر اصل مقصد کی طرف چلتے ہیں۔

حافظ نور الدین علی بن أبي بکر الھیثمی لکھتے ہیں:

وعن عطاء بن یسار، عن بعض أصحاب النبی ﷺ قال: بینما رجل یصلی وھو مسبل ازارہ، [اذ] قال له رسول اللہ ﷺ: "اذھب فتوضا" قال: فذھب فتوضا، ثم جاء فقال له رسول اللہ ﷺ: "اذھب فتوضا" ثم جاء فقال: یا رسول اللہ، مالک أمرته یتوضأ ثم سکت عنه؟ فقال: "انه کان یصلی وھو مسبل ازارہ وان اللہ تبارک وتعالیٰ لا یقبل صلاۃ عبد مسبل ازارہ"۔

عطاء بن یسار بعض اصحابِ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور اور ابو داؤد شریف اور سنن الکبریٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاؤ دوبارہ وضو کرو۔ وہ وضو کرکے آیا تو پھر اسے فرمایا جا پھر وضو کر۔ چنانچہ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اسے بار بار وضو کرنے کا حکم کیوں

[374] (لواقح الانوار القدسیة فی بیان العهود المحمدیة، ج ۲ ص ۲۴۶، دار التقویٰ)

دے رہے ہیں، تو تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اپنا تہبند ٹخنوں کے نیچے کر کے نماز پڑھ رہا تھا، فرمایا اللہ تعالیٰ اسبال والے کی نماز قبول نہیں فرماتا۔[375]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

وَإِطَالَةُ الذَّيْلِ مَكْرُوهَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا۔

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہکے نزدیک ازار (دامن کا طویل ہونا) کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔[376]

اور السنن الکبریٰ میں اس حدیث کے آخر میں ہے:

وفی الاحادیث الثابتة المطلقة فی النهی عن جر الازار دلیل علی کراهیته فی الصلاة وغیرها۔

ان احادیثِ مبارکہ سے ازار کے لٹکانے کی نہی مطلقاً ثابت ہوئی، چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ یعنی نماز کے اندر بھی شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے، اور نماز سے باہر بھی۔[377]

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فی الفتاوی العتابیة: یکره للرجال لبس السراویل (المخرفةو) هی التی تقع علی ظهر القدمین۔

---

[375] ("مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" جلد ۵، صفحہ ۲۱۸، کتاب الباس) (السنن الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۴۲، باب کراهیة اسبال الازار فی الصلاة)، (ابو داؤد، کتاب الباس، ص ۵۶۵)

[376] (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الستر، ج، ۲، ص، ۴۳۵، المکتبه الرشیدیه، سرکی روڈ، کوئٹه)

[377] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۵)

ترجمہ: فتاویٰ عتابیہ میں ہے مردوں کو ایسی شلوار پہننا جو پاؤں کی پشت تک لٹکتی ہو (یعنی جس کے پائنچے پاؤں کو مس کریں) مکروہ ہے۔[378]

حضرت علامہ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تقصیر الثیاب سنة، واسبال الازار والقمیص بدعة، ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق وھذا فی حق الرجال، واما النساء فیرخین ازارھن اسفل من ازار الرجال لیستر ظھر قدمھن۔ اسبال الرجل ازاره اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیه کراھة تنزیه کذافی الغرائب۔

ترجمہ: لباس میں کپڑے کو کمی کے ساتھ رکھنا سنت ہے اور تہبند اور قمیص کا لٹکانا بدعت ہے، مناسب ہے کہ تہبند ٹخنوں سے اوپر نصف پنڈلی تک ہو۔ مگر یہ حکم مردوں کے لیے ہے اور عورتیں اپنے تہبند کو مردوں سے زیادہ لٹکائے رہیں تاکہ ان کے قدموں کی پیٹھ ڈھکی رہے۔ مرد کا اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ غرائب میں ہے۔[379]

حضرت علامہ ابوالحسین بن علی بن محمد سغدی، حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

کل لِبَاس یکون علی خلاف السّنة یکون لبسه مَکْرُوھا وَھُوَ مثل أَثْوَاب الْکفَّار واثواب الْفسق والفجور وَأھل الاشر والبطر مثل القرطق واسبال الازار وَتَطْوِیل الْکمّ وتوسیعه۔

[378] (فتاوٰی ھندیہ، کتاب الکراھیة الباب التاسع، ج، ۵، ص، ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی، فتاوٰی تاتارخانیہ، کتاب الکراھیة، الفصل فی اللبس ما یکرہ من ذلک وما لا یکرہ، ج، ۱۸، ۱۱۸، مکتبہ فاروقیہ، کوئٹہ، البحرالرئق شرح کنزالدقائق، کتاب الکراھیة، ج، ۸، ص، ۳۴۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی اللبس، ج، ۹، ص، ۵۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[379] (فتاوٰی ھندیہ، کتاب الکراھیة الباب التاسع، ج، ۵، ص، ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: ہر خلاف سنت لباس پہننا مکروہ ہوتا ہے اور جیسے کفار کے کپڑے اور فسق و فجور کے کپڑے شریر اور متکبرین کے کپڑے، جیسے قرطق اور تہبند کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اور آستین کو لمبا اور کھلا رکھنا۔[380]

حضرت علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ودل الحدیث علی ان النھی انما یتعلق خبرہ لھذاہ العلۃ، فمن استعجل فجرّ ثوبہ خلفہ او کان ازارہ لا یثبت علی کتفیہ فلا حرج۔ وکذلک جر خیلاء علی الکفار فی الحرب لان فیہ اعزاز الاسلام واحتقار عدوہ۔ وروی ابن عمر رضی اللہ عنہ کراھۃ ذلک فی کل حال۔

ترجمہ: یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی ممانعت تکبر کی وجہ سے ہے، سو جو شخص جلدی کی وجہ کپڑا گھسیٹ کر چلا، یا اس کا تہبند قائم نہیں رہتا اور پھسل کر نیچے آجاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح میدانِ جنگ میں کفار کے سامنے تکبر سے تہبند لٹکانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں اسلام کی عزت اور دشمن اسلام کی تحقیر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہر حال میں کراہت منقول ہے۔[381]

حضرت علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف سنوسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

معنی ما زاد فی النار اذا زادہ خیلاء لانہ مطلق فیراد الی المقید وان لم یکن خیلاء فھو مکروہ۔

---

[380] (النتف فی الفتاوی، اللباس المکروہ، ج ۱، ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[381] (اکمال اکمال المعلم، کتاب اللباس والزینۃ، ج ۷، ص ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کے لباس کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو گا وہ جہنم میں ہو گا ،بشر طیکہ وہ تکبر کی بناء پر ہو، کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے اس لیے اس کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور تکبر کی بناء پر لباس نہ لٹکایا گیا ہو تو پھر وہ مکروہ (تنزیہی) ہے۔[382]

حضرت علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، حنبلی لکھتے ہیں:

ويكره أن يكون ثوب الرجل إلى فوق نصف ساقه وتحت كعبه بلا حاجة۔

ترجمہ: اور بغیر حاجت کے مرد کا کپڑا نصف پنڈلی سے اوپر ہونا اور ٹخنوں سے نیچے ہونا مکروہ ہے۔[383]

انور شاہ کشمیری، دیوبندی لکھتے ہیں:

وجرُّ الثوب ممنوعٌ عندنا مطلقًا، فهو إذاً من أحكام اللباس، وقصرَ الشافعيةُ النهي على قيد المخيلة، فإن كان الجرُّ بدون التكبر، فهو جائز، وإذاً لا يكون الحديث من أحكام اللباس والأقرب ما ذهب إليه الحنفية، لأن الخُيَلاء ممنوع في نفسه، ولا اختصاص له بالجرِّ، وأما قوله صلى الله عليه وسلّم لأبي بكر: «إنک لست ممن يجر إزاره خيلاء»، ففيه تعليلٌ بأمر مناسب، وإن لم يكن مناطًا فعلة الإباحة فيه عدمُ الاستمساکِ إلا بالتعهد، إلا أنه زاد عليه بأمر يفيد الإباحة، ويؤكدها. ولعل المصنف أيضًا يوافقنا، فإنَّه أخرج الحديث في اللباس، وسؤال أبي بكر أيضًا يؤيد ما قلنا، فإنَّه يدلُّ على أنه حملَ النهي على العموم، ولو كان عنده قيدُ الخيلاء مناطًا للنهي، لما كان لسؤاله معنًى. والتعليل بأمر مناسب طريقٌ معهود. ولنا أن نقول أيضًا: إن جرّ الإزار خيلاء ممنوعٌ لمن يتمسک إزاره، فليس المحطُّ الخيلاء فقط۔

---

[382] (مکمل اکمال اکمال، کتاب اللباس والزینۃ، ج،۷،ص، ۲۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت) ج،۵،ص،۳۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[383] (الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، فصل یکرہ فی الصلاۃ السدل، ج،۱،ص،۹۱)

ترجمہ: ہمارے نزدیک کپڑے کو گھسیٹنا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور تکبر کے بغیر کپڑا گھسیٹا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث احکام لباس سے نہیں ہو گی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے، کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس کا کپڑا گھسیٹنے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تہبند نہیں گھسیٹتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہر چند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تہبند گھسیٹنے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تہبند نہ باندھیں ان کا تہبند پھسل جاتا تھا۔ البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کیلئے مفید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس مسئلہ کو پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت بطور عموم تھی۔ (یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تہبند گھسیٹنا ممنوع ہے) اور اگر انکے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال کیا تھا: یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرے تہبند کی ایک جانب پھسل جاتی ہے الا یہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے باندھوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔[384]

---

[384] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۴)

اور کسی مناسب امر کو بطور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے تہبند گھسیٹنا اس شخص کے لئے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تہبند باندھ سکتا ہو اس لئے فقط تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔[385]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ٹخنوں سے نیچے پائچے رکھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ)

الجواب: پائنچوں کا کعبین سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر راہ عجب و تکبر ہے تو قطعا ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔[386]

علی الاطلاق وارد ہوا کہ اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بتکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہر گز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔[387]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ نصف ساق (پنڈلی) تک پائنچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہیں تک ہوتی تھی۔[388]

---

[385](فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج۶، ص۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
[386](فتاویٰ رضویہ، ج۲۲، ص۱۶۴، رضافاؤنڈیشن، لاھور)
[387](فتاویٰ رضویہ، ج۲۲، ص۱۶۷، رضافاؤنڈیشن، لاھور)
[388](فتاویٰ رضویہ، ج۲۲، ص۱۶۸، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

از قسم ازار (یعنی پائجامہ وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا، وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔[389]

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پیر کے جتنے حصہ پر تہبند وغیرہ لٹکا ہو گا وہ پورا حصہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ یہ عمل یعنی ٹخنے سے نیچے تہبند وغیرہ لٹکانا ایک مذموم عمل ہے اور دوزخیوں کا کام ہے۔ ٹخنے سے نیچے ازار وغیرہ لٹکانے کے مسئلہ میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں ان میں زیادہ تر ازار کے لٹکانے کا ذکر ہے اور ازار لٹکانے والے کے حق میں بہت سخت وعیدیں بھی بیان کی گئی ہے۔

بہر حال عزیمت یعنی اولی درجہ یہ ہے کہ ازار یعنی تہبند و پائجامہ کو نصف پنڈلی تک رکھا جائے، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا تہبند نصف پنڈلی ہی تک رکھتے تھے البتہ رخصت یعنی اجازت و آسانی کا درجہ ٹخنوں تک ہے کہ تہبند و پائجامے کو زیادہ سے زیادہ ٹخنوں تک رکھا جا سکتا ہے، کرتے و قمیص اور عبا و شیر وانی وغیرہ کے دامن کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح قمیص و کرتے وغیرہ کی آستینوں کی مسنون لمبائی یہ ہے کہ کہ وہ بند دست یعنی ہاتھ کے جوڑ تک ہوں عمامہ کا شملہ زیادہ سے زیادہ اتنا چھوڑا جانا چاہئے جو نصف پشت تک رہے، جو شملہ لمبائی یا چوڑائی میں اس سے زائد ہو گا وہ بدعت اور اس زائد لٹکانے میں شمار ہو گا جو ممنوع ہے، چنانچہ بعض علاقوں اور شہروں کے لوگ اپنے لباس میں جو زائد از ضرورت کپڑا استعمال کرتے ہیں ، جیسے ضرورت سے زائد لمبی لمبی آستینوں اور وسیع و عریض دامنوں والے کرتے، کئی کئی گز کے پاجامے اور شلواروں اور بڑے بڑے عمامے اور پگڑی کا رواج بعض جگہ پایا جاتا ہے وہ خلاف سنت ہے بلکہ یہ زائد از ضرورت کپڑے صرف کرنا اگر تکبر و

---

[389] (بخاری)

غرور کی نیت سے ہو گا تو ااس کو حرام کہیں گے اور اگر لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی رواج کے تحت ہو گا تو اس کو مکروہ کہا جائے گا کپڑوں میں ضرورت سے زائد لمبائی چوڑائی رکھنا عورتوں کیلئے بھی ممنوع ہے مگر مردوں کی بہ نسبت ایک بالش یا دو بالش کے بقدر زائد ہونا جائز ہے، بلکہ اتنی زائد مقدار تو مستحب ہے جو پردہ پوشی کے بقدر ہو۔[390]

اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لباس ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم فرمایا:

اب ہم وہ احادیث ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ مسلمان کے لباس کے لئے حد مقرر فرمائی کہ کپڑے کہاں تک رکھنے چاہیئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اپنے لباس کو آدھی پنڈلی یا اس سے نیچے مگر ٹخنوں سے اوپر تک رکھو۔

مشکوۃ شریف اور السنن الکبریٰ میں ہے:

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْہِ لَا جُنَاحَ عَلَيْہِ فِيمَا بَيْنَہُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ مَا أَسْفَلَ مِنْ ذَلِکَ فَفِي النَّارِ» قَالَ ذَلِکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «وَلَا يَنْظُرُ اللّٰہُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَہُ بَطَرًا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تہبند اس کی آدھی پنڈلیوں تک ہوں اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں جو اس سے نیچے ہو گا وہ آگ میں ہو گا، یہ تین بار فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا جو فخریہ طور پر اپنا تہبند نیچا رکھے گا۔[391]

---

[390] (مظاہر حق ۴ جدید ص ۱۵۲۔۱۵۳)

[391] (مشکوٰۃ ص ۳۷۴، کتاب اللباس، الفصل الثانی، قدیمی، کراچی، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۴۶، باب موضع الازار من الرجل)

نسائی اور ابو داوٗد شریف میں ہے:

عن ابی ذر رَضِيَ اللّٰہُ عَنۃُ قال قال سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثلاثة لا یکلمهم اللہ یوم القیامة ولهم عذاب الیم المنان بما اعطاہ والمسبل ازارہ والمنفق سلعته بالحلف الکاذب۔

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین اشخاص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ (۱) دینے کے بعد احسان جتلانے والا، (۲) اپنی تہبند لٹکانے والا، (۳) جھوٹی قسم سے اپنے مال واسباب کو رواج (شہرت) دینے والا۔[392]

امام مسلم اور امام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر رَضِيَ اللّٰہ عنهما قال مررت بر سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفی ازاری استرخاء فقال: یا عبد اللہ: ارفع ازارک فرفعته ثم قال زد فزدت فمازلت اتحرا ھا بعد فقال بعض القوم الی این؟ قال الی انصاف الساقین۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا حالانکہ میرے تہبند میں درازی تھی، تو فرمایا اپنا تہبند اونچا کرو، میں نے اونچا کر لیا، فرمایا اور زیادہ اونچا کرو، میں نے اور زیادہ اونچا کر لیا پھر میں اس کا خیال رکھتا رہا تو بعض قوم نے کہا کہ کہاں تک رہے؟ فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک۔[393]

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وروی احمد عن انس مرفوعا: الازار الی نصف الساق او الی الکعبین لا خیر فی اسفل من ذلک۔

---

[392](نسائی ص ۲۹۴ ج ۲ ابو داؤد ۲۱۰، ج ۲)

[393](صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۵، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب الخ، قدیمی کراچی)

حضرت انس نے مرفوع روایت بیان کی کہ تہبند (شلوار وغیرہ) آدھی پنڈلی یا ٹخنوں کے اوپر تک ہونی چاہئے اس سے نیچے کرنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔[394]

اور اس حدیث شریف کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفی هذه الأحاديث أن إسبال الإزار للخيلاء كبيرة وأما الإسبال لغير الخيلاء فظاهر الأحاديث تحريمه أيضا لكن استدل بالتقييد في هذه الأحاديث بالخيلاء على أن الإطلاق في الزجر الوارد في ذم الإسبال محمول على المقيد هنا فلا يحرم الجر والاسبال إذا سلم من الخيلاء۔ قال ابن عبد البر مفهومه أن الجر لغير الخيلاء لا يلحقه الوعيد إلا أن جر القميص وغيره من الثياب مذموم على كل حال فأما لغير الخيلاء فيختلف الحال فإن كان الثوب على قدر لابسه لكنه يسدله فهذا لا يظهر فيه تحريم ولا سيما ان كان عن غير قصد كالذی وقع لأبی بكر (رضی اللّٰه تعالیٰ عنه) وان كان الثوب زائدا على قدر لابسه فهذا قد يتجه المنع فيه من جهة الإسراف فينتهی إلى التحريم وقد يتجه المنع فيه من جهة التشبه بالنساء وهو أمكن فيه من الأول وقد صحح الحاكم من حديث أبی هريرة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لعن الرجل يلبس لبسه المرأة وقد يتجه المنع فيه من جهة أن لابسه لا يأمن من تعلق النجاسة به وإلى ذلك يشير الحديث الذی أخرجه الترمذی فی الشمائل والنسائی من طريق أشعث بن أبی الشعثاء وأسم أبيه سليم المحاربی عن عمته واسمها رهم بضم الراء وسكون الهاء وهی بنت الأسود بن حنظلة عن عمها واسمه عبيد بن خالد قال كنت أمشی وعلى برد أجره فقال لی رجل أرفع ثوبک فإنه أنقى وأبقى فنظرت فإذا هو النبی صلى اللّٰه عليه وسلم فقلت إنما هی بردة ملحاء فقال أما لک فی أسوة قال فنظرت فإذا إزاره إلى أنصاف ساقيه وسنده قبلها جيد وقوله ملحاء بفتح الميم وبمهملة قبلها سكون ممدودة أی فيها خطوط سود وبيض وفی قصة قتل عمر أنه قال للشاب الذی دخل عليه أرفع ثوبک فإنه أنقى لثوبک وأتقى لربک وقد تقدم فی المناقب ويتجه المنع أيضا فی الإسبال من جهة أخرى وهی كونه مظنة الخيلاء وحاصله أن

[394] (مرقات، ج۸، ص ۱۴۰، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

الإسبال يستلزم جر الثوب وجر الثوب يستلزم الخيلاء ولو لم يقصد اللابس الخيلاء ويؤيده ما أخرجه أحمد بن منيع من وجه آخر عن بن عمر في أثناء حديث رفعه وإياک، وجر الإزار فإن جر الإزار من المخيلة۔

ترجمہ: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر سے تہبند لٹکانا گناہ کبیرہ ہے، اور بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا بھی بظاہر احادیث سے سے حرام ہی معلوم ہوتا ہے لیکن احادیث میں جو تکبر کی قید لگائی گئی ہے اسے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن احادیث میں تہبند لٹکانے سے مطلقاً منع کیا ہے وہ بھی تکبر سے لٹکانے پر ہی محمول ہیں، لہٰذا بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا حرام نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے تہبند لٹکانے پر وعید نہیں ہے البتہ قمیص اور دیگر کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہر حال میں مذموم ہے۔

اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا حال مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے ٹخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اسے حرام ہونا ظاہر نہیں ہو گا، خصوصاً جبکہ بلا قصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے پھسل کر ٹخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اس طرح واقع ہوا، اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے، اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے، کیونکہ امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس طرح کا لباس

پہننے والا اس خدشہ سے محفوظ نہیں ہو گا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے (کیونکہ اس کا لباس قدموں کے نیچے گھسٹ رہا ہوتا ہے) اور اس ممانعت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے جس کو امام ترمذی نے شمائل (رقم: ۱۲۱) میں اور امام نسائی نے سنن کبریٰ (رقم: ۹۶۸۲، ۹۶۸۳) میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جارہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا ناگاہ ایک شخص نے فرمایا: اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ صفائی اور زیادہ بقاہے، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے (یعنی اس معمولی کپڑے میں تکبر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھی پنڈلیوں تک تہبند باندھا ہوا تھا۔[395] اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑے گھسیٹنے میں تکبر کی بد گمانی ہوتی ہے۔ قامت سے نیچے کپڑ الٹکانا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت احمد بن منیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہسے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم تہبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تہبند گھسیٹنا تکبر سے ہے۔[396]

أَبِي أُمَامَةَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ لَحِقَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ الْأَنْصَارِيُّ فِي حُلَّةٍ إِزَارٍ وَرِدَاءٍ قَدْ أَسْبَلَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبِه ويتواضع لله وَيَقُول عَبدک وبن عَبدِک وَأَمَتِک حَتَّى سَمِعَهَا عَمْرٌو فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي

---

395 (مسند احمد، ج۵، ص۲۶۴)

396 (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵-۳۲۴، دار السلام)

حَمْشُ السَّاقَيْنِ فَقَالَ يَا عَمْرُو إِنَّ اللهَ قَدْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ يَا عَمْرُو إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْبِلَ (الْحَدِيثَ)۔

ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکفہ تحت رکبۃ نفسہ فقال: یا عمرو بن زرارۃ ھذا موضع الإزار ثم رفعھا ثم وضعھا تحت ذلک فقال: یا عمرو بن زرارۃ ھذا موضع الإزار ثم رفعھا ثم وضعھا تحت ذلک فقال: یا عمرو بن زرارۃ ھذا موضع الإزار۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے کہ حضرت عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند اور چادر کے لباس میں ملبوس اس حالت میں حاضر ہوئے کہ تہبند ٹخنوں کے نیچے تھا تو رسول اللہ ﷺ اس کے کپڑے کے کنارے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ دعا فرمانے لگے: اے اللہ! تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا اور تیری کنیز کا بیٹا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو سنا تو نبی کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں زیادہ باریک پنڈلیوں والا ہوں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی بڑی اچھی تخلیق فرمائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تہبند لٹکانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ہتھیلی (چار انگلیوں) کو اپنے گھٹنے نیچے رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہ تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کو اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے۔[397]

---

[397] (المعجم الکبیر رقم ۷۹۰۹ ج۸ ص ۲۳۲ مسند الشامیین ج ۲ ص ۲۲۷ فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وظاهره أن عمر االمذکور لم يقصد بإسباله الخيلاء وقد منعه من ذلک لکونه مظنة۔

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور نے اپنے (کپڑے) لٹکانے میں تکبر کا قصد نہیں کیا اور اس کو لٹکانے سے منع فرمایا کیونکہ اس سے بدگمانی ہوتی ہے۔[398]

درج ذیل عبارت کئی شارحین نے لکھی:

وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ: لَا يَجُوزُ لِرَجُلٍ أَنْ يُجَاوِزَ بِثَوْبِهِ كَعْبَيْهِ وَيَقُولَ لَا أَتَكَبَّرُ بِهِ، لِأَنَّ النَّهْيَ قَدْ يَتَنَاوَلُهُ لَفْظًا، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَنَاوَلَهُ اللَّفْظُ حُكْمًا فَيَقُولُ إِنِّي لَسْتُ مِمَّنْ يُسْبِلُهُ؛ لِأَنَّ تِلْكَ الْعِلَّةَ لَيْسَتْ فِي فَإِنَّهُ مُخَالِفٌ لِلشَّرِيعَةِ وَدَعْوَى لَا تُسَلَّمُ لَهُ بَلْ مِنْ تَكَبُّرِهِ يُطِيلُ ثَوْبَهُ وَإِزَارَهُ فَكَذِبُهُ فِي ذَلِكَ مَعْلُومٌ قَطْعًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شرح الترمذی" میں فرمایا: مرد کو جائز نہیں کہ اس کا کپڑا اس کے ٹخنوں سے نیچے ہو اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں تکبر کی نیت سے نیچے نہیں رکھتا، کیونکہ الفاظ کے اعتبار سے نھی اس پر مشتمل ہے، اور حکم کے اعتبار سے اس کو لفظ کا شامل ہونا جائز نہیں ہے، اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو اس کو لٹکاتے ہیں، کیونکہ مجھ میں وہ علت نہیں ہے، پس بے شک وہ شریعت کے مخالف ہے اور اس کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا اپنے کپڑے اور تہبند کو لمبا کرنا ہی اس کے متکبر ہونے سے ہے، تو اس کا اس میں جھوٹا ہونا قطعاً معلوم ہے۔

---

[398] (فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبه من الخیلاء ج ۱۰ ص ۲۲۵ دار الکتب العلمیه بیروت)

(جہاں لفظ نہی شامل ہو وہاں اس کی تعلیل بیان کرنا دعوی بلا دلیل ہے۔ بلکہ دامن کا لمبا کرنا تکبر پر دلیل ہے)[399]

محمد ابن الشیخ علامہ علی بن آدم بن موسیٰ ایتوبی ولولوی، مدرس دارالخیریہ مکہ مکرمہ، لکھتے ہیں:

هذا الذی قاله ابن العربی رحمه الله تعالی هو عين التحقيق، الذی لا يستقيم غيره مع هذه النصوص الظاهرة فی التحريم، وحاصله أن الاسبال يستلزم جر الثوب، وجر الثوب يستلزم الخيلاء، ولو لم يقصد اللابس الخيلاء، فيحرم عليه، كما دلّت على ذلک ظواهر النصوص الواردة فی النهی عن الاسبال۔

ترجمہ: یہ جس کو ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایاہے یہی عینِ تحقیق ہے، جو تحریم ان ظاہری نصوص کے ساتھ ہے اس کے علاوہ درست نہیں ہو سکتا، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے لٹکانا کپڑے کے گھسیٹنے کو مستلزم ہے، اور کپڑے کو گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے، اگرچہ لباس پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، تو اس پر حرام ہو گا، جیسا کہ لٹکانے کے متعلق نہی کے بارے میں نصوصِ واردہ کا ظاہر اس پر دلیل ہے۔[400]

محمد ابن الشيخ العلامة علی بن آدم بن موسی الأيتوبی الوَلّوِیْ، مدرس "دار الخيريّة مكة المكرمة" لکھتے ہیں:

قد تلخّص مما ذُكر من الأدلة أن جرّ الازار تحت الكعبين حرام، ولو لم يكن بقصد الخيلاء، لأنه ﷺ جعله من المخيلة، وأما بقصد الخيلاء، فهو أشدّ تحريماً، وله الوعيد

---

[399] (طرف التثریب ج ۹ ص ۳۵، ۳۴ فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۴، ۲۶۳ تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۴۰۵ داراحیاء التراث العربی بیروت سبل السلام باب الادب ج ۴ ص ۱۵۸ عون المعبود ج ۱۱ ص ۷۶ داراحیاء التراث العربی بیروت نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۲ حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۸۶۱)

[400] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینۃ، ج ۳۹، ص ۲۹۰ دارالمعراج للنشر الریاض المکۃ العربیۃ السعودیۃ)

المذکور فی حدیث الباب، و أما ما تقدّم من قول النووی: انه مکروہ تنزیھا، فلا یخفی ضعفه، فتبصّر۔

ترجمہ: تحقیق جن دلائل کو ذکر کیا گیا ان کی تلخیص یہ ہے کہ بے شک تہبند کو ٹخنوں کے نیچے گھسیٹنا حرام ہے، اگرچہ تکبر کے ارادہ سے نہ ہو، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو تکبر سے بتایا ہے، اگر تکبر کے ارادہ سے ہو، تو زیادہ سخت حرام ہے، اور باب حدیث میں مذکور وعید اس کے لیے ہوگی اور رہا وہ جو امام نووی کے قول میں سے پہلے گزرا: وہ مکروہ تنزیہی ہے، پس اس کا ضعیف ہونا مخفی نہیں ہے، فتبصر۔ [401]

محمد ابن الشیخ العلامة علی بن آدم بن موسی الأیتوبی الوَلّوِیُ، مدرس "دار الخیریّة مکة المکرمة" لکھتے ہیں:

و خلاصة القول فی هذہ المسألة أن الاسبال محرّم مطلقاً، سواء کان خیلاء، و هو أشد تحریما، أم لا۔

اور اس مسئلہ میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ (کپڑا، یا تہبند، شلوار) لٹکانا مطلقاً حرام ہے، باعتبار تکبر ہو یا بغیر تکبر کے ہو۔ باعتبار تکبر ہو تو زیادہ سخت حرام ہے۔ [402]

شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وازار آنحضرت ﷺ از بالائے ناف تا فوق کعبین بودہ وا ینقدر سنت واز ناف تا زانو ستر فرض ست و بعضے ناف را در عورت نگرفتہ اند چرا کہ ناف حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما را آنحضرت ﷺ بوسیدہ اند و ہمبریں قیاس

---

[401] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینة، ج ۳۹، ص ۹۳، دار المعراج للنشر، الریاض المکة العربیة السعودیة)

[402] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینة، ج ۳۹، ص ۹۳، دار المعراج للنشر، الریاض المکة العربیة السعودیة)

سراویل کہ در عجم متعارفست وآنرا شلوار میگوئند بمقدار ازار آنحضرت ﷺ بایدا گرزیر شتالنگ بادوسہ چین واقع شود بدعت وگناہ ست ودر حدیث آمدہ کہ گفت رسول علیہ الصلوۃ والسلام: "لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطرا" یعنی نظر نمیکند خدائے تعالی جلشانہ روز قیامت سوئے کسے کہ بکشد ازار خود راو درازار سازد بطریق تکبر و اسراف وطغیان نعمت و ازیں قید معلوم میشود کہ اگر ازروئے تکبر نباشد وبجہت عذرے باشد مثل مرض وردقت کردہ بود ونزد فقہا ازار کہ فروتر از شتالنگ باشد حرام است و بدعت ست محض چنانچہ فرمود رسول علیہ الصلوۃ والسلام: "من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ" وقال علیہ الصلوۃ والسلام: "ماأسفل من الکعبین من الازار فھو فی النار"۔

ترجمہ: اور آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند مبارک ناف کے اوپر سے ٹخنوں کے اوپر تک ہوتا تھا اور اسی قدر مسنون ہے اور ناف (کے نیچے) سے گھٹنوں (کے نیچے) تک ستر (یعنی ڈھانکنا) فرض ہے، بعض نے ناف کو ستر عورت (یعنی جس کا چھپانا فرض ہے) قرار نہیں دیا کیونکہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ناف کو آنحضرت نے بوسہ دیا ہے۔ اسی قیاس پر سراویل (پاجامہ یا شلوار) ہے۔ جو سراویل عجم میں متعارف ہے اسے شلوار کہتے ہیں وہ آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازار کی مقدار کے برابر ہونی چاہئے اگر ٹخنوں سے دو تین شکن نیچے ہو تو بدعت و گناہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خدائے عزوجل بروز قیامت اس شخص کی جانب نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جو ازراہ تکبر، فضول خرچی اور نعمت کی ناشکری کے طور پر اپنی چادر گھسیٹے اور اسے لمبا کرے۔ اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر (چادر کا لمبا ہونا) ازروئے تکبر کے نہ ہو بلکہ کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً (چادر کو) مرض اور تکلیف کی وجہ سے لمبا

کیا ہو (تو حرج نہیں)۔ اور فقہا کے نزدیک ازار (تہبند) جو ٹخنوں سے نیچے ہو حرام ہے اور محض بدعت ہے چنانچہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”جو شخص بطور تکبر اپنا کپڑا گھسیٹے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر (عنایت) نہیں فرمائے گا“۔ اور فرمایا: ”تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ کی آگ میں ہے“۔ [403]

عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز لکھتے ہیں:

اسئلة متفرقة و الأجوبة عليها حكم إطالة الثوب سواء كان للخيلاء أو بحكم العادة۔

س: ما حكم إطالة الثوب إن كان للخيلاء أو لغير الخيلاء؟ و ما الحكم إذا اضطر الإنسان إلى ذلك سواء إجبارا من أهله إن كان صغيرا أو جرت العادة على ذلك؟

الجواب: حكمه التحريم في حق الرجال، لقول النبي صلى الله عليه و سلم: «ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار» رواه البخاري في صحيحه، و روى مسلم في الصحيح عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: «ثلاثة لا يكلمهم الله و لا ينظر إليهم يوم القيامة و لا يزكيهم و لهم عذاب أليم: المسبل إزاره، و المنان فيما أعطى، و المنفق سلعته بالحلف الكاذب. و هذان الحديثان و ما في معناهما يعمان من أسبل ثيابه تكبرا أو لغير ذلك من الأسباب، لأنه صلى الله عليه و سلم عمم و أطلق و لم يقيد، و إذا كان الإسبال من أجل الخيلاء صار الإثم أكبر و الوعيد أشد لقوله صلى الله عليه و سلم: «و من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة» و لا يجوز أن يظن أن المنع من الإسبال مقيد بقصد الخيلاء؛ لأن الرسول لم يقيد ذلك عليه الصلاة و السلام في الحديثين المذكورين آنفا، كما أنه لم يقيد ذلك في الحديث الآخر و هو قوله لبعض أصحابه «و إياك و الإسبال فإنه من المخيلة، فجعل الإسبال كله من المخيلة، لأنه في الغالب لا يكون إلا كذلك، و من لم يسبل للخيلاء فعمله وسيلة لذلك، و الوسائل لها حكم الغايات، و لأن ذلك إسراف و تعريض لملابسه للنجاسة

---

403 (کشف الالتباس فی استحباب اللباس، ص،۴۷،۴۶،۴۵،رساله ضیاء القلوب فی لباس المحبوب،خلاصة الفتاوی، ج،۳،ص،۱۵۵،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

والوسخ، ولهذا ثبت عن عمر رضي الله عنه أنه لما رأى شابا يمس ثوبه الأرض قال له: ارفع ثوبک فإنه أتقى لربک وأنقى لثوبک. أما قوله لأبي بكر الصديق رضي الله عنه لما قال: «يا رسول الله إن إزاري يسترخي إلا أن أتعاهده فقال له صلى الله عليه وسلم: إنک لست ممن يفعله خيلاء» فمراده صلى الله عليه وسلم أن من يتعاهد ملابسه إذا استرخت حتى يرفعها لا يعد ممن يجر ثيابه خيلاء لكونه لم يسبلها، وإنما قد تسترخي عليه فيرفعها ويتعاهدها ولا شک أن هذا معذور، أما من يتعمد إرخاءها سواء كانت بشتا أو سراويل أو إزارا أو قميصا فهو داخل في الوعيد وليس معذورا في إسباله ملابسه، لأن الأحاديث الصحيحة المانعة من الإسبال تعمه بمنطوقها وبمعناها ومقاصدها فالواجب على كل مسلم أن يحذر الإسبال وأن يتقي الله في ذلک، وألا تنزل ملابسه عن كعبه عملا بهذا الحديث الصحيح، وحذرا من غضب الله وعقابه. والله ولي التوفيق۔

سوال: کپڑا دراز رکھنے کا کیا حکم ہے۔ خواہ یہ تکبر کے طور پر یا بغیر تکبر ہو اور جب انسان اس کام پر مجبور ہو تو پھر کیا حکم ہے۔ خواہ اس کے گھر والے اسے مجبور کرتے ہوں۔ اگر وہ چھوٹا ہو یا عادت ہی ایسی رائج ہو گئی ہو؟

جواب: مردوں کے لئے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہو گا۔ (بخاری، مسلم) رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخصوں سے نہ اللہ کلام کرے گا نہ انکی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔ ایک اپنا تہبند لٹکانے والا، دوسرا دے کر احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔ یہ دونوں حدیثیں اور دوسری حدیثیں جو ان معنوں میں آئی ہیں، ہر طرح کے کپڑے لٹکانے والے کو عام ہیں۔ خواہ وہ تکبر سے لٹکائے یا کسی اور وجہ سے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علی الاطلاق فرمایا ہے اسے مقید نہیں کیا اور جب کپڑا

لٹکانا ازراہ تکبر ہو تو یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے جس کی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ اور یہ خیال کرنا کہ کپڑا لٹکانا صرف اس صورت میں منع ہے کہ ازراہ تکبر ہو، درست نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ حدیثوں میں اس چیز کی کوئی قید نہیں لگائی۔ جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گویا آپ نے کسی طرح بھی، لٹکانے کی وجہ تکبر ہی قرار دی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات معاملہ ایسا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کی وجہ سے نہ لٹکائے تو یہ بھی تکبر کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کا حکم غایت کا حکم ہوتا ہے۔ یہ کام اسلئے بھی حرام ہے کہ اس میں اسراف ہے اور اپنے لباس کی نجاست اور میل کچیل پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہسے ثابت ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے کہ اس کا کپڑا زمین کو چھورہا ہے تو اسے فرماتے: "اپنا کپڑا اونچا کرلے۔ یہ تیرے پروردگار کے لئے تقوی اور تیرے کپڑے کے لئے صفائی والا کام ہے"۔ رہا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ارشاد۔ جب انہوں نے کہا: "اے اللہ کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرا تہبند سرک جاتا ہے الا یہ کہ میں اسے باندھتا رہوں"۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا: "آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں"۔ اس سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ تھی کہ جب تہبند ڈھیلا ہو جائے تو وہ شخص باندھ لے حتیٰ کہ وہ اونچا ہو جائے، وہ ان میں شمار نہ ہو گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہیں کیونکہ اس نے اسے لٹکایا نہیں اور جس شخص کا کپڑا ڈھیلا ہو جاتا ہو اور پھر وہ اسے اونچا کرتا اور باندھتا رہے، بلاشبہ وہ معذور ہے مگر جو شخص دانستہ اسے لٹکائے خواہ یہ چغہ (عبایا) ہو یا پاجامہ یا تہبند یا قمیص ہو، وہ اس وعید

میں داخل ہے اور وہ اپنا لباس لٹکانے میں معذور نہیں ہے کیونکہ جو احادیث صحیحہ کپڑا الٹکانے کی ممانعت میں آئی ہیں، اپنے مفہوم و معنی اور مقاصد کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کپڑا الٹکانے سے بچے اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرے اور ان صحیح احادیث پر عمل کرتے ہوئے اپنا لباس ٹخنے سے نیچے نہ لٹکائے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے عذاب سے ڈرے ۔۔۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔[404]

قال يحرم على الرجل أن يجاوز بثوبه الكعبين ويستحب أن يكون في أنصاف الساق إلى مافوق الكعبين ففي الصحيح سترة المؤمن إلى أنصاف ساقيه فإن زاد فإلى الكعبين فما زاد ففي النار۔

فرمایا: مرد پر اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور ٹخنوں کے اوپر سے لے کر نصف پنڈلی تک مستحب ہے، پس صحیح (قول) میں مومن کا پردہ نصف پنڈلیوں تک ہے اگر زیادہ کرے تو ٹخنوں تک ہے، پھر جو زیادہ کرے تو وہ حصہ دوزخ میں جائے گا۔[405]

ابو مالک کمال بن سید سالم، لکھتے ہیں:

فالحاصل أن إسبال الثوب تحت الكعبين حرام ويستحق فاعله أن يُعذَّب، ما تحت الكعبين في النار-

ترجمہ: پس حاصل کلام یہ ہے کہ کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، اور کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا عذاب کا مستحق ہے، جو ٹخنوں سے نیچے ہے وہ آگ میں ہے۔[406]

محمد بن صالح عثیمین لکھتے ہیں:

---

[404] (مجموع فتاویٰ ابن باز، اطالۃ الثوب، ج، ٦، ص، ٣٨٣، ٣٨٢)

[405] (الذخرۃ، باب فرع، ج، ١٣، ص، ٢٦٥)

[406] (صحيح فقه السنة وادلته وتوضيح مذاهب الائمة، اللباس والزينة للرجال، ج، ٣، ص، ١٢)

واختلف العلماء في صحة صلاته, فمنهم من قال: إن صلاته صحيحة لكنه آثم بإسبال ثوبه, ومنهم من قال: إن صلاته غير صحيحة؛ لأنه لبس ثوباً محرماً والراجح أن صلاته صحيحة, لكنه آثم بالإسبال۔

ترجمہ: اور ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، پس بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح ہے لیکن ٹخنوں سے نیچے اپنے کپڑے کو لٹکانے والا گناہ گار ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس نے حرام لباس پہنا ہے، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح ہے، لیکن ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا گناہ گار ہے۔[407]

سعید بن علی بن وھف قحطانی، لکھتے ہیں:

وهذه الأحاديث تدل على أن إسبال الثياب والعمائم, والمشالح, والسراويل من كبائر الذنوب. وأن المسبل من الرجال إن كان متكبراً فقد ارتكب كبيرتين: الكبر, والإسبال, وإن لم يكن متكبراً فقد ارتكب كبيرة الإسبال۔

ترجمہ: اور یہ (مذکورہ بالا) احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ کپڑے اور عمامے اور شلواریں ٹخنوں سے نیچے لٹکانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اور بے شک ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا مرد اگر متکبر ہے تو اس نے دو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اور اگر متکبر نہیں ہے تو اس نے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہے۔[408]

محمد بن عبد العزیز بن عبد اللہ المسند، لکھتے ہیں:

س: هل إسبال الملابس لغير الخيلاء محرم أم لا؟

ج: إسبال الملابس للرجال محرم سواء كان الخيلاء أو لغير الخيلاء, ولكن إذا كان للخيلاء فإن عقوبته أشد وأعظم۔

---

[407] (اللقاء الشھری ج۴ص ۱۵)

[408] (الصیام فی الاسلام فی وءالکتاب والسنة، ج، ۱، ص، ۶۵۹، صلاۃ العیدین، ج، ۱، ص، ۱۵۰، صلاۃ المومن، ج، ۲، ص، ۱۲۶۹)

س: کیا بغیر تکبر کے ٹخنوں سے کپڑے کو نیچے لٹکانا حرام ہے یا نہیں؟

ج: مردوں کے لیے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، خواہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو، اور لیکن جب تکبر کے طور پر ہو تو اس کی سزا زیادہ سخت اور زیادہ بڑی ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ان الاسبال یکون فی الازار و القمیص و العمامة وأنه لایجوز اسباله تحت الکعبین ان کان للخیلاء فان کان لغیرها فهو مکروه وظواهر الأحادیث فی تقییدها بالجر خیلاء تدل علی أن التحریم مخصوص بالخیلاء وهکذا نص الشافعی علی الفرق کماذکرنا وأجمع العلماء علی جواز الاسبال للنساء وقد صح عن النبی صلی اللہ علیه وسلم الاذن لهن فی ارخاء ذیولهن ذراعا واللہ أعلم وأما القدر المستحب فیما ینزل إلیه طرف القمیص والازار فنصف الساقین کما فی حدیث ابن عمر المذکور وفی حدیث أبی سعید ازاره المؤمن إلی أنصاف ساقیه لاجناح علیه فیما بینه وبین الکعبین ما أسفل من ذلک فهو فی النار فالمستحب نصف الساقین والجائز بلا کراهة ماتحته إلی الکعبین فما نزل عن الکعبین فهو ممنوع فان کان للخیلاء فهو ممنوع منع تحریم والافمنع تنزیه وأما الأحادیث المطلقة بأن ماتحت الکعبین فی النار فالمراد بها ماکان للخیلاء لانه مطلق فوجب حمله علی المقید۔

ترجمہ: تہبند، قمیص اور عمامہ ان میں سے ہر ایک کو ٹخنوں کے نیچے تکبر سے لٹکانا منع ہے اور بغیر تکبر کے لٹکانا مکروہ ہے چونکہ احادیث میں کپڑا لٹکانے کی ممانعت کو تکبر کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حرام ہونا تکبر کے ساتھ مخصوص ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فرق کی تصریح کی ہے، اور عورتوں کے لیے کپڑا لٹکانے کی اجازت ہے اس کے جواز کی احادیث میں تصریح ہے اور اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے، حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مومن کا تہبند پنڈلیوں کے نصف سے لے کر ٹخنوں تک نیچے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور

جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے ، لہٰذا پنڈلیوں کے نصف تک تہبند لٹکانا مستحب ہے ، اور ٹخنوں تک نیچے کرنا بلا کراہت جائز ہے ، اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے ، اور جن احادیث میں مطلقاً آیا ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو تکبر کی وجہ سے لٹکایا گیا ہو ، کیونکہ یہ احادیث مطلق ہیں اور مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔[409]

محمد بن صالح بن محمد عثیمین لکھتے ہیں:

وبهذا نعرف قول النووي رحمه الله بتحريم الإسبال خيلاء و كراهيته لغير الخيلاء والصحيح أنه حرام سواء كان لخيلاء أم لغير خيلاء بل الصحيح أنه من كبائر الذنوب لأن كبائر الذنوب كل ذنب جعل الله عليه عقوبة خاصة به وهذا عليه عقوبة خاصة ففيه الوعيد بالنار إذا كان لغير الخيلاء وفيه وعيد بالعقوبات الأربع إذا كان خيلاء لا يكلمه الله يوم القيامة ولا ينظر إليه ولا يزكيه وله عذاب أليم۔

ترجمہ: اور اس سے ہم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پہچانتے ہیں کہ تکبر کے ارادہ سے کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ ہے ، اور صحیح یہ ہے کہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو حرام ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ ہر کبیرہ گناہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے ، اور اس (اسبال) پر بھی ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے ، پس جب بغیر تکبر کے ہو تو اس پر آگ کی وعید ہے ، اور جب تکبر کے ساتھ ہو تو اس پر چار سزاؤں کی وعید ہے:

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا

(۲) اور اسکی طرف نظرِ رحمت نہیں دیکھے گا

---

[409] (شرح النووی علی مسلم، ج۲، ص۱۹۵، ۱۹۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(۳)اور اس کو پاک نہیں فرمائے گا

(۴)اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔[410]

محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ شوکانی یمنی لکھتے ہیں:

وَقَدْ جَمَعَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ رِسَالَةً طَوِيلَةً جَزَمَ فِيهَا بِتَحْرِيمِ الْإِسْبَالِ مُطْلَقًا۔

ترجمہ: اور تحقیق بعض متاخرین نے ایک بہت بڑا رسالہ جمع کیا ہے، اس میں جزم کیا ہے کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً حرام ہے۔[411]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسي، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ورأى ابن عمر رجلا يجر إزاره فقال إن للشيطان إخوانا كررها مرتين أو ثلاثا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا تہبند گھسیٹ رہا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو یا تین بار فرمایا شیطان کے بھی کچھ بھائی ہیں۔[412]

شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ملفوظ جسے آپ کے خلیفہ اکبر حضرت سیدنا ہندولی خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا لکھتے ہیں:

ٹخنوں کے نیچے لباس کرنے کے بارے میں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تہبند، شلوار اور پاجامہ کے پائنچے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا منافقوں کی علامت ہے اور جو شخص تہبند، شلوار کا پائنچہ لمبا کرتا ہے اور پاؤں کے نیچے لٹکاتا ہے تو ایسا شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے پھر فرمایا جو شخص شلوار، پاجامہ، تہبند کے پائنچے کو اس قدر دراز کرے کہ وہ پاؤں کے نیچے تک لٹکے تو ہر قدم پر

---

[410](شرح ریاض الصالحین ج ۴ ص ۲۸۷)

[411](نیل الاوطار کتاب اللباس باب الرخصۃ فی اللباس الجمیل ج ۱ ص ۱۴۲ دار الکلم الطیب بیروت)

[412](احیاء العلوم بیان ذم الاختیال واظہار الکبر فی مشی وجر اللثیاب ج ۳ ص ۲۶۴، المکتبۃ التوفیفیۃ، القاہرۃ)

زمینی اور آسمانی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے دوزخ میں اس کے لئے ایک مکان تیار ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو لمبا تہبند باندھتا ہے وہ منافق ہوتا ہے اور جو اپنی آستین دراز کرتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔

پھر حضرت ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بدن پر کپڑا پہننے میں فضول خرچی نہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کپڑے میں اسراف یعنی ضرورت سے زیادہ صرف کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں کہ مردے کے بدن پر کفن کے زیادہ کرنے کو منع فرمایا ہے، کیونکہ دونوں چیزوں کے بدلے عذاب ہوتا ہے، ایک کفن کی فضول خرچی کرنے سے اور دوسری چیز لباس کا ٹخنوں سے نیچے کرنا ہے۔ [413]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

أَنَّ أُزُرَهُمْ إِلَى أَنْصَافِ سُوقِهِمْ. قَالَ الطِّيبِيُّ فِيهِ إِدْمَاجٌ بِمَعْنَى التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ، لِأَنَّ مَنْ شَدَّ إِزَارَهُ إِلَى سَاقِهِ تَشَمَّرَ لِمُزَاوَلَةِ مَا اهْتَمَّ بِشَأْنِهِ، أَوْ يَكُونَ كِنَايَةً عَنِ التَّوَاضُعِ، كَمَا أَنَّ جَرَّ الْإِزَارِ كِنَايَةٌ عَنِ الْكِبْرِ وَالْخُيَلَاءِ۔

ترجمہ: ان کا ازار تہبند نصف ساق تک ہو گا۔ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس میں ادماج ہے اس معنیٰ: التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ۔

---

[413] (انیس الارواح، ھشت بھشت، ص، ۵۳)

کیونکہ جو شخص تہبند پنڈلی تک کس لیتا ہے تو اس سے کسی اہم کام کے لئے تیار ہونا سمجھا جاتا ہے، یا یہ کنایہ ہے تواضع سے۔ جیسے ازار کالٹکانا تکبر سے کنایہ ہوتا ہے۔[414]

وفی الشمائل عن عبید بن خالد المحاربی قال بینما انا امشی بالمدینۃ اذ انسان خلفی یقول: ارفع ازارک فانہ اتقی وفی روایۃ انقی ۔۔ فالتفت فاذا ھو رسول اللہ ﷺ فقلت یا رسول اللہ ﷺ انما ھی بردۃ ملحاء قال امالک فِیَّ اسوۃ، فنظرت فاذا ازارہ الی نصف ساقیہ۔۔۔ وعن حذیفۃ قال اخذ رسول اللہ ﷺ بعضلۃ ساقی او ساقہ فقال: ھذا موضع الازار، فان ابیت فاسفل فان ابیت فلا حق للازار فی الکعبین۔

شمائل میں ہے کہ عبید بن خالد محاربی نے کہا کہ میں مدینہ میں جارہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی کہ اپنی تہبند کو اونچا کرو کیونکہ یہ تقویٰ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح یہ پاک رہے گی، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ بہت قیمتی اور عمدہ چادر نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لئے میرے طریقے (سنت) میں کامل نمونہ نہیں ہے؟ پس جب میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک آدھی پنڈلی تک اونچا تھا۔۔۔۔ حضرت حذیفہ ص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری یا اپنی پنڈلی کے درمیان سخت گوشت کو پکڑ کر فرمایا: یہ تہبند کی جگہ ہے اور اگر تم یہاں تک نہیں رکھنا چاہتے تو اس سے ذرا نیچے کرلو اور اگر اس سے اور نیچے کرنا چاہتے ہو تو ٹخنوں سے نیچے تہبند کو لٹکانے کا کوئی حق نہیں ہے۔[415]

اور ابوداؤد شریف میں ابن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[414] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین ج۱۰ ص۲۴۲ المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

[415] (مرقات ج۸ ص۱۶۹، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ، پشاور)

نعم الرجل خریم الاسدی لولا طول جمته واسبال ازاره فبلغ ذلک خریما فجعل فاخذ شفرة فقطع بها جمته الی أذنیه ورفع ازاره الی انصاف ساقیه۔

آپ ﷺ نے فرمایا خریم اسدی بہت اچھا شخص ہے اگر اس کے سر کے بال بڑے نہ ہوتے اور تہبند نیچا نہ ہوتا، جب یہ خبر خریم اسدی کو پہنچی تو چھری لے کر بال کاٹ ڈالے اور کانوں تک کر لئے اور تہبند کو آدھی پنڈلی تک اونچا کر لیا۔[416]

درج بالا روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عمر جیسے صحابی کہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے خود فرمایا:

نعم الرجل عبد اللہ۔

عبد اللہ بہت ہی اچھا شخص ہے۔[417]

حضرت خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنا تہبند اونچا کرو جو اس وقت ٹخنوں سے نیچے تھا اور اتنا زیادہ اونچا کرا دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا اور اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ وہ آدھی پنڈلی تک رہتا۔

درج بالا حدیث سے ان باتوں کا استنباط ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان صحابہ کو تہبند اونچا کرنے کا جو حکم دیا تو کیا ان کے دل میں تکبر تھا؟ کیونکہ تہ بند نیچے کرنا متکبرین کی نشانی ہے، اور اگر ان کے دل میں تکبر نہیں تھا تو آپ ﷺ نے ان کو تہبند لٹکانے کی رخصت کیوں عطا نہیں فرمائی جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرما کر رخصت دی تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

---

[416] (ابو داؤد شریف، کتاب الباس ص ۵۶۲) (المستدرک علی الصحیحین، ج۵ ص ۱۱۹)

[417] (بخاری، ص ۱۵۱، ج ۱، باب التهجد، نور محمد کراچی)

دوسری بات یہ کہ جب آپ ﷺ نے بار بار عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کو جو تہبند اوپر کرنے کا حکم فرمایا، اگر عام حالت سے اوپر کرنے کے لئے فرمان نبوی ﷺ کے موافق بار بار اوپر چڑھانا (سمیٹنا اور اڑسنا) مکروہ ہے تو پھر تو ان صحابہ نے بھی **(نعوذ باللہ!)** مکروہ کام کیا کیونکہ اس عمل کو بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب کے حکم میں داخل مان کر مکروہ قرار دیا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہو گا کہ جب عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کا اس طرح اپنے کپڑے کو سمیٹنا اور اڑسنا مکروہ ہے تو آپ ﷺ کی موجودگی میں مکروہ کام ہو رہا ہے اور آپ ﷺ اس کو منع نہیں فرما رہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی خلاف شرع کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ کمزور ایمان کی نشانی ہے۔

معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کے دل میں تکبر نہ تھا پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو بار بار کپڑا اٹھانے کا حکم دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا، اسی طرح ان صحابہ کا اپنے تہبند کو اوپر اٹھانا (اڑسنا، سمیٹنا) بھی مکروہ نہیں تھا ورنہ آپ ﷺ ضرور ان کو اس طرح کرنے سے منع فرماتے۔

درج بالا روایات سے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو اپنے آپ کو سچا عاشق رسول ﷺ کہتے ہیں اور شلوار کو فرمان نبوی ﷺ اور سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں اور جمہور صحابہ کے عمل کو پس پشت ڈال کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تخصیصی عمل کو دلیل بنا کر مکروہ کام کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اب ہم ذیل میں وہ روایات نقل کرتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو تہبند (شلوار وغیرہ) ٹخنوں سے اونچا رکھنے کا حکم دیتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی ہستیوں کے بارے میں ہم بدگمانی نہیں کرسکتے کہ ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی تکبر تھا اس لئے ایک دوسرے کو اس کام کا حکم دیتے تھے تاکہ کراہت تحریمی سے (بوجہ خیلاء، تکبر) بچیں۔ (نعوذباللہ من ذلک)

امام بخاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ فلما ادبر اذا ازارہ یمس الارض قال ردوا علی الغلام قال یا ابن اخی ارفع ثوبک فانہ انقی لثوبک واتقی لربک۔

ایک لڑکا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا۔ جب واپس جانے لگا، اس کا ازار زمین کو چھو رہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو واپس بلاؤ۔ پھر اس سے فرمایا: اے بھتیجے، اپنا کپڑا (ازار یا شلوار) اوپر کر۔ بے شک یہ تیرے کپڑے کے لئے پاکیزگی اور صفائی ہے اور تیرے ربّ کے لئے تقویٰ ہے۔[418]

۲۔ عن جبير بن مطعم أنه كان جالساً مع ابن عمر اذ مر فتى شاب عليه حلة صنعانية يجرها مسبل قال: يافتى هلم قال له الفتى: ما حاجتک یا أباعبدالرحمٰن قال: ويحک أتحب أن ينظر الله اليک يوم القيامة قال: سبحان الله وما يمنعنى أن لا أحب ذلک قال: سمعت رسول الله ﷺ [يقول] لا ينظر الله الى عبد يوم القيامة يجر ازاره خيلاء قال: فلم ير ذلک الشاب الا مشمراً حتى مات بعد ذلک اليوم۔[419]

---

[418] (بخاری ص ۵۲۴، ج ۱، کتاب المناقب، باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفان، نور محمد کراچی)
[419] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۴)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان صنعانی لباس پہنے ازار کو زمین پر گھسیٹے ہوئے گزرا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے نوجوان یہاں آؤ! اس نے کہا: اے ابو عبد الرحمن کیا بات ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو برباد ہو، کیا تجھے پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے نظرِ رحمت سے دیکھے؟ اس نوجوان نے کہا: پاک ہے اللہ۔ مجھے کس نے منع کیا ہے کہ میں اسے پسند نہ کروں؟ تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے ازار کو تکبراً گھسیٹتا ہو۔ پھر اس نوجوان کو مرتے دم تک اپنے ازار کو اونچا رکھتے دیکھا گیا۔

عن أبي الحجاج بن سعيد الثقفي عن رجل من قومه قال: مر برسول الله ﷺ رجل يجر ازاره فقال رسول الله ﷺ: ارفع ازارك فان الله عز وجل لا يحب المسبلين فقال: ان بساقي حموشة فقال رسول الله ﷺ: ما بازارك أقبح ما بساقك۔[420]

ترجمہ: حجاج بن سعید ثقفی اپنی قوم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس سے اپنا ازار لٹکائے ہوئے گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنا ازار اونچا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ازار لٹکانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس شخص نے کہا میری پنڈلی میں زخم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو برائی تیرے ازار لٹکانے میں ہے وہ تیرے پنڈلی کے زخم سے زیادہ بری ہے۔

۳۔ أخبرنا أبو بكر الفارسي أنا أبو اسحاق الأصبهاني ثنا أبو أحمد بن فارس ثنا محمد بن اسماعيل قال: وقال خطاب الحمصي ثنا بقية عن مسلم بن زياد قال: رأيت أربعة من أصحاب

[420] (شعب الایمان ج۵ ص ۱۴۶)

النبی ﷺ أنس بن مالک وفضالة بن عبید و أبا المنیب وفروخ بن سیار بن فروخ یرخون العمائم من خلفھم وثیابھم الی الکعبین۔[421]

ترجمہ: مسلم بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے چار اصحاب، حضرت انس بن مالک، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت ابو منیب، اور فروخ بن سیار بن فروخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، کو دیکھا کہ وہ اپنے عمامے (کے شملے) اپنی پیٹھ پر ڈالتے اور اپنے ازار کو ٹخنوں تک رکھتے۔

عن الأشعث بن سلیم عن عمته عن عمھا قال: بینما أنا أمشی فی سکة من سکک المدینة اذ نادانی انسان من خلفی: ارفع ازارک فانه أتقی و أنقی قال: فنظرت فاذا ھو رسول الله ﷺ فقلت: یا رسول الله انما ھی بردة ملحاء قال: أما لک فیّ أسوة فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقه۔[422]

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا "ارفع ازارک فانه اتقی و ابقی" اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[421] (شعب الایمان، ج۵، ص ۱۷۶)

[422] (شعب الایمان ج۵ ص ۱۵۰)

دخل شابٌ علیٰ عمر، فجعل الشاب یثنی علیه، قال: فرآه عمر یجر ازارہٗ، فقال: له: یا ابن أخی، ارفع ازارک، فانّه اتقیٰ لربک و انقی لثوبک، قال: فکان عبد اللہ یقول: یا عجباً لعمر أن رأی حق اللہ علیه، فلم یمنعه ماھو فیه أن تکمل به۔[423]

ایک نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرنا شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اس نے اپنے ازار کو (ٹخنے سے نیچے) لٹکایا ہوا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: اے میرے بھائی کے بیٹے! اپنے ازار کو اوپر کرو، یہ تمہارے رب کے نزدیک تقویٰ میں بہتر اور تمہارے کپڑے کے لئے زیادہ صفائی کا باعث ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی عجیب شخصیت تھی کہ اگر اپنے اوپر اللہ کا حق دیکھتے تھے تو ان کو وہ چیز جو ان کے اندر تھی (یعنی کسی کی تعریف وغیرہ کرنا) اللہ کے حق کی ادائیگی میں کلام کرنے سے مانع نہیں ہوتی تھی ایک اور روایت میں ہے۔

عن خرشة بن الحر قال: رأیت عمر بن الخطاب و مر به فتی قد أسبل إزاره وھو یجره، فدعاه فقال له: أحائض أنت؟ قال: یا أمیر المؤمنین! وھل یحیض الرجل؟ قال: فما بالک قد أسبلت إزارک علی قدمیک، ثم دعا بشفرة ثم جمع طرف إزاره فقطع ما أسفل الکعبین؛ وقال خرشة: کأنی أنظر إلی الخیوط علی عقبیه۔

ترجمہ: حضرت خرشہ بن الحر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ان کے پاس سے ایک نوجوان گزرا جس کا تہبند گھسٹ رہا تھا اور وہ اسے گھسیٹے جارہا تھا تو آپ نے اسے بلا کر کہا: کیا (عورتیں کی مخصوص بیماری) حیض سے ہو؟ اس نے کہا: امیر المومنین! کیا مرد کو بھی حیض آتا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو کیا وجہ ہے کہ تم

---

[423] (مصنف ابن ابی شیبة حدیث ۲۵۳۱۲ کتاب اللباس باب فی جرّ الازار وما جاء فیه، ومکتبة امدادیة ملتان ج۶ ص ۲۷ رقم ۱۰)

نے اپنا ازار اپنے پیروں پر ڈال رکھا ہے۔ پھر چھری منگوائی اور اس کا ازار مٹھی میں پکڑ کر ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیا، خرشہ فرماتے ہیں: گویا میں دھاگوں کو اس کی ایڑیوں پر دیکھ رہا ہوں۔[424]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری لکھتے ہیں:

ان الاسبال یستلزم جر الثوب و جر الثوب یستلزم الخیلاء و لو لم یقصد اللباس الخیلاء ویؤید ما رواہ ابن عمر مرفوعا الی النبی ﷺ قولہ: وایاک و جر الازار فان جر الازار من المخیلۃ۔[425]

یعنی اسبال کے ساتھ کپڑے لٹکانا لازم ہے اور کپڑے لٹکانے کے ساتھ تکبر لازم ہے اگرچہ کپڑے پہننے والے کی نیت تکبر کی نہ ہو اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ ﷺ سے مرفوع روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کہ یہ تکبر کی علامت اور نشانی ہے۔

حضرت جابر بن سلیم کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

قال النبی ﷺ ایاک و اسبال الازار فان اسبال الازار من المخیلۃ و لا یحبھا اللہ۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری لکھتے ہیں:

قال ابن العربی: لا یجوز للرجل ان یجاوز بثوبہ کعبہ ویقول لا اجرّہ خیلاء لان النھی قد تناولہ لفظا و لا یجوز لمن تناولہ اللفظ حکما ان یقول لا امتثلہ لان تلک العلۃ لیست فیّ فانھا دعویٰ غیر مسلمۃ بل اطالتہ ذیلہ دالۃ علی تکبرہ۔

---

[424] (جامع الاحادیث، رقم: ۳۰۰۵۸، بیہقی، کنز العمال، رقم: ۴۱۸۸۷، ج، ۱۵، ص، ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[425] (فتح الباری، ص ۳۷۷ ج ۱۲ کتاب اللباس، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

ابن عربی نے کہا: کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے رکھے اور یہ کہے کہ میں اس کو تکبر کی نیت سے نہیں لٹکاتا کیونکہ ممانعت اس کو بھی لفظاً شامل ہے، اور ہر اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ جس کے کسی کام کے ساتھ ممانعت لفظی طور پر شامل ہو کہے کہ میں اس ممنوع کام کا مرتکب نہیں ہوں کیونکہ مجھ میں ممانعت کی وہ علت نہیں پائی جاتی (اس کہنے کے باوجود) اس کا یہ دعویٰ باطل اور غیر تسلیم شدہ ہے بلکہ اس کا اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے سے لٹکانا اس کے تکبر (متکبر ہونے) کی علامت ہے۔

درج بالا دلائل سے معلوم ہوا آپ ﷺ نے تہبند (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو تکبر کی نشانی قرار دیا اگرچہ اس کی نیت تکبر کی نہ ہو اور آپ ﷺ نے اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ قرار دیا اگرچہ متکبرین دعویٰ کریں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے:

عن عمرو بن شريد قال ابعد (ابصره من بعد) رسول الله ﷺ رجلا يجر ازاره فأسرع اليه او هرول فقال: ارفع ازارک واتق الله قال انی احنف تصطک رکبتای، فقال: ارفع ازارک فان کل خلق الله عزو جل حسن فما رؤی ذلک الرجل بعد الا ازاره يصيب انصاف ساقيه او الی انصاف ساقيه۔[426]

عمر بن شرید نے کہا آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دور سے دیکھا جو اپنے ازار (تہبند) کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکائے ہوئے جا رہا تھا آپ ﷺ اس کی طرف دوڑ کر گئے اور فرمایا۔ اپنے تہبند کو اونچا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے کہا میرے پاؤں ٹیڑھے (بدصورت) ہیں اس سے میرے گھٹنے چھپ

---

[426] (مسند احمد، فتح الباری، ص ۳۷۸ ج ۱۲، کتاب اللباس، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ازار کو اونچا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق (انسان) خوبصورت ہے، اس کے بعد وہ آدمی جب بھی دیکھے گئے تو ان کا ازار آدھی پنڈلی تک ہوا کرتا تھا۔

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر یہ نہیں فرمایا: کیا تم تکبر کی نیت سے اس طرح کرتے ہو؟ اگر وہ جواب دیتے کہ ہاں تو آپ ﷺ اس کو منع فرماتے ورنہ رخصت عطا فرماتے کہ جب تکبر نہیں تو ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ اس حدیث میں صراحتاً موجود ہے کہ اس صحابی نے تکبر کی نفی فرما کر پاؤں کی بدصورتی کی علت کا تذکرہ کیا مگر پھر بھی آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ اپنے ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھو، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شلوار کو مطلقاً ٹخنوں سے نیچے رکھنا تقویٰ کے منافی اور ممنوع ہے۔

مفتی ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی صحیح بخاری کے باب "من جر ثوبه من الخيلاء" کے تحت لکھتے ہیں: نسائی اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا جو اپنے کپڑے کو براہ تکبر گھسیٹے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، چونکہ حدیث میں لفظ "من" عام تھا جو مرد و عورت دونوں کو شامل ہے تو اس سے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ عورتیں بھی اس میں داخل ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ عورتیں اپنے دامنوں کے ساتھ کیا کریں؟ فرمایا ایک بالشت لٹکائیں، عرض کیا کہ اتنے سے ان کے قدم کھل جائیں گے؟ فرمایا ایک ہاتھ لٹکائیں اس سے زیادہ نہ کریں۔

یہاں ایک بات یہ قابل غور ہے کہ عورتیں اپنے دامن کو تکبراً نہیں لٹکاتی تھیں بلکہ اپنے قدموں کو چھپانے کے لئے لٹکاتی تھیں جو فرض ہے تو اگر ازار کا تکبراً ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ممنوع ہوتا تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس سوال کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی، اس سے

سمجھ میں آیا کہ ٹخنوں کے نیچے تہبند لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ براہ تکبر نہ ہو جیسا کہ علامہ نووی نے افادہ فرمایا۔[427]

اب دور حاضر میں فیشن اور فخر سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے اہل علم و عوام نے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غیر اختیاری فعل کو اپنے لئے دلیل بنالیا ہے یہ بھی ان لوگوں کے تکبر کی ایک بہت بڑی نشانی ہے کیونکہ اگر ان لوگوں کو ثواب کمانا ہوتا اور شریعت پر چلنے میں خوشی محسوس کرتے تو ان تمام دلائل کو مد نظر رکھتے جن میں آپ ﷺ کا عمل اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اور ایک دوسرے کو تہبند اور شلوار اونچا کرنے کا حکم موجود ہے، اور علامہ مفتی ہند مفتی شریف الحق امجدی صاحب کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے نہ کہ تکبر کی نیت ہے۔

آدھی پنڈلی تک تہبند (شلوار وغیرہ) اونچا کرکے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا فرشتوں کی سنت ہے: دور حاضر میں کپڑے لٹکانے والے حضرات اپنے تکبر کو برقرار رکھنے اور سنت نبوی ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے لئے یہ جواز ڈھونڈتے ہیں کہ شلوار کو آدھی پنڈلی تک اٹھانا اچھا نہیں لگتا اور یہ اس لئے مکروہ ہے کہ جب کوئی اس حال میں دنیاوی اشراف کے پروگراموں میں ان کے سامنے نہیں جاسکتا تو اس لباس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا بھی نامناسب اور مکروہ ہے حالانکہ ان لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جس لباس کو یہ لوگ مکروہ اور بدمذہب سے مشابہ قرار دیتے ہیں عین وہی لباس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے فرشتوں کا لباس ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں:

---

[427](نزھۃ القاری ص ۵۱۹، ج۵، کتاب اللباس فرید بک اسٹال لاھور)

عن بریدة قال قال رسول اللهﷺ: اتزروا کما رأیت الملائکة تتزر عند رب العالمین، قالوا: کیف تتزر الملائکة عند رب العالمین؟ قال الی انصاف سوقها۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح تہبند (شلوار وغیرہ) باندھا کرو جس طرح میں نے فرشتوں کو رب العالمین کی بارگاہ میں باندھے دیکھا ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا فرشتے کیسے ازار باندھے ہوئے تھے؟ فرمایا: آدھی پنڈلی تک۔

عن عبد اللہ بن عبید بن عمیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لأصحابه ارفعوا أزرکم ارفعوا ارفعوا قال فرفعوها إلی رکبهم ثم قال اخفضوا اخفضوا اخفضوا فخفضوها إلی أنصاف سوقهم ثم قال إني رایت الملائکة و لباسهم هکذا أو أزرهم هکذا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا: اپنے تہبندوں کو اونچا کرو، اونچا کرو، راوی فرماتے ہیں کہ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے گھٹنوں تک اونچے کر لیے، پھر فرمایا: نیچے کرو، نیچے کرو، تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی نصف پنڈلیوں تک کر لیے، پھر فرمایا: میں نے فرشتوں کو اوران کے لباس کو اسی طرح دیکھا یا ان کے تہبندوں کو اسی طرح دیکھا۔[428]

متکبرین کے لئے آنسو بہانے کا مقام عبرت: درج بالا احدیث کو دیکھ کر وہ حضرات (علماء و خواص) اپنے کئے اقوال و اعمال پر پشیمان و رنجیدہ ہو کر سر بسجود ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔ جنہوں نے آج تک سنتِ نبوی ﷺ کی مخالفت بھی کی اور دوسروں کے لئے بھی مانع رہے اوراپنے عمل اوراپنے عمل کے درست ہونے کے دلائل بھی دیئے جو کہ محض باطل ہیں حالانکہ

[428](مصنف عبدالرزاق، باب اسبال الازار، رقم: ۲۰۱۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یہی لباس جس کو یہ اہل علم باعث شرم و عار سمجھتے ہیں عین یہی لباس اللہ تعالیٰ کے نورانی و معصوم فرشتوں کا لباس ہے اور بارگاہ خداندی کے شایان شان بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی لباس نصیب فرمائے۔ آمین۔

سنت لباس

شیخ ابو المحاسن رکن الاسلام مفتی محمد بن ابو بکر حنفی المعروف، امام زادہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ قَمِيصًا كُمَّهُ إِلَى الرُّسْغِ وَيَلْبَسُ قَمِيصًا ذَيْلُهُ فَوْقَ الْكَعْبَيْنِ، مُسْتَوِيَ الْكُمَّيْنِ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ، فَعَلَى هَذَا تَقْصِيرُ الثِّيَابِ سُنَّةٌ۔

ترجمہ: اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی قمیص پہنتے اس کے بازو کلائی تک پہنتے، اور قمیص پہنتے اس کا دامن ٹخنوں کے اوپر ہوتا، بازو اپنی انگلیوں کے کناروں کے برابر رکھتے تھے، اسی وجہ سے کپڑوں کا لمبانہ کرنا سنت ہے۔[429]

حضرت علامہ قطب العارفین غوث الواصلین ابو سعید خادمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(تَقْصِيرِ الثِّيَابِ) إِذْ السُّنَّةُ جَعْلُهَا لِأَنْصَافِ السَّاقِ، وَهُوَ مُبَاحٌ إِلَى الْكَعْبِ وَمَا جَاوَزَهُ حَرَامٌ مَعَ الْخُيَلَاءِ مَكْرُوهٌ عِنْدَ فَقْدِهَا۔

ترجمہ: (کپڑوں کو لمبانہ کرنا) اس کو جب نصف پنڈلی تک بنانا سنت ہے، اور یہ ٹخنے تک جائز ہے اور تکبر کے ساتھ ٹخنے سے نیچے لٹکانا حرام ہے، بغیر تکبر کے مکروہ ہے۔[430]

---

[429] (شرعۃ الاسلام، فصل فی سنن اللباس واحبہ، ص، ۱۴۱، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت، بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، السادس والثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء، ج، ۳، ص، ۷۵، مکتبۃ العلوم الدینیۃ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[430] (بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، السادس والثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء، ج، ۳، ص، ۷۵، مکتبۃ العلوم الدینیۃ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

کیا شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا وہابیوں کی نشانی ہے؟

دور حاضر کے وہ اہل علم و عوام جو فیشن یا فخر کی وجہ سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں، استفسار کے بعد فرماتے ہیں کہ چونکہ اس طرح کرنا وہابیوں، دیوبندیوں کا طرز عمل ہے اس لئے ہم ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں بد مذہبوں کی مشابہت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، اب ہم اس بات کی ذرا وضاحت کرتے ہیں کہ کسی بد مذہب سے کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع ہے اور کن میں جائز، اور آیا ان متکبرین کا ایسا کہنا کہاں تک درست ہے، اور اس تشبیہ کے علاوہ ان متکبرین میں کوئی اور ایسے اعمال ہیں کہ جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ وہ کسی بد مذہب کی نشانیاں بھی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہو گا۔

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: یعنی جو شخص دنیا میں کفار، فاسق و بدکار کے سے لباس پہنے ان کی سی شکل بنائے کل قیامت میں ان کے ساتھ اٹھے گا، اور جو متقی مسلمانوں کی سی شکل بنائے ان کا لباس پہنے وہ کل قیامت میں ان شاء اللہ متقیوں کے زمرے میں اٹھے گا۔[431]

کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع اور حرام ہے:

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

431(مرعات شرح مشکوۃ، ج ۶ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی، کتب خانہ گجرات)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منح الروض میں فرماتے ہیں:

انا ممنوعون من التشبیہ بالکفرۃ و اھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من افعال الکفر و اھل البدعۃ فالمدار علی الشعار۔

"ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکیا گیا، خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہل بدعت کے، لہٰذا مدارِ کار شعار ہونے پر ہے"۔

اس تحقیق سے روشن ہو گیا کہ تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بد مذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعا کوئی حرج رکھتی ہو بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔"[432]

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

مسئلہ: جو ہیئت، جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لئے کفر ہے، جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان میں جنیئو باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا اور جو ہیئت و لباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لئے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ و نیکر، اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔[433]

---

[432](فتاویٰ رضویہ، ص ۵۳۴-۳، ج ۲۴، رضافائونڈیشن، لاھور)

[433](مرعات شرح مشکوٰۃ، ص ۱۱۰، ج ۵ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

مفتی شاہ محمد اجمل قادری لکھتے ہیں، در مختار اور البحر الرائق میں ہے:

التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیء بل فی المذموم و ما یقصد بہ التشبہ۔ اور شرح فقہ اکبر میں ھے: فانا ممنوعون من التشبہ بالکفرۃ و اھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من افعال الکفرۃ و اھل البدعۃ فالمدار علی الشعار۔

لہٰذا کفار کے ساتھ ہر بری بات میں اور جو ان کا شعار ہو اس میں تشبہ بقصد مشابہت ممنوع ہے۔

فقط، و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔[434]

درج بالا علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کی مشابہت اس وقت اور ان چیزوں میں کفر یا حرام ہے جب وہ مشبہ بہ کسی کافر و گمراہ فرقے کی مذہبی یا قومی علامت ہو اور وہ ان کے منشور میں درج ہو، اور اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو کسی اور شخص کو قیاس مع الفارق کر کے کسی پر الزام لگانا بھی کوئی کم جرم نہیں ہے۔

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنا منافقین کی نشانی ہے نہ کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا بد مذہبوں کی نشانی ہے: ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات حدیث "من تشبہ بقوم فھو منھم" کو سامنے رکھ کر اپنی قیاس آرائیوں کے ذریعے سنتِ نبوی ﷺ اور سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بد مذہبوں کی تشبیہ قرار دے کر اپنے نفس کی غلامی پر خوش ہو رہے ہیں مگر اس حدیث کی طرف التفات تک نہیں فرماتے کہ جس میں شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں:

434 (فتاویٰ جمیلیہ ص ۵، کتاب الخطر و الاباحۃ، شبیر برادز)

علامة المنافق تطویل سراویله فمن طول سراویله حتی یدخل تحت قدمیه فقد عصی الله ورسوله، ومن عصی الله ورسوله فله نار جهنم۔

منافق کی نشانی یہ ہے کہ اس کی شلوار لمبی ہوگی، جس نے اپنی شلوار اتنی لمبی سلوائی کہ وہ قدموں کے نیچے داخل ہو جاتی ہو تو اس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اور جس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔[435]

معلوم ہوا کہ آج کل جو خواص و عوام فیشن اور فخر کے لئے جو لمبی لمبی شلواریں سلواتے ہیں تو یہ اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی اور دوزخ میں جانے کا سامان ہے۔

کیا شلوار ٹخنوں سے اونچی رکھنا آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت نہیں؟

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا بظاہر یہ کہنا کہ چونکہ شلوار کو اونچی رکھنے میں وہابیوں سے تشبیہ آتی ہے اس لئے ہم اس سے قاصر ہیں (حالانکہ دل میں فخر اور فیشن کی بات ہوتی ہے جو ان کے طرز عمل سے معلوم ہو رہا ہے) تو کیا ان لوگوں کو اتنی تعداد میں درج بالا دلائل معلوم نہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچی رکھنا کسی بدمذہب قوم کی نشانی یا شعار نہیں بلکہ ہمارے آقا دو جہان محمد عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبوب سنت اور حسین ادا ہے، اور یہی عمل ان کی طرف سے مامور بہ بھی ہے جیسا کہ دلائل سے معلوم ہو چکا ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس محبوب سنت کو کسی بدمذہب کی نشانی قرار دیتا ہے تو ازروئے شریعت اس کا ایمان ضرور خطرے میں ہے، اور کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی ﷺ پر

---

[435] (کنز العمال، ص ۱۳۷، ج ۱۵، الفصل الثانی فی محظورات اللباس، الاکمال، البیروت)

عمل کرنے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم اسلام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سنت مصطفیٰ ﷺ کو ترک کریں ورنہ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ تو کیا احکامِ خداوندی پر بظاہر بہت سے گمراہ اور بے دین لوگ مسلمانوں سے بڑھ کر عامل ہیں تو کیا ان کی وجہ سے ہم فرائض کو بھی ترک کریں گے؟

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سنت کو کسی ناپسند گروہ یا جماعت کی مخالفت کی نیت سے کار ثواب سمجھ کر ترک کرے گا تو اس کا مرتکب جاہل، بدترین قسم کا بدعتی اور گمراہ ہے، اور اس عمل کے مرتکب علماء و خواص اور عوام سب کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے علی الاعلان مکروہ کام کی وجہ سے توبہ بھی علی الاعلان کریں۔

متکبرین پر ایک الزامی سوال:

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کے اس قول پر کہ ہم دیوبندیوں اور وہابیوں کے ساتھ تشبیہ سے بچنے کے لئے اس مکروہ کام کا ارتکاب کر کے خلاف سنت سنی کہلانے پر فخر تو کرتے ہیں مگر ان کی مشابہت نہیں کریں گے تو ان حضرات سے التماس ہے کہ کتب احادیث و سیرت میں آپ ﷺ کے موئے مبارک کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں (لمہ، جمہ، وفرہ) تو آج کل کے اہل علم حضرات کے جو سر کے بال آپ ﷺ کے موئے مبارک کی تین قسموں سے خارج ہیں تو یہ کس کی سنت اور طریقہ ہے کیونکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موئے مبارک تو ان تین قسموں کے اندر اندر تھے۔ تو کیا اس وقت ان کو حدیث "من تشبہ بقوم فھو منھم" یاد نہیں رہتی کہ انگریزوں (غیر مسلموں) کے طرز پر بال رکھ کر فرائض وواجبات ادا کرتے ہیں تو کیا اس تشبیہ سے ان کی نمازوں، دیگر اعمال اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے دعوؤں میں کوئی کراہت اور

نقصان نہیں آتا حالانکہ عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی ہر ادا محب اور عاشق کے لئے تسکین کا سامان ہے۔

غیر اسلامی (انگریزی) بال رکھنا کفار اور فساق سے تشبیہ کی بناء پر ممنوع و ناجائز ہے:

امام احمد رضا خان محدث بریلوی لکھتے ہیں: بالوں کی نسبت شرع مطہر میں دو طریقے آئے ہیں: ایک یہ کہ سارے سر پر رکھیں اور مانگ نکالیں، یہ خاص سنت حضور سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہے، حج و حجامت یعنی پچھنوں کی ضرورت کے سوا حضور والا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حلق ثابت نہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اس مدت میں صرف تین بار یعنی سال حدیبیہ و عمرہ القضاء و حجۃ الوداع میں حلق، علی مانقلہ علیّ القاری فی جمع الوسائل عن بعض شراح المصابیح (جیسا کہ ملا علی قاری نے مصابیح کے بعض شارحین سے جمع الوسائل میں نقل کیا ہے) دوسرے یہ کہ سارا سر منڈائیں، یہ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عادت تھی وہ جناب بخوف کہ مبادا نہانے میں کوئی بال پانی بہنے سے باقی نہ رہ جائے حلق فرمایا کرتے، ان کے سوا جتنے طریقے ہیں سب خلاف سنت، اور یہ نئی نئی تراشیں مثلاً ایک ایک انگل کے بال رکھنا جب اس سے بڑھیں کتروا دینا یا آگے سے بڑے پیچھے سے کترے ہوئے۔۔۔۔۔ یہ باتیں مخالف سنت و خلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں جن کی مشابہت سے مسلمانوں کو بچنا چاہیئے۔[436]

مفتی جلال الدین احمد امجدی لکھتے ہیں:

انگریزی اور ہپی کٹ بال رکھنا مکروہ و ناجائز ہے کہ کافروں اور فاسقوں کا طریقہ ہے، **وھو تعالیٰ اعلم۔**[437]

---

[436] (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲، ص ۵۷۷، رضا فائونڈیشن لاھور)

[437] (فتاویٰ فیض الرسول، ص ۵۵۶، ج ۲ شبیر برادرز لاھور)

درج بالا عبارات اہلسنت بلکہ امام اہلسنت سے معلوم ہوا کہ دیوبندیوں اور وہابیوں سے تشبیہ کی رٹ لگانے والے اہل علم و تصوف کا عمل بالوں کے حوالے سے کس کے مشابہ ہے؟ آیا سید المرسلین ﷺ یا مولی علی رضی اللہ عنہ کے یا پھر ان حضرات اور اسلام دشمن کافر اقوام کے؟ کیا ان حضرات کو اس طرح بال رکھتے ہوئے یہ تشبیہ یاد نہیں رہی کہ اس طرح بال رکھنا بقول محدث بریلوی ”مخالف سنت و خلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں“ جبکہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنے میں کسی کفار کی تشبیہ لازم نہیں آتی بلکہ عین سنت آقا دو جہان ﷺ اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

محبوبان خدا کی نقل اتارنے والوں کو اللہ تعالیٰ نجات عطاء فرماتا ہے:

دلائل کثیرہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا امام الانبیاء محمد عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے محبوب و محب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے تو اس پر عمل کرنا ہی مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے نہ کہ کسی شخص کی وجہ سے اس کی مخالفت کرنا، کیونکہ کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے سے وہ سنت گمراہی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ وہ گمراہ شخص بھی اللہ والوں کی اس ادا پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آکر ظاہری نجات پالیتا ہے اور کبھی کبھی وہ نجات معنوی کا بھی سبب بن جاتا ہے اگرچہ کہ اس کی نیت اللہ والوں کی نقل اتارنے کی ہو۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تشبہ والی حدیث کی شرح میں ایک واقعہ لکھا ہے، لکھتے ہیں:

وقد حکی حکایة غریبة ولطیفة عجیبة، وھی انه لما اغرق اللہ سبحانه فرعون وآله ولم یغرق مسخرته الذی کان یحاکی سیدنا موسیٰ علیه الصلوة والسلام فی لبسه وکلامه ومقالاته فیضحک فرعون وقومه من حرکاته وسکناته، فتضرع موسیٰ الی ربه: یا ربّ ھذا

کان یؤذینی اکثر من بقیة آل فرعون، فقال الرب تعالیٰ: ما اغرقناہ فانه کان لابسا مثل لباسک، و الحبیب لا یعذب من کان علی صورت الحبیب۔

ترجمہ: حکایت: غرق فرعون کے دن سارے فرعونی ڈوب گئے مگر فرعونیوں کا بہروپیا بچ گیا، موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: مولیٰ یہ کیوں بچ گیا؟ فرمایا: اس نے تمہارا روپ بھرا ہوا تھا اور ہم محبوب کی صورت والے کو بھی عذاب نہیں دیتے۔[438]

یہی واقعہ روح البیان جلد ۴، ص ۱۳۷ پر تفصیلاً مروی ہے۔

مسلمان کو چاہیئے کہ نماز روزے وغیرہ عبادات میں اچھوں خصوصاً اچھوں سے اچھے یعنی محبوب صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی نقل کرنے کی نیت کرے، دل لگے یا نہ لگے شکل تو حضور کی سی بن جاتی ہے۔[439]

تکبر اور وہابیوں سے تشبہ کی رٹ لگانے والوں کے لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت

درج بالا واقعہ لکھنے کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ سے یوں نتیجہ اخذ فرماتے ہیں:

فانظر من کان متشبها بأهل الحق علی قصد الباطل حصل له نجاة صوریة و ربما ادت الی النجاة المعنویة فکیف بمن یتشبه بأنبیائه و اولیائه علی قصد التشرف و التعظیم و غرض المشابهة الصوریة علی وجه التکریم۔

---

[438] (مرقاۃ المفاتیح، ص ۱۵۵، ج۸، کتاب اللباس، الفصل الثانی، حقانیہ پشاور)

[439] (مرعات شرح مشکوۃ ج ۶، ص ۱۱۰، کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

یعنی ان لوگوں کو دیکھیں کہ جو اہل حق (اللہ والوں) کی بری نیت سے نقل اتارتے ہیں پھر بھی ان کو ظاہری نجات ملتی ہے، اور کبھی کبھی یہ نجات ظاہری نجات معنوی (ہدایت) کا سبب بن جاتا ہے، تو لوگوں کا کیا حال ہو گا، جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء و اولیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نقل ان کی تعظیم اور شرافت کی نیت سے اتارتے ہیں اور انکی یہ ظاہری مشابہت تکریم کے لئے ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا محبوبانِ خدا اور خاص کر محبوبِ خدا ﷺ کا شیوہ اور عمل ہے (اگرچہ کہ اس پر کوئی بھی عمل کرے) اور جو مسلمان ان کی نقل اتارتے ہیں تو وہی لوگ ہدایت پر ہیں اور جو (دل نہ خواہد بہانہ بسیار کے طور پر) اس سنت پر عمل نہیں کرتے تو خود بھی اس سعادت سے محروم اور دوسروں کے سامنے محبوب ﷺ کے محبوب عمل کو مکروہ کی شکل میں پیش کر کے منع کرنے کی حیثیت سے "مناع اللخیر" کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

لہٰذا ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والوں کا یہ کہنا کہ "ہم اس لئے شلوار کو ٹخنوں سے اونچا نہیں رکھتے ہیں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے اور یہ بد مذہبوں کے ساتھ تشبیہ ہے" اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ فرض محال اگر تکبر نہ بھی ہو تو پھر بھی شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کو فقہاء اسلام اور علماء اہل سنت نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ تشبیہ نہیں ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے ورنہ یہ لوگ اپنے انگریزی اور فاسقوں کے مشابہ بال کاٹ کر بقول امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دو قسم شرعی بال (زلفیں رکھنے یا گنجا ہونے) پر عمل کر کے اپنے سنی ہونے کا علمی ثبوت دیں۔

اچھی نیت سے مکروہ کام غیر مکروہ اور مستحسن قرار دیا جاتا ہے

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا کف ثوب ہے اور یہ نماز کے لئے مکروہ ہے (اگرچہ ہم نے دلائل قاہرہ، باہرہ قویہ سے ان کا رد کر دیا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے یعنی اس طرح کوئی کراہت نہیں آتی جس سے نماز واجب الاعادہ ہو) تو ہم تھوڑی دیر کے لئے ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا مکروہ ہے لیکن ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں اور کوئی بھی معلوم کر سکتا ہے کہ اس طرح عمل کرنے والا یہ کام کیوں کرتا ہے؟ وہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ طرز سادگی کا ہے اور اس میں اس حرام اور مکروہ تحریمی کام (لباس کا ٹخنوں کے نیچے ہونا جو جہنم کے عذاب کا سبب ہے) سے بچنا ہے اور اس سے ان کے دل میں خشوع کی نیت ہوتی ہے، اور یہ بھی فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کام مکروہ ہو تو اس کو اچھی نیت سے کرنے کی وجہ سے وہ کراہت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کام مستحسن بھی قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ ان متکبرین نے خود بھی ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے کو عدم تکبر کی نیت کی وجہ سے مکروہ تحریمی سے مکروہ تنزیہی تک لے آئے۔

شرح وقایہ میں ہے:

وصلوٰته حاسراً رأسه او للتهاون۔۔۔ لا للتذلل۔

یعنی سُستی اور بے رغبتی سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ عاجزی کے طور پر۔[440]

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وتكره الصلاة وهو مكشوف الرأس۔۔۔ لما فيه من ترك الوقار اذ لا يكره للتذل والتضرع لله تعالیٰ ويستحب له ذلك۔

[440] (شرح وقایہ ص ۱۹۷، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیها، المصباح لاہور)

ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں وقار کو ترک کرنا آتا ہے، اور عاجزی اور تواضع کے لئے مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔[441]

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: برہنہ سر نماز پڑھنا اگر بقصد عجز و انکسار نہ ہو تو مکروہ ہے۔[442]

درج بالا فقہاء کرام کے علاوہ جم غفیر فقہاء احناف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے مگر عاجزی، تواضع اور انکساری کی نیت سے مکروہ نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اگر کوئی شخص کسی مکروہ کو اچھی نیت سے کرے تو اس کی کراہت ختم ہو کر اس میں پسندیدگی آجاتی ہے۔ (یہ قاعدہ عام نہیں ہے کہ کوئی بھی اس کو کسی ایک مکروہ پر حمل کر دے جو کبھی ممدوح قرار نہیں دیا جاسکتا)۔

خلاصہ کلام:

الحاصل یہ کف ثوب اور لف ثوب نماز کے لئے مکروہ تحریمی نہیں ہے اور نہ ہی علاوہ نماز کے مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ فقہاء احناف کے ہاں کف ثوب کی تعریف میں داخل نہیں اور جس کو مکروہ قرار دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو اٹھایا جائے اور وہ بھی مذکورہ علتوں کی وجہ سے مکروہ ہے اور وہ بھی مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، اور اگر وہ علتیں بھی ختم جائیں تو کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اسی کیفیت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز جائز اور صحیح ہے، مکروہ تحریمی یا واجب الاعادہ نہیں ہے، البتہ تکبر کی وجہ سے یا کسی ناپسندیدہ جماعت یا گروہ کی مخالفت کی وجہ سے شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اور اس کو کار ثواب اور اچھا عمل سمجھنا اور اسی

---

[441] (امدادالفتاح، ص ۳۸۸، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز)
[442] (فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۱۹۸ باب مکروہات الصلوٰۃ، مکتبہ رضویہ کراچی)

حالت میں نماز پڑھنا ضرور ناجائز، گناہ، حرام، بدعت اور گمراہی ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے، لہذا اس عمل سے اجتناب واجب اور لازمی ہے۔

تمام مؤمن مسلمانوں سے گزارش ہے کہ شلوار پہننے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ بجائے لمبی شلوار پہن کر اور بعد میں اسے اونچا کرنے کے، درزی سے کہہ کر شلوار چھوٹی سلوائیں تاکہ ٹخنے ہمیشہ کھلے رہیں۔ کیونکہ پاجامے یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے اور وہ دیدارِ خداوندی سے محروم ہوگا۔ اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ٹخنوں کو ننگے رکھنے کا خاص خیال رکھیں۔ [443]

فصل در بیان
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے روضۂ اقدس کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ اقدس میں مواجہ شریف کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت اور حرام ہے حالانکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مواجہ شریف کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اعتراض کرنا زندیقیت ہے۔

قبر انور پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے:

[443] (بحوالہ اصدق المقال فی کف الازار والاکمام والاذیال وجزاء الاسبال مصنف مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت فتاویٰ عالمگیری سے نقل کی تھی "ویقف کما یقف فی الصلوۃ ویمثل صورته الکریمة البهیة کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه" یہ عبارت دیگر فقہاء احناف نے بھی نقل کی ہے۔

امام عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ لکھتے ہیں:

ویقف کما یقف فی الصلوۃ ویمثل صورته الکریمة البهیة کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه۔

ترجمہ: روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔[444]

نیز امام عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ لکھتے ہیں:

ثم یقف عند وجهه مستدبر القبلة ویصلی علیه ما شاء۔[445]

امام عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان افندی متوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

ویقف کما یقف فی الصلاۃ ویقول السلام علیک ایها النبی ورحمة اللہ وبرکاته السلام علیک یا رسول اللہ۔[446]

احناف کے مستند عالم علامہ شیخ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

---

[444] (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[445] (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[446] (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر مسائل منثورۃ فی کتاب الحج ج ۱ ص ۳۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ثم انهض متوجها الی القبر الشریف فتقف بمقدار اربعة اذرع بعیدا عن المقصورة الشریفة بغایة الادب مستدبر القبلة محاذیا لراس النبی ﷺ و وجهه الاکرام ملاحظا نظره السعید الیک و سماعه کلامک و رده علیک سلامک و تامینه علی دعائک۔[447]

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

(ثم تنهض) ای تقوم الادب والمراد انه لا یتراخی وان کان بالتانی والتمهل قوله مستدبر القبلة ای کما هو السنة فی زیارة الاموات۔[448]

علامہ زکریا بن محمد بن احمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ لکھتے ہیں:

ثم وقف مستدبر القبلة مستقبل راس القبر الشریف۔[449]

علامہ شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی متوفی ۹۷۷ھ لکھتے ہیں:

ثم وقف مستدبر القبلة مستقبل راس القبر الشریف۔[450]

ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَنَّهُ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَالِمٌ بَحُضُوْرِکَ وَقِیَامِکَ وسَلَامِکَ ای بَلْ بَجَمِیْعِ اَفْعَالِکَ وَاَحْوَالِکَ وَارْتِحَالِکَ وَمَقَامِکَ۔

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال و کوچ و مقام سے آگاہ ہیں۔[451]

امام مجیر الدین عبدالرحمن بن محمد حنبلی علیمی متوفی ۹۲۷ھ لکھتے ہیں:

---

[447] (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۷۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[448] (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۷۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[449] (فتح الوهاب بشرح منهج الطلاب ج ۱ ص ۱۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[450] (الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع ج ص مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[451] (مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارة سید المرسلین ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ویاتی القبر الشریف من باب المقصورة القبلی فاذا وصل المقصورة استقبل وجهه الکریم ﷺ وذلک بان یستدبر القبلة ویستقبل الجدار القبر الشریف علی نحو اربعة اذرع من الساریة التی فی زاویة المقصورة ویجعل القندیل علی راسه ولا یمس الجدار بیده ولا بشی من بدنه ویقف متادبا بین یدیه کما لو کان حیا مظهر الاحترامه ویستحضر فی نفسه ان رسول اللہ ﷺ عالم بحضوره وقیامه تجاهه وسلامه علیه وانه یجیب من سلم علیه من بعید فکیف بالقریب ویسلم علی رسول اللہ ﷺ ویصلی علیه۔[452]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سنت:

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو مصعب قال حدثنا مالک عن عبداللہ بن دینار انه قال رایت عبداللہ بن عمر یقف علی قبر النبی ﷺ فیصلی علی النبی ﷺ ویدعو لابی بکر وعمر رضی اللہ عنهما۔[453]

اسی طرح دوسرا نسخہ "المؤطا لامام مالک روایة یحییٰ بن یحییٰ اللیثی ج ۱ ص ۱۶۶ رقم الحدیث ۳۹۷ مطبوعه دار احیاء التراث مصر بتحقیق محمد فؤاد عبدالباقی" میں بھی یقف علی قبر النبی ﷺ کے الفاظ موجود ہیں۔

امام اسماعیل بن اسحاق القاضی متوفی ۲۸۲ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن عبداللہ بن دینار انه قال رایت عبداللہ بن عمر یقف علی قبر النبی ﷺ ویصلی علی النبی ﷺ وابی بکر وعمر رضی اللہ عنهما۔

---

[452] (الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل ج ۱ ص ۳۴۵ مطبوعه مکتبة دندیس الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۹ء عمان بتحقیق عدنان یونس)

[453] (المؤطا لامام مالک (روایة ابی مصعب الزهری المدنی) کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی الصلاۃ علی النبی ﷺ ج ۱ ص ۱۹۶ رقم الحدیث ۵۰۶ مطبوعه مؤسسة الرسالة بیروت الطبعة الثالثة ۱۹۹۸ء بتحقیق الدکتور بشار عواد معروف ومحمود محمد خلیل)

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حضور ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا اور وہ حضور ﷺ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر درود (وسلام) پڑھتے تھے۔[454]

فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی کے محقق غیر مقلد عبد الحق الترکمانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اسنادہ موقوف صحیح۔

یعنی اس کی سند موقوف صحیح ہے۔[455]

العلامہ محمد عابد بن احمد بن علی السندی الانصاری المدنی الحنفی متوفی: ۱۲۵۷ھ لکھتے ہیں۔

ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا، قَالَ: "مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَأْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ، وَتَجْعَلَ ظَهْرَکَ إِلَى الْقِبْلَةِ، وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ لِوَجْهِکَ، ثُمَّ تَقُولَ: السَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ"۔

ترجمہ: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر کے پاس قبلہ کی طرف سے آؤ اور اپنی پیٹھ کو قبلہ کی طرف پھیر دو اور اپنے چہرے کو آپ ﷺ کے قبر اطہر کے سامنے کر لو پھر کہو: السَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ"۔

اس حدیث شریف کی شرح میں شیخ محمد عابد سندھی لکھتے ہیں:

واستدبار القبلۃ واستقبال الوجہ الشریف مذھبنا و مذھب الجمھور العلماء۔ قال ابن الھمام و ماروی عن ابی اللیث یقف مستقبل القبلۃ فمردود بحدیث الباب و سبقہ ابن جماعۃ

---

[454] (فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۳۔ ۱۹۴ رقم الحدیث ۹۸ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولی ۱۹۹۶ء بتحقیق عبد الحق الترکمانی)

[455] (فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۳ تحت رقم الحدیث ۹۸ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولی ۱۹۹۶ء بتحقیق عبد الحق الترکمانی)

ومایدل علی أن استقبال الوجه مطلوب لاتفاق العلماء علی أنه ﷺ حی فی قبره،یعلم بزائره وهو ﷺ لو کان حیالم یأت زائره إلا لا ستقباله۔
وقد سأل المنصور مالکاً فقال: أستقبل القبلة وادعو، أم أستقبل رسول الله ﷺ ؟فقال مالک ولم تصرف وجهک عنه وهو وسیلتک ووسیلة أبیک آدم علیه السلام إلی الله یوم القیامة؟۔

ترجمہ: قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا اورآپ ﷺ مبارک کی قبر کی طرف منہ کرنا یہ ہمارا مذہب ہے اور جمہور علماء کا مذہب ہے علامہ ابن الہمام کہتے ہیں کہ جو روایت ابو اللیث کی طرف سے کی گئی ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرکے کھڑے ہونے کی ہے پس وہ مردود ہے اس حدیث کے باب سے۔ اورابن جماعۃ نے اس کی طرف سبقت کی ہے اور جو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ مواجہ شریف کی طرف چہرہ کرنا مطلوب ہے علماء کے اتفاق کی وجہ سے اس بات پر کہ آپ ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اورآپ ﷺ ہر آنے والے کو جانتے ہیں اورآپ ﷺ مبارک کی ظاہری زندگی میں نہیں آتے مگر آپ ﷺ کی طرف چہرہ کرکے آتے اور منصور نے امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا میں قبلہ کی طرف چہرہ کرکے دعا مانگوں یا آپ ﷺ کی طرف چہرہ کرکے دعا مانگوں؟ توامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور ﷺ سے اپنے چہرے کو کیوں پھیرتے ہو آپ ﷺ کی ذات بابرکات آپ کیلئے اورآپ کے باپ آدم علیہ السلام کیلئے وسیلہ ہے قیامت تک۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

اخبر نا ابو الحسن علی بن محمد بن علی المهر جانی ابن ابی علی السقاء بنیسابور وابو الحسن علی بن محمد بن علی المقری المهر جانی بها قالا انا الحسن بن محمد بن اسحاق ثنا یوسف بن یعقوب القاضی ثنا سلیمان بن حرب ثنا حماد بن زید عن ایوب عن نافع ان ابن عمر

كان اذا قدم من سفر دخل المسجد ثم اتى القبر فقال السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابتاه۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوتے پھر قبر انور کے پاس آکر فرماتے۔ **السلام علیک یا رسول اللہ! السلام علیک یا ابا بکر! السلام علیک یا ابتاہ۔**[456]

فضل الصلوة على النبى صلى الله عليه وآله وسلم لابن اسحاق قاضى کے محقق غیر مقلد عبد الحق الترکمانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اسناده موقوف صحيح۔

ترجمہ: اس کی سند موقوف صحیح ہے۔[457]

امام ابو بکر احمد بن الحسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

واخبرنا ابو احمد العدل انا ابو بكر بن جعفر المزكى ثنا محمد بن ابراهيم ثنا ابن بكير ثنا مالك عن عبد الله بن دينار انه قال رايت عبد الله بن عمر يقف على قبر النبى صلى الله عليه وآله وسلم ثم يسلم على النبى صلى الله عليه وآله وسلم ويدعو ثم يدعو لابى بكر وعمر رضى الله عنهما۔[458]

---

[456] (السنن الکبریٰ کتاب الحج باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۵ ص ۴۰۲ رقم الحدیث ۱۰۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۲۰۰۳ء بتحقیق محمد عبد القادر عطا) مزید تخریج: (۱):... اسی طرح امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے "مصنف عبد الرزاق باب السلام علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۳ ص ۵۷۶ رقم الحدیث ۶۷۲۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۳ھ بتحقیق حبیب الرحمن الاعظمی" میں (۲):... امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۸ رقم الحدیث ۱۱۷۹۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۹ھ بتحقیق کمال یوسف الحوت" میں (۳):... امام اسماعیل بن اسحاق القاضی متوفی ۲۸۲ھ نے "فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۱۰۰ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۶ء بتحقیق عبد الحق الترکمانی" میں روایت کیا ھے۔

[457] (فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۴ تحت رقم الحدیث ۱۰۰ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۶ء بتحقیق عبد الحق الترکمانی)

[458] (السنن الکبریٰ کتاب الحج باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۵ ص ۴۰۳ رقم الحدیث ۱۰۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۲۰۰۳ء بتحقیق محمد عبد القادر عطا)

امام اسماعیل بن اسحاق القاضی متوفی ۲۸۲ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنی اسحاق بن محمد قال ثنا عبداللہ بن عمر عن نافع ان ابن عمر کان اذا قدم من سفر صلی سجدتین فی المسجد ثم یاتی النبی ﷺ فیضع یدہ الیمین علی قبر النبی ﷺ ویستدبر القبلۃ ثم یسلم علی النبی ﷺ ثم علی ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تو مسجد میں دو رکعتیں پڑھتے پر حضور ﷺ (کی قبر انور) کے پاس آتے تو اپنا دایاں ہاتھ حضور ﷺ کی قبر انور پر رکھتے اور قبلے کی طرف پیٹھ کرتے پھر حضور ﷺ پر سلام کہتے پھر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر سلام کہتے تھے۔[459]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ:

امام محمد بن احمد بن عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

فمن وقف عند الحجرۃ المقدسۃ ذلیلا مسلما مصلیا علی نبیہ فیا طوبی لہ فقد احسن الزیارۃ واجمل التذلل والحب وقد اتی بعبادۃ زائدۃ علی من صلی علیہ فی ارضہ او فی صلاتہ اذ الزائر لہ اجر الزیارۃ واجر الصلاۃ علیہ والمصلی علیہ فی سائر البلاد لہ اجر الصلاۃ فقط فمن صلی علیہ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا۔

ترجمہ: کس قدر خوش نصیب ہے وہ انسان جو حجرہ اقدس کے پاس تضرع و عاجزی کے ساتھ کھڑے ہو کر آپ پر درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور کرے اس لیے کہ اس نے اچھی طرح زیارت کی تضرع و انکسار کی دولت اور کمال محبت سے سرشار رہا اس نے اس شخص سے بہتر عبادت کی جس نے اپنی سرزمین پر یا اپنی نماز میں حضور پر درود و سلام پیش کیا اس لیے کہ زیارت کرنے والا زیارت اور

---

[459] (فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ لابن اسحاق قاضی ص ۱۹۴۔۱۹۵ رقم الحدیث ۱۰۱ مطبوعہ رمادی للنشر الطبعۃ الاولی ۱۹۹۶ء بتحقیق عبدالحق الترکمانی)

آپ پر درود بھیجنے کا اجر پاتا ہے اور دوسرے شہروں میں درود بھیجنے والے صرف درود بھیجنے کا اجر پاتے ہیں تو جو شخص ایک بار حضور پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔[460]

غیر مقلدوں کے گھر سے ثبوت:

غیر مقلدوں کے امام محمد بن ابو بکر ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

فاذا اتینا المسجد النبوی صلینا التحیۃ او لا ثنتان

جب ہم مسجد نبوی میں حاضر ہوں تو سب سے پہلے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کریں۔

ثم انثینا للزیارۃ نقصد القبر الشریف و لو علی الاجفان۔

پھر روضہ انور کی زیارت کا قصد کریں چاہے پلکوں پر چل کر ہی حاضری کا شرف کیوں نہ حاصل کرنا پڑے۔

فنقوم دون القبر وقفۃ خاضع متذلل فی السر و الاعلان۔

پھر باطناً و ظاہراً انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ (حضوری کی تمام ترکیفیتوں میں ڈوب کر) قبر انور کے ساتھ کھڑے ہوں۔

فکانہ فی القبر حی ناطق فالو اقفون نو اکس الاذقان۔

یہ احساس دل میں جاگزیں رہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور کلام فرماتے ہیں پس (وہاں) کھڑے ہونے والوں کا سر (ادباً تعظیماً) جھکا رہے۔

ملکتھم تلک المھابۃ فاعترت تلک القوائم کثرۃ الرجفان

بارگاہ نبوی میں یوں کھڑے ہوں کہ رعب مصطفیٰ ﷺ سے پاؤں تھر تھر کانپ رہے ہوں۔[461]

---

[460] (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۴۸۴ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[461] (متن القصیدۃ النونیۃ ص ۲۵۴ مطبوعہ مکتبۃ ابن تیمیۃ القاہرۃ الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۷ھ)

یہ اشعار غیر مقلدوں کے لیے ایٹم بم ہے اس میں صرف سرکار دو عالم ﷺ کی قبر انور پر کھڑے ہو کر سلام کا ذکر نہیں بلکہ "خاضع" اور "متذلل فی السر" اور پھر "فکانہ فی القبر حی ناطق" کے الفاظ غیر مقلدوں کے مذہب پر کاری ضرب ہے جو کہ خود ان کے اپنے امام ابن قیم نے لگائی ہے۔ تاہم اس میں سرکار دو عالم ﷺ کی قبر انور کے پاس تعظیماً کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا واضح ثبوت ہے۔

غیر مقلدوں کے امام قاضی محمد سلیمان منصور پوری اپنے "سفر نامہ حجاز" میں لکھتے ہیں:

مسجد النبی ﷺ

مکان میں قیام کر کے ہم نہائے کپڑے بدلے پاک و صاف ہو کر مسجد نبوی کی جانب جانے کو تیار ہوئے:

اس وقت دل کی عجیب کیفیت تھی شوق میں جان و تن مائل بہپرواز تھے اور روضہ نبوی کی زیارت کی تمنا میں روح بدن عنصری سے پہلے پہنچ جانے کے لئے بیقرار تھی۔ دل و دیدہ میں رقابت سی معلوم ہوتی تھی اور جان و تن میں نفسی نفسی کی حالت نمایاں تھی۔

ہم شہر پناہ کے باب مجیدی سے داخل ہوئے تو سامنے مسجد نبوی تھی۔ یہ عمارت کسقدر نشیب میں واقع ہے۔ ارد گرد کی زمین بلند ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی سطح کو قائم رکھا گیا ہے بلند کرسی کے دینے سے عمارت بلحاظ فن تعمیر بیشک زیادہ خوشنما ہو جاتی مگر جو برکت اصلی سطح کی ہے وہ ضرور مفقود ہو جاتی۔ ہم مسجد میں عجز و خشوع کے ساتھ داخل ہوئے تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد روضہ اطہر کی جانب گئے اور وجہ اقدس وانور ﷺ کے سامنے باادب کھڑے ہو کر سلام عرض کیا۔ پھر حضور

ﷺ کے وزراء صدق ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھا اور پھر نماز ظہر میں شامل ہو گئے۔

اللہ اکبر اس فرحت و شادمانی کا بیان نہ قلم سے ہو سکتا ہے نہ زبان سے جو اس نعمت عظمٰی اور منحت کبری کے حصول سے ہمیں حاصل تھی۔[462]

غیر مقلدوں کے امام قاضی محمد سلیمان منصور پوری اپنے "سفر نامہ حجاز" میں لکھتے ہیں:

حزام سے نیچے جنوبی دیوار پر (جس طرف کھڑے ہو کر سلام عرض کیا جاتا ہے) چار کتبے لگے ہوئے ہیں۔[463]

جمعیت اہل حدیث کراچی کی طرف سے شائع ہونے والا ماہنامہ "الارشاد" میں غیر مقلدوں کے خطیب عبد الجبار کہتے ہیں:

حضور ﷺ پر سلام کی ترکیب:

مسجد ہی میں حضور ﷺ کا روضہ ہے۔ روضہ کی جالی میں تین پیتل کے گول رنگ بنے ہوئے ہیں۔ پہلا رنگ حضور انور ﷺ کے سر مبارک کے عین سامنے ہے۔ دوسرا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ہے، تیسرا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سامنے بنا ہے۔ پہلے آپ حضور انور ﷺ کی قبر کی طرف منہ کر کے رنگ کے پاس کھڑے ہو کر یوں سلام کہے:

السلام علیک ایھا النبی ﷺ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

---

[462] (سفر نامہ حجاز موسوم بہ الھاد الی سبیل الرشاد ص ۲۱۱ مطبوعہ خلیفہ شیخ ہدایت اللہ پٹیالہ کانشی رام پریس لاہور طبع سنۃ ۱۹۲۴ء)

[463] (سفر نامہ حجاز موسوم بہ الھاد الی سبیل الرشاد ص ۲۴۳ مطبوعہ خلیفہ شیخ ہدایت اللہ پٹیالہ کانشی رام پریس لاہور طبع سنۃ ۱۹۲۴ء)

اے نبی ﷺ آپ ﷺ پر خدا کی برکتیں اور رحمتیں اور سلام نازل ہوں۔ سلام کے بعد درود پڑھیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر اس طرح سلام پڑھیں:

السلام علیک یا ابا بکر الصدیق خلیفۃ رسول اللہ ﷺ۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ سلام پڑھیں:

السلام علیک یا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔[464]

فرشتوں کا موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک پر سلام پڑھنا:

امام حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تدفین کے بعد ملائکہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھا تھا۔[465]

محدثین کا امام ابو عوانہ کی قبر پر کھڑے ہو کر تعظیم کرنا:

محدث کبیر حافظ المؤرخ ابو القاسم علی بن الحسن الشافعی المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حدثنی الشیخ الصالح الاصیل ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عمر ابن الصفار الاسفراینی قال وقبر ابی عوانۃ باسفراین مزار العالم ومتبرک الخلق ویجنب قبرہ قبر الراویۃ

---

464 (ماھنامہ الارشاد جدید ایڈیٹر حافظ عبد الوکیل خطیب وھابی شمارہ نمبر ۲۱-۲۲ جلد نمبر ۲۳ نومبر ۱۹۷۵ صفحہ نمبر ۱۹-۲۰ مطبوعہ جمعیت اہل حدیث کراچی)

465 (البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر (اردو) مترجم پروفیسر کوکب شادانی ج ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی طبع اول ۱۹۸۷ء)

عنه ابی نعیم عبد الملک بن الحسن الازهری الاسفراینی فی مشهد واحد داخل المدینة علی یسار الداخل من باب نیسابور من اسفراین وقریب من مشهده مشهد الاستاذ الامام ابی اسحاق الاسفراینی رحمة الله علیه علی یمین الداخل من باب نیسابور ویجنب قبره قبر الاستاذ ابی منصور البغدادی الامام الفقیه المتکلم صاحبه الصاحب بالجنب حیا ومیتا المتظاهرین لنصرة الدین بالحجج والبراهین سمعت جدی الامام شیخ الاسلام عمر ابن الصفار رحمه الله و نظر الی القبور حول قبر الامام الاستاذ ابی اسحاق واشار الی المشهد و خارج المشهد وقال قد قیل هاهنا من الائمة والفقهاء علی مذهب الامام الشافعی رضوان الله علیه اربعون اماما کل واحد منهم لو تصرف فی المذهب وافتی برایه واجتهاده یعنی علی مذهب الشافعی لکان حقیقا بذلک۔

فقال رحمه الله العوام یتقربون الی مشهد الاستاذ ابی اسحاق اکثر مما یتقربون الی مشهد ابی عوانة وهم لا یعرفون قدر هذا الامام الکبیر المحدث ابی عوانة لبعد العهد بوفاته وقرب العهد بالاستاذ والامام ابو عوانة هو الذی اظهر لهم مذهب الامام الشافعی باسفرایین بعدما رجع من مصر واخذ العلم عن ابی ابراهیم المزنی رحمه الله۔

وکان جدی اذا وصل الی مشهد الاستاذ رایته لا یدخل المشهد احتراما بل کان یقبل عتبة المشهد وهی مرتفعة بدرجات ویقف ساعة علی هیئة التعظیم والوقار ثم یعبر عنه کالمودع لعظیم عظیم الهیبة واذا وصل الی مشهد ابی عوانة کان اشد تعظیما له واجلالا وتوقیرا ویقف اکثر من ذلک کانه واقف بقبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: امام حافظ ابوالقاسم ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ شیخ صالح اصیل ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن عمر ابن صفار اسفرائنی نے مجھ سے بیان کیا کہ ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اسفرایین میں عالم کی زیارت گاہ ہے اور مخلوق کے برکت حاصل کرنے کی جگہ ہے اور آپ کی قبر کے پہلو میں آپ سے روایت کرنے والے ابونعیم عبد الملک ابن الحسن ازہری اسفرائنی کی قبر ہے جو شہر کے اندر ایک مزار میں ہے۔ اسفرایین سے باب نیشاپور میں داخل ہونے والی کی بائیں جانب اور آپ کے مزار کے

قریب باب نیشاپور میں داخل ہونے والے کی دائیں جانب امام استاذ ابو اسحاق اسفرائنی کا مزار ہے اور اس کی قبر کے پہلو میں آپ کے ساتھی استاد ابو منصور بغدادی امام فقیہ متکلم کی قبر ہے جو زندہ اور مردہ ہونے کی حالت میں آپ کا ہم پہلو ہے وہ حجج وبراہین سے دین کی نصرت کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں میں نے اپنے دادا امام عمر ابن انصار سے سنا ہے کہ آپ نے امام استاد ابو اسحاق کی ارد گرد کی قبروں کی طرف دیکھا اور مزار کی طرف اور مزار سے باہر کی طرف اشارہ کیا اور کہا بیان کیا گیا ہے کہ یہاں پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے چالیس ائمہ اور فقہاء کی قبریں ہیں ان میں سے ہر ایک اگر مذہب میں تصرف کرتا اور اپنی رائے اور اجتہاد سے فتویٰ دیتا۔یعنی شافعی مذہب کے مطابق۔ تو وہ اس کا سردار تھا اور عوام امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی نسبت استاد ابو اسحاق کے مزار سے زیادہ تقرب حاصل کرتے ہیں اور وہ اس امام کبیر محدث ابو عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدر اس کے وفات کے زمانے کی دوری اور استاد ابو اسحاق کے زمانہ وفات کے قرب کی وجہ سے نہیں جانتے اور امام ابو عوانہ رحمۃ اللہ علیہ وہ شخص ہے جس نے ابو ابراہیم مزنی سے علم سیکھنے اور مصر سے واپس آنے کے بعد اسفرایین میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کو نمایاں کیا اور میرا دادا جب استاد کے مزار پر پہنچا تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ احتراماً اس میں داخل نہ ہوا بلکہ وہ مزار کی چوکھٹ کو چومتا تھا اور وہ کئی درجے اونچی تھی اور وہ تعظیم وتوقیر کے انداز میں کچھ دیر کھڑا رہا پھر وہ بڑے عظیم ہیبت والے شخص کو الوادع کرنے والے کی طرح اس کے متعلق بیان کرتا اور جب وہ امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچا تو اس نے اس کی بہت تعظیم وتوقیر کی اور اس سے زیادہ عرصہ کھڑا رہا جس طرح سرکار دوعالم ﷺ کی قبر مبارک پر تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔[466]

466(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۷ ص ۱۴۷ مطبوعہ دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت)

امام ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان شافعی متوفی ۶۸۱ نے محدث کبیر امام عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے بھی اس کو مکمل نقل کیا ہے لکھتے ہیں:

حدثنی الشیخ الصالح الاصیل ابو عبداللہ محمد بن عمر ابن الصفار الاسفراینی قال قبر ابی عوانۃ باسفرایین مزار العالم و متبرک الخلق۔

ترجمہ: امام حافظ ابو القاسم ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ شیخ صالح اصیل ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عمر ابن صفار اسفرائنی نے مجھ سے بیان کیا کہ ابو عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اسفرایین میں عالم کی زیارت گاہ ہے اور مخلوق کے برکت حاصل کرنے کی جگہ ہے۔

والعوام یتقربون الی مشھد الاستاذ ابی اسحاق اکثر ما یتقربون الی ابی عوانۃ۔

ترجمہ: عوام امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی نسبت استاد ابو اسحاق کے مزار سے زیادہ تقرب حاصل کرتے ہیں۔

وکان جدی اذا وصل الی مشھد الاستاذ رایتہ لا یدخلہ احتراماً بل کان یقبل عتبۃ المشھد وھی مرتفعۃ بدرجات ویقف ساعۃ علی ھیئۃ التعظیم والتوقیر ثم یعبر عنہ کالمودع لعظیم عظیم الھیبۃ واذا وصل الی مشھد ابی عوانۃ کان اشد تعظیماً لہ واجلالا وتوقیراً ویقف اکثر من ذلک۔

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میرا دادا جب استاد کے مزار پر پہنچا تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ احتراماً اس میں داخل نہ ہوا بلکہ وہ مزار کی چوکھٹ کو چومتا تھا اور وہ کئی درجے اونچی تھی اور وہ تعظیم و توقیر کے انداز میں کچھ دیر کھڑا رہا پھر وہ بڑے عظیم ہیبت والے شخص کو الوداع

کرنے والے کی طرح اس کے متعلق بیان کرتا اور جب وہ امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچا تو اس نے اس کی بہت تعظیم وتوقیر کی اور اس سے زیادہ عرصہ کھڑا رہا۔ [467]

اس عبارت میں امام محدث ابو عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی مزار کی افضلیت پر ایک بڑی دلیل یہ دی کہ:

كان جدى اذا وصل الى مشهد الاستاذ رايته لا يدخله احتراماً بل كان يقبل عتبة المشهد وهى مرتفعة بدرجات ويقف ساعة على هيئة التعظيم والتوقير ثم يعبر عنه كالمودع لعظيم عظيم الهيبة واذا وصل الى مشهد ابى عوانة كان اشد تعظيماً له واجلالا وتوقيراً ويقف اكثر من ذلك كانه واقف بقبر النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: میرے دادا جب استاد کے مزار پر پہنچے تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ احتراماً اس میں داخل نہ ہوا بلکہ وہ مزار کی چوکھٹ کو چومتے تھے اور وہ کئی درجے اونچی تھی اور وہ تعظیم وتوقیر کے انداز میں کچھ دیر کھڑے رہے پھر وہ بڑے عظیم ہیبت والے شخص کو الوادع کرنے والے کی طرح اس کے متعلق بیان کرتا اور جب وہ امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے تو اس نے اس کی بہت تعظیم و توقیر کی اور اس سے زیادہ عرصہ کھڑے رہے جس طرح سرکار دو عالم صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم کی قبر مبارک پر تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔

اس عبارت کو پڑھتے ہوئے اس طرح محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے شیخ الاسلام امام عمر ابن الصفار رحمۃ اللہ علیہ وہابیوں کے گلوں پر چھری چلا رہے ہوں ان محدثین کی قبور کو کس کس طرح ایک جلیل القدر محدث تعظیم کر رہا ہے کہ وہ احتراماً پہلے داخل نہیں ہوتا بلکہ سب سے پہلے اس مزار کی چوکھٹ کو چومتا ہے بتائیں آج اس فعل کو شرک کہا جاتا ہے کہ نہیں حالانکہ یہاں ایک محدث مزار

[467] (وفيات الاعيان وانباء ابناء الزمان ترجمة امام ابو عوانة رحمة الله عليه ج ص ۳۹۴ برقم ۸۲۶ مطبوعه دار صادر بيروت طبع سنة ۱۹۹۴ء بتحقيق الدكتور احسان عباس)

کی چوکھٹ کو چوم رہاہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ شرک نہیں بلکہ محدثین کا طریقہ ہے اس کے بعد یہ جلیل القدر اس مزار کی تعظیم میں بڑے ہیبت کے ساتھ کھڑا رہتاہے اور جب وہ محدث امام ابو عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور پر پہنچتاہے تو وہاں اس سے بھی زیادہ اس قبر انور کی تعظیم و توقیر کر تا ہے۔ اور آخر میں اس تعظیماً کھڑے ہونے کی کیفیت اس طرح بیان کی کہ جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کی قبر مبارک پر تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں حضور ﷺ کی قبر مبارک پر تعظیماً کھڑا ہونا اتنا مشہور اور معروف تھا کہ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دے رہے ہیں اور یہ سب جلیل القدر محدثین ہیں یہ جاہل عوام نہیں اس لیے ان لوگوں کا یہ استدلال جہلاء کے افعال سے نہیں ہو سکتا جس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی سرکار دو عالم ﷺ کی قبر مبارک پر محدثین اسی طرح تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔

معلوم ہے کہ مزاروں پر جانا تعظیم کے لئے اس کی چوکھٹ کو چومنا وہاں ادب کے ساتھ کھڑے ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب شرک نہیں بلکہ محدثین کا طریقہ ہے یہ صرف امام ابن عساکر اور ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ ہی کتاب میں نہیں بلکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو مختصراً لکھا ہے۔

قال ابن عساکر ان قبر ابی عوانۃ باسفرائین مزار العالم ومتبرک الخلق۔

ترجمہ: ابن عساکر نے کہاہے کہ ابی عوانہ کی قبر اسفرائین میں ہے اور مخلوق خدا اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔[468]

وہابیوں کے امام سے بھی اس کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

---

[468] (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۱۹ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۸۴ء بتحقیق شعیب الارنؤوط)

غیر مقلدوں کے امام المحدثین و امام المفسرین نواب صدیق حسن خان بھوپالی بھی داؤد ارشد وہابی کے نجدی توحید پر حملہ کرتے ہوئے امام ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

كان جدى اذا وصل الى مشهد الاستاذ رايته لا يدخله احتراماً بل كان يقبل عتبة المشهدوهى مرتفعةبدرجات ويقف ساعةعلى هيئةالتعظيم والتوقير ثم يعبر عنه كالمودع لعظيم عظيم الهيبة واذا وصل الى مشهد ابى عوانة كان اشد تعظيماً له واجلالا وتوقيراً ويقف اكثر من ذلک۔

ترجمہ: میرے دادا جب استاد کے مزار پر پہنچے تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ احتراماً اس میں داخل نہ ہوا بلکہ وہ مزار کی چوکھٹ کو چومتے تھے اور وہ کئی درجے اونچی تھی اور وہ تعظیم وتوقیر کے انداز میں کچھ دیر کھڑے رہے پھر وہ بڑے عظیم ہیبت والے شخص کو الوداع کرنے والے کی طرح اس کے متعلق بیان کرتا اور جب وہ امام عوانہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے تو اس نے اس کی بہت تعظیم و توقیر کی اور اس سے زیادہ عرصہ کھڑے رہے۔[469]

ابن طباطبا کی قبر پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھنا:

امام ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان شافعی متوفی ۶۸۱ لکھتے ہیں:

وكانت ولادته سنة ست وثمانين ومائتين وتوفى فى الرابع من رجب سنة ثمان واربعين وثلثمائة بمصر وصلى عليه فى مصلى العيد وحضر جنازته من الخلق ما لا يحصى عددهم الا اللہ تعالى ودفن بقرافة مصر وقبره معروف ومشهور باجابة الدعاء۔

روى ان رجلا حج وفاتته زيارة النبى ﷺ فضاق صدره لذلک فرآه فى نومه ﷺ فقال له اذا فاتتک الزيارة فزر قبر عبداللہ بن احمد بن طباطبا وكان صاحب الرؤيا من اهل مصر۔

---

[469] (التاج المکلل من جواهر ماثر الطراز الاخر والاول ص ۱۴۰ برقم ۱۳۲ مطبوعہ وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ دولۃ قطر الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۷ء)

وحکی بعض من له علیه احسان انه وقف   علی قبره وانشد
وخلفت الھموم علی اناس وقد کانوا   بعیشک فی کفاف

فرآه فی نومه فقال قد سمعت ما قلت وحیل بینی وبین الجواب والمکافاة ولکن صر الی مسجد وصل رکعتین وادع یستجب لک رحمه الله تعالیٰ۔

ترجمہ: آپ کی ولادت ۲۸۶ھ میں اور وفات ۴ رجب ۳۴۸ھ میں مصر میں ہوئی اور عید گاہ میں آپ کا جنازہ پڑھا گیا اور آپ کے جنازے میں شامل ہونے والوں کو اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا اور قرافہ مصر میں آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی قبر قبولیت دعا کے لیے مشہور ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حج کیا اور وہ حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نہ کر سکا جس پر وہ پریشان ہوا تو اس نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا جب تجھ سے زیارت نہ ہو سکے تو عبد اللہ بن احمد بن طباطبا رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کیا کر آپ اہل مصر میں سے صاحب رؤیا تھے۔ ایک شخص نے جس پر آپ کا احسان تھا بیان کیا ہے کہ اس نے آپ کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا:

اور تو نے اپنے پیچھے لوگوں پر غم کو جانشین بنایا ہے حالانکہ وہ آپ کی زندگی میں گزارا کر رہے تھے۔

پس اس نے آپ کو خواب میں دیکھا اور آپ نے کہا تو نے جو بات کہی ہے میں نے سن لی ہے اور میرے درمیان اور جواب اور مکافات کے درمیان رکاوٹ ہو گی لیکن تو مسجد جا کر دو رکعت نماز پڑھ اور دعا کر وہ قبول ہو جائے گی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔[470]

---

[470] (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ترجمة ابن طباطبا رحمة الله علیه ج ۳ ص ۸۲ برقم ۳۴۲ مطبوعه دار صادر بیروت طبع سنة ۱۹۹۴ءبتحقیق الدکتور احسان عباس)

امام شافعی کی قبر پر امام ابن عبد البر کا سلام:

امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے بارے میں فرماتے ہیں:

سلام علی قبر تضمن روحہ وجادت علیہ المدجنات الھوامع۔[471]

(۴): مسلمانوں کی قبور پر کھڑے ہو کر سلام پیش کرنا سنت ہے:

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت فتاویٰ عالمگیری سے نقل کی تھی "یخلع نعلیہ ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلا لوجه المیت" یہ عبارت دیگر فقہاء احناف نے بھی نقل کی ہے۔

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلا وجه المیت وان یسلم۔

ترجمہ: زیارت قبور کے وقت مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور سلام کرے۔[472]

شافعی مذہب کے مشہور اور مستند محدث امام یحیٰ بن شرف الدین نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

---

[471] (الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء ص ۱۸۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیة بحلب الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۷ء بتحقیق عبد الفتاح ابو غدة)

[472] (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۶۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

المستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلا و جہ المیت یسلم۔

ترجمہ: زیارت قبور کے وقت مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور سلام کرے۔[473]

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب ابن الحارث حارثی متوفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا صالح بن احمد بن ابی مقاتل اخبرنا شعیب بن ایوب اخبرنا مصعب بن المقدام اخبرنا ابو حنیفۃ عن علقمۃ بن مرثد عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا خرج الی المقابر قال السلام علی اھل الدیار من المسلمین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیۃ۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علقمہ سے وہ ابن بریدہ سے وہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قبرستان تشریف لے جاتے تو (ان الفاظ سے دعا) فرماتے: **السلام علی اھل الدیار من المسلمین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا و لکم العافیۃ** (قبروں میں رہنے والے مسلمانوں پر سلامتی ہو ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔[474]

---

[473] (کتاب المجموع شرح المہذب للشیرازی ج ۵ ص ۳۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[474] (مسند ابی حنیفہ للحارثی ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۱۵۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۸ء بتحقیق ابو محمد السیوطی) تخریج حدیث: (۱): ... اس حدیث مبارکہ کو امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے "صحیح مسلم کتاب الجنائز باب مایقال عند دخول القبور و الدعاء لاھلھا ج ۲ ص ۶۷۰۔۶۷۱ رقم الحدیث ۹۷۴۔۹۷۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت" میں (۲): ... امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷ رقم الحدیث ۱۱۷۸۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض" میں (۳): ... امام احمد بن حنبل شیبانی متوفی ۲۴۱ھ نے "مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر" میں (۴): ... امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے "سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فیما یقال اذا دخل المقابر ج ۱ ص ۴۹۴ رقم الحدیث ۱۵۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت" میں (۵): ... امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے "سنن النسائی کتاب الجنائز باب الامر بالاستغفار للمؤمنین ج ۴ ص ۹۴ رقم الحدیث ۲۰۴۰ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب" میں (۶): ... امام ابو نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے "المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ج ۳ ص ۵۳ رقم

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ہر قیام عبادت نہیں اور ہر قیام تعظیمی شرک و بدعت نہیں ان احادیث سے غیر مقلدوں کا رد ہوا جو کہتے ہیں کہ قیام صرف اللہ کے لیے ہیں دیکھئے غیر مقلد خوارج اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثالثاً: اور یہ اعتراض بھی فضول ہے کیونکہ مسند احمد میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے فرمان نبوی موجود ہے۔

فقال رسول اللہ ﷺ لا یقام لی انما یقام للہ تبارک و تعالیٰ۔

ترجمہ: یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے لئے قیام نہ کیا کریں کیونکہ قیام فقط اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے الحدیث مسند احمد ص ۳۱۷ ج ۵۔ اس حدیث نے تو تمام الجھنیں صاف کر دیں کہ قیام تعظیمی فقط اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔[475]

قارئین! تاہم ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر قیام منع نہیں اور نہ ہی ہر قیام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

داؤد ارشد وہابی کہتے ہیں کہ قیام تعظیمی فقط اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے لیکن اس کے اس جھوٹ کو اس کے اپنے امام ابن قیم اس طرح واضح کرتے ہیں کہ:

فنقوم دون القبر وقفة خاضع متذلل فی السر و الاعلان۔

پھر باطنا و ظاہرا انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ (حضوری کی تمام تر کیفیتوں میں ڈوب کر) قبر انور کے ساتھ کھڑے ہوں۔

فکانہ فی القبر حی ناطق فالو اقفون نوا کس الاذقان۔

الحدیث ۲۱۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت" میں (۷):... امام امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ نے "صحیح ابن حبان ج۷ ص ۴۴۵ رقم الحدیث ۷۱۳۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت" میں روایت کیا ھے۔

[475] (دین الباطل ج ۲ ص ۱۷۲۔۱۷۳ مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ لاہور تاریخ اشاعت دسمبر ۲۰۰۱ء)

یہ احساس دل میں جاگزیں رہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور کلام فرماتے ہیں پس (وہاں) کھڑے ہونے والوں کا سر (ادباً تعظیماً) جھکا رہے۔

ملکتھم تلک المہابۃ فاعترت تلک القوائم کثرۃ الرجفان۔

بارگاہ نبوی میں یوں کھڑے ہوں کہ رعب مصطفی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پاؤں تھر تھر کانپ رہے ہوں۔[476]

ان اشعار میں قیام تعظیمی کا واضح ثبوت ہے اس سے معلوم ہوا کہ یا تو ابن قیم مشرک ہے جو قیام تعظیمی جو وہابی داؤد ارشد کے نزدیک خاصہ خدا ہے اس میں سرکار دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبر انور کے لیے تعظیماً کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کو کہہ رہے ہیں یا داؤد ارشد کذاب ہے جو حدیث کا غلط مقصد بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اس میں ایک بات تو ضرور ہے فیصلہ خود غیر مقلد اپنے گھر میں کر لے کہ بڑا وہابی مشرک ہے یا چھوٹا وہابی کذاب ہے۔

منکرین سے پوچھئے:

جب قبرستان جائیں تو کہیں السلام علیکم یا اہل القبور حضرات منکرین سے پوچھیے کہ قبرستان کے پاس کھڑے ہو کر سلام کہنا اور وہ بھی یا کے ساتھ یعنی **السلام علیکم یا اھل القبور** کہنا شرک نہیں تو محفل میلاد میں بارگاہ مصطفی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں کھڑے ہو کر یا نبی سلام علیک پڑھنا کیسے شرک ہو گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ اپنے استاذ یا باپ یا کسی دوست کو ملنے کے لئے جاتے ہیں تو جب ملاقات ہوتی ہے تو پہلے کھڑے کھڑے سلام کہتے ہیں اور جس کو ملنے کے لئے جاتے ہیں وہ بھی استقبال کرتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام کا جواب دیتا ہے یہ سب کچھ جائز ہے مگر جس پیارے حبیب

---

[476] (متن القصیدۃ النونیۃ ص ۲۵۴ مطبوعہ مکتبۃ ابن تیمیۃ القاھرۃ الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۷ھ)

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ماں باپ سب عزیز و اقارب قربان اس پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اذان سے پہلے کھڑے ہو کر یا محفل میلاد یا جمعہ کی نماز کے بعد حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے عاشق کھڑے ہو کر سلام عرض کریں تو انہیں شرک کا دورہ پڑتا ہے۔

اسی طرح مسجد جاتے وقت درود شریف پڑھنے کے بارے میں دیکھ لیجئے مسجد میں آنے والا کھڑے کھڑے ہی تو آئے گا تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے گویا حالت قیام میں اپنی ذات انور پہ "صلوٰۃ و سلام" پڑھا تو آج ہم بھی اگر اپنے آقا کی سنت کے مطابق قیام میں "صلوٰۃ و سلام" پڑھیں تو منع کیوں ہو۔

حدثنا محمد بن عثمان الدمشقی ثنا عبد العزیز یعنی الدراوردی عن ربیعة بن ابی عبد الرحمن عن عبد الملک بن سعید بن سوید قال سمعت ابا حمید او ابا اسید الانصاری یقول قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اذا دخل احدکم المسجد فلیسلم علی النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم ثم لیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتک و اذا خرج فلیقل اللھم انی اسالک من فضلک۔

ترجمہ: حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سلام بھیجے پھر کہے اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے باہر نکلے تو کہے اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔[477]

---

[477] تخریج حدیث: (۱):... اس حدیث مبارکہ کو امام ابوداؤد متوفی نے "سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب فیما یقوله الرجل عند دخول المسجد ج ۱ ص ۱۲۶ رقم الحدیث ۴۶۵ مطبوعه دار الفکر بیروت" میں (۲):... امام عبداللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ نے "سنن دارمی ج ۱ ص ۳۷۷ رقم الحدیث ۱۳۹۴ مطبوعه دار الکتب العربی بیروت" میں (۳):... امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجه متوفی ۲۷۳ھ نے "سنن ابن ماجه کتاب المساجد و الجماعات باب الدعا عند دخول المسجد ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۷۷۲ مطبوعه دار الفکر بیروت" میں (۴):... امام ابو عوانه یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ نے "مسند ابو عوانه ج ۱ ص ۳۴۵ رقم الحدیث ۱۲۳۴ مطبوعه دار المعرفه بیروت" میں (۵):... امام احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ نے "سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص

حدثنا محمد بن بشار ثنا ابو بکر الحنفی ثنا الضحاک بن عثمان ثنی سعید المقبری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا دخل احدکم المسجد فلیسلم علی النبی ﷺ ولیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتک واذا خرج فلیسلم علی النبی ﷺ ولیقل اللھم اعصمنی من الشیطان الرجیم۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ کہے اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب باہر نکلے تو حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور کہے اے میرے اللہ مجھے شیطان مردود سے بچا۔[478]

دیکھئے خطیب جب خطبہ جمعہ میں درود شریف پڑھتا ہے تو منبر پر کھڑے ہو کر ہی پڑھتا ہے تو میرے بھائیو! باستثناء ان مواقع کے جہاں مثلاً بحالت قعود جس طرح التحیات میں یا خاص بحالت قیام جس طرح خطبہ میں یا نماز جنازہ میں یا مسجد میں داخل ہوتے وقت صلوٰۃ و سلام پڑھنا ثابت ہے باقی اور مواقع میں صلوٰۃ و سلام کو کسی حالت سے خصوصیت نہیں بلکہ بلحاظ مندوب و موجب اجر و ثواب ہونے کے سب حالتوں میں برابر ہے تو کسی ایک حالت کی خصوصیت پر زور دینا اور دوسری حالت میں صلوٰۃ و سلام پڑھنے سے روکنا یہ ناجائز و بدعت ہے۔[479]

---

۱۴۴ رقم الحدیث ۱۱۵ ۴ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ" میں (۶):... امام امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ نے "صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۳۹۷ رقم الحدیث ۲۰۴۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت" میں روایت کیا ھے۔

[478] تخریج حدیث: (۱):... اس حدیث مبارکہ کو امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۵ھ نے "سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۷۷۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت" میں (۲):... امام عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۳۴۱۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض" میں (۳):... امام احمد بن علی بن المثنی ابو یعلی الموصلی متوفی ۳۰۷ھ نے "مسند ابو یعلی ج ۱۲ ص ۱۲۱ رقم الحدیث ۶۷۵۴ مطبوعہ دارالمامون للتراث دمشق" میں روایت کیا ھے۔

[479] (بحوالہ احب الاعمال فی زیارۃ خیر الانام ﷺ مصنف حضرت علامہ مولانا مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی)

فصل در بیان
خواتین کا علوم ظاہری وباطنی میں ارشاد وتبلیغ

بعض علماء کہتے ہیں کہ عورتیں دین اور ارشاد کا کام نہیں کر سکتیں حالانکہ ظاہری علوم کی عالمہ مدرسہ ومقتیہ بن جاتی ہیں تو باطنی علوم کے ارشاد کا کام تو بطریق اولیٰ کر سکتی ہیں کیونکہ وہ بھی فرض عین ہے۔ خواتین جس طرح دینی علوم کے حصول کے بعد بحیثیت معلمہ ان علوم کی ترویج کر سکتی ہیں، اور عالمہ اور مقتیہ بن کر ان کو فتویٰ جاری کرنے کی اجازت ہوتی ہے، بالکل اسی طرح عورت تصوف میں مرشدہ ہونے کے بعد باطنی علوم کی نا صرف ترویج کر سکتی ہے، بلکہ ارشاد خط بھی جاری کر سکتی ہے۔ ذیل میں تفصیل بیان کی جارہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (الذاریات ۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیے ہیں۔

درعموم ایاتہا نفی نساء ابداً متصور نیست بلکہ در سائر اعمال ہر دو فریق مساوی الطرفین ہستند باعتبار کہ ہن ناقصات العقل وناقصات الدین سلسلہ نبوت ورسالت ازانہا متبری است ولی در سلسلہ معرفت ومراتب قرب خداوندی بعض نسا در جنب رجال قدم راسخ دارند بلکہ بعض نسارا بر بعض اولیاء سبقت بیشتر دیدہ شدہ است۔

ان آیات کے عموم میں عورتوں کی نفی کبھی متصور ہی نہیں ہو سکتی بلکہ تمام اعمال میں مرد وزن برابر ہیں لیکن ہاں اس اعتبار سے کہ عورت ناقص العقل اور ناقص الدین ہے اس لیے ان کو منصب نبوت ورسالت سے علیحدہ رکھا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب خداوندی میں بعض

عورتیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ثابت قدم ہوئی ہیں بلکہ بعض عورتیں بعض مردوں سے سبقت لے جاتی دکھائی دیتی ہیں۔

مولانا عبدالرحمن بن احمد جامی در کتاب خود نفحات الانس در بابیہ زنان عارفات بابی نمادہ اند فی "ذکر النساء العارفات الواصلات الی مراتب الرجال" صاحب فتوحات رحمہ اللہ تعالیٰ در باب ہفتاد و سوم از فتوحات بعد ازانکہ ذکر بعض از طبقات رجال اللہ کردہ است میگوید۔ وکل ماتذکرہ من ھولاء الرجال باسم الرجال فقد یکون منھم النساء ولکن یغلب ذکر الرجال قیل لبعضھم کم الابدال قال اربعون نفسا قیل لہ لم لا نقول اربعون رجلاً فقال فقد یکون فیھم النساء۔

مولانا عبدالرحمن بن احمد جامی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نفحات الانس میں "ذکر النساء العارفات الواصلات الی مراتب الرجال" کے نام سے علیحدہ باب کا ذکر کیا ہے اور صاحب فتوحات نے فتوحات کے ۷۳ ویں باب میں اللہ عزوجل والوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

جو تمام تذکرہ ہم نے مردوں کے متعلق مردوں کے نام سے کیا ہے اس میں عورتیں بھی شامل ہیں لیکن مردوں کا ذکر غالب تھا (اس لیے مردوں ہی کا تذکرہ کیا عورتوں کا نہیں) نیز ارشاد فرمایا:

کسی اللہ والے سے پوچھا گیا کہ ابدال کتنے ہیں تو فرمایا کہ چالیس نفوس ہیں۔ ان سے عرض کی گئی کہ آپ نے چالیس مرد کیوں نہیں فرمایا (چالیس نفس کیوں کہا؟) فرمایا کبھی کبھی ان میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔

شیخ ابو عبدالرحمن السلمی صاحب طبقات المشائخ در ذکر احوال نسوہ عابدات و نساء عارفات علیحدہ کتابی جمع کردہ است و شرح احوال بسیاری از ایشان در بیان آوردہ قال بعضھم۔

ولو کان النساء کم ذکرنا لفضلت النساء علی الرجال
فلا التانیث لاسم الشمس عیب ولا التذکیر فخر للھلال

شیخ ابو عبد الرحمن اسلمی صاحب طبقات المشائخ نے عابدہ اور عارفہ عورتوں کے احوال کے متعلق ایک علیحدہ کتاب جمع فرمائی ہے اور اس میں کئی خواتین کا ذکر کیا ہے۔ شاعر کا کہنا ہے۔

ترجمہ: اگر عورتیں ان مردوں کی طرح ہو جائیں جن کا ہم نے ذکر کیا تو وہ مردوں پر فضیلت لے جائیں۔

ترجمہ: نہ تو (لفظ) شمس کو مؤنث ہونا عیب کی بات ہے اور نہ ہی (لفظ) ہلال کا مذکر ہونا قابل فخر ہے۔[480]

۱۔ رابعہ عدویہ: از اہل بصرہ بود سفیان ثوری از وی مسائل می پرسید و موعظت ودعای وی رغبت می نمود رابعہ گفتہ است کہ ہر چیز را ثمرہ ایست وثمرہ معرفت روی بخدا آوردنست۔

ترجمہ: رابعہ عدویہ رحمہ اللہ اہل بصرہ میں سے تھیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے اور ان کی نصیحت اور دعا کے طالب رہتے تھے۔ حضرت رابعہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) فرماتی ہیں کہ ہر چیز کا ایک پھل ہوتا ہے اور معرفت کا پھل اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

۲۔ مریم البصریہ از اہل بصرہ است در عصر رابعہ بودہ و باوی صحبت داشتہ وبعد از رابعہ چند گاہ زیستہ وچون سخنان محبت شنیدی مست وبیخود گشتی۔ روزی از محبت سخن میگفتند زہرہ وی۔۔ ودر مجلس جان بداد۔ ص ۶۱۶ نفحات

---

[480] (نفحات، ص ۲۱۵)

ترجمہ: مریم البصریہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا): یہ بھی اہل بصرہ میں سے تھیں۔ حضرت رابعہ بصری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی ہم عصر تھیں اور ان کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ حضرت رابعہ بصری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک زندہ رہیں۔ جب بھی محبت الٰہی کی باتیں سنتیں تو بے خود و مست ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک دن لوگ محبت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ عشق کی آگ بھڑک اٹھی اور اسی محفل میں جان آفرین کے سپرد کر دی۔[481]

۳۔ رابعہ شامیہ: زوجہ احمد بن ابی الحواری بود گاہی بودی عشق و محبت غلبہ و گاہی انس و گاہی خود در حال غلبہ می محبت میگفت۔

ترجمہ۔ رابعہ شامیہ: آپ حضرت احمد بن حواری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی زوجہ تھیں کبھی آپ پر عشق کا غلبہ ہوتا کبھی انس کا اور کبھی خوف کا جب محبت کا غلبہ ہوتا تو کہا کرتی تھیں۔

حبیب لیس یعدله حبیب　　　وما لسواه فی قلبی نصیب

ترجمہ: میرا دوست ایسا ہے جس کے مقابلے کا کوئی دوست نہیں اور میرے دل میں اس کے علاوہ کسی کا حصہ نہیں۔

حبیب غاب عن عینی و جسمی　　　ولکن عن فوادی لا یغیب

ترجمہ: (میرا) محبوب میری آنکھ اور جسم سے دور ہے لیکن میرے دل سے دور نہیں۔

انس کے حال میں کہا کرتیں:

ولقد جعلتک فی الفواد محدثی　　　وبخت جسمی من اراد جلوسی

[481] (نفحات ص ۲۱۶)

ترجمہ: تجھے میں نے اپنے دل میں گفتگو کا مرکز بنالیا ہے اور اپنے جسم سے باتیں اس کے لیے روا کر دی ہیں جو میرے بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے۔

فالجسم منی للجلیس موانس　　　حبیب قلبی فی الفوادانیسی

ترجمہ: میرا جسم میرے ہم نشین کا غمگسار ہے اور میرے دل کا دوست میرے دل کا ساتھی ہے۔

خوف کے حال میں کہا کرتیں:

وزادی قلیل لااراہ مبلغی　　　اللزادابکی ام بطول مسافتی

ترجمہ: میرا زادراہ کم ہے۔ مجھے اپنی منزل ملتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیا میں زادراہ کے لیے روتی ہوں یا طویل سفر کی وجہ سے۔

اتحرقنی بالناریاغایۃ المنی　　　فاین رجائی منک این مخافتی

ترجمہ: اے میری امیدوں کی انتہا کیا تو مجھے آگ میں جلاڈالے گی، میں نے کہاں تم سے امید لگائی ہے اور کہاں تم سے ڈرتی ہوں۔

۴۔ فاطمہ نیشابوریہ از قدماء نساء خراسان بودہ است واز کبار عارفات رحمہ اللہ تعالٰی یک از مشائخ ذوالنون راپرسید کہ رابزرگ تر دیدی ازاین طائفہ گفت زنی بود درمکہ کہ ویرافاطمہ نیشابوریہ میگفتند درفہم معانی قرآن سخنان میگفت کہ مراعجب می آمدوی گفت من عمل للہ علی المشاہدۃ فھو عارف ومن عمل علی مشاھدۃ اللہ ایاہ فھو المخلص۔

ترجمہ: فاطمہ نیشاپوریہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا): یہ خراساں کی بزرگ خواتین میں سے تھیں اور بڑی بڑی عارفات میں سے ایک تھیں۔ کسی بزرگ نے حضرت ذوالنورین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے پوچھا اس عارفوں کے گروہ میں سے آپ کو بزرگ ترین ہستی کونسی نظر آئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

نے فرمایا کہ مکہ میں ایک خاتون دیکھی تھیں۔ لوگ اسے فاطمہ نیشاپوریہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ قرآن کے ایسے معانی بیان کرتیں کہ میں حیران ہو جاتا تھا وہ فرماتی تھیں۔

جس شخص نے اللہ کے لیے اس کو دیکھ کر عمل کیا وہ عارف ہے اور جس نے یہ سمجھ کر عمل کیا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے وہ مخلص ہے۔

۵۔ فاطمۃ البروعیۃ در اروبیل بودہ کانت من العارفات المتکلفات بالشطح بعض از مشائخ ویرا از قول صلی اللہ علیہ وسلم کہ از حق سبحانہ حکایت کردہ است کہ "انا جلیس من ذکرنی، سوال کرد بگفت۔ ان الذکر ان تشھد ذکر المذکور لک مع دوام ذکرک لہ فیفنی ذکرک فی ذکرہ لہ ویبقی ذکرہ لک حین لا مکان و لا زمان۔[482]

فاطمہ البروعیۃ اروبیل کے علاقہ سے تعلق رکھتی تھیں اور مقام شطح کی عارفہ خواتین اور متکلمات میں تھیں کسی اللہ والے نے آپ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا جلیس من ذکرنی (جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں) آپ اس کے متعلق کیا فرماتی ہیں آپ نے فرمایا کہ ذکر یہ کہ تو ہمیشہ مذکور کے ذکر میں کمربستہ رہے اور تیرا ذکر اس کے ذکر میں فنا ہو جائے اور پھر اسی کا ذکر تیرے لیے وہاں باقی رہ جائے جہاں نہ مکاں ہے نہ زماں۔

پس ہیچ شکی نیست کہ در طی مقامات قرب خداوندی و حصول خلعت ارشاد نسواں بار جال طریق متساوی اند حضرت مجدد حضرت صاحب قدس اللہ سرہ در آخر مکتوب چنین تحریر فرمودہ است مخدوماً اکابر طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہمین راہ نا مسلوک را اختیار

---

[482] نفحات، ص ۶۳۳

کردہ اند وآں راہ نامعہود در طریقہ این بزرگواران را معہود گشتہ است وعالم عالم را ازین راہ بتوجہ وتصرف بمطلب میرسانند این طریق را وصول لازم است اگر مراعات پیر مقتدا نمودہ اید چہ درین طریق پیر وجوان در فصول برابرند ونساء صبیان متساوی بلکہ موتی نیز ازین دولت امیدوارند حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرمودہ اند کہ از حق سبحانہ وتعالیٰ طریقی خواستہ ام کہ البتہ موصل باشد وحضرت خواجہ علاؤالدین عطار کہ خلیفہ نخستین ایشان است درین معنی این بیت میخواند۔

گرنہ شکستی دل دربان راز — قفل جہان ہمہ بکشاوی

ثبتنا اللہ سبحانہ علی طریقۃ ہولاء الاکابر از نعمت معرفت نساء را فرو نگذاشت بلکہ علاوہ بر نسوان طائفہ پیر وجوان وبلکہ صبیان واموات را نیز سہیم وشریک نشان دادند۔ برای تشفی منصف ہمین قدر بس است واگر تصریع مزید میطلبند لابدی است کہ از دیگر کتب معتمدہ قوم در اثبات ارشاد نسوان عارفات حجتی را بمیان آریم۔

لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ قرب خداوندی کے مقامات طے کرنے میں اور خلعت وارشاد کے حصول میں عورتیں مردوں کے مساوی ہیں۔ حضرت مجدد قدس اللہ سرہ مکتوب نمبر ۳۰۰، ج ا، کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ طریقہ نقشبندیہ کے اکابرین نے اسی راہ نامسلوک کو اختیار کیا ہے اور یہ غیر معروف راہ ان بزرگان کے طریقہ میں معروف راہ بن چکی ہے۔ یہ بزرگ اپنی توجہ اور تصرف سے ایک دنیا کو منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ راہ ایسی ہے جس میں منزل مقصود تک

پہنچنا لازمی ہے مگر پیر کی توجہ رہنمائی کرے تو پھر کیا بوڑھے کیا جوان کیا عورتیں کیا بچے سب مقصود کے حصول میں برابر ہیں بلکہ مردے بھی اس دولت سے حصہ پاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایسا طریقے عطا کیے جانے کی درخواست کی جو یقینی طور پر اس (اللہ تعالیٰ) تک پہنچانے والا ہو۔ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ آپ کے پہلے خلفاء میں سے ہیں، نے اسی معنی میں یہ شعر پڑھا ہے:

ترجمہ: اگر تو راز کے دربان کی دل شکنی نہ کرتا تو تو دنیا کے تمام تالے کھول سکتا۔

فاطمة ابنة جمال الدين سليمان

فاطمة ابنة الشيخ الإمام المقرئ المحدث جمال الدين سليمان بن عبد الكريم بن عبد الرحمن بن سعد الله بن أبي القاسم الأنصاري الدمشقي.

كانت من النساء العالمات العاقلات المحدثات الصادقات في الرواية أخذت الحديث عن والدها وعن أجلاء عصرها وقد أخذ عنها الحديث جملة مثل الصفدي وخلافه وأجازها معظم علماء القرن السابع للهجرة من الشام والعراق والحجاز وفارس وغيرها وكانت ولادتها في سنة 620 هجرية، وتوفيت في سنة 708 هجرية، وكانت ذات ثروة وافرة تمكنت منها بأعمال خيرات ومبرات ومدارس وبمارستانات وتكايا، وأوقفت لتلك المحلات الخيرية أوقافا، ورتبت لمستخدميها رواتب حتى باهت بأفعالها الخيرية أعاظم رجال ونساء عصرها - رحمها الله تعالى۔[483]

فاطمة ابنة الخشاب

كانت شاعرة مجيدة وفصيحة بليغة لها قصائد مطولة وأشعار لطيفة ونثر جميل، عاصرت الصفدي في القرن السابع. وقد اجتمع عليها جملة من العلماء والأماثل والأدباء الأفاضل، وقد أجازها في الحديث جملة منهم وروى عنها كثير أيضا.

[483] (الدر المنثور فی ربات الخدور، باب فاطمه ابنة جمال الدين سليمان، جلد 1 ص 366)

وقد أرسلها يوما العلامة قاضي القضاة شهاب الدين بن فضل الله بقصيدة غراء نحو سبعة وعشرين بيتا ومطلعها:

هل ينفع المشتاق قرب الدار ... والوصل ممتنع مع الزوار
يا نازلين بمهجتي وديارهم ... من ناظري بمطمح الأنظار
هيجتم شجني فعدت إلى الصبا ... من بعد ما وخط المشيب عذاري

فأجابته المترجمة بقصية على وزنها وقافيتها تزيد عن العشرين بيت لم نعثر منها إلا على هذين البيتين وهما:

إن كان غركم جمال إزار ... فالقبح في تلك المحاسن وار
لا تحسبوا أني أماثل شعركم ... أني يقاس جداول ببحار

فلما وصلت هذه القصيدة إلى قاضي القضاة وجدها كلها ألفاظا درية ومعاني عبقرية أكبر مخاطبته وأخذها بعين الكمال، ولم يخاطبها إلا بما يوافق مقام العلماء الأعلام، وبقيت معززة مكرمة إلى أن ماتت وحضر مشهدها جملة من العلماء والأعيان والحكام - رحمها الله تعالى-[484]

فاطمة النيسابورية رضي الله تعالى عنها

كانت من ذوي الزهد والورع ولابسات المسوح حجت جملة مرار من بيت المقدس إلى مكة وهي ماشية على قدميها، وكانت معاصرة لذي النون المصري وأبي يزيد البسطامي وكان ذو النون المصري - رضي الله عنه - يقول: فاطمة أستاذتي.

وكانت تقول: من لم يراقب الله تعالى في كل حال فإنه ينحدر في كل ميدان ويتكلم بكل لسان، ومن راقب الله في كل حال أخرسه إلا عن الصدق وألزمه الحياء منه والإخلاص له.

---

[484] (الدر المنثور في ربات الخدور، باب فاطمه ابنة خشاب، جلد1ص366)

وكانت تقول: من عمل لله على مشاهدة الله إياه فهو مخلص, وكان أبو يزيد البسطامي يقول عنها: ما رأيت امرأة مثل فاطمة ما خبرتها عن مقام إلا كان الخبر لها عيانا. ماتت في طريق العمرة بمكة سنة ثلاث وعشرين ومائتين۔[485]

فاطمة بنت الإمام السيد أحمد الرفاعي الكبير

كانت عابدة فاتنة صالحة حافظة لكتاب الله فقيهة في دين الله محافظة على الدين مكرمة للصالحين خاشعة قانعة باكية، هائمة في الله تعالى شغلها حب الله تعالى عن غيره.

رأى الشيخ الفاروقي - قدس سره - رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام والسيدة فاطمة هذه وأختها السيدة زينب بين يديه والنبي صلى الله عليه وسلم يقول: فاطمة فاطمتي، وزينب زينبي وبنتاي وبنتا ولدي أحب أهل هذا البيت يا عمر. فأفاق الفاروقي مندهشا وغشي عليه الليل كله، فلما أصبح استأذن على السيدة فاطمة، فلما وقف وراء الحجاب قالت له بصوت حزين وخشية وأنين قبل أن يذكر رؤياه: جدنا بنا رحيم صلى الله عليه وسلم.

أخذ عنها القراءة ولدها السيد أبو إسحاق إبراهيم الأعزب وولدها السيد نجم الدين أحمد - رضي الله عنهما - وسمعا منها حديث الرسول وحدث عنها السيد أحمد الصبان - رضي الله عنه - في كتاب (الوظائف).

فاطمة بنت السيد عبد الرحيم الرفاعي

وتلقب ملكة. قال الإمام أحمد الزبرجدي الكبير - قدس سره - حين ذكرها: السيدة فاطمة أخت القطب الجليل السيد أحمد الصياد بن الرفاعي - قدس الله سره - العزيز يلقبها أهل بيتهم ملكة. كانت صالحة عارفة عالمة عابدة خاشعة، حجت مع أخيها السيد عز الدين أحمد الصياد الشهير سنة ثلاث وأربعين وستمائة وزارت مدينة النبي صلى الله عليه وسلم، فلما تمثلت أمام قبر جدها عليه السلام قالت:

يا رب إقبلت لديک زيارتي	فاجعل [بطيبة] قرب طه مدفني

---

[485] (الدر المنثور فی ربات الخدور، باب فاطمه النیسابوریة رضی اللہ تعالیٰ عنها، جلد1 ص366)

ثم غشي عليها فرفعوها إلى محلها فماتت ذلک اليوم ودفنت بالقرب من حرم النبي صلى الله عليه وسلم، ومرقدها المبارک معروف يزار بالمدينة ويترک به -رضي الله عنها- وهي حفيدة الغوث الأكبر سيد الأولياء السيد أحمد الرفاعي -رضي الله عنه- من بنته السيدة العارفة بالله الشريفة زينب ووالدها القطب الأعظم السيد عبد الرحيم الرفاعي الحسيني -رضي الله عنهم أجمعين.[486]

فاطمة علية

هي ابنة العلامة المفضال المؤرخ الشهير جودت باشا، ناظر العدلية العثمانية سابقا. ولدت فاطمة علية في الأستانة العلية ليلة الثلاثاء السابع والعشرين من شهر ربيع الثاني سنة 1279 هجرية الموافق 9 تشرين الأول (أكتوبر) سنة 1862 ميلادية. ولما تولى والدها ولاية حلب الشهباء سنة 1282 هجرية كان عمرها ثلاث سنوات ولما ظهر عليها من أمرات النجابة أحبها حبا شديدا فأخذها معه ومكثت عنده مدة ولايته وهي سنتان تحت ناظريه.

ولما رجع إلى الأستانة استحضر لها معلمين ومعلمات وهو تقلب في جملة وظائف مهمة في الدولة العثمانية إلى أن بلغت من العمر أربع عشرة سنة فتعين والدها في ولاية ثانية، وكان ذلک في سنة 1292 هجرية، فذهبت معه ولم يمكث بها كثيرا ورجع إلى الأستانة ومع ذلک فإنها أينما توجهت فإنها مشتغلة بالعلوم والمعارف.[487]

فاطمة الفقيهة ابنة علاء الدين محمد بن أحمد السمرقندي

كانت من الفقيهات العالمات بعلم الفقه والحديث أخذت العلم عن جملة من الفقهاء وأخذ عنها كثيرون. وكان لها حلقة للتدريس وقد أجازها جملة من كبار القوم، وكانت من الزهد والورع على جانب عظيم تزوجت بفخر الأنام العالم العلامة علاء الدين القاشاني ومكثت عنده زمنا طويلا، وقد ألفت المؤلفات العديدة في الفقه والحديث وانتشرت مؤلفاتها بين العلماء والأفاضل، وكانت معاصرة للملک العادل نور الدين الشهيد وطالما

---

[486](الدر المنثور فی ربات الخدور، باب فاطمة بنت السيد عبد الرحيم الرفاعي جلد 1 ص 366)

[487](الدر المنثور فی ربات الخدور، باب فاطمة علية جلد 1 ص 366)

استشارها في بعض أموره الداخلية وأخذ عنها بعضا لمسائل الفقيهة وكان دائما ينعم عليها ويعضد مسعاها.

وقد توفيت بمدينة حلب ودفنت في مقبرة من قبور الصالحين وقبرها هناک مشهور بقبر المرأة وزوجها لأنها دفنت بعد وفاته بجانبه۔[488]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ان اکابرین کے طریقہ پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔

معرفت کی نعمت سے عورتوں کو دور نہ رکھیں بلکہ عورتوں کے علاوہ بزرگ، نوجوان بلکہ اور مردوں کے متعلق بھی یہی سمجھیں کہ وہ اس میں برابر کے شریک وحصہ دار ہیں ان لوگوں (مخالفین) کی تسلی وتشفی کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن اگر وہ مزید تصریح چاہیں تو ہم بزرگان دین کی ان کتب سے دلائل پیش کرسکتے ہیں جو کہ عارفہ عورتوں کے ارشاد کے اثبات میں تحریر کی گئی ہیں۔

درکتاب عمدۃ المقامات مسطوراست ص ۴۹۵:

تذکرہ سابع از منتخب سابع در ذکر عارفہ باللہ ومقبولہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا خدمت ایشان والدہء راقم وخواہر زادہ حضرت قیوم جہان اند اول بخدمت حضرت قدوۃ الاولیاء شاہ غلام محمد شرف بودند وار نسبتہائی خاصہ ایشان بہرہ یافتہ چنانچہ رمزی ازان درتذکرۂ احوال حضرت قدوۃ الاولیاء گذشتہ چون حضرت قیوم جہان اشارہ بدان رفتہ وسلوک آن راہ از سر نو بخدمت ایشان از ابتداء تا انتہاء بانجام رسانیدند وبہ اعلیٰ درجات کمال واکمال فائض ومشرف شدند اول نسب ایشان بہ

[488] (الدر المنثور فی ربات الخدور، باب فاطمة الفقيهة ابنة علاء الدين محمد بن أحمد السمرقندي جلد 1 ص 366)

بیان آوردہ شو بعدہ کیفیت احوال ایشان بطریق اجمال مذکور گردد والد ماجد حضرت بی بی صاحبہ حضرت شاہ عطاء اللہ نام دارندہ در نسب از طرف آبائی کرام از سادات بخاری دھلوی اند از اولاد حضرت حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہ کہ در ایام حضرت مجدد الف ثانی، در حضرت دہلی صاحب ارشاد بودند و طریق اجداد خود را ترویج میفرمودند از جناب حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ مکاتیب بطرف ایشان درود یافتہ دران مکاتیب فقرات مدحیہ ایشان بسیار نوشتہ اند انشاء اللہ مکتوبی ازان مذکور خواہد سہ حضرت حاجی عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ بحضرت مخدوم جہانیاں میرسد و طریقہ نیز از ایشان داشتند مکتوبی کہ بالاوعدہ ذکر شدہ نوشتہ می شود۔

عمدۃ المقامات کے صفحہ ۴۹۵ پر مرقوم ہے:

منتخب سابع سے تذکرہ سابع: یہ تذکرہ عارفہ باللہ مقبولہ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کے متعلق ہے (جس میں مرقوم ہے) کہ راقم کی والدہ اور حضرت قیوم زماں کی بھتیجی ان کی خدمت میں رہیں اس سے پہلے وہ حضرت قدوۃ الاولیاء شاہ غلام محمد شرف رحمہ اللہکی خدمت میں رہیں۔ لہذا ان خاص نسبتوں سے انہوں نے وافر حصہ حاصل کیا۔ چنانچہ حضرت قدوۃ الاولیاء رحمہم اللہ کے احوال کے تذکرہ میں ان کا بھی ذکر گزر چکا ہے۔ جب حضرت قیوم زماں قیومیت کے مقام پر فائز ہوئے تو بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) ان کی خدمت میں رہیں چنانچہ حضرت قیوم زماں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے احوال میں ان کی طرف اشارہ گزرا ہے۔ بی بی صاحبہ نے

ان کی خدمت میں رہ کر ان سے از سر نو ابتداء تا انتہا سلوک طے کیا اور کمال و اکمال (خود کمال پر فائز ہونا اور دوسرے کو بھی درجہ کمال تک پہنچا دینا) کے مقام سے مشرف ہوئیں۔ پہلے ان کے نسب کو بیان کیا جاتا ہے پھر اجمالی طور پر ان کے احوال کی کیفیت مذکور ہو گی۔ حضرت بی بی صاحبہ کے والد ماجد کا نام حضرت شاہ عطاء اللہ رحمہ اللہ تھا۔ اپنے آبائی نسب کے لحاظ سے ان کا تعلق دہلی کے بخاری سادات سے تھا جو کہ حضرت حاجی عبد الوہاب بخاری قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے اور یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے زمانے میں دہلی میں صاحب ارشاد تھے اور اپنے اجداد کے طریقہ کی ترویج فرماتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی طرف سے حضرت کے نام کئی مکتوبات ملتے ہیں ان مکتوبات میں حضرت کی تعریف میں کئی عبارات لکھی ہیں۔ حضرت حاجی عبد الوہاب بخاری رحمہ اللہ نے جو مکتوب حضرت مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجے ان شاء اللہ ان میں سے ایک کا تذکرہ بھی ہو گا۔ انہوں نے ان سے طریقہ بھی حاصل کر لیا تھا۔

جس مکتوب کا اوپر وعدہ کیا وہ ذیل میں مذکور ہے:

مکتوب پنجاہ و پنجم از جلد اول شیخ عبد الوہاب بخاری صدور یافت چندگاہ است کہ دل را محبتی نسبت بملازمت شما پیدا شدہ است غیر ان ارتباطی کہ سابقا متحقق بود بناء علیہ بدعای ظہر الغیب بی اختیار مشغول است وچون سرورِ کائنات وفخر موجودات علیہ وعلٰی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات فرمودہ اند کہ من احب اخاہ فلیعلم ایاہ اظہار حب خود نمودن اولٰی وانسب دانست وبہ این محبت کہ نسبت بہ اقربائ آنحضرت علیہ السلام پیدا شدہ رشتہ امیدواری تمام بدستِ آوردہ حق سبحانہ وتعالٰی

بر محبت ایشان استقامت ارزانی فرماید **بحرمة سید البشر علیه وعلیٰ آله صلوات والسلام۔** مکتوبہ الشریف ۴۹۶

جلد اول مکتوب نمبر ۵۵، بسیادت پناہ شیخ عبدالوہاب بخاری، کچھ عرصہ ہوا کہ آپ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ سے محبت پیدا ہو گئی جو تعلق آپ سے پہلے تھا تو اس کو چھوڑ کر اسی وجہ سے آپ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں آپ کے لیے دعا گو رہتا ہوں۔ حضور سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

من احب اخاه فلیعلم ایاه (جو اپنے بھائی سے محبت کرتا ہے تو اس کو (اس محبت سے آگاہ کر دے) محبت کا خود بخود اظہار بہتر واعلیٰ ہوتا ہے اور وہ محبت جو حضور ﷺ کے اقرباء سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے امید کا رشتہ ہاتھ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے طفیل ان کی محبت میں استقامت عطا فرمائے۔

اظہار نسبتِ باطنی بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ علیہا)

چون خدمت ایشان بسیر محبوبی ومرادی مراتبِ اظہار کمال واکمال را حاصل کردند ومعاملات سنین را بساعات علی فرمودند وبمقامات علی ومراتب متعالی مشرف شدند وچون مشرب ایشان محمدی واقعہ شدہ بودہ جمیع مدارج ولایات فائض گردیدند دقیقۂ از دقائق اسرار وکمال نماند کہ بدان ممتاز نشدند وبہ الہامات خاصہ وعنایات مختصہ وسرور آمدند مرشد ایشان حضرت قیوم جہان خدمت ایشان را تکلیف تام بامر ارشاد داشتند وایشان خود را زین امر خطیر یکسو نمودند وسوانح ان بیان میفرمودند

ہر چند مبالغہ دران امر مشاہدہ میمودند کنارہ ازاں می جستند درین لیت و لعل مدتی در گفتگوی کشید تاآنکہ در معاملہ بشرف زیارت جناب اطہر صلوات اللہ علیہ مشرف شدند وازان سرور کائنات و فخر موجودات بخلعت خاصہ خلافت ارشاد و ممتاز و مجاز گردید ند وتا کید اکید درین امر شریف دیدند لاچار اظہار بخدمت مرشد والا تبار خود نمودند وان قیوم وقت چون از مدتی خواہش این امر داشتند ازین مرور گردیدہ نامۂ اجازت وارشاد برای ایشان نوشتہ وجبہ ودستار خود را بہ تبرکات بہ ایشان عنایت فرمودند وجماعت طلاب کہ بخدمت عالی بود امر کردند کہ بخدمت حضرت بی بی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ رفتہ از بیرون حجرہ شریف توجہ گرفتہ باشند حتی کہ خلفای کامل خود را نیز اذن بتوجہ از ایشان نمودند وفرزنداں واطفال واہل خود راتمام چہ بنات وچہ ازدواج بخدمت ایشان مرید کردند ایشان بہ امر مرشد واشارہ ارواح طیبہ طوعاً وکرہاً مشغول شدند تاثیر در مسترشدان ایشان بنوعی شد کہ مافوق ان متصور بناشد ومردم از دور ونزدیک خصوصاً از عالم نساء بہ ایشان رجوع آوردند وہنگامہ ارشاد فیض رشاد ایشان در اطراف واکناف منتشر شد باسوان از خانمان خود دوست برداشتہ بذیل دامان ایشان افتادند وازانوار واسرار سرمست وسرشار شدند وبسیاری از مسترشدات ایشان مجذوبہ گردید ند حتی کہ در خانہ ایشان مجذوبات زنجیر بپا ہمیشہ فتادہ بودند در عالم نسوان مثل این اجتماع للہ

وفی اللہ کہ در خدمت ان مقبولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدہ بود چہ در متقدمین ومتاخرین از صالحات شیذہ نہ شدہ بلکہ در عالم رجال خال خال دران حال باین قوت کمال واکمال بودہ باشد۔

بیت

فیض روح القدس اگر باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ا۔بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی باطنی نسبت کا اظہار:

جب بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) نے ان کی خدمت میں رہ کر مراتب کمال واکمال حاصل کر لیے اور معاملات سنین بہت جلد طے کر لیے اور بلند مقامات اور اعلیٰ مراتب سے مشرف ہو گئیں اور جب ان کا مشرب مشرب محمدی ہو گیا اور ولایت کے جملہ مدارج کا فیض حاصل کر لیا تو اسرار وکمال کی کوئی باریکی نہ تھی جس سے وہ ممتاز نہ ہوئی ہوں اور جب خاص الہامات اور خاص عنایات سے بھی فیض یاب ہو گئیں تو آپ کے مرشد حضرت قیوم جہاں رحمہ اللہ تعالیٰنے ان کو ارشاد و تبلیغ کا حکم دیا لیکن انہوں نے خود اپنے آپ کو اس مشکل معاملے سے دور رکھا اور اس امر مشاہدہ سے ہر چند کنارہ کیے رکھا اور ایک مدت تک اس معاملے میں گفتگو کرنے سے پس وپیش سے کام لیتی رہیں یہاں تک کہ اسی معاملہ میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئیں اور حضور ﷺ نے ان کو خلافت وارشاد کی خاص خلعت عطا فرمائی اور ان کو اجازت عطا فرمائی اور اس معاملہ میں سخت تاکید فرمائی۔ پھر مجبوراً آپ نے اپنے مرشد گرامی سے اس (خواب) کا اظہار کیا۔ قیوم زماں تو مدت سے اس امر کی خواہش رکھتے تھے لہذا آپ بہت خوش ہوئے اور ان کو ارشاد و تبلیغ کا اجازت نامہ لکھ دیا۔ نیز اپنا جبہ ودستار تبرک کے طور پر ان کو عنایت فرمائیں اور جو طلبا آپ کی خدمت میں موجود تھے۔ ان کو حکم

ارشاد فرمایا کہ حضرت بی بی صاحبہ (رحمہا اللہ تعالیٰ) کے پاس جایا کریں اور ان کے حجرہ کے باہر بیٹھ کر ان سے توجہ لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ نیز اپنے بیٹوں، بچوں اور اہل خانہ کو بھی یہی حکم دیا، کیا بیٹیاں کیا بیویاں تمام کو ان کا مرید کروادیا۔ آپ (بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) طوعاً وکرہاً مرشد گرامی کے حکم اور ارواح طیبہ کے اشارہ سے اس کام میں مشغول ہو گئیں۔ جلد ہی ان میں ایسی تاثیر نظر آنے لگی جو تصور میں بھی نہ تھی اور قریب وبعید سے لوگ خصوصاً عورتیں ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگیں۔ اطراف واکناف میں ان کے فیض وارشاد کے ڈنکے بجنے لگے۔ ان کے اپنے خاندان کی بہت سی عورتیں ان کے دامن کے ساتھ وابستہ ہوئیں اور راز واسرار سے سرمست وسرشار ہوئیں۔ بہت سی ارادت مند خواتین مجذوب ہو گئیں۔ یہاں تک ان مجذوب عورتوں کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر گھروں میں رکھا جاتا۔ عورتوں کی جو حالت ان مقبولہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھی وہ کسی اور متقدمین اور متاخرین بزرگوں کے اجتماع للہ وفی اللہ میں سننے کو نہیں ملیں بلکہ مردوں میں بھی اس طرح کمال واکمال کی قوت کا عالم خال خال ہی نظر آتا ہے۔

بیت

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: حضرت روح القدس کا فیض اگر دوبارہ مدد فرمائے تو دوسری ہستیاں بھی اسی طرح کر سکتی ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا کرتے تھے۔

ارشاد خط:

ارشاد نامہ کہ خدمت حضرت قیوم جہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ اند

اینجا ثبت میشود

هذا هو الحمد لله الذی خلق الآدم علی صورته و کرمه بخلافته و اجریٰ تلک النسبة بین انبیائه و اولیائه صلوات الله علی نبینا محمد و آله الطاهرین و صاحبه المهتدین و کذالک علی الانبیاء اجمعین و اولیائ۔ المرضیین و عباد الله الصالحین اما بعد!

نموده می آید کہ خدمت مخدومہ معظمہ مکرمہ مظہر انوار القیوم نور العین و ثمرۃ الفواد امۃ المعصومیہ سلمها الله تعالیٰ چون سلوک و تسلیک طریقہ علیہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نزد فقیر حاجی صفی اللہ السرہندی باتمام واختتام رسانید وباعلی درجات کمال واکمال مشرف شدہ قطع مراتب ولایت صغریٰ و کبریٰ وعلیا و سیر الی اللہ وفی اللہ عروج درمدارج کمالات نبوت ورسالت واولوالعزم بمقامات انبیاء ورسل ودخول در صفوف ان اکابر ووقوف از علوم معیت احاطہ وسریان توحید وجودی وشہودی بتفصیل حاصل نمود واز حضور خاصہ نقشبندیہ بطرز حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ وفناء اتم وبقاء اکمل وزوال عین واثر وفناء فنا تحقق یافت وارتقای از جمیع مقامات ظلال واصول ووصول باصل الاصل کہ از شائبہ ظلیت مبدا ویکسواست حاصل وقت او شد وسوی آنچہ مذکور گردید بمعاملاتی مشرف شد کہ این کمالات نسبت بآن حکم قطرہ دارد نسبت بدریای محیط چہ این کمالات از علوم واجب الاظہار است وان از

اسرار لازم الاستتار یضیق صدری ولا ینطلق لسانی۔ ایمای بان مینماید و قطع منی ہذا البلعوم اشارہ بان میکند ودر مقام نزول چون عروج کامل آمد بخاطر فقیر افتاد کہ معزا الیہا را اجازت تعلیم و تلقین نماید تا خلائق از فیوض وبرکاتش بہرہ ور گردند اما مخدومہ مکرمہ معظمہ در قبول این امر اہمال درزیدہ وتعویق درین امر افتاد تا عنایات بی غایات ازلی شامل حال او گردید کار اورا از حضیض باوج رسانید و بمنصب خلت و محبوبیت و بہرہ اصالت وفردیت ومایناسب ذالک من الخصوصیات والا از جناب اقدس خداندی علی التواتر والتوالی سرفراز وممتاز شد وبشرف زیارت حضرت خیر البریہ خاتمیت علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیۃ مشرف گردید وازان جناب بخلعت خلافت وارشاد ماذون کامل شد ودر قبول این امر تاکید اکید یافت الحمدللہ علی ذالک حمداً کثیراً الاکابر الحال خدمت مخدومہ مشار الیہا را احتیاج باذن نیست اماچون از قلم موسوم گردید کہ بی اذن پیر درین امر خطیر اقدام نمی نمایند لہذا میگردد کہ ہر کہ از قسم نساء ورجال کہ طالب راہ ایزد ومتعال باشد بخدمت شریفش برسد واخذ طریقہ نماید گویا باین فقیر رسیدہ باشد وبقدر استعداد از انعکاس باطن شریفش بہرہ ور گردد شرط الاجازۃ الاستقامہ بالشریعہ المرضیہ والسنۃ المصطفویہ علی صاحبہا الصلوات والسلام والتحیۃ والرسوخ بمحبۃ الشیوخ السلسلۃ العلیۃ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین ثم الصلوات والسلام علی خیر الانام و علی آلہ العظام وصحبہ الکرام الی یوم القیام۔

ارشاد خط:

حضرت قیوم جہاں رحمہ اللہ کا ارشاد نامہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

تمام تعریفیں اس اللہ عزوجل کے لیے ہیں جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا اور اپنی خلافت سے ان کو نوازا اور اس نسبت کو انبیاء اور اولیاء کے درمیان جاری فرمایا اور اللہ عزوجل کی رحمتیں ہوں۔ ہمارے نبی محمد ﷺ پر اور ان کی آل پاک پر اور ان کے ہدایت یافتہ اصحاب پر اور اسی طرح رحمتوں کا نزول ہو تمام انبیاء علیہم السلام واولیاء (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) اور اللہ عزوجل کے نیک بندوں پر اما بعد! دیکھنے میں آیا ہے کہ جب مخدومہ، محترمہ، معظمہ، مکرمہ، مظہر انوار القیوم، نورالعین ثمرۃ الفواد امۃ المعصومہ سلمہا اللہ تعالی نے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کا سلوک فقیر حاجی صفی اللہ سرہندی سے مکمل کیا اور کمال واکمال کے اعلیٰ درجات سے مشرف ہو گئیں اور ولایت صغریٰ اور کبریٰ وعلیا حاصل کرلیں اور سیر الی اللہ سیر فی اللہ کے مدارج میں عروج حاصل کرلیا اور کمالات نبوت ورسالت میں عروج حاصل کیا اور انبیاء ورسل کے مقامات میں صعود سے مشرف ہو چکیں اور ان اکابرین کی صفوں میں داخل ہو گئیں اور معیت احاطہ کے علوم اور توحید وجودی وشہودی کی سیر کا تفصیل سے مشاہدہ کرلیا اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مجدد الف کے طریقہ کے مطابق حضور کا مقام پالیا اور مکمل فنا اور اکمل بقا اور عین واثر کے زوال اور فنا در فنا کے مقام کو حاصل کرلیا۔ ظلال اصول اور وصول باصل الاصل کے تمام مقامات میں اس قدر ترقی حاصل کرلی کہ اس میں ظلیت کے شائبہ سے یکسوئی حاصل ہو گئی۔ نیز مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ ایسے بہت سے دیگر مقامات سے مشرف ہوئیں کہ ان کی مثال ان کے مقابلہ میں قطرہ و دریا کی سی ہے۔

علوم کے ان کمالات کا اظہار واجب ہوتا ہے اور ان کے اسرار و رموز کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ یضیق صدری و لا ینطلق لسانی۔ (میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی) میں اُس کی طرف اشارہ ہے اور قطع منی ھذا البلعوم میں اس کی طرف اشارہ ہے اور جب انہوں (بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) نے نزول کے مقام میں عروج کامل حاصل کرلیا تو فقیر (حاجی صفی اللہ رحمہ اللہ) کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ بی بی صاحبہ کو تعلیم و تلقین کی اجازت دی جائے تاکہ مخلوق خدا ان کے فیوض و برکات سے بہرمند ہو لیکن ایک مخدومہ و مکرمہ (بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) تھیں کہ اس کو قبول کرنے سے اغماض برتتی رہیں اور اس امر کو ملتوی کرتی رہیں۔ یہ اسی وجہ سے ہوگا کہ انتہائی ازلی عنایات ان کے شامل حال ہوجائیں۔ سو ہوا بھی یوں ہی کہ ان کا معاملہ پستی سے اوج ثریا تک جا پہنچا اور وہ خلت و محبوبیت کے مقام سے مشرف ہوئیں اور اللہ جل جلالہ کی جناب سے اصالت و فردیت اور دیگر مقامات سے مشرف ہوئیں۔ (جو اس کے لائق تھے) پھر وہ حضرت خیر البریہ علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوئیں اور آپ ﷺ نے خلافت و ارشاد کی خلعت عطا فرمائی اور اس کو قبول کرنے کی سخت تاکید فرمائی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً۔

اگرچہ اب مخدومہ مذکورہ کو اجازت کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن چونکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ پیر کی اجازت کے بغیر اس مشکل راہ پر قدم نہیں رکھنا چاہیے۔ لہٰذا یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ راہ خدا عزوجل کے طالبین تمام مرد و عورت کو چاہیے کہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان سے وہ طریقہ حاصل کریں جو فقیر سے ان کو پہنچتا ہے اور اپنی باطنی استعداد کے مطابق ان سے بہرمند ہوں اور اس اجازت کی شرط یہ ہے کہ شریعت مرضیہ پر استقامت اور سنت مصطفوی علی

صاحبہاالصلوات والسلام والتحیۃ پر ثابت قدم رہیں اور سلسلہ عالیہ کے شیوخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے محبت میں راسخ ہوں۔

الصلوات والسلام علی خیر الانام وعلی آلہ العظام وصحبہ الکرام الی یوم القیمۃ۔

بعد ازین مدتی ارشاد در زید ند وجہانی از قسم نسوان از خدمت ایشان مستفیض شدند جماعت کہ بنقص عقل ودین متصف اند بکمال عرفان ویقین موصوف شدند۔

بیت

حنظل صحراچو سیب بوستان میزند پہلو بقندای دوستان

خدمت ایشان از کثرت مشاہدہ عنایت بی غایات جناب ایزدی در بارہ خود گاہی این فرد میخواند خود

اگر بادشاہ بر در پیرہ زمان بباید توای خوجہ سلہت فکن

اس کے بعد ایک مدت تک ارشاد و تبلیغ کا کام ہوتا رہا اور خواتین کا ایک جم غفیر ان کی خدمت سے مستفیض ہوتا رہا۔ وہ جماعت جو ناقص العقل اور ناقص الدین تھی وہ معرفت ویقین کے کمال سے متصف ہو گئی ہے۔

اے دوستو! ریگستان کا تمہ (اندرائن جو ایک کڑوا پھل ہے) باغ کے سیب کی طرح اب میٹھے سے شانہ ملاتا ہے (مقابلہ کرتا ہے) اللہ تعالیٰ کی ان پر بے پایاں عنایات دیکھ کر میں ان کی خدمت میں اکثر یہ شعر پڑھتا ہوں۔

اس بزرگ عورت کے دروازے پر اگر بادشاہ بھی آئے تو اسے بھی مونچھیں نیچی کرنا پڑیں گی۔

اینک صورت عرفان وارشاد بی بی صاحبہ رحمہااللہ تعالیٰ اجمالاً تسوید یافت اگر بہ تفصیل برداختہ شود

به تطویل فی انجام و ذالک یکفی للمؤمن المنصف لاالمنکرین المتعصبین الذین ینکرون ویتعصبون ویسیؤن الادب فی شان اهل اللہ تعالیٰ ویفرطون فی شانهم ویشنعون علی ارشادمن کانت هی اهلاً لهذاالامر المطلوب وطعنوا علی السالکات التی وصلت الیٰ ذروة مقامات السلوک۔

یہ بی بی صاحبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) کی معرفت وارشاد کے مختصر احوال تھے۔ اگر تفصیل میں جاؤں تو بات لمبی ہو جائیگی۔ بہر حال ایک منصف مزاج مومن کے لیے یہی کافی ہے۔ ان متعصبین ومنکرین کی بات نہیں کرتا جو اہل اللہ عزوجل کا انکار کرتے ہیں، ان سے تعصب رکھتے ہیں اور ان کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔ ان کی شان میں تفریط سے کام لیتے ہیں۔ اور ان خواتین کی عیب جوئی کرتے ہیں جو اس مطلوبہ امر کی اہل ہوتی ہیں۔ ان سالکات پر طعن زنی کرتے ہیں جو مقامات سلوک کی بلندی تک جا پہنچتی ہیں۔

حاشا وکلا نجانااللہ تعالیٰ من دنس کلامهم الذی یقولون بافواههم قولا لا یقبله الشرع۔

حاشا وکلا اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کی فریب زدہ باتوں سے محفوظ فرمائے جو اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں۔ شریعت جن کو قبول ہی نہیں کرتی۔

مزید ترین البتہ قارئین گرامیین وحضرات قائدین ومدرسین ان نواحی ملاحظہ کردۂ دیدہ باشند کہ در ضلع گجرات مدرسہ معتبرۂ موجود است کہ تدریس میشود وان مدرسہ علوم دینی وفنون مذہبی وبالغ میشود طلاب ان مدرسہ بہ ہتصد نفر بلا انکار نکیر واختصامی دارد بہ نسوان آبحنائی خاصۃ کہ موجد نبو باین

نظم ونسق اینگونہ تعلیم وتربیت در قرون ثلاثہ کہ بلسان شفیع انس وجان صلی اللہ علیہ وسلم قرون ثلاثہ بوصف خیریت ، وخیر القرون متصف شدہ است ، واحداث گردیدہ است این امر در قرنی وصورت گرفتہ است در عصری کہ در احادیث آں راز مانہ فتن گفتہ است کہ موجود میشود درآن حرج و مرج پس درحالیکہ بنا ر و بقا اینگونہ مدارس وامثال این باشارہ من راہ المسلمون حسنافھو عنداللہ حسن۔ مستحسن در شرع باشد ومدار افادہ واستفادہ کافہ زنان آن ناحیہ گردیہ باشد کہ ودین آموزش آراستن ظاہر است بآداب شریعت ومسوط ومسلم قرار گرفتہ است اصلاح امور معاملاتی برآن پس چہ تصور میرود در علوم باطنی کہ در عرف جامعۂ خلف وسلف آنرا تصوف می نامند وثابت است بقرآن واحادیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام۔

اگرتذکار گردد ممکن میسازد تالیف ضخیمی را،احراز کردم ازاشارت نیزودر کتب انراحالت شریفہ نامیدہ است بلکہ آنرا نور وہدایۃ وعنایۃ واثر توفیق من اللہ تعالیٰ ستائش کردہ است وعمل کردہ است بعین شریعت وعایت شان از صفت موصوف میخواہند ونہایت شان از اسم مسمیٰ میطلبند کہ نمی گنجد ہیچ تباین درمیان شریعت وطریقت زندیق میشود کہ طریقت راجدا شمارد از شریعت زیرا اراستن ظاہر است بآداب شریعت وپیراستن باطن است بآداب طریقت ووسل کردن خلق است ، بخالق

و متخلق ساختن خلق است بہ خلق اللہ تعالیٰ بضناء وبقاء مشرف سختن است اہل اللہ را منوط و منحصر است این ہمہ توجہات تو یہ شیخ مقتداء پس ہیچ احدی کہ صاحب بصیرت باشد نمی پزیرد کہ جانب ظاہر کہ صورت شریعت وصل عمل انگار دد جانب باطن کہ حقیقت شریعت عکس العمل مگرآنکہ مطمس البصیرت باشد۔

اگر اس کا تذکرہ شروع ہوا تو ممکن ہے کہ ایک ضخیم کتاب میں ڈھل جائے اس لیے اشارہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔کتابوں میں (تصوف کو) حالت شریفہ سے موسوم کیا گیا ہے بلکہ اس کی تعریف نور ہدایت عنایت اور توفیق من اللہ کے الفاظ سے کی گئی ہے اور یہ عین شریعت کے مطابق عمل کرنا ہے۔کیونکہ شریعت وطریقت میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں اور جو شخص طریقت کو شریعت سے جدا گردانتا ہے وہ زندیق ہے کیونکہ آداب شریعت کے ذریعے ظاہر میں نکھار آتا ہے اور آداب طریقت سے باطن سنورتا ہے اور یہ مخلوق کو خالق سے ملا دیتا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف کر دیتا ہے اور اہل اللہ کو فنا وبقا کے مقام سے مشرف فرمادیتا ہے لیکن ان کمالات کے حصول کا دارومدار شیخ کامل ومقتدا کی توجہات پر ہے۔کوئی بھی صاحب بصیرت شخص اپنے ظاہر کو صورت شریعت اوراپنے باطن کو حقیقت شریعت کے بغیر نہیں رکھ سکتا۔لیکن جو شخص بے بصیرت ہو وہ تو پھر ایسا ہی کرے گا۔

بالجملۃ قصدی مماذکرتہ ھان اثبات الارشاد و دعوۃ الطریقۃ سواء کان رجالاً او نساء فالامر لیس کما یزعمہ المعاندون الحاسدون فلو فرضوا ارشاد النساء ممنوعا و توجھا الی غیر المعروف کما یتفوہ المتقولون المانعون وھم فی الخطاب یستویان فنسیر الی آیۃ واحدۃ

قال ربنا جل جلاله وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون قال ابن عباس لیعرفون فالخطاب مطلق والمطلق یجری علی اطلاقہ۔

المختصر مذکورہ بالابحث سے میرا مقصد ارشاد اور دعوت کے مطلق طریقہ کو ثابت کرنا ہے۔ چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ مسئلہ اس طرح نہیں ہے جس طرح مخالفین اور حاسدین گمان کرتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتوں کا ارشاد ممنوع ہے اور ایک غیر معروف چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے جیسا کہ بعض باتیں بنانے والے اور منع کرنے والے کہتے رہتے ہیں تو پھر یہ بھی چاہیئے کہ مردوں میں سے جو اولیاء اللہ ہیں ان کی دعوت وارشاد کو بھی ممنوع قرار دیا جائے کیونکہ مرد اور عورتیں شریعت کے احکام کے یکساں مخاطب ہیں۔ ہم صرف آیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں پروردگار عالم نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶)

ترجمہ: میں نے جن اور انسان پیدا نہیں کیے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

یہاں خطاب مطلق ہے اور قاعدہ ہے کہ المطلق یجری علی اطلاقہ (مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے)۔

چون فریقین در معرفت برابر آمدند پس لابد در استفادہ و افادۂ ارشاد بی مضائقہ علی حسب الاستعداد مع رعایۃ تفاوۃ درجاتہما برابر آمدند اقول

وایضاً ان المانعون کما ینکرون دعوتهن فی علوم الباطن فلما ذا لایمنعون تدریسهن فی العلوم الظاهر یس هذا الامن علۃ انهم لم یشم رائحۃ من اسرار الطریقۃ۔

اس لیے جب ہر دو فریق (مرد وعورت) کا ذکر معرفت میں برابر ہوا ہے تو ضروری ہے کہ استفادہ وافادہ اور ارشاد میں وہ اپنی استعداد کے مطابق برابر ہوں لیکن ہاں یہ بات ہے کہ مرد

وعورت کے درجات میں فرق کو بہر حال ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔اور پھر یہ بھی ہے کہ جس طرح مخالفین عورتوں کے لیے علوم باطنیہ کی دعوت کا انکار کرتے ہیں تو پھر اسی طرح وہ علوم ظاہریہ میں بھی ان کی تدریس کا انکار کیوں نہیں کرتے ؟ ان کا یہ انکار صرف اپنی کمزوری کی وجہ سے ہے کہ وہ خود تو طریقت کے اسرار کی خوشبو پانہ سکے (اور چلے ہیں دوسروں کا انکار کرنے)۔

وفی الاحیاء للغزالی لذۃ العلم بقدر شرف العلم و شرف العلم بقدر شرف المعلوم و قال فی آخر قولہ و بھذا تبیین ان العلم لذیذ و الذ العلوم العلم باللہ تعالیٰ و بصفاتہ و افعالہ و تنبیرہ فی ممکنتہ من منتھی عرشہ الی تخوم الارضین فینبغی ان یعلم ان لذۃ المعرفۃ اقویٰ من سائر اللذات انتھی۔

امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ علم کی لذت اس علم کے شرف کے مطابق ہوتی ہے اور علم کا شرف معلوم کے شرف کے مطابق ہوتا ہے۔اپنے اسی قول کے آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ علم لذیذ ہوتا ہے اور لذیذ ترین علم اللہ تعالیٰ اس کی صفات اور افعال کا علم ہے۔ نیز عرش الٰہی کی انتہا سے لے کر تحت الثریٰ تک اس کی بادشاہت میں غور و فکر کرنا یہ لذیذ ترین علم ہے۔لہذا جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی لذت تمام لذات سے قوی ہے۔

ویا ایھا السالک و السالکۃ ابقا کما اللہ بعد ما افنا کما ۔ ان مسائل الجواب کثیرۃ جدا لا یمکن احصائھا علی التفصیل خوفاً عن الاطناب و لکن اثرت الی مجامعھا و سلکت اخصر المسالک فی نھایۃ الاختصار لئلا یقع بھذا مثلاً فلیبک علی نفسہ و لیمت علی غیضہ و للہ در القائل:

و ان کنت تعلم فذاک مصیبۃ و ان کنت لا تعلم فالمصیبۃ اعظم

ز دشیخ شہر طعنہ بر اسرار اہل دل		المرء لا یزال عدو لما جھل

اب خضر از جوی بار اولیائ نہ خوریم از تشنۂ غافل بیاء

اے سالک مردوں اور عورتوں، اللہ تعالیٰ تمہیں فنا کے بعد بقا کا مقام عطا فرمائے۔ ان سوالوں کے جواب بہت زیادہ ہیں لیکن طوالت کے ڈر سے ان کو بالتفصیل ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں۔ بہر حال میں نے اجمالاً ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ میں نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختصر راستہ اختیار کیا ہے تا کہ طالب سالک اور طالبہ وسالکہ دنیا کے جھوٹے پروپیگنڈا کرنے والوں کے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔ زمانہ کے تفرقہ بازوں کی واہمات میں نہ الجھیں اور مکار اور دھوکے باز لوگوں کی لغویات سے پریشان نہ ہوں۔ اہل علم خود بھی اس مسئلہ کو سمجھ لیں اور اہل عبادات کو بھی آگاہ کر دیں اور جو شخص ان دلائل پر بھی قناعت نہیں کرتا اسے اپنے آپ پر رونا چاہیے اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہی غصے کی موت مر جائے۔

شاعر نے اللہ کے کرم سے کیا عمدہ بات کی ہے:

ترجمہ: اگر تو جان جائے پھر بھی مصیبت ہے اور اگر تو نہ جانے تو پھر اس سے بڑھ کر مصیبت ہے۔

ترجمہ: شیخ شہر نے اہل دل کے اسرار پر طعنہ زنی کی آدمی جس چیز کو جانتا نہیں اس کا دشمن ہی رہتا ہے۔

فهذا الامر شروح ان اردت يطول لا يحتملها المقام فهذا النبذ يكفى للعالم المحقق المنصف۔

یہ مسئلہ بہت واضح ہے اگر میں چاہوں تو بات کو طول دے سکتا ہوں مگر یہ مقام اس طوالت کا متحمل نہیں۔ یہ مختصر سی وضاحت ایک منصف مزاج عالم اور محقق کے لیے کافی ہے۔

فنسال الله الاستقامة على جادة الشريفة المصطفوية على صاحبها الصلوات والسلام

فقیر سیف الرحمن اخندزادہ پیر ارچی، ۱۴۱۵، ہجری ربیع الثانی

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوات والسلام پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین والسلام!

فقیر سیف الرحمن اخندزادہ، ارچی و خراسانی، ۱۴۱۵، ہجری ربیع الثانی۔

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

کرامت: یکبارے بعضے عورات مستورات از محرمات فقیر و عم من شیخ محمد کہ شیخ فانی شدہ بود و طاقت رسیدن بملازمت ایشان نداشت بفقیر بجد شدند کہ مارا بر طریقۂ ایشان مشغول کن۔ گفتم من اجازت ندارم۔ از حضرت ایشان رخصت گرفتہ مشغولی خواہم گفت۔ چون بملازمتِ آنحضرت رسیدم معروض داشتم کہ بعضے نساء صالحات ازین فقیر طلب مشغولی می کنند' درین برچہ حکم شود برآن عمل نمایم و نام عم فراموش کردم۔ فرمودند بآن نساء مشغولی بگو بلکہ عم خود شیخ محمد راہم خواہی گفت کہ او ہم مشتاق است۔ و نام پیرے دیگر بردند کہ پسر او آمدہ بود واز جانب او التماس مشغولی می نمود' بخانۂ وے رفتہ او را مشغولی بگوئی۔ بخاطر فقیر گزشتہ کہ این اجازت مقید است بہمین اشخاص یا دیگران راہم اگر مشغول کنم مجوز باشد۔ ہنوز این خطرہ دردل استقرار نگرفتہ بود کہ فرمودند کہ ترا اجازت مطلق ست کہ تو داخل عیال مائی۔ بعد ازان این فقیر بآن عورات و بعم خود و بآن پیر دیگر مشغولی فتہ ملازمت رسید۔ احوال آن جماعہ بتفصیل پرسیدند۔ عرض کردم کہ ہمہ را مشغولی گفتم و درینہا بتوجہ حضرت خوب در گرفتہ۔

فرمودند الحمد للہ رب العالمین۔ بعد ازاں چند کس دیگر را ہم تلقین ذکر کردم واحوال فرور فتگیہا واستغراق ایشان بخدمت حضرت ایشان معروض داشتم۔ خوش وقت شدند وفرمودند ما می خواستیم کہ تو بنشینی و بارشاد خلق اللہ پردازی، کثرت عیال تراں می گزار۔

کرامت: ایک مرتبہ اس فقیر کی بعض محرم عورتوں نے اور میرے چچا شیخ محمد رحمہ اللہ نے جو بڑھاپے کی وجہ سے معذور ہو چکے تھے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی طاقت نہ رکھتے تھے مجھ سے اصرار کیا کہ حضرت کا طریقہ ہم کو سکھاؤ میں نے کہا کہ مجھے اجازت نہیں ہے میں حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اجازت لے لوں تو پھر بتاؤں گا، جب میں حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ بعض صالح عورتیں اس فقیر سے ذکر کا طریقہ چاہتی ہیں، جو کچھ اس معاملے میں حضور کا حکم ہو اس پر عمل کروں، میں اپنے چچا کا ذکر کرنا بھول گیا، آپ نے فرمایا کہ ان عورتوں کو بھی ذکر کا طریقہ بتادو بلکہ اپنے چچا شیخ محمد رحمہ اللہ کو بھی بتادو، کیونکہ وہ بھی مشتاق ہیں، آپ نے ایک اور بوڑھے شخص کا نام بھی لیا جس کا فرزند آیا ہوا تھا اور جس کی طرف سے اس فرزند نے التماس کی تھی کہ اس کے گھر جا کر اسے بھی ذکر کا طریقہ بتاؤ، مجھ فقیر کے دل میں خیال گزرا کہ یہ اجازت بس انہی لوگوں تک کیلئے محدود ہے یا دوسروں کو بھی ذکر بتانے کا مجاز ہوں ابھی یہ خیال میرے دل میں اچھی طرح بیٹھا نہیں تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم کو مطلق اجازت ہے کہ تم ہمارے عیال میں داخل ہو، اس کے بعد میں نے ان عورتوں کو اپنے چچا کو اور اس دوسرے بوڑھے شخص کو ذکر کا طریقہ بتادیا اور پھر خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سب کا حال تفصیل سے دریافت فرمایا میں نے عرض کیا کہ میں نے سب کو ذکر کا طریقہ بتادیا ہے۔ اور حضرت کی توجہ اچھی

طرح موثر ہوئی آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الحمدللہ رب العالمین اس کے بعد کچھ اور لوگوں کو بھی میں نے ذکر کی تلقین کی اور ان کے استغراق و بیخودی کی کیفیت حضرت رحمہ اللہ سے عرض کی تو آپ خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہم یہی چاہتے تھے کہ تم بیٹھو اور خلق اللہ کی ہدایت کرو مگر کثرت عیال تم کو نہیں چھوڑتی۔[489]

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

خواجہ محمد ہاشم نقل کردہ کہ روزے حضرت ایشان درمیان عورات اہل خانہ نشستہ بودند کہ عاجزۂ ایشان ام کلثوم کہ ہفت سالہ بود، از پیش اخوند آمدہ تاسف بسیار کرد کہ ہائے ہائے! من ہمہ شمارا از حق سبحانہ غافل می یابم۔ حضرت ایشان فرمودند کہ بی بی! این حال بر شمار باز کجا پر تو انداخت؟ گفت شما فلان زن را شغل تلقین می فرمودید، من حاضر بودم۔ ازان روز دل مرا مشغولی گرفتہ است، ہیچ گاہ، بر من غفلت طالوی نمی شود و حال ہیچ دل بر من پوشیدہ نیست۔ ہشتم ربیع الاول سنہ مذکور یک روز عقب از آن دو برادر خورد وفات یافت۔

خواجہ محمد ہاشم نے بتایا کہ ایک دن حضرت مجدد زنانہ مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم جو اس وقت سات سال کی تھیں استاد کے پاس سے پڑھ کر آئیں اور بہت افسوس ظاہر کیا کہ آہ میں تم سب کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل پا رہی ہوں، حضرت نے فرمایا کہ بی بی یہ بات تمہیں کس طرح معلوم ہوئی، انہوں نے کہا کہ آپ جس وقت فلاں عورت کو ذکر کی تلقین فرما رہے ہے

---

[489](حضرات القدس، ج، ۲، ص، ۴۰۵، ناشر محکمہ اوقاف پنجاب لاہور) (حضرات القدس، ج، ۲، ص، ۴۴۰)

تھے میں بھی موجود تھی اور اسی دن سے میرا دل ذاکر ہو گیا ہے اور کسی وقت مجھے غفلت طاری نہیں ہوتی اور کسی دل کا حال مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتا۔[490]

حضرت علامہ سید محمد ہاشم کشمی، برہانپوری، نقشبندی مجددی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۴۵ھ، لکھتے ہیں:

سیّدی مرشدی میر نعمان سلمہ اللہ فرمودند صبیہ ٔ ما مرضعہ داشت بکرات آن مرضعہ رادلالت بمریدی حضرت خواجہ کردیم دی ابانمود تاروزی آن صبیہ رابتقریبی بمصحوب آن مرضعہ بملازمت حضرت خواجہ فرستادیم ایشان آن طفل شیر خوارہ رادر کنار مبارک گرفتہ شفقتہا نمودند آن طفل دستی بمحاسن شریف ایشان بردہ موی از لحیۂ مبارک بدست او بماند فرمودند طفلک سیر ازمایادگاری میگیر دودرحدود ہمان ایام انتقال فرمودند وآن موی مبارک تاامروزبہ تبرک ویادگار بماند:

مرااززلف تو موی پسندست　　فضولی مسکینم بوی بسندست

چون آن مرضعہ نجانہ مراجعت نمود ساعتی نرفتہ بود کہ آثار مستی و جذبات برو پیچیدن گرفت دوی خودرا بران نمید اشت تاآنکہ فریادی سخت برآورد و بیہوش بنقیا دواز پہلوی چپ او حرکت قلبی چنان غلبہ برداشت کہ ہمہ یاران معائنہ می نمودند بعدازمدتی بہوش آمد پرسیدہ شد کہ چہ بودوچہ دیدی گفت ساعت حضرت خواجہ بصورت مہیب عجیب

490 (حضرات القدس، ج، ۲، ص، ۲۹۸، ناشر محکمہ اوقاف پنجاب لاہور) (حضرات القدس، ج، ۲، ص، ۳۱۹)

نمودار نر من میشد تاآنکہ امری مرااز جان ربودہ دیگر نمیدانم کہ چہ شد جز آنکہ دل خود را اللہ گو می یابم۔

حضرت سیدی مرشدی میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میری بچی کی ایک دایہ تھی کئی مرتبہ اس سے کہا گیا کہ آپ کی مرید ہو جائے لیکن اس نے انکار کیا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے اس بچی کو اس دایہ کے ساتھ حضرت سیدنا شیخ الشیوخ خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس بچی کو گود میں لے لیا اور پیار کرنے لگے۔ بچی اپنا ہاتھ آپ ریش مبارک میں لے گئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بال آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ بچی ہم سے ایک بار گاہ لے رہی ہے۔ اسی زمانے میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انتقال فرمایا اور وہ بال ابھی تک تبرک اور یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔

ترجمہ: تیری زلفوں کے بال اچھے ہیں کیسے مہکتے ہیں وہ (مہکے مشک جیسے)۔

جب وہ دایہ گھر کو واپس ہوئی تو ابھی ایک گھڑی نہ گزری تھی کہ اس پر مستی و بیخودی (سُکر) کے آثار شروع ہونے لگے اور وہ ان جذبات کو ضبط نہ کر سکی اس لیے شور مچانے لگی اور بے ہوش ہوگئی اور اس کے بائیں پہلو سے حرکت قلبی اس قدر تیز ہونے لگی کہ سبھی لوگوں (یعنی عورتوں) نے معائنہ کیا۔ ایک عرصے کے بعد اس کو ہوش آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کیا ہوا اور تو نے کیا دیکھا۔

اس نے جواب دیا کہ ہر گھڑی حضرت خواجہ (شیخ الشیوخ باقی باللہ ایک مہیب صورت میں ظاہر ہوئے تھے یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا سوائے اس کے کہ میں اپنے دل کو اللہ اللہ کہنے والا پاتی ہوں۔[491]

[491](برکاتِ احمدیہ، زبدۃ المقامات، ص، ۱۹، ۱۸، المکتبۃ ایشق بشارع دار الشفقۃ، استانبول، ترکیہ) (زبدۃ المقامات، ص، ۴۶)

فصل در بیان
حالت قیام میں دونوں قدموں میں فاصلے کی مقدار

بعض علماء احناف نماز میں دونوں پاؤں کے مابین بہت زیادہ فاصلہ رکھتے ہیں حتی کہ پاؤں اتنے کشادہ رکھتے ہیں کہ دنبہ بھی گزر جائے بجائے عاجزی وانکساری کے اظہار کے ایسا لگتا ہے جیسے پہلوان کشتی لڑنے کیلئے تیار ہوں حالانکہ یہ فقہ حنفی کے بالکل خلاف ہے نماز اللہ تعالیٰ کیلئے تضرع، عاجزی اور خشوع کا مقام ہے جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ:

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (۲۳۸ البقرة)

ترجمہ: اور کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کیلئے عاجزی کرنے کے ساتھ۔

تو نماز پڑھنا مومن مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلا کیف ایک قسم کی معراج ہے۔ جیسے کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔ نماز مؤمن کی معراج ہے۔ تو چاہیئے کہ نماز بہت ہی زیادہ ادب واحترام، سکون اور خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲)

ترجمہ: تحقیق کے ساتھ کامیاب ہوئے وہ مؤمنین جو نماز میں اللہ سے ڈرتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں۔ مسلمان جب نماز ادا کرے چاہے وہ امام ہو یا منفرد تو سنت یہ ہے کہ نماز میں حالت قیام کے وقت دونوں پاؤں کو پیوست نہ رکھے بلکہ ان کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیئے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور عاجزی اور خشوع اور تضرع اس میں ہے کہ نماز میں حالت قیام کے وقت دونوں پاؤں کے درمیان میں فاصلہ نہ تو بہت کم ہو اور نہ ہی بہت زیادہ، لہٰذ فقہاء ومجتہدین احناف نے دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ چار انگلیوں کے برابر بیان فرمایا ہے پس اس سے زیادہ اور اس سے کم مکروہ ہے اور یہ

احناف کا مذہب ہے اور یہ شوافع کے نزدیک ایک بالشت کا فاصلہ ہونا چاہیئے اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ فاصلہ درمیانہ ہونا چاہیئے اس حیثیت کے ساتھ کہ نہ زیادہ پیوست ہو اور نہ زیادہ کشادہ۔

فقہ حنبلی کے عظیم فقیہہ علامہ ابن قدامہ حنبلی المقدسي (المتوفی:620ھ)، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُفَرِّجُ بَيْنَ قَدَمَيْهِ، وَلَا يَمَسُّ إحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى، وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ، لَا يُقَارِبُ وَلَا يُبَاعِدُ۔[492]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں قدموں کے درمیان نہ بہت زیادہ فراخی اور نہ بہت زیادہ تنگی کرتے تھے بلکہ اس کے درمیان میں عمل کرتے تھے نہ زیادہ قریب اور نہ زیادہ دور۔

اسی وجہ سے ہمارے فقہ حنفی کے مشہور فقیہہ ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقي الحنفي (المتوفی:1252ھ) لکھتے ہیں:

وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا مِقْدَارُ أَرْبَعِ أَصَابِعِ الْيَدِ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إلَى الْخُشُوعِ۔

ترجمہ: مستحب اور بہتر بات یہ ہے کہ نماز میں حالت قیام کے وقت دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چار انگلیوں کے برابر ہونا چاہیئے اس لئے کہ یہ حالت خشوع کے زیادہ قریب تر ہے۔[493]

تو چار انگلیوں کی مقدار میں نماز ادا کرنا یہ دلیل ہے خشوع و خضوع کی اور بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کی۔

---

[492] (المغني لابن قدامة، ج ۲ ص ۹)

[493] (رد المحتار على الدر المختار، دار الفكر-بيروت، ج ۱ ص ۴۴۴)

علامہ عبد الحی لکھنوی المتوفیٰ ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں:

ویستحب ان یکون بین الرجلین عندالقیام مقدارا ربع اصابع کمافی البزازیة وغیرھالکونہ اقرب الی الخشوع۔

مستحب اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ حالت قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چار انگلیوں کے برابر ہونا چاہیئے اس لئے کہ ایسی حالت میں نماز ادا کرنا خشوع، خضوع اور عاجزی کے قریب تر ہے۔[494]

حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (المتوفی: 1069ھ) لکھتے ہیں اور یہی مسئلہ مراقی الفلاح اور طحطاوی نے بھی ذکر کیا ہے:

"تفريج القدمين في القيام قدر أربع أصابع" لأنه أقرب إلى الخشوع ويسن تفريج القدمین فی القیام قدر اربع اصابع۔

ترجمہ: نماز میں حالت قیام میں سنت طریقہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ چار انگلیوں کے برابر ہو اس لئے کہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔[495]

نوٹ: دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ چار انگلیوں کے برابر رکھنا ان لوگوں کیلئے ہے جن کو کوئی عذر شرعی نہ ہو، رہے وہ لوگ جن کو عذر شرعی ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے فقہاء فرماتے ہیں:

ثم هذاالتحدیدلمن لیس له عذر أماإذا کان به سمن أو أدرة ويحتاج إلی تفريج و اسع فالأمر عليه سهل۔

ترجمہ: پھر یہ حد اور اندازہ ان لوگوں کیلئے ہے جن کو عذر نہ ہو ورنہ ہر وہ شخص جو بہت زیادہ موٹا ہو یا خصیتین کے پھول جانے کی بیماری (Hydrocele) ہو اور وہ کشادگی کے ساتھ

---

[494] (السعایة لحل شرح الوقایة ۲/۱ باب صفة الصلوۃ)

[495] (مراقی الفلاح ص ۲۱۲، الطحطاوی ص ۱۴۳، نور الایضاح ۶۹)

کھڑا ہونے کا محتاج ہو تو اس کیلئے اس مسئلہ میں رعایت ہے اور اس پر گناہ نہیں ہے اگر وہ کشادگی کے ساتھ کھڑا ہو جائے کیونکہ وہ شرعاً معذور ہے۔

اور خلاصہ کیدانی کی شرح المبانی میں لکھا ہے کہ:

وقدر هذا الحد "بأربعة أصابع من اليد متوسطة مضمومة۔"

اور یہ حد اور اندازہ دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار ہونی چاہیئے جو متوسط اور پیوست ہونے کے ساتھ۔[496]

عبد الرحمن بن محمد عوض الجزيري (المتوفى:1360ھ) لکھتے ہیں:

ومنها تفريج القدمين حال القيام، بحيث لا يقرن بينهما، ولا يوسع إلا بعذر، كسمن ونحوه وقد اختلف في تقديره في المذاهب۔

ترجمہ: نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ حالت قیام میں نماز میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ اس طرح ہو کہ نہ زیادہ پیوست اور نہ زیادہ ہو مگر معذور جو بہت زیادہ موٹا ہو تو اس کیلئے کشادہ کھڑا ہونا جائز ہے اور ائمہ مذاہب اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختلاف کیا ہے۔

الحنفية: قدروا التفريج بينهما بقدر أربع أصابع، فإن زاد أو نقص كره۔

احناف کے نزدیک دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ چار انگلیوں کی مقدار کے برابر ہو پس اگر اس سے زیادہ یا کم ہو تو یہ مکروہ ہے۔

الشافعية: قدروا التفريج بينهما بقدر شبر. فيكره أن يقرن بينهما أو يوسع أكثر من ذلک کما یکرہ تقديم إحداهما على الأخرى۔

---

[496] (جامع المبانی ۲۴)

شوافع کے نزدیک دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ ایک بالشت کی مقدار کے برابر ہو پس دونوں پاؤں کو پیوست کرنا یا ایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنا یہ مکروہ ہے۔ جیسے کہ ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں سے آگے کرنا مکروہ ہے۔

المالكية : تفريج القدمين مندوب لا سنة، وقالوا: المندوب هو أن يكون بحالة متوسطة۔

ترجمہ: اور مالکیوں کے نزدیک دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ مستحب ہے نہ کہ سنت ،لہذا مستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں کھڑا ہو (یعنی نہ زیادہ ملے ہوتے اور نہ زیادہ کشادہ) اور حنابلہ نے بھی ان کے ساتھ اس میں موافقت کی ہے لیکن سنت اور مستحب میں فرق نہیں کیا ہے۔ (چار انگلیوں کے بارے میں)[497]

علامۃ الحاجۃ نجاح الحلبي لکھتے ہیں:

تفريج القدمين في القيام قدر أربع أصابع لأنه أقرب إلى الخشوع۔

دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ حالت قیام میں چار انگلیوں کی مقدار ہو کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔[498]

ہمارے فقہ کے مشہور عالم امام لطف اللہ النسفی المشہور بالکیدانی اپنی کتاب خلاصہ کیدانی کے مستحبات کے باب میں لکھتے ہیں:

و الفصل بين القدمين قدر اربعة اصابع۔

اور نماز میں حالت قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چار انگلیوں کی مقدار ہونا چاہیئے۔[499]

---

[497] (الفقه على المذاهب الأربعة۔ ج ۱ ص ۲۳۴)
[498] (فقه العبادات على المذهب الحنفي ج1 ص88)
[499] (خلاصہ کیدانی ص ۲۷)

اوراس کی شرح میں العلامہ الشیخ عبدالغنی بن اسمعیل النابلسی الحنفی المتوفیٰ ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

والثانی عشر:الفصل بالصادالمهملة أی التفریج بین القدمین قدراربع اصابع من اصابع الیدمضمومة لأنه اقرب الی الخشوع وأتم فی تمکین القیام وذلک حالة القیام فی الصلاةولومن الرکوع وکذلک فی حالةالرکوع۔ایضاً۔

ترجمہ:بارہویں فصل:صاد مھملة کے ساتھ یعنی دونوں پاؤں کے درمیان کی کشادگی ہاتھ کی انگلیوں میں سے چار انگلیوں کے برابر ہو جو کہ پیوست ہوں کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔اور قیام پر قدرت پانے میں زیادہ اتم ہے اور یہ نماز میں حالت قیام میں ہونا چاہیئے اگرچہ رکوع میں ہو اوراسی طرح حالت رکوع میں بھی چارانگلی کے برابر فاصلہ ہونا چاہیئے۔[500]

اور خلاصہ کیدانی کی دوسری شرح میں الشیخ محمد حسن السنبھلی الحنفی لکھتے ہیں:

والفصل بین القدمین قدراربعةاصابع فی القیام فانه هوالظاهرفی استواءالقیام واستقامة حاله وهو الماثور اوالمقیس من السیر الماخوذةمن الاخبار او الآثار۔

اوردونوں پاؤں کادرمیانی فاصلہ حالت قیام میں چارانگلیوں کے برابرہوناچاہیئے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس طرح کھڑے ہونے کی حالت برابر اور مضبوط ہوتی ہے اور یہ قول منقول قیاساً لیا گیا ہے۔[501]

الشیخ الاجل والامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن الرشید البخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وینبغی ان یکون بین قدمیه اربع اصابع فی قیامه۔

اور مناسب ہے کہ قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چارانگلیوں کی مقدار ہوناچاہیئے۔[502]

---

[500] (الجوهر الکلی ص ۱۹۵)

[501] (العلق الشمسی البانی علی خلاصة الکیدانی ص ۱۷۹)

[502] (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۵)

اسی طرح ہمارے فقہ کی مشہور کتاب جامع الرموز میں ہے:

واعلم ان الاولیٰ ان تکون بین قدمیہ قدر اربع اصابع فی القیام کمافی خزانۃ المفتیین۔

اور جان لو کہ بہتر یہ ہے کہ حالت قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چارانگلیوں کی مقدار کے برابر ہونا چاہیئے جیسے کہ خزانۃ المفتیین میں ہے۔[503]

اسی طرح ہمارے فقہ کے مشہور فتاویٰ الفتاویٰ العالمگیریہ میں ہے کہ:

وینبغی ان یکون بین قدمیہ اربع اصابع فی قیامہ۔

اور مناسب ہے کہ نماز میں حالت قیام میں دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ چارانگلیوں کی مقدار کے برابر ہونا چاہیئے۔[504]

شیخ الاسلام حضرت علامہ امام احمد رضاخان قادری افغانی ثم بریلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مسئلہ نمبر ۴۰۳:

ازاُجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خان صاحب ۲۹ جمادی الاُخری ۱۳۱۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شافعیہ ایک ہاتھ کے فرق سے نماز میں پاؤں کشادہ رکھتے ہیں، یہ میں نے کعبۃ اللہ میں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور مذہب حنفیہ میں چار انگشت کے فاصلے پر ایک پاؤں سے دوسرا پاؤں رکھتے ہیں کس طرح کرنا چاہیئے؟ بینوا توجروا۔

---

[503](جامع الرموز ج ۱ ص ۶۷)

[504](الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۷۳)

الجواب:

چار ہی انگل کا فاصلہ رکھنا چاہئے یہی ادب اور یہی سنت ہے اور یہی ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

قال فی ردالمحتار ینبغی ان یکون بینھما مقدار اربع اصابع الید لانہ اقرب الی الخشوع ھکذا روی عن ابی نصر الدبوسی انہ کان یفعلہ کذافی الکبرٰی۔اھ

ردالمحتار میں ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار فاصلہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ابو نصر دبوسی سے اسی طرح منقول ہے کہ وہ یہی کرتے تھے کذافی الکبرٰی اھ۔[505]

اقول بل فی نورالایضاح و شرحہ مراقی الفلاح للعلامۃ الشرنبلالی یسن تفریج القدمین فی القیام قدر اربع اصابع لانہ اقرب الی الخشوع۔

(میں کہتا ہوں) بلکہ نورالایضاح اور اسکی شرح مراقی الفلاح للعلامۃ الشرنبلالی میں ہے کہ حالتِ قیام میں دونوں قدموں کو چار انگلیوں کے فاصلہ پر کھلا رکھنا سنّت ہے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے اھ۔[506]

قال السید الطحطاوی فی حاشیتہ نص علیہ فی کتاب الاثر عن الامام ولم یحک فیہ خلافا۔

سید طحطاوی نے اسکے حاشیہ میں فرمایا کہ کتاب الاثر میں امام صاحب نے اس پر نص کی ہے، اور اس میں اختلاف بیان نہیں کیا۔اھ[507]

---

[505](ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دھلی ۱/۲۹۹)

[506](مراقی الفلاح و حاشیۃ مراقی فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت آرم باغ کراچی ص ۱۴۳)

[507](مراقی الفلاح و حاشیۃ مراقی فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی ص ۱۴۳)

امام علامہ جمال الدین یوسف اردبیلی شافعی نے بھی کتاب الانوار میں کہ اجل معتمدات مذہب شافعی سے ہے اسی چار انگل فصل کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی؛ **حیث قال یکرہ الصاق القدمین ویستحب التفریق بینھما بقدر اربع اصابع۔** قدموں کو ملا کر رکھنا مکروہ ہے ان کے درمیان چار انگلیوں کی مقدار فاصلہ رکھنا مستحب ہے۔[508]

ہاں سید علّامہ شیخ زکریا انصاری شافعی قدس سرہ، نے شرح روض الطالب میں بالشت بھر کا فاصلہ تحریر فرمایا۔

حاشیہ الکمثری علی الانوار میں ہے:

قولہ بقدر اربع اصابع لعلھا متفرقۃ لان فی شرح الروض بقدر شبر۔

اس کا قول چار انگلیوں کی مقدار شاید متفرق طور پر مراد ہوں کیونکہ شرح روض میں ہے کہ فاصلہ ایک بالشت ہونا چاہیئے۔[509]

مگر ایک ہاتھ کا فرق نہ کسی مذہب کی کتاب میں نظر سے گزرا نہ کسی طرح قابلِ قبول ہو سکتا ہے کہ بداہۃً طرز وروش ادب وخشوع سے جُدا ہے، جن شافعیہ نے ایسا کیا غالباً کوئی عذر ہو گا یا شاید ناواقفی کی بنا پر کہ مکہ معظمہ کا ہر متنفس تو عالم نہیں اعتبار اقوال وافعالِ علماء کا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**[510]

خلاصہ کلام: پس ان عبارات سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اوراحناف کافتویٰ اس بات پر ہے کہ نماز میں حالت قیام کے وقت دونوں پاؤں کا درمیانی فاصلہ ہاتھ کی چاروں ملی ہوئی انگلیوں کی مقدار کے برابر ہونا چاہیئے اوراسی میں عاجزی اور خشوع ہے۔

---

[508](الانوار لعمل الابرار لیوسف کتاب الصلوٰۃ المطبعۃ الجمالیۃ مصر ۱/ ۶۱)

[509](حاشیہ الکمثری علی الانوار الصلوٰۃ المطبعۃ الجمالیۃ مصر)

[510](فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۵۵)

اسی وجہ سے ہمارے پیرومرشد قدوۃ الاولیاء والعلماء شیخ المشائخ پیر پیران خواجہ خواجگان حضرت سیدناومرشدنا حضرت سیف الرحمٰن نوراللہ مرقدہٗ اپنے مریدین پر شریعت کے معاملے میں بہت ہی زیادہ سختی فرمایاکرتے تھے حتیٰ کہ مستحبات کے چھوڑنے پر بھی سرزنش فرمایاکرتے تھے کیونکہ یہ کاملین اولیاء کرام کا طرز وطریقہ ہے۔

جیسے کہ الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وبلغ من اعتناء الحق تعالیٰ بأحدهم: أنه کان یعاقب أحدهم علی خلاف الأولیٰ۔

اوراللہ رب العزت کے فضل سے اولیاءاللہ پر یہ احسان ہے کہ اولیاءاللہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو خلاف اولیٰ کام کرنے پر بھی سرزنش دیتے ہیں۔پس سنن اور مستحبات میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔[511]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وکان الجنید رضی اللہ تعالی یقول: طریق الفقهاء هی أساس طریقنا التی بنیت علیه ولکن زادالصوفیة علی الفقهاء کثرة مراعاة العمل بالشریعة وعدم التساهل فی ترک العمل بشيء منها ای طریقهم ترک الرخص و التاویلات و الاخذ بالعزائم و التمسک بالمندوب کالواجب و اجتناب المکروہ و خلاف الاولی کالحرام۔

ترجمہ: حضرت جنیدرضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی پر بناء ہے لیکن صوفیاء نے فقہاء پر جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم

[511] (الاجوبة المرضیه عن ائمة الفقهاء و الصوفیة ص ۱۴۱)

پکڑنا اور مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[512]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ یقول: الحق تعالی یمقت علی ترک الادب وعلی خلاف الاولی فضلا عن المکروہ والحرام۔

ترجمہ: اور سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔[513]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وسمعت سیدی علیا المرصفی رحمہ اللہ تعالی یقول: لا یصح لمرید قدم فی الارادۃ حتی یترک المباحات جملۃ ویجعل مکان مباح ترکہ فعل مأمور شرعیٍ من مندوب او اولی حتی یجتنب المباح کانہ خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانہ منہی عنہ کراھۃ تنزیہ وحتی یجتنب الحرام کانہ کفر وحتی یفعل المندوب کانہ واجب ویفعل الاولی کانہ مندوب کل ذالک تعظیما لامر اللہ تعالی ونہیہ۔

ترجمہ: اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑ دے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس

[512](الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۲۷)

[513](الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۸۸)

کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔[514]

شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبداللہ بن المبارک رضی اللہ تعالی عنہ من تہاون بالآداب عوقب بحرمان السنۃ ومن تہاون بالسنۃ عوقب بحرمان الواجبات ومن تہاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تہاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفۃ او کما قال۔

یعنی فرمایا عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔[515]

معلوم ہوا کہ مستحب دراصل سنن کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہے، اور سنت دراصل واجبات کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہے، اور واجبات دراصل فرض کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہیں، لہٰذا مستحب اور سنت اگرچہ فرض یا واجب کے مرتبے کی چیز نہیں ہے لیکن ان کا موقوف علیہ ضرور بنتی ہے۔ جب موقوف ضروری العمل ہو تو اس کا موقوف علیہ بھی ضروری العمل ہو گا۔

---

[514] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۹۰)

[515] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ)

الشیخ الاجل والامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

من ترک السنة بعذر فهو معذور ولو ترک بغير عذر تهاوناً لا يقبل فرضه ويسأل عن ترکها۔

ترجمہ: جس نے عذر کی وجہ سے سنت کو ترک کیا وہ معذور ہے، اور جس نے بغیر عذر کے سنت کو ترک کیا تو سزا کے طور پر اس کے فرائض بھی قبول نہ کئے جائیں گے اور اس سے (سنت) ترک کرنے کے بارے میں (مرنے کے بعد) سوال ہو گا۔

اور دوسری جگہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

والواجبات اکمال الفرائض والسنن اکمال الواجبات والاداب اکمال السنن۔

ترجمہ: فرائض کی تکمیل واجبات میں ہے اور واجبات کی تکمیل سنن میں ہے اور سنن کی تکمیل آداب اور مستحبات میں ہے۔[516]

أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى: 616ھ) لکھتے ہیں:

من ترک السنّة سئل عن ترکها۔

ترجمہ: جس نے سنت چھوڑ دی تو اس بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔[517]

واقعہ:

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نقل ان الامام النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لم یحتلم ثلاثین سنة سو فاتته صلاة العشاء مع الجماعة لیلة فاحتلم فی تلک اللیلة فکان احتلامه عقوبة ترک سنة الجماعة۔ واللہ اعلم۔

---

[516] (خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ ص ۵۱)

[517] (المحيط البرهاني في الفقه النعماني ج ۲ ص ۲۶۷)

ترجمہ: نقل ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کو تیس برس تک احتلام نہیں ہوا ایک رات ان سے عشاء کی نماز کی جماعت فوت ہو گئی پس اسی رات انہیں احتلام ہوا۔ پس احتلام کا سبب عشاء کی نماز کی جماعت فوت ہونے کی سزا کی وجہ سے تھا۔[518]

شریعت مطہرہ میں مستحبات پر لزوم اختیار کرنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے لازم کر لیا اپنے آپ پر استغفار پڑھنے کو، تو اللہ جل شانہ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کے لئے اور ہم غم سے خلاصی کے اسباب پیدا فرمادیتا ہے، اور اللہ رب العزت اسے اس جگہ سے روزی عطا فرمادیگا کہ جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔[519]

نوٹ: استغفار پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ ایک مستحب عمل ہے، باوجودِ استحباب نبی کریم صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہمیں اختیار عطا فرمائی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان اپنے اوپر مستحب عمل کو لازم کر سکتا ہے۔

اسی طرح صحاح ستہ کی احادیث مبارکہ میں ایک حدیث شریف ہے:

وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰہِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔

ترجمہ: بے شک اللہ رب العزت کو محبوب ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ کم ہو۔[520]

---

[518](الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء و الصوفیۃ ص ۱۹۸)

[519](سنن ابی داؤد، جلد ۲ صفحہ ۸۵ باب فی الاستغفار، سنن ابن ماجہ، جلد ۲ صفحہ ۱۲۵۴، باب الاستغفار، مشکوۃ شریف جلد ۱ باب الاستغفار صفحہ ۲۰۴)

[520](صحیح البخاری، باب القصد و المداومۃ علی العمل)

فائدہ: دوام اور ہمیشگی اس وقت آئے گی جب اس پر التزام کیا جائے۔ بدون التزام ہمیشگی نہیں آسکتی۔

مستحبات کو قبیح جاننا کفر ہے

مستحبات پر عمل نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا،، لیکن ان اعمال کو قبیح جاننا، یہ کفر ہے۔

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا:

و استقباح ماجعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[521]

مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

کہ ضروریات دین میں بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح بھی ہوتے ہیں (ظاہر ہے کہ ان پر عمل کرنا فرض نہیں ہو سکتا) مگر ان کے مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخل ایمان ہے اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجب کفر ہے۔[522]

مستحبات کی برکات:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے مستحبات بھی ضروری ہیں اور تعلیم ان کی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے برکات و ثمرات بیشمار ہیں۔

مثلاً ایک برکت تو یہ ہے کہ بعض اوقات مستحبات، معصیت سے مانع ہو جاتے ہیں، کیونکہ جو شخص تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا پابند ہو گا وہ بہ نسبت اس شخص کے معاصی سے زیادہ بچے گا جو محض پانچ وقت کے فرائض کا پابند ہو گا اور علاوہ اس خاصیت کے ایک طبعی راز یہ بھی ہے کہ مستحبات

---

[521] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

[522] (اکفار الملحدین ص ۶۴ مکتبہ لدھیانوی)

کی پابندی سے یہ شخص تہجد گزار، دیندار مشہور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب سے وہ خود بھی شرمانے لگتا ہے۔ دوسری برکت یہ ہے کہ بعض وقت کوئی فعلِ مستحب حق تعالیٰ کو ایسا پسند آجاتا ہے کہ وہی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

سیبویہ کی حکایت: چنانچہ سیبویہ نحوی کو جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلہ تھا، مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس بات پر؟ کہا کہ ایک نحو کے مسئلے پر، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں علماء نحو نے اختلاف کیا ہے کہ ضمائر کے اندر اعرف المعارف کون سی ضمیر ہے؟ کسی نے متکلم کی ضمیر کو اور کسی نے مخاطب کی ضمیر کو بتلایا، اور میں نے لفظِ اللہ کو اعرف المعارف کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ نہیں، کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذاتِ حق کے کسی اور چیز کا احتمال ہی نہیں، بس حق تعالیٰ کو یہ بات پسند آگئی، اور فرمایا تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی، جاؤ تم کو بخش دیا۔ دیکھئے اس نحوی عالم کی مغفرت ایسے عمل پر ہو گئی جو اس نے ثواب کی نیت سے بھی نہ کیا تھا، صرف مسئلہ کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہو گیا۔

ایک اور حکایت: اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جارہے تھے، راستے میں ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے۔ ان کو اس پر رحم آگیا اور اسے اٹھا کر گھر لے آئے اور لحاف میں چھپالیا۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو ان سے سوال ہوا کہ بتلاؤ ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ انہوں نے سوچا کہ اعمال تو میرے کسی قابل نہیں ہیں، کہ ان کو پیش کردوں، لیکن الحمدللہ مجھے ایمان کی دولت حاصل ہے، اس میں ریاء وغیرہ بھی کچھ نہیں ہو سکتا، ایمان کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس لئے عرض کیا کہ "میں توحید لایا ہوں"۔ اس پر ارشاد ہوا: أتذکر لیلة اللبن۔ کیا دودھ

والی رات بھی یاد ہے؟ تم نے ایک دن دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو جانے پر کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کر دیا۔ کیا یہی توحید ہے؟ کہ درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا، ہم کو چھوڑ کر دودھ کو موثر قرار دیا۔ حالانکہ مؤثر حقیقی تو ہم ہیں۔ اب تو یہ بیچارے تھرّا اُٹھے، ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت تو دیکھ لی، اب ہم تم کو ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کے متعلق تمہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجبِ نجات ہو جائے گا۔ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے پر جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، رحم کھا کر اپنے لحاف میں سلایا تھا، تم نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں، جاؤ ہم نے تمہیں بخش دیا۔

سبحان اللہ! یہ ہیں مستحبات کی عنایات و برکات۔[523]

فصل در بیان
بڑے بڑے ناخن رکھنے کا شرعی حکم

بعض اہل ہوا لوگ ناخن بڑے بڑے رکھتے ہیں حالانکہ سنت مبارکہ حدیث مبارکہ میں یہ ہے:

عن ابن عباس فی قوله عزوجل: (وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ)، قال: ابتلاه الله بالطهارة خمس فی الرأس، و خمس فی الجسد، وفی الرأس: قص الشارب و المضمضة و الاستنشاق و السواک و فرق الرأس، وفی الجسد: تقليم الأظفار و حلق العانة و الختان و نتف الابط و غسل مكان الغائط و البول بالماء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ کے قول کے تحت روایت ہے کہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا جسم کی صفائی کے بارے میں امتحان لیا۔ پانچ کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا تعلق باقی جسم سے ہے۔ سر میں یہ پانچ چیزیں ہیں: (۱)

---

[523] (قرۃ العینین فی تفریج القدمین مصنفہ استاذ العلماء مفتی اہلسنت سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی)

مونچھوں کو (جڑ سے) کاٹنا ،(۲) کلی کرنا ،(۳) ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا ،(۴) مسواک کرنا،(۵) سر کی مانگ نکالنا۔اور جسم میں پانچ چیزیں یہ ہیں:(۱) ناخن کاٹنا،(۲) زیرِ ناف بال مونڈنا ،(۳) ختنہ کرنا،(۴) بغلوں کے بال نوچنا،(۵) پاخانہ اور پیشاب کی جگہ کو پانی کے ساتھ دھونا (یعنی پانی سے استنجاء کرنا)۔[524]

کلی کرنا:

کلی کرنا وضو میں سنت اور غسل جنابت میں فرض ہے۔بغیر اس کے غسل نہ ہو گا، لیکن کلی میں مبالغہ کرنا(غرغرہ کرنا) اوراگر روزہ نہ ہو تو مسنون ہے، نیز کلی داہنے ہاتھ سے کرنا چاہیئے کہ یہ بھی سنت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی سنت:

عن ملیح بن عبداللہ الخطمی، عن ابیہ، عن جدہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ: خمس من سنن المرسلین: الحیاء، والحلم، والحجامۃ، والسواک، والتعطر۔

حضرت ملیح بن عبد اللہ خطمی اپنے باپ سے اوروہ اپنے داداسے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: پانچ چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: حیاء، بردباری، پچھنے لگوانا، اور مسواک کرنا اور عطر لگانا۔[525]

عن أبي أیوب قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " أربع من سنن المرسلین: الحیاء، والتعطر، والسواک، والنکاح"۔

---

[524] (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم، ج۲، ص۲۹۳، بیھقی فی السنن الکبریٰ کتاب الطھارۃ باب السنۃ فی الاخذ من الاظفار والشارب ،،ج۱، ص۲۱۶، رقم:۶۸۵، دارالحدیث القاھرۃ ،تفسیرطبری ،زیر آیت ھذا ،ج۱، ص۵۹۹، و تفسیر درمنثور ،ج۱، ص۳۰۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور، کراچی، حاشیہ الجمل علی الجلالین ،ج۱، ص۱۵۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۱۷۶، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[525] (رواہ البزاز (مجمع))

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: ختنہ کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔[526]

عن أبي الدرداء قال: قال رسول اللہ ﷺ: ثلث من اخلاق المرسلين: تعجيل الفطر، و تاخير السحور، و السواک، اخرجه الطبراني في معجمه، و ابن ابي شيبة في مصنفه موقوفاً، و الدارقطني رواه في الأفراد من حديث حذيفة مرفوعاً نحو حديث أبي الدرداء۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین اعمال انبیائے کرام علی نبینا و علیہم السلام کی عادات واخلاق میں سے ہیں۔ ۱۔ افطاری (کا وقت ہوتے ہی) جلدی کرنا۔ ۲۔ سحری کو آخری وقت میں کرنا ۳۔ مسواک کرنا۔ (البنایۃ)

معلوم ہوا مسواک میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت اور ان کی عادات میں سے ہے۔ جو لوگ مسواک استعمال کرتے ہیں وہ بڑے خوش قسمت ہیں کہ مسواک کے اور منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کی اس سنت کا ثواب بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے مسواک نہیں کرتے وہ بڑے ہی نقصان اور خسارے میں ہیں کہ دیگر منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کی اس سنت عظمیٰ کے ثواب سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن اسماعیل فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو مسواک جیسی اہم سنت کو ترک کر دیتے ہیں، جس کے بارے میں بہت سی احادیث حضور ﷺ سے منقول ہیں جن میں اس کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے۔ یاد رکھو مسواک کا چھوڑنا بڑا ہی خسارہ اور نقصان ہے۔

---

[526] (ضعيف المشكاة 382، الارواء 75، الرد على الكتاني ص 12 (ضعيف الجامع الصغير وزيادته 760، سنن الترمذی ج۳ ص ۸۰، رواہ احمد والترمذی)

طہارت کی اقسام:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيہِ وَسَلَّمَ: الطَّهَارَاتُ أَرْبَعٌ قَصُّ الشَّارِبِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَالسِّوَاكُ۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ طہارت (کی) چار (قسمیں) ہیں: مونچھیں کاٹنا، موئے زیر ناف مونڈنا، ناخن کاٹنا اور مسواک استعمال کرنا۔[527]

فائدہ:

پاکی کی صرف یہی چار قسمیں نہیں، بلکہ بہت سی قسمیں ہیں، جو کتب فقہ میں اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، لیکن حضور اقدس ﷺ نے یہاں صرف ان مذکورہ بالا چار قسموں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرما کر ان کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ کی خوشنودی:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ، فَإِنَّهُ مَطْيَبَةٌ لِلْفَمِ، وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسواک کا استعمال اپنے لیے لازم کر لو کیوں کہ اس میں منہ کی پاکیزگی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔[528]

---

[527] (المسند البزار/البحر الزخار، الجز ۱۰ ص ۸۰)

[528] وأخرجه البيهقي في "الشعب" (11074) من طريق محمد بن جعفر الطالقاني، عن عقيل، به. ومحمد بن جعفر لم نقع له على ترجمة. وأخرجه ابن ماجه (3172) من طريق ابن لهيعة، عن قرة بن عبد الرحمن بن حيْويل المعافري، عن الزهري، به. وأخرجه البيهقي في "السنن "280/9 من طريق ابن وهب، عن قرة بن عبد الرحمن المعافري، عن الزهري، أن عبد الله بن عمر، به، مرفوعاً. وهذا إسناد منقطع. قال أبو حاتم في "العلل "45/2: هو الصحيح. وأخرجه ابن ماجه (3172) من طريق عبد الله بن لهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن سالم، به، مثله. وهو إسناد ضعيف أيضاً لضعف ابن لهيعة. والحديثُ الصحيح في هذا الباب حديثُ شداد بنِ أوس عند مسلم (1955) (57)، ولفظه: "إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحدَّ أحدكم شفرته، فليُرح

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعضاء میں منہ کا عضو ایک امتیازی مقام و شان رکھتا ہے، اور عادتاً جسم کو غذا اور ایندھن فراہم کرنے کیلئے منہ ہی ذریعہ اور واسطہ بنتا ہے اور دوسرے سے گفتگو اور کلام کرنے بلکہ اللہ تعالیٰ سے (ذکر و تلاوت وغیرہ کی شکل میں) ہمکلامی اور مناجات کیلئے بھی عموماً منہ ہی استعمال ہوتا ہے، اور سانس کی آمدورفت کی شکل میں زندگی کا چراغ روشن رہنے کیلئے بھی منہ ہی واسطہ بنتا ہے۔

اس لئے اس اہم اور کثیر الاستعمال عضو کی نظافت کو حاصل وباقی رکھنے کیلئے زیادہ صفائی درکار تھی، اس لئے شریعت کی طرف سے مسواک کی شکل میں ایک عمدہ اور جامع نظام فراہم کردیا گیا اور رات دن میں کم از کم پانچ مرتبہ ہر نماز کیلئے وضو کرتے وقت مسواک کی تعلیم دی گئی، اور تبدیلیٔ احوال کے موقع پر بھی اس کو سنت قرار دیا گیا، اور اس پر عظیم الشان فضائل بتلائے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

استاكوا وتنظفوا۔

مسواک کرو، اور نظافت وصفائی حاصل کرو۔[529]

ذبيحته"، وسيرد 123/4.۔قوله: "بِحَدَ الشَّفار"، قال السندي: ضبط بكسر الشين، جمع شفرة، بمعنى السكين. وقوله: "وأن تُوارى"، أي: الشفار، أي: تُخفى، على بناء المفعول. وقوله: "فليجهز" من أجْهَزَ، أي: ليسرع في الذبح. (1) في (ظ14): مرضاة، دون واو.

[529] (مصنف ابن ابی شیبه، رقم الحديث: ۱۸۱۷، كتاب الطهارة، باب فی أی ساعة يستحب السواک؟ المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحديث: ۷۴۴۲، عن سليمان بن سعد۔) قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه اسماعيل بن عمرو البجلی ضعفه أبو حاتم والدارقطنی وابن عدی، ووثقه ابن حبان وابراهيم بن أورمة ذكره فأحسن الثناء عليه۔ (مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۲۴۰، ۲۴۱) وقال بدر الدين العينی: وفی سنده اسماعيل بن عمرو، وثقه ابن حبان وضعفه الدارقطنی (عمدة القاری، ج۷، ص ۱۳) وقال المناوی: قال الهيثمی فيه اسماعيل بن عمرو البجلی ضعفه أبو حاتم والدارقطنی وابن عدی ووثقه ابن حبان اه۔ وبه يعرف ما فی رمز المصنف لحسنه الا أن يراد أنه حسن لغيره (فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۹۶۷)

مسواک سے منہ کی صفائی تو ہوتی ہی ہے، اسی کے ساتھ گلے، جبڑے اور دانتوں کی ورزش بھی ہو جاتی ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ:

السِّوَاکُ مطهرةٌ لِلْفَمِ، وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ۔

مسواک منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔[530]

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

امرت بالسواک حتی خشیت ان یکتب علي۔

مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مسواک کا اتنا زیادہ حکم دیا گیا، کہ مجھے اپنے اوپر اس کے فرض ہو جانے کا خوف ہونے لگا۔[531]

اور ایک موقع پر کچھ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

حَدِيثُ تَمَّامِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُمَرَ أَبُو الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الزَّرَّادِ، قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ تَمَّامِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أَوْ أُتِيَ- فَقَالَ: "مَالِي أَرَاكُمْ تَأْتُونِي قُلْحًا، اسْتَاكُوا، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاکَ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْهِمِ الْوُضُوءَ"۔[532]

---

[530] (بخاری، کتاب الصوم، باب سواک الرطب و الیابس للصائم، دارطوق النجاة، بیروت، نسائی، رقم الحدیث ۵، مسنداحمد، رقم الحدیث ۲۴۳۳۲، عن عائشة، ابن ماجة، رقم الحدیث ۲۸۹، عن ابی امامة)

[531] (مسنداحمد: رقم الحدیث: ۱۶۰۰۷، عن واثلة بن الاسقع، مؤسسة الرسالة، بیروت۔ قال الهیثمی: رواه احمدوالطبرانی فی الکبیر، وفیه: لیث بن أبی سلیم وهوثقةمدلس وقدعنعنه (مجمع الزوائد، ج۲ص۹۸) وفی حاشیة مسنداحمد: حدیث حسن لغیره، وهذااسنادضعیف لضعف لیث: وهوابن ابی سلیم، وبقیة رجاله ثقات رجال الشیخین۔ وقال الالبانی: قلت: وهذااسنادحسن فی الشواهدرجاله کلهم ثقات غیر لیث وهوابن أبی سلیم، وهوضعیف لاختلاطه (السلسلةضعیفة، تحت رقم الحدیث ۱۵۵۶)

[532] (مسنداحمد ج۳ص۳۳۴) هو أصغر ولد العباس، و کانوا عشرة، وهو شقیق کثیر بنِ العباس، و کان العباس یحمله ویقول: تموا بتمَّام فصاروا عشره. یا رب فاجعلهم کراما بره۔ واجعل لهم ذِکراً وانمِ الثمره۔ وقال أبو عمر بن عبد البر: و کل بني العباس لهم رؤیة، وللفضل ولعبدالله روایة ورؤیة. وقد تاب تمام هذا علی المدینة من جهة ابن عمه علي، ثم عزله بأبي أیوب الأنصاري، ومات زمن المنصور. "جامع

”یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں پیلے دانتوں کی حالت میں آتا ہوا دیکھ رہا ہوں، تم مسواک کیا کرو، اور اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں (بحکم الٰہی) ان پر مسواک کو فرض قرار دے دیتا، جس طرح سے ان پر وضو کو فرض قرار دیا“۔

اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ، عَنْ تَمَّامٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قال: مَالِي أَرَاكُمْ تَدْخُلُونَ عَلَيَّ قُلْحًا اسْتَاكُوا، وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يَسْتَاكُوا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ» قَالَ مُحَمَّدٌ: وَالسِّوَاكُ عِنْدَنَا مِنَ السُّنَّةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُتْرَكَ۔

یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں پیلے دانتوں کی حالت میں آتا ہوا دیکھ رہا ہوں، تم مسواک کیا کرو، اور اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مسواک کرنا سنت ہے لہٰذا اس کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے دانتوں کو صاف نہ کرنے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ سے رات کو سونے سے پہلے، سو کر اٹھنے بعد، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد اور دیگر مختلف اوقات میں مسواک کرنا ثابت ہے۔

المسانيد" 1/الورقة 163، وانظر "سير أعلام النبلاء" 443/3..(2) إسناده ضعيف، أبو علي الزراد - واسمه الصيقل - قال أبو علي بن السكن وغيره: مجهول، قال الحافظ في "لسان الميزان" 83/7: ورواية الثوري عنه في مسند۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ بَدَأَ بِالسِّوَاكِ۔[533]

نبی ﷺ گھر میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ۔[534]

نبی ﷺ جب رات کو تہجد کیلئے اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا أَبُو الْعَلَاءِ الْحَسَنُ بْنُ سَوَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ - إِنْ كَانَ قَالَهُ - "لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوءِ"، وقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَقَدْ كُنْتُ أَسْتَنُّ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ، وَبَعْدَ مَا أَسْتَيْقِظُ، وَقَبْلَ مَا آكُلُ، وَبَعْدَ مَا آكُلُ حِينَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا قَالَ۔[535]

(١) حديث صحيح، وهذا إسناد قوي، الحسن بن سوار صدوق لا بأس به، ومن فوقه ثقات من رجال الشيخين. الليث: هو ابن سعد، وخالد بن يزيد: هو الجمحي المصري. وانظر (7339). قوله: "إن كان قاله"، قال السندي: لتحقيق أنه قاله وتقريره وتأكيد على أن

---

[533] (مسلم، باب سواک، ج ١ ص ٢٢٠)

[534] (صحیح البخاری، باب طول القیام فی صلاۃ اللیل، ج ٢ ص ٥١) [تعلیق مصطفی البغا] 1085 (1/382) - [ر242]

[535] (مسنداحمد الرسالۃ باب مسند ابی ہریرۃ ﷺ، ج ١٥ ص ١٠٤)

"إنْ" مخففة من الثقيلة، وحَذْف اللام بعدها جائز وارد في كلام العرب كما صرح به بعض أهل التحقيق، وإن كان ظاهر كلام النحاة خلافه۔

میں سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد؛ اور کھانے سے پہلے؛ اور کھانے سے فارغ ہو کر مسواک کرتا ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں آپ کا ارشاد سنا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت میں پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضو میں مسواک کا حکم دیتا۔

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: "دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْتَنُّ وَطَرَفُ السِّوَاكِ عَلَى لِسَانِهِ وَهُوَ يَقُولُ: عَأْعَأْ"۔[536]

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور اس وقت آپ ﷺ مسواک فرما رہے تھے اور مسواک کا کنارہ آپ کی زبان پر تھا، اور آپ ﷺ عاعا کی آواز نکال رہے تھے۔

اسی قسم کی حدیث حضرت بردہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ «يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ أُعْ أُعْ، وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ۔

---

[536] [حكم الألباني] صحيح، سنن النسائی رقم الحدیث ۳، ج ۱ ص ۹)

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اع اع کر رہے تھے جبکہ مسواک آپ ﷺ کے دہن (منہ) مبارک میں تھا کیونکہ آپ ﷺ الٹی کر رہے تھے۔[537]

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مسواک سے زبان مبارک کو بھی اہتمام کے ساتھ صاف فرمارہے تھے، اور اس کی وجہ سے مخصوص آواز پیدا ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا مسواک کا دوسروں کو ہدیہ فرمانا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَائِلَةَ الْأَصْبَهَانِيُّ، قَالَ, ثنا شَبَابُ الْعُصْفُرِيُّ، ثنا عَوْنُ بْنُ كَهْمَسٍ، ثنا دَاوُدُ بْنُ الْمُسَاوِرِ، عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي خَيْرَةَ الصَّبَّاحِيِّ، قَالَ، كُنْتُ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَزَوَّدَنَا الْأَرَاكَ نَسْتَاكُ بِهِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدَنَا الْجَرِيدُ وَلَكِنَّا نَقْبَلُ كَرَامَتَكَ وَعَطِيَّتَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, اللهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ إِذْ أَسْلَمُوا طَائِعِينَ غَيْرَ مُكْرَهِينَ إِذْ قَعَدَ قَوْمِي لَمْ يُسْلِمُوا إِلَّا خَزَايَا مَوْتُورِينَ۔

حضرت ابو خیرہ صباحی فرماتے ہیں کہ میں عبدالقیس قبیلے کے اس وفد میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ہمیں پیلو (پودے کی ایک ٹہنی یا شاخ) عطا فرمائی کہ اس سے ہم مسواک کریں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں یہ ٹہنیاں بہت زیادہ ہیں لیکن ہم آپ ﷺ کی سخاوت اور عطیہ کی بناء پر (تبرک سمجھتے ہوئے) قبول کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا

---

[537] (بخاری رقم الحدیث ۲۴۴، کتاب الوضوء، باب السواک، دار طوق النجاة، بیروت) [تعليق مصطفى البغا] 241 (96/1) - [ش أخرجه مسلم في الطهارة باب السواک رقم 254 (يستن) بذلک أسنانه بالسواک أو غيره. (يقول أع أع) حكاية لصوته أثناء الاستياک. (يتهوع) يتقيأ]

یااللہ عبدالقیس کی مغفرت فرما کیونکہ بلاجبر واکراہ خود مطیع اور فرمانبردار بن کر آئے ہیں جبکہ میری قوم نے اس وقت اسلام قبول کیا جب وہ مجبور و رسوا ہو گئے تھے۔[538]

منہ اور دانتوں کی صفائی سے جہاں ایک طرف دانت ستھرے رہتے ہیں اور خوبصورتی اور دوسروں کی کشش کا باعث ہوتے ہیں، اسی کے ساتھ کیڑا لگنے سے اور میل کچیل سے محفوظ ہو کر ایک لمبی مدت تک پائیدار اور مضبوط ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ کئی بیماریوں سے بھی حفاظت رہتی ہے۔ اگر منہ گندہ ہو تو غذا منہ سے گندگی (خوراک کے سڑے ہوئے ذرات وغیرہ) کو لے کر معدہ میں جاتی ہے اور انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ علماء نے مسواک کے بہت سے فائدے شمار کیے ہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ،،منہبات،، میں مسواک کے بیس فائدے ذکر کیے ہیں۔ مصنف ،،نہر فائق ،، رحمۃ اللہ علیہ نے تیس سے کچھ اوپر منافع بتائے ہیں، جن میں سب سے ادنیٰ گندگی کا دور ہونا اور سب سے اعلیٰ موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے اور موت کے علاوہ ہر بیماری کیلئے شفا ہے۔

"نہایت الامل" میں ہے کہ مسواک میں بہتّر فائدے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد آجاتا ہے اور اس کے برخلاف حشیشہ (بھنگ) کھانے میں ستر نقصان ہیں ، جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مراقی الفلاح" کے حاشیہ میں مسواک کے فوائد نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

من فضائله ماروی الأئمة عن علی و ابن عباس وعطاء رضي الله تعالى عنهم أجمعين: عليكم بالسواک فلا تغفلوا عنه وأديموه فإن فيه رضا الرحمن وتضاعف صلاته إلى تسعة وتسعين ضعفا أو إلى أربعمائة ضعف وإدامته تورث السعة والغنى وتيسير الرزق ويطيب

[538] (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۲۴)

الفم ويشد اللثة ويسكن الصداع وعروق الرأس حتى لا يضرب عرق ساكن ولا يسكن عرق جاذب ويذهب وجع الرأس والبلغم ويقوي الأسنان ويجلو البصر ويصحح المعدة ويقوي البدن ويزيد الرجل فصاحة وحفظا وعقلا ويطهر القلب ويزيد في الحسنات ويفرح الملائكة وتصافحه لنور وجهه وتشيعه إذا خرج إلى الصلاة وتستغفر حملة العرش لفاعله إذا خرج من المسجد وتستغفر له الأنبياء والرسل والسواک مسخطة للشيطان مطردة له مصفاة للذهن مهضمة للطعام مكثرة للولد ويجيز على الصراط كالبرق الخاطف ويبطيء الشيب ويعطي الكتاب باليمين ويقوي البدن على طاعة الله عز وجل ويذهب الحرارة من الجسد ويذهب الوجع ويقوي الظهر ويذكر الشهادة ويسرع النزع ويبيض الأسنان ويطيب النكهة ويصفي الخلق ويجلو اللسان ويذكي الفطنة ويقطع الرطوبة ويحد البصر ويضاعف الأجر وينمي المال والأولاد ويعين على قضاء الحوائج ويوسع عليه في قبره ويؤنسه في لحده ويكتب له أجر من يستک في يومه ويفتح له أبواب الجنة وتقول له الملائكة هذا مقتد بالأنبياء يقفو آثارهم ويلتمس هديهم في كل يوم ويغلق عنه أبواب جهنم ولا يخرج من الدنيا إلا وهو طاهر مطهر ولا يأتيه ملک الموت عند قبض روحه إلا في الصورة التي يأتي فيها الأولياء وفي بعض العبارات الأنبياء ولا يخرج من الدنيا حتى يسقي شربة من حوض نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وهو الرحيق المختوم وأعلى هذه أنه مطهرة للفم مرضاة للرب۔[539]

مسواک کے وہ فضائل جن کو ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا، یہ ہیں، فرماتے ہیں کہ مسواک کو لازم کرلو، اس سے غافل نہ رہو، اس پر مداومت کرتے رہو، کیوں کہ اس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس سے نماز کا ثواب ننانوے یا چار سو گنا بڑھ جاتا ہے، اور ہمیشہ مسواک کرنے سے

[539] (الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب فصل فی سنن الوضوء، ج ۱ ص ۶۹)

کشادگی اور مال داری پیدا ہوتی ہے روزی آسان ہو جاتی ہے، منہ پاکیزہ اور مسوڑھے مضبوط کر دیتی ہے۔ دردِ سر کو اور سر کی تمام رگوں کو سکون ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ کوئی ساکن رگ حرکت نہیں کرتی اور نہ ہی کوئی حرکت کرنے والی رگ ساکن ہوتی ہے، بلغم کو دور کرتی ہے، دانتوں کو مضبوط بناتی ہے، بینائی کو صاف کرتی ہے، معدہ کو درست اور بدن کو قوی بناتی ہے، انسان کی فصاحت و حافظہ و عقل کو بڑھاتی ہے، دل کو پاک کرتی ہے، نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، ملائکہ خوش ہوتے ہیں، اور اس کے چہرے کے نور کی وجہ سے مصافحہ کرتے ہیں، اور جب وہ نماز کیلئے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، اور جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، اور انبیاء اور رسول علیہم السلام اس کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ مسواک شیطان کو ناراض کر دیتی ہے اور اس کو دھتکارتی ہے، ذہن کو صاف، کھانے کو ہضم کرتی ہے۔ بچوں کی پیدائش بڑھاتی ہے۔ پل صراط پر سے کوندنے والی بجلی کی طرح (بہت جلد) اتار دیتی ہے۔ بڑھاپے کو مؤخر کرتی ہے۔ نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دلاتی ہے۔ بدن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے قوت دیتی ہے اور حرارت کو بدن سے دور کرتی ہے۔ پیٹھ کو مضبوط بناتی ہے۔ کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے۔ حالت نزع کو بہت جلد ختم کرتی ہے۔ دانتوں کو سفید، منہ کو خوشبودار، حلق اور زبان کو صاف، سمجھ کو تیز کرتی ہے۔ رطوبت کیلئے قاطع ہے، نظر کو تیز اور حاجتوں کے پورا ہونے میں مدد کرتی ہے، قبر کو کشادہ بناتی ہے اور مردہ کیلئے غمخوار ہو جاتی ہے اور مسواک کرنے والے کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ فرشتے اس کے بارے میں ہر دن کہتے ہیں کہ یہ (شخص) انبیاء علیہم السلام کا اقتداء کرنے والا ہے، ان کے نشان قدم پر چلتا ہے، ان کی سیرت کا متلاشی ہے۔ اس کی طرف سے دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، مسواک کرنے والا شخص دنیا میں

(گناہوں سے) پاک صاف ہو کر جاتا ہے اور موت کا فرشتہ روح نکالنے کیلئے اس کے پاس اس صورت میں آتا ہے جس صورت میں اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس آتا ہے، بعض عبارات میں ہے کہ جس صورت میں انبیاء کے پاس آتا ہے اسی صورت میں آتا ہے۔ مسواک کرنے والا دنیا سے اس وقت تک نہیں جاتا جب تک کہ وہ حضور ﷺ کے حوض سے شراب نہ پی لے اور وہ رحیق مختوم ہے۔ (اوران سب فوائد سے) بڑھ کر یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی رضا ہے اور منہ کی صفائی ہے۔[540]

استنشاق الماء: (یعنی ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا)

اور یہ کلی کی طرح ہے جس کا ذکر آرہا ہے یہ دونوں وضو میں سنت ہیں اور غسل میں ہمارے احناف کے نزدیک فرض ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں غسل میں سنت ہیں اور امام احمد اور مالک رحمہا اللہ کی ایک روایت میں ان کا واجب ہونا مذکور ہے۔

سر کے بالوں میں مانگ نکالنے کے متعلق:

جاننا چاہیئے! سر کی ابتداء پیشانی کی جانب سے بال نکلنے کی جگہ سے ہوتی ہے اور اس میں اعتبار عام لوگوں کا ہے پس بعض لوگوں کی جو پیشانی پر ہی بال اگ آتے ہیں یہ جگہ سر کی حدود میں داخل نہیں بلکہ چہرے کی حد میں داخل ہے (کیونکہ یہ پیشانی کا حصہ ہے) اور "نزعتان" اور "صلع" سر کے حدود میں داخل ہے۔ (پیشانی کے حدود میں داخل نہیں) اس لئے وضو میں اس کو دھونے کی ضرورت نہیں، اور "نزعتان" سے مراد پیشانی کے وہ دونوں اطراف ہیں کہ سر کا حصہ ہونے کے باوجود بعض لوگوں کے ان دونوں اطراف میں بال نہیں ہوتے، پس بال نہ ہونے سے مغالطہ

---

[540] (الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب فصل فی سنن الوضوء، ج ۱ ص ۶۹)

کھا کر ان اطراف کو پیشانی کا حصہ نہیں سمجھنا چاہیئے اور "صلع" سے مراد پیشانی کے متصل سر کا بالکل ابتدائی حصہ ہے، بعض لوگوں کے اس حصہ پر بال نہیں ہوتے جس سے اس کے پیشانی کا حصہ ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

لیکن شرعاً اس کو سر ہی کا حصہ شمار کیا جائے گا، اس لئے وضو میں اس کو چہرہ دھونے کے ساتھ نہیں دھویا جائے گا۔ "نزعتان" کی اس ہیئت کو اہل عرب پسند کرتے ہیں اور لغت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ جس مرد کی پیشانی کے دونوں جانب بال نہ ہوں اس کو "انزع" اور جو عورت ایسی ہو اس کو "زعرا" کہتے ہیں (حالانکہ ازروئے قاعدہ اس کو،،نزعا،، کہنا چاہیئے) پس نزعتان نزع سے ماخوذ ہے یعنی الگ ہونا گویا کہ بال اس جگہ سے ہٹ گئے۔

اور تہذیب میں یہ بھی مذکور ہے:

"النزعتان من الرأس عندنا وعند جماهير العلماء واستحب الشافعي واصحابه غسلهما مع الوجه للخروج من خلاف من قال هما من الوجه"۔[541]

ترجمہ: نزعتان سر کا حصہ ہیں ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک۔ اور امام شافعی رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب نے چہرے کے ساتھ اس کا دھونا مستحب قرار دیا ہے تاکہ جن لوگوں نے اس کو چہرے کا حصہ سمجھا ہے احتیاطاً ان کے قول پر بھی عمل ہو جائے،، اور "صلع" سے مراد پیشانی کے متصل سر کے سامنے کے حصہ پر بال نہ ہونا ہے جیسا کہ بعض لوگوں میں ایسا ہوتا ہے، بالوں سے خالی سر کا یہ حصہ "صلع" کہلاتا ہے۔ "اصلع" صلعاء مثل احمر، حمراء اس کے صیغہائے صفت ہیں۔ اور آنکھ اور کان کے درمیان رخسار کی ابھری ہوئی ہڈی کی بالائی جانب کا حصہ جس کو صدغ کہتے ہیں یہ سر کا حصہ ہے۔

---

[541] (تہذیب الاسماء للنووی واللغات ج۴ ص ۲۴۶)

جس کی دلیل عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تلقین ہے جو انہوں نے نائی کو کی تھی:

"ابلغ العظمین فانهما منتهی اللحیة"

ترجمہ: سر کے بال کنپٹی کی دونوں ہڈیوں تک مونڈ ڈالو! اس لئے کہ وہاں تک داڑھی کی حد ہے۔

اوران دونوں ہڈیوں کو عربی میں "فنبکین" بھی کہتے ہیں جیسا کہ صاحب نہایہ نے حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ "امرنی جبرئیل ان اتعاهد فنبکی"۔[542]

ترجمہ: "جبرائیل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فنیکین کی رعایت رکھوں" اور گدی کی جانب سر کی حد گردن تک ہے لیکن گردن سر کی حد سے خارج ہے اس لئے گردن کا مسح سر کے مسح میں داخل نہیں۔ البتہ موضع تحذیف یعنی وہ حصہ جو "صدغ" (کنپٹی) اور "نزعتان" (پیشانی کے اطراف) کے درمیان ہے جس پر ہلکے ہلکے بال ہوتے ہیں اس کے متعلق اختلاف ہے۔[543]

ابن سریج کے بقول یہ حصہ چہرے میں شامل ہے کیونکہ چہرے کی رنگ (سپیدی) اس حصہ میں نمایاں ہے، اس وجہ سے شرفاء گھرانوں میں اس حصہ پر اگنے والے بالوں کو دور کیا جاتا ہے۔ اور اس جگہ کو موضع تحذیف کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس جگہ کے بالوں کو دور کیا جاتا ہے۔ "کتاب البرکه" میں لکھا ہے:

قدتعودالناس التحذیف ولا بأس به قال الغزالی وهو القدر الذی اذا وضع الخیط علی رأس الاذن والطرف الثانی علی الجبین وقع فی جانب الجبهة ولیس من القزع فی شئ۔

ترجمہ: "لوگوں کی عادت موضع تحذیف سے بال دور کرنے کی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحذیف وہ جگہ ہے کہ اگر دھاگے کا ایک کنارہ کان کے سرے

---

[542] (کنز العمال ج ۹ ص ۳۰۲ حدیث نمبر ۲۶۱۰۵)

[543] (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، باب الوضوء، ج ۲ ص ۳۷۳)

پر رکھا جائے اور دوسرا سرا پیشانی پر رکھا جائے تو پیشانی کی جانب کا مقام موضع تحذیف ہے اور یہ عمل (موضع تحذیف سے بال صاف کرنا) قزع میں داخل نہیں ہے"۔

ابو اسحاق اور اس کے متبعین کے نزدیک یہ بال سر کے بالوں کے متصل ہونے کی بناء پر اسی کے حکم میں ہیں۔

وھو الموافق لنص الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و الاول اظھر و الثانی اشھر۔[544]

ترجمہ: یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے موافق ہے اور پہلا قول ظاہر کے زیادہ مناسب ہے جبکہ زیادہ مشہور دوسرا قول ہے۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح منہاج" میں فرمایا ہے:

"صحح الجمھور ان موضع التحذیف من الرأس"۔

ترجمہ: جمہور نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ موضع تحذیف سر کا حصہ ہے۔

"لِاِتِّصَالِ شَعْرِہٖ بِشَعْرِ الرَّأسِ وَنَقَلَ الرَّافِعِیُّ فِیْ شَرْحَیْہِ تَرْجِیْحَہٗ عَنِ الْاَکْثَرِیْنَ"۔

ترجمہ: "بوجہ ان بالوں کے سر کے بالوں کے ساتھ متصل ہونے کے اور رافعی نے اپنے دونوں شرحوں میں اکثر اہلِ علم سے اسی کی ترجیح نقل کی ہے"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مواضعِ مذکورہ سر کی حد میں داخل ہیں پس ان جگہوں کے بالوں کو بھی سر کے بالوں کا حکم حاصل ہے یعنی سر منڈانے کے ساتھ ان کو منڈایا جائے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: مردوں کیلئے پورے سر کے بال رکھنا مسنون ہے اور ان کو منڈانا جائز (مباح) ہے۔ اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حج وعمرہ کے علاوہ سر منڈانا ثابت نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی طرزِ عمل اور معمول اسی کے مطابق تھا۔

---

[544] (کذافی فتح العزیز شرح الوجیز للرافعی، ج ۱ ص ۳۹۹)

البتہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سر کے بال منڈاتے تھے اور مواہب میں مذکور ہے:

ولم یروأنہ-صلی اللہ علیہ وسلم-حلق رأسہ الشریف فی غیر نسک حج أو عمرۃ فیما علمتہ، فتبقیۃ الشعر فی الرأس سنۃ ومنکرھا مع علمہ یجب تأدیبہ، ومن لم یستطع التبقیۃ فیباح لہ إزالتہ۔

ترجمہ: نبی ﷺ سے حج و عمرہ کے علاوہ جہاں تک مجھے معلوم ہے سر منڈوانا مروی نہیں، پس سر پر بال چھوڑنا سنت ہے اور جاننے کے باوجود اس کی سنیت کا منکر لائق تعزیر ہے اور جو شخص بال رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کیلئے بال نہ رکھنا جائز ہے۔[545]

اور جو کوئی بالوں کی نگہداشت (تیل، کنگھی وغیرہ) پر قادر ہو تب بھی اس کیلئے سر منڈانا مباح ہے۔اسی طرح "روضہ" اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی "مجموع" میں یہ روایت مذکور ہے۔

اور ابن قیم نے بھی زاد المعاد باب تنبیہات ج ۲ ص ۱۸ میں نقل کیا ہے:

لم یحلق صلی اللہ علیہ وسلم رأسہ الشریف إلا أربع مرات.

ترجمہ: "نبی ﷺ نے صرف چار مرتبہ سر مبارک منڈوایا"۔

قَدْومَاتٌ أَرْبَعَةٌ: بِمَكَّةَ عُمْرَةُ الْقَضَاءِ، وَفَتْحُ مَكَّةَ، وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ، وَحَجَّةُ الْوَدَاعِ۔[546]

ترجمہ: عمرۂ قضاء میں، فتح مکہ کے موقع پر، عمرۂ جعرانہ میں اور حجۃ الوداع کے موقع پر کہ ان ہی چار مواقع پر ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ کو مکہ معظمہ میں حاضری کے مواقع میسر آئے۔

---

545 (المواھب اللدنیہ فی منح المحمدیہ، الفصل الاول فی کمال خلقتہ وجمال صورتہ ﷺ ج ۲ ص ۸۰، منتھی السؤل علی وسائل الوصول الی شمائل الرسول ﷺ، الفصل الثالث فی صفۃ شعرہ ﷺ ج ۱ ص ۲۴۲)

546 (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، باب الترجل، ج ۷ ص ۲۸۲۵)

اور نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ "**باب ترجل**" میں حدیث "**احلقوا کله او اترکوا کله**" کے ذیل میں فرمایا ہے:

في الحديث اشارة الى ان الحلق في غير الحج والعمرة جائز وان الرجل مخير بين الحلق وتركه لكن الافضل ان لا يحلق الا في غير احد النسكين كما كان صلى الله عليه وآله وسلم يفعله واصحابه وانفرد منهم علي كرم الله وجهه۔

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی سر منڈانا جائز ہے اور آدمی کو سر منڈانے اور بال رکھنے میں اختیار ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ حج و عمرہ کے علاوہ سر نہ منڈائے جیسا کہ نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس معاملے میں منفرد تھے" (کیونکہ آپ ہر جمعہ کے دن سر منڈاتے تھے)۔

عینی شرح بخاری میں ہے:

ادعىٰ ابن عبد البرّ الاجماع على اباحة حلق الجميع وهو رواية عن احمد۔

یعنی ابن عبد البر نے پورے سر کے بال منڈانے کی اباحت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔[547]

اور محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صراط مستقیم میں فرمایا ہے کہ سر کے بال منڈانا مرد حضرات کے لئے بالاتفاق جائز ہے اور جو لوگ بالوں کو تیل لگانے اور درست رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں ان کے لئے (سنت کے مطابق) بال رکھنا افضل ہے۔

اور مدارج النبوۃ میں فرمایا ہے کہ سر کے بال (سنت کے مطابق) رکھنا سنت ہے اور قدیم عرب کی یہی عادت تھی لیکن تیل کنگھی کے ذریعہ بالوں کی نگہداشت رکھنی چاہیئے، اوراب تو عام و خاص

---

[547] (عمدۃ القاری ج ۲۲ باب القزع)

اکثر لوگوں میں بال منڈانے ہی کا رواج ہے خصوصا مشائخ، صوفیاء اور درویش صفت لوگ (مولف کی مراد اس سے اپنے زمانہ کے اہلِ ہند ہیں)۔ بظاہر اس کی وجہ بالوں کی نگہداشت سے ان کی عدیم الفرصتی ہے۔

سر کے بالوں کی نظافت

سر کے بالوں کے بارے میں شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ان کی صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کیا جائے، رسول اللہ ﷺ بالوں میں کنگھا فرمایا کرتے تھے اور تیل کا استعمال بھی فرمایا کرتے تھے۔

اس عمل سے بالوں کا گرد و غبار اور میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور بالوں میں جوئیں پڑنے سے بھی حفاظت رہتی ہے۔

اور اگر کوئی مرد سر پر بال رکھے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرے اور اگر یہ نہ کر سکے تو پھر بالوں کو منڈوا دے۔[548]

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے بال ہوں عین کے فتح کیساتھ، اس سے مراد سر کے بال ہیں، بس اس کی عزت کرو یعنی اسے مزین رکھو، اسے صاف رکھو، دھونے کے ساتھ، تیل لگانے کے ساتھ اور اسے بکھرے ہوئے نہ چھوڑو کیونکہ صفائی اور خوبصورت دکھنا پسند کیا جاتا ہے۔

من اتّخذ شعرا فليحسن اليه او ليحلقهٗ۔

---

[548] (وعن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال من كان له شعر: بفتح العين ويسكن، والظاهر أن المراد به شعر الرأس (فليكرمه): أی فليزينه ولينظفه بالغسل والتدهين ولا يتركه متفرقا؛ فان النظافة وحسن المنظر محبوب (رواه أبو داود) مرقاة المفاتيح، ج۷ ص۲۸۲۷، کتاب اللباس، باب الترجل)

ترجمہ: جو بال رکھے تو اچھی طرح رکھے (دھوئے، تیل کنگھی وغیرہ کرے) ورنہ منڈا دے۔[549]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من کان له شعر فلیکرمه۔

ترجمہ: جس کے بال ہوں تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے۔[550]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ قال: من اتخذ شعرا فلیکرمه۔

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو بال رکھے تو ان کا اکرام کرے۔[551]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کان لابی قتادة جمة فسأل النبی ﷺ فیها؟ فقال: اکرمها وادهنها۔

(یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے جمہ (کندھوں تک) بال تھے، انہوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے سوال کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا اکرام کیجئے اور ان میں تیل لگایئے۔[552]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سمعت النبی ﷺ یقول: من ربی منکم شعرا فلیکرمه، قیل: یا رسول اللہ، وما کرامته؟ قال: یدهنه، ویمشطه کل یوم۔

---

[549](رواہ الطبرانی فی الاوسط، حدیث ۴۰۸۰، ج ۹ ص ۱۳۳، وفی مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الشارب)

[550](سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۱۶۳، کتاب الترجل، باب فی اصلاح الشعر، المکتبة العصریة، بیروت، واللفظ له المعجم الأوسط للطبرانی، رقم ۸۴۸۵، شعب الایمان للبیهق رقم ۶۰۳۶، مشکل الآثار للطحاوی، رقم ۳۳۶۵)

[551](ج ۱ ص ۱۵۹، دار ابن الجوزی، السعودیة/الریاض، واللفظ له، الکامل فی ضعفاء الرجال، ج ۳ ص ۴۱۴، الترغیب والترهیب لقوام السنة، رقم الحدیث ۲۰۳، اخبار اصبهان، رقم الحدیث ۱۷۳۹)

[552](رقم ۱۷۶، در الحرمین، القاهرة، واللفظ له؛ شعب الایمان للبیهقی، رقم ۶۰۴۱)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تم میں سے جو بال رکھے تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے، رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ بالوں کا اکرام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں روزانہ تیل لگائے اور کنگھی کرے۔[553]

سر منڈانے کو معمول بنانا سنت ہے اس لئے کہ یہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تقریری سنت کے قبیل سے ہے اور پھر خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سر منڈانے پر مواظبت (ہمیشگی) بھی تنہا سنت ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔**

ترجمہ: میرے اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو۔[554]

فتاویٰ عالمگیری میں روضہ زندویسی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

وان السنۃ فی شعر الرأس اما الفرق واما الحلق وذکر الطحطاویؒ الحلق سنۃ ونسب ذالک الی العلماء الثلاثۃ۔[555]

ترجمہ: "تحقیق سنت طریقہ سر کے بالوں کے حق میں یہ ہے کہ یا تو بال رکھ کر درمیان سے سیدھی مانگ نکالی جائے اور یا پھر سر منڈھایا جائے اور امام طحاوی نے سر منڈانے کو سنت کہا ہے اور یہ بات ائمہ ثلاثہ احناف کی طرف منسوب کی ہے (جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے)۔"

مسئلہ: مردوں کے لئے حج کے دوران مقررہ وقت پر بال کٹوانے کے بجائے منڈوانا افضل ہے، اگرچہ کٹوانا بھی جائز ہے:

"قال اللہ تعالیٰ: مُحَلِّقِینَ رُءُوسَکُمْ وَمُقَصِّرِینَ (الفتح ۲۷)"۔

[553] (ج ۱ ص ۲۶۲، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)
[554] (مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالسنۃ، ابن ماجہ ج ۱، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین)
[555] (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء وحلق المراۃ شعرھا ووصلھا شعر غیرھا)

(اپنے سروں کے بال منڈانے والے اور کٹوانے والے ہیں)۔

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اللھم ارحم المحلقین

(اے اللہ تعالیٰ منڈوانے والوں پر رحم فرما)۔

صحابہ کرام نے عرض کیا:

والمقصرین؟ (اور کٹوانے والے بھی؟)

تب بھی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پہلا جملہ ہی ارشاد فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے چوتھی بار "والمقصرین" کے ساتھ استفسار کیا تب آپ نے والمقصرین کہہ کر محلقین کے لئے رحم کی دعا میں ان کو شامل فرمایا: (ان الفاظ کے ساتھ: اللھم ارحم المحلقین والمقصرین)۔[556]

فتاویٰ عالمگیری میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے:

یحلق اویقصر والحلق افضل۔ حلق کرے یا قصر کرے، لیکن حلق افضل ہے۔[557]

وحلق الکل افضل اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: پورے سر کو منڈانا افضل ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام (کے عمل) کی اتباع کی وجہ سے۔

پس کہتا ہے بندہ عاجز فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی سیفی کہ زلفیں رکھنا اور منڈوانا دونوں جائز ہیں، جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

حلق الرأس مع الصدغین سنة یعنی کنپٹی سمیت سر منڈوانا سنت ہے۔[558]

---

[556] (بخاری، باب الحلق والتقصیر عند الاحلال، رقم ۱۶۱۲)

[557] (کتاب المناسک وفیہ سبعۃ عشر بابا، الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج)

[558] (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۴۲، جلد ۴)

فتاویٰ عالمگیری میں لکھاہے:

یستحِبّ حلق الرأس فی کل جمعة کذافی الغرائب۔

ہر جمعہ کو سر منڈوانا مستحب ہے۔[559]

فتاویٰ سلطانیہ میں لکھاہے:

و لو حلقت المرأة رأسها فان فعلت لوجع اصابها فلا بأس بہ.فان فعلت تشبها بالرجل فهو مکروه۔

اگر کسی خاتون نے سر میں کسی بیماری کے سبب اپناسر مونڈوایاتو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر مردوں کے ساتھ تشبیہہ کی وجہ سے ایسا کیاتو پھر مکروہ ہے۔[560]

وفی زین الحلم شرح عین العلم لملاعلی قاری رحمه الله: ویحلق رأساً أی شعره ان اراد التنظیف و الاحتیاط فی الغسل کما اختاره علی کرم الله وجهه حیث کان کثیر الاغتسال و قد سمع النبی ﷺ تحت کل شعرة جنابة و لذا قال و من ثم عادیت رأسی الی قوله و حیث قرّر علیه السلام فعل علی رضی اللہ عنہ صار سنة ای حلق الرأس مع انه قال علیه السلام علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی عین العلم کی شرح زین الحلم میں ہے کہ غسل میں احتیاط یاصفائی کی وجہ سے اگر سر کا حلق کیاجائے تو جائز ہے جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر مونڈوانے کو اختیار کیا تھا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ غسل فرمانے والے تھے اورآپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے یہ فرماتے ہوئے سناتھا کہ ہر بال کے نیچے جنابت (ناپاکی) ہوتی ہے۔اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے سر (کے بالوں) کے ساتھ دشمنی کرلی، اور جب

---

[559] (فتاویٰ عالمگیری، ص۳۵۷، ج۵، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

[560] (فتاویٰ سلطانی ص ۴۵۵)

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل کو بر قرار رکھا تو سر منڈوانا سنت قرار پایا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔[561]

وفی فصول العبادیۃ رجل قال لآخر حلق رأسک أو قلم أظفارک فان ھذا سنۃ النبی ﷺ وقال ذالک الرجل لا أفعل وان کان سنۃ فھذا کفر لانہ قال ذالک علی سبیل الانکار والرد۔ کذا فی سائر السنن خصوصا فی السنۃ ھی معروفۃ وثبوتھا بالتواتر کالسواک ونحوہ۔ وفی الغرائب وروی محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قال خطانی حجام فی سفر القبلۃ فی ثلاثۃ اشیاء اذا جلست لحلق الرأس قال لی استقبل القبلۃ فاستقبلت الیھا فقدمت جانب یساری فقال لی قدم جانب یمینک فقدمت جانب یمینی فاذا فرغت اردت ان اخرج فقال دفن شعرک ثم اخرج فدفنت کان ابن عمر رضی اللہ عنہ یقول للحلاق ابلغ العظمین فانھما منتھی اللحیۃ یعنی حدھا ولذلک سمیت لحیۃ لان حدھا اللحی۔

فصول العبادیۃ میں ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اپنا سر منڈواؤ یا اپنے ناخن کاٹو کیونکہ یہ آپ ﷺ کی سنت ہے اور دوسرا اس کے جواب میں کہے کہ میں ایسا نہیں کرونگا اگرچہ سنت ہے تو یہ قول کفریہ ہے (یعنی یہ کلمۂ کفر ہے) کیونکہ اس نے جو جواب دیا یہ بطور انکار اور رد تھا۔ یہی حکم آپ ﷺ کی تمام سنن کے بارے میں ہے خاص کر ان سنن کے بارے میں کہ جو معروف ہو اور ان کا ثبوت تواتر سے ہو جیسے مسواک وغیرہ۔ غرائب میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفر قبلہ (حرم شریف) میں حجام نے مجھے تین غلطیوں پر تنبیہہ کی۔ ا۔ جب میں سر مونڈوانے کیلئے بیٹھا تو حجام نے کہا کہ قبلہ رو ہو جاؤ تو میں قبلہ رو ہو گیا۔ ۲۔ میں نے حجام کی طرف سر مونڈوانے کیلئے بائیں طرف کو آگے کیا تو اس نے کہا کہ پہلے دائیں طرف کا حلق ہو گا تو میں نے دائیں طرف آگے

---

561 (بحوالۂ ھدایہ الابرار ص ۳۱)

کر دی۔ ۳۔ جب میں فارغ ہوا اور باہر جانے لگا تو حجام نے کہا اپنے بال دفن کر دو پھر نکلو تو میں نے بال دفن کر دیئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجام سے فرمایا سر مونڈتے ہوئے بڑی ہڈیوں تک پہنچو کہ یہ داڑھی کی انتہاء ہے اور اس لئے داڑھی کو لحیہ کہتے ہیں کہ یہ داڑھ کی انتہاء تک ہوتی ہے۔[562]

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا سر منڈانے کے متعلق فتویٰ:

مسئلہ ۲۳۵: از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین حسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

تمام سر کا منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حضور سرور کائنات ﷺ یا حضرت مولائے کائنات سیدنا امام علی مرتضی رضی اللہ عنہ یا حضرت امامین مطہرین رضی اللہ عنہما یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم ان حضرات نے سر منڈایا ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواز فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت تمام سر کے بال رکھنا ہے اور امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی سنت سارا سر منڈانا۔

وقد روی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تحت کل شعرۃ جنابۃ ثم قال من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی۔

بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت کی ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہذا اس وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں۔[563]

---

[562] (ھدایۃ الابرار ص ۳۲)

[563] (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ ۱/۳۳ وجامع الترمذی ابواب الطھارۃ ۱/۱۶) (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاھور ۱/۳۳)

دونوں صورتیں جائز ہیں آدمی اپنے لئے جس میں مصلحت سمجھے، اور اول اولٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۹: ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی ایھا العلماء الکرام اندریں مسئلہ کہ مروی وماثور است کہ موئے مرغول سرآن سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغیر از حلق بستہ کیفیت متکیف بودند یعنی گاہ بگوش وگاہ بدوش وگاہ از گوش فرود آمدہ و نزدیک بدوش رسیدہ آیار جل امت اجابت آن تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رانیز لازم است کہ ہمیں جادہ مستقیم رااخذ نمودہ سالک شوند باز وبر تقدیر اول آیا کدام صنف است از اصناف سنن ہدی ست کہ تارکش مستحق لوم وعتاب است یا زائد کہ تارکیش لائق ایں امر نبود چنانچہ در رسالہ منارمی نویسند وھی نوعان سنۃ الھدی وتارکھا یستوجب اساءۃ کالجماعۃ و الاذان والزوائد وتارکھا لایستوجب اسائۃ کسیر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی لباسہ وقعودہ وقیامہ الخ رسالہ شرح نور الانوار قمر الاقمار۔

اے علماء کرام! اللہ تعالٰی تم پر رحمت کے پھول برسائے تمہارا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ مروی اور منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر مبارک کے (کسی قدر) گھنگھریالے مقدس بال منڈائے بغیر، تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے متصف تھے (۱) یعنی کبھی کانوں تک (۲) کبھی کندھوں تک (۳) اور کبھی کانوں سے نیچے لٹکے ہوئے اور کندھوں کے قریب پہنچے ہوئے تھے (اب سوال یہ ہے کہ) کیا تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت اجابت (یعنی امت مسلمہ) کے کسی مسلمان فرد کے لئے بھی یہی لازم اور ضروری ہے کہ وہ اسی ٹھیک

طریقہ کو اختیار کر کے اس پر چلے۔ نیز پہلی صورت میں یہ سنن ہدی میں سے کونسی قسم ہے کہ جس کا چھوڑ دینے والا ملامت اور سرزنش کے لائق ہے یا سنت زائدہ ہے کہ جس کا ترک کرنے والا سزا مذکور کے لائق نہیں چنانچہ رسالہ "منار،، میں لکھتے ہیں سنت کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک سنت ہدٰی، جس کا تارک مستحق اساءت ہے۔ جیسے نماز باجماعت اور اس کے لئے اذان۔ (۲) دوسری قسم سنت زوائد کہ جس کا تارک اساءت کا سزاوار نہیں جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک عادات، پہننے، بیٹھنے اور قیام میں الخ ۱۲ قمر الاقمار حاشیہ نورالانوار (از مولانا عبدالحکیم لکھنوی)۔[564]

الجواب:

عادت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر تمام سر موئے داشتن است از گوش تا دوش در غیر حج وحجامت ہیچ گاہ حلق ثابت نیست امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم دائما حلق فرمودہ واز ان روکہ زیر ہر موجنابت ست مبادا کہ آب بجائے نرسد وے فرمود ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی وسنت خلفائے راشدین نیز سنت ست ہر چہ مناسب حال خود مبیند برآں عمل کنند موئے راا کرام باید فی الحدیث من کان لہ شعر فلیکرمہ اگر اکرام تواند وبحد اسراف نرساند موئے داشتن بہتر ست ورنہ در حلق فارغ البال وبرہر چہ ازیں عمل کند مستحق لوم وعتابے نیست۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت عالیہ اپنے پورے سر مبارک پر بال رکھنے کی تھی اور یہ کیفیت کان سے کندھوں تک ہوتی، لہذا بغیر حج کبھی سر منڈوانا ثابت نہیں البتہ مومنوں کے

---

[564] (نور الانوار شرح المنار بحث سنن الہدی والزوائد مطبع علیمی دھلی ص ۱۶۷)

امیر حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم ہمیشہ بال منڈواتے اس وجہ سے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں تک پانی نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے یہی وجہ ہے کہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں، اسی وجہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بال رکھنے کا مخالف ہوں، اور خلفائے راشدین کی سنت بھی درجہ سنت رکھتی ہے لہذا جو بھی اپنے حال کے مناسب سمجھے وہی روش اختیار کرے، بہر حال بالوں کا احترام کرنا چاہئے، چنانچہ حدیث پاک میں مذکور ہے جس آدمی کے بال ہوں اسے ان کا احترام واکرام کرنا چاہئے لہذا اگر عزت توقیر کرسکے اور اسے اسراف کی حد تک نہ پہنچائے تو پھر بال رکھنے بہتر ہیں ورنہ منڈوا کر فارغ البال ہو جائے لہذا ان میں سے جو طریقہ اپنائے (اور اس پر عمل کرے) تو ملامت اور عتاب کا سزاوار نہ ہو گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**[565]

حلق العانۃ (زیر ناف بال) صاف کرنا:

زیر ناف بال صاف کرنا مرد وعورت دونوں کے لئے مسنون و مشروع ہے۔بلکہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے ادیان میں مشترک مشروع ہے۔اسی لئے حدیث شریف میں اس کو انسان کی فطرتی عادات میں سے شمار کیا گیا۔

والاستحداد أی حلق العانۃ وھو۔۔استعمال الحدیدمن نحو موسی وغیرہ فی حلق العانۃای الشعر الذی حوالی ذکر الرجل وفرج المرأۃوزادابن شریح وحلقۃالدبر۔

استحداد یعنی موئے زیر ناف صاف کرنا اور استحداد کا معنٰی ہے بالوں کی صفائی کیلئے استرا وغیرہ کی شکل میں لوہے کو استعمال کرنا اور موئے زیر ناف سے مرادوہ بال ہیں جو مرد کے آلۂ تناسل

[565](سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۳)(سنن ابی داؤد کتاب الرجل باب فی اصلاح الشعر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۱۸)(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/۲۳۰)(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۲۸۶۔۲۹۲)

کے ارد گرد ہوں اور عورت کے عضو مخصوص (شرمگاہ) کے ارد گرد ہوں۔ابن شریح نے کہا کہ مقام پاخانہ کے ارد گرد کے بالوں کو بھی **عانة** کہتے ہیں۔[566]

قلت و علیه الفتویٰ کمافی الشامیة۔

میں کہتا ہوں اسی پر فتویٰ ہے جیسے کہ شامی میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر زیر ناف بال مونڈنا بھی فرض تھا،ہم پر سنت ہے۔خیال رہے کہ زیر ناف بال دور کرنے کیلئے زیادہ طور پر احادیث میں (استحداد) کے الفاظ استعمال ہیں،یعنی نبی کریم ﷺ نے لوہے کے آلہ (استرا وغیرہ) کو استعمال کیا۔

ایک اور حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،وہ فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ کان لا یتنور، و کان اذا اکثر الشعر علی عانته حلقه۔

کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے زیر ناف بالوں کو دور کرنے کیلئے چونہ (پاؤڈر وغیرہ) استعمال نہیں کیا،بلکہ جب بال دور کرنے کی ضرورت درپیش آتی تو آپ ﷺ ان بالوں کو مونڈ کر دور کرتے لیکن ایک دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ان النبی ﷺ کان اذا اطلی ولی عانته بیده۔

کہ بے شک نبی کریم ﷺ زیر ناف بالوں پر چونہ (پاؤڈر وغیرہ) استعمال کر کے ہاتھوں سے بالوں کو صاف کر دیتے۔خیال رہے کہ "اطلی" کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔**اطلی یعنی بالنورة وھی حجر یتخذمنه طلاءٌ لازالة الشعر من بواطن الجسد۔**

کہ آپ ﷺ نے چونہ کا استعمال کیا،کیونکہ پتھر سے حاصل ہونے والے چونہ کو جسم کے اندرونی حصہ کے بال دور کرنے کیلئے جب استعمال کیا جائے تو اسے بھی طلائی کہہ لیا جاتا ہے۔

---

[566] (المرقاۃ ۸/۲۸۹ومجمع الزوائد ۵/۳۰۳)

دونوں حدیثوں میں تطبیق:

ابن خویز منداد کہتے ہیں:

وھذایدل علی ان الاکثرمن فعله کان الحلق وانماتنورنادرالیصح الجمع بین الحدیثین۔

اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اکثر طور پر زیرناف بالوں کو مونڈا ہے لیکن کبھی کبھی چونہ وغیرہ سے بھی بالوں کو دور کیا ہے۔اس طرح دونوں حدیثوں میں مطابقت ہو جائے گی۔خیال رہے کہ زیرناف بالوں کو دور کرنا مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہے۔اور دور کرنے کے دونوں طریقے بھی مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہیں۔[567]

لہٰذا مرد وعورت دونوں کو کسی بھی طریقے سے ان بالوں کا زائل کرنا ضروری ہے لیکن مردوں کو استرے (بلیڈ) سے صفائی بہتر جبکہ عورتوں کو نورہ بال صفا پاؤڈر سے دور کرنا افضل ہے۔اور عورتوں کو انگلیوں سے نکالنا مستحب ہے۔[568]

ختنہ کرنا:

مسلم شریف میں اور مسند احمد میں یحیٰی کی روایت میں ہے۔

"انه اختتن حین بلغ ثمانین سنة واختتن بالقدوم"۔

بیشک ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا اور آپ نے تیسہ سے ختنہ کیا۔

یعنی جب آپ علیہ السلام پر ختنہ کے فرض ہونے کا حکم نافذ ہوا اس وقت آپ کی عمر اسی سال تھی، آپ نے لکڑی کاٹنے چھیلنے کا آلہ تیسہ لیا، اور اپنا ختنہ خود ہی کر دیا۔سبحان اللہ یہ انبیاء کرام کے

---

[567] (نجوم الفرقان ص ۸۰۸ ج ۳)

[568] (فتاوی حقانیة ۴۶۴/۲)

کام ہی ہیں جو مشکل امتحانات میں پورے اترے ورنہ عام انسان ایسے امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

خیال رہے "قدوم" قاف پر فتحہ، دال مشدد بھی استعمال ہے اور مخفف بھی، معنی اس کا تیسہ۔

قال عکرمة اختتن ابراھیم علیہ السلام وھو ابن ثمانین سنة" قال: ولم یطف بالبیت بعد علی ملة ابراھیم الا مختون"۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے بعد ملت ابراہیمی پر قائم کسی شخص نے بغیر ختنہ طواف نہیں کیا۔

مسئلہ:

جمہور احناف اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے:

ان ذلک من مؤکدات السنن ومن فطرة الاسلام التی لا یسع ترکھا فی الرجال"۔

کہ ختنہ کرنے کا فعل سنت موکدہ ہے اور فطرۃ اسلامیہ سے ہے۔ مردوں کیلئے اس سنت کو چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الفطرة خمس الاختتان الخ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرمایا کہ فطرت اسلامیہ پانچ چیزیں ہیں، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کا بھی ذکر کیا۔

اس حدیث سے بھی ختنہ کا سنت ہونا واضح ہے۔ خیال رہے کہ ایک ضابطہ یہ ہے ذکر قلیل ذکر کثیر سے مانع نہیں لہذا کسی محل اور موقع کی مناسبت سے پانچ کا ذکر کرنا دوسری جگہ دس کے ذکر کے منافی نہیں۔

مسئلہ:

اگر کوئی بچہ ختنہ شدہ پیدا ہوا تو وہ ختنہ کی مشقت سے بچ گیا ہے۔اب اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ختنہ کرنے کی کوئی ضرورت ہوگی۔کیونکہ اس کا ختنہ پہلے قدرتی طور پر ہو چکا ہے۔حضرت میمونی کہتے ہیں، مجھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص تھا جس کا بچہ پیدا ہوا جس کا ختنہ قدرتی طور پر ہو چکا تھا۔وہ شخص پریشان تھا کہ میں بچے کا ختنہ کیسے کرونگا۔تو آپ نے اس شخص کو فرمایا:" اذا کان اللہ قد کفاک المؤنۃ فماغمک بھذا"۔جب رب تعالیٰ نے تمہیں اس بچے کے ختنہ کی مشقت سے آزاد کر دیا ہے تو تمہیں اس کا کیا غم ہے۔

فائدہ جلیلہ:

عن محمد بن حبیب الھاشمی خلق من الانبیاء اربعۃ عشر مختونین آدم و شیث و نوح وھود و صالح و لوط و شعیب و یوسف و موسیٰ و سلیمٰن و زکریا و عیسیٰ (و حنظلۃ بن صفوان نبی اصحاب الرس) و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

محمد بن حبیب ہاشمی کہتے ہیں کہ چودہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے، حضرت آدم علیہ السلام ، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام ، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمٰن علیہ السلام ، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، (حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام اصحاب الرس کے نبی علیہ السلام) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ختنہ شدہ ہونے کے قول کو ترجیح دی ہے۔

اعتراض:

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ختنہ ہوا ہے۔لہذا یہ کہنا کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے کیسے صحیح ہے؟

"عن ابن عباس ان عبدالمطلب ختن النبی ﷺ یوم سابعة و جعل له مأدبة و سماه محمدا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ختنہ ساتویں دن کرایا اور اسی دن احباب کی دعوت کی اور اسی دن آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔

جواب:

یہ حدیث محمد بن ابی سری نے روایت کی ہے۔ اس حدیث کے متعلق یحییٰ بن ایوب فرماتے ہیں۔

"طلبت هذا الحديث فلم اجده عند احد من اهل الحديث ممن لقيته الاعندابن ابی السری"۔

میں نے اس حدیث کو بہت تلاش کیا، لیکن حدیث بیان کرنے والے حضرات میں سے میں نے جس سے بھی ملاقات کی مجھے کسی کے پاس بھی یہ حدیث نہیں ملی سوائے ابن ابی السری کے۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ حدیث دوسری معتبر احادیث کے مقابل قابل حجت نہیں، کیونکہ اس حدیث کے متعلق ابو عمرو نے فرمایا"هذا حديث مسندغريب" یہ حدیث مسند غریب ہے۔اس

سے بھی اس کے قابل حجت نہ ہونے کا ذکر کیا گیا۔یہ ذکر کرنے کے بعد ابو عمرو نے کہا۔"وقدقیل ان النبیﷺ ولدمختونا" تحقیق بیان کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے ہیں۔

فذکر ابو نعیم الحافظ فی "کتاب الحلیۃ" باسنادہ ان النبیﷺ ولدمختونا۔

ابو نعیم رحمہ اللہ علیہ نے "کتاب الحلیۃ" میں ذکر فرمایاہے اسناد صحیحہ سے کہ نبی کریم ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

مسئلہ: ختنہ بالغ ہونے سے پہلے کر دیا جائے۔بچہ سات دن کا ہو تو ختنہ کرنا بہتر ہے۔اس مسئلہ پر مختلف روایات ہیں، علماء کے اقوال سے یہ بھی ملتاہے ۔"ختن ابراھیم اسماعیلَ لثلاث عشر سنۃ"کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ جب کیا تو ان کی عمر تیرہ سال تھی۔"وختن ابنہ اسحاق لسبعۃ ایام" اورآپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کا جب ختنہ کیا تو وہ سات دن کے تھے۔

"وروی عن فاطمۃ رضی اللہ عنہا انہا کانت تختن ولدہا یوم السابع" اور روایات میں آتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہانے اپنے بچوں کا ختنہ ساتویں دن کرایا۔

وقال اللیث بن سعد، یختن الصبی مابین سبع سنین الی عشر۔

لیث بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بچوں کا ختنہ سات اوردس سال کے درمیان کرادیا جائے۔

وقال احمد"لم اسمع فی ذلک شیئا"۔حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ختنہ کے متعلق معین مدت کے متعلق کوئی روایت سننے میں نہیں آئی۔

بخاری میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

"سئل ابن عباس مثل من انت حین قبض رسول اللہﷺ قال انا یو مئذ مختون"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وصال ہوا تو آپ کتنے تھے۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت مختون تھا، آپ نے مختون کا معنی قریب البلوغ لیا ہے۔ واضح ہوا کہ بالغ ہونے سے پہلے ضرور ختنہ کرادیا جائے ،سات دنوں پر کرائیں یا بعد میں کرائیں جائز ہے۔

بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کرنے کیلئے:

اگرچہ مالکی مذہب میں تو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ ختنہ کسی سے کرائے بعض حضرات نے زیادہ ہی کی تاکید کی ہے۔

لیکن احناف کے نزدیک بلاعذر شرعی کسی کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے، اس لئے سنت پر عمل کرنے کیلئے حرام کا ارتکاب تو جائز نہیں۔ البتہ وہ شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو ختنہ کرنا جانتی ہو، تو وہ نکاح کے بعد اس کا ختنہ کر دے، کیونکہ زوجہ اپنے خاوند کی شرمگاہ کو دیکھ سکتی ہے، اس طرح نہ حرام کا ارتکاب ہو گا۔ اور نہ سنت کی ترک لازم آئے گی۔

غسل البراجم:

(باء کے فتح اور جیم کے کسرہ کے ساتھ) وہ گرہیں اور جھریاں جو انگلیوں کے جوڑوں کے ظاہری حصہ پر ہوتی ہیں اور جو باطنی حصہ پر ہوتی ہیں ان کو رواجب کہتے ہیں ابن العرافی رحمہ اللہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔ علامہ تورپشتی نے فرمایا ہے کہ براجم سے مراد وہ جوڑ ہیں جو اساجع اور رواجب کے درمیان میں اور رواجب وہ جوڑ ہیں جو پوروں سے ملے ہوئے ہیں اور ان کے بعد براجم ہوتے ہیں

اوربراجم کے بعداساجع۔ابہری رحمہ اللہ نے اسی طرح نقل کیاہےاورمراداس سے (ہاتھ پاؤں)کے تمام قسم کے جوڑوں کی گرہیں اور پوشیدہ جگہوں کا دھوناہے۔[569]

بغلوں کے بال دور کرنا:

بغلوں کے بال دور کرنا بھی مرد وعورت دونوں کے لئے کسی بھی طریقے سے ضروری ہے البتہ اسمیں دونوں کو اکھیڑنا بہتر ہے۔

وفی الابط یجوز الحلق و النتف أولی۔بغلوں کے بالوں کے بارے میں حلق کرنا جائز اور اکھیڑنا بہتر ہے۔[570]

قلت ولفظ الابط فی الحدیث یدّل علی العموم فتأمل۔[571]

حدیث میں لفظ ابط عموم پر دلالت کرتا ہے یعنی مرد وعورت دونوں کیلئے حکم ہے۔

ناخن کاٹنے کا حکم:

مرد وعورت دونوں کے لئے بڑے ناخن کاٹنا سنت موٴکدہ ہے۔اور حدیث شریف نے اسے بھی انسان کے امور فطرت میں سے بتایا لہٰذا مرد وعورت کو بڑے بڑے ناخن رکھنا فیشن کی خاطر یا سستی کی وجہ سے مکروہ اور ناجائز ہے۔

قال العلامہ العینی رحمہ اللہ تحت قول الامام البخاری رحمہ اللہ باب تقلیم الأظفار ھذاباب فی سنیّۃ تقلیم الخ۔[572]

وفی الھندیۃ: وقلم الأظفار سنۃ اِلاّفی دار الحرب فان ترکھا مندوب الیہ۔

---

[569](مرقاۃ المفاتیح)
[570](الھندیۃ ۵/۳۵۸)
[571](المنتقی للحرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱/۲٦۷)
[572](عمدۃ القاری ۴۵/ج۲۲)

ناخن کاٹنا سنت ہے مگر دار الحرب میں نہ کاٹنا مستحب ہے۔[573]

ناخن کاٹنے کا افضل طریقہ:

ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں علماء نے دو طریقے افضل قرار دیئے پہلا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں ابتداء اور انتہاء دونوں دائیں ہاتھ پر ہو جس کی ترتیب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرکے بالترتیب دائیں کے چھنگلی انگلی تک کاٹ لئے جائیں اور پھر بائیں ہاتھ کے چھنگلی انگلی سے لے کر بالترتیب بائیں کے انگوٹھے تک کاٹ لئے جائیں اور آخر میں دائیں کا انگوٹھا سے کاٹ لیں۔

قال فی الهداية عن الغرائب: وینبغی الابتداء بالیدالیمنیٰ و الانتهاء بها فیبدأ بسبابتها ویختم بإبهامها۔

ہدایۃ میں غرائب کے حوالے سے ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ابتداء وانتہاء دونوں دائیں ہاتھ سے ہو، دائیں ہاتھ کے انگشت شہادت سے ابتداء ہو اور انگوٹھے پر اختتام ہو۔[574]

ہاتھ کے ناخن کاٹنے کا دوسرا افضل طریقہ:

اور وہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے شہادت کی انگلی سے شروع کیا جائے پھر دائیں ہی کے درمیانی پھر ساتھ والی اور پھر چھنگلی اور آخر میں دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے لے کر انگوٹھے تک۔

كذا ذكر العلامة العینی رحمة الله تعالیٰ علیه ۔ عن الامام النووی رحمة الله تعالیٰ علیه۔[575]

---

[573](الهندية ۵/۳۵۷ و حقانية ۲/۴۲۰)

[574](الشامية ۵/۲۶۰)

[575](عمدة القاری ۲۲/۴۵ ج ۲۲ والمرقاة ۸/۹۰۲)

پاؤں کے ناخن کاٹنے کا طریقہ:

ثمّ یبدا بخنصر الرجل الیمنیٰ و یختم ببنصر االیسریٰ۔

اس کے بعد دائیں پاؤں کے چھنگلی انگلی سے شروع کر کے بالترتیب بائیں کے چھنگلی انگلی تک کاٹ لیں۔[576]

مسئلہ:

یہ طریقہ محض افضل ہے اور بڑے ناخن کاٹنا ضروری ہے گو کسی بھی طریقے سے کاٹے جائیں نیز اگر دن میں فرصت نہ ملے یا رات کو بڑے معلوم ہوں تو رات کو بھی کاٹنا جائز ہے۔

حکی أن ھارون الرشید سأل أبا یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیه عن قص الاظافیر فی اللیل فقال ینبغی فقال ما الدلیل علی ذلک فقال قوله ﷺ الخیر لا یؤ ّخر۔

ہارون الرشید نے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے رات کے ناخن کاٹنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ مناسب ہے کہ کاٹے جائیں۔ پوچھا اس پر کیا دلیل ہے؟ فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھے کام کو مؤخر نہ کیا جائے۔[577]

ناخن کاٹنے اور زیر ناف بال کے صفائی کا وقت:

صحیح یہی ہے کہ اسلام میں ان چیزوں کی صفائی کا کوئی خاص وقت متعین نہیں بلکہ جب کبھی ناخن، مونچھ وغیرہ حد میعاد سے تجاوز کر جائیں اور بڑے ہو جائیں تو اسی وقت کاٹنے کا حکم ہے۔

---

[576](الفتاویٰ الھندیۃ ۵/۳۵۸)

[577](الفتاویٰ الھندیۃ ۵/۳۵۸)

قال القاری رحمة اللہ تعالیٰ علیہ :والمعنیٰ أن لا تترک ترکا یتجاوز أربعین لا أنہ وقت لھم الترک أربعین لأن المختار أن یضبط الحلق والتقلیم والقص بالطول فإذا طال حلق وقص وقلم ذکرہ النووی رحمة اللہ تعالیٰ علیہ۔[578]

ناخن اور زیر ناف بال کی صفائی کا مستحب وقت:

البتہ چونکہ اسلام میں صفائی کی بہت ہی تاکید آئی ہے۔اس لئے فقہاء اسلام نے ہر ہفتہ یعنی جمعہ میں غسل کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی صفائی کو بھی افضل و مستحب قرار دیا۔کسی مجبوری کی وجہ سے دو ہفتوں کے بعد اور آخری حد چالیس دن تک ہے اور اس کے بعد بغیر کسی شدید مجبوری کے مؤخر کرنے والا گناہ اور وعید کا مستحق ہو گا۔

فالأسبوع ھو الأفضل والخمسة عشر الأوسط والأربعون الأبعد ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔

ایک ہفتے میں صفائی افضل ہے،درمیانی مدت پندرہ دن اور لمبی مدت چالیس دن کے بعد کوئی عذر قابل قبول نہیں اور تارک وعید(سزا)کا مستحق ہو گا۔[579]

ماحول کی صفائی کے بارے میں اسلام کے سنہری اصول:

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے انسانیت کو پاکی وصفائی کے سنہرے اصول بتائے ہیں۔ اے کاش کہ مسلمان ان سنہری اصولوں کو اپنائیں اور رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں بہر حال ان سنہری اصول میں سے یہ بھی ہے کہ کٹے ہوئے سر کے بال ہوں یا کسی اور جگہ کے اور ناخن وغیرہ مرد وعورت دونوں کے لئے مناسب اور بہتر یہی ہے کہ ان کو گھر یا دوسری جگہ کے ایک کونے میں

---

[578](المرقاة ۸/۲۹۱)

[579](الھندیة ۵/۳۵۷ والمرقاة ۸/۲۹۱ والشامیة ۵/۲۶۰)

دفن کر دے اور اگر ایسی جگہ پھینک دے کہ جہاں لوگوں کی آمد ورفت نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن بالوں اور ناخنوں کو غسل خانے، گندگی کے ڈھیر یا نالے یا ویسے ادھر ادھر پھینکنا اعضائے انسانی کی توہین ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں نیز فقہ کی کتابوں میں اسے بیماری پیدا ہونے کا سبب اور مکروہ کہا گیا۔

جیسے کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فِإذاقلم اظفاره۔أو جزّ شعره ينبغي أن يدفن ذلک الظفر و الشعر المجزور فِإن رمى به فلابأس أى فى مكان طاهر لايوطأوِإن القاه فى الكنيف أوفى المغتسل يكره ذالک لأن ذالک يورث داءً۔ [580]

قبیلہ بنی ہاشم کے ایک شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے بالوں، ناخن اور خون کو دفنانے کا حکم دیا ہے۔

مسئلہ: حالت جنابت میں بال و ناخن کاٹنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

ج: مطلق کراہت کا قول ملتا ہے جس سے بالعموم کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے مگر یہاں قرائن سے کراہت تنزیہیہ معلوم ہوتی ہے۔

قال فی الهندية حلق الشعر حالة الجنابةمكروه و كذاقص الاظافير۔كذافی الغرائب۔

ہندیہ میں ہے کہ جنابت کی حالت میں بالوں اور ناخن کا کاٹنا مکروہ ہے۔ [581]

عن ابن عباس رضی الله عنهما:هی عشر خصال كانت فرضا فی شرعه وهن سنة فی شرعنا۔ [582]

---

[580] (ايضاالفتاوىٰ الهندية عن الخانية ٥/٣٥٧ ومصنف ابن ابی شيبة ولفظه عن رجل من بنی هاشم اَن رسول الله ﷺ اَمر بدفن الشعر والظفر والدم انتهى ١٣١/٦)

[581] (عالمگيرية ص ٣٥٨ ج ٥)

[582] (تفسير ابی السعود، ج، ١، ص، ١٨٩، داراحياء التراث العربی بيروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: یہ دس خصلتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں فرض تھیں اور وہ ہماری شریعت میں سنت ہیں۔

فصل در بیان
قبر میں عہدنامہ وغیرہ تبرکات رکھنے کا جواز

بعض علماء قبر میں عہد نامہ، دلائل الخیرات شریف یا ذکر واذکار کی کتابیں یا تبرکات رکھنا حرام کہتے ہیں حالانکہ قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ یا اپنے وظائف کی کتابیں رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہیں۔

قرآن فرماتا ہے: وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدة ٣٥) یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا: اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا (یوسف ٩٣) میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آ جائیں۔

مشکوۃ باب غسل المیت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔[583]

[583](صحیح بخاری ج ١ ص ١٦٨ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس کے ماتحت لمعات میں ہے:

هذا الحديث اصل فی التبرک باثار الصلحين ولباسهم كما يفعله بعض مريدی المشائخ من لبس اقمصهم فی القبر۔

ترجمہ: یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور ان کے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین کو قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔[584]

اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے دریں جا استحباب تبرک است بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز ہمچنیں بودہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اور ان کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا یہ ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال میں فرماتے ہیں:

چوں وقت رحلت قریب ترآمد فرمودند کہ بعض ابیات وکلمات۔

کہ مناسب معنی عفو واشعار اور کلمات جو کہ عفو و بخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

شجرہ در قبر نہاون معمول بزرگان است لیکن ایں رادو طریق است اول اینکہ برسینہ مردہ درون کفن یا بالا۔ کفن گذارند ایں طریق رافقہاء منع مے کنند وطریق دوم ایں است کہ جانت سر مردہ اندروں قبر طاقچہ بگزارند دوران کاغذ شجرہ رانہند۔

[584] (لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح باب غسل المیت فصل اول ج ۴ ص ۳۱۸ مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور)

قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جاچکا تھا۔ اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب من اعد الکفن میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا۔

و اللہ ماسئلتہ لالبسھا انما سئلتہ لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنہ۔

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے پہننے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اس کا کفن ہوا۔[585]

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا۔

---

[585] (صحیح البخاری باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلم ینکر علیہ ج ۱ ص ۴۲۹ رقم الحدیث ۱۲۱۸ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۱۷۷ رقم الحدیث ۳۵۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳ رقم الحدیث ۲۲۸۷۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا:

انی البستھا لتلبس من ثیاب الجنة و اضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنھا ضغطة القبر۔

ترجمہ: قمیص تو اس لئے پہنائی کہ ان کو جنت کا لباس ملے اور ان کی قبر میں آرام اس لئے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔[586]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

فقال الرجل و اللہ ما سالتہ الا لتکون کفنی یوم اموت قال سھل فکان کفنہ۔ قال قتیبة کان سعد بن ابی وقاص۔

ترجمہ: اس آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے حضور سے ایسے نہیں مانگی بلکہ اس لئے مانگی ہے تا کہ جب میں مروں تو یہ میرا کفن بنے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعی وہی چادر اس شخص کا کفن بنی تھی۔

امام قتیبہ المعروف امام الدینوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جلیل القدر صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔[587]

ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

و خذ ذلک الشعر و الاظفار فاجعلہ فی فمی و علی عینی و مواضع السجود منی۔

---

[586] (معرفۃ الصحابۃ ج ۱ ص ۲۷۸۔ ۲۷۹ رقم الحدیث ۲۸۸ مطبوعہ مکتبۃ دار مدینۃ منورۃ)، (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[587] (طبرانی کبیر ج ۶ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۵۹۹۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۰ رقم الحدیث ۶۲۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لے کر ان کو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا۔[588]

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمن رواسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔[589]

زیادہ تحقیقات منظور ہو تو **الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ** کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

من کتب ھذا الدعاء و جعله بین صدر المیت و کفنه فی رقعة لم ینا له عذاب القبر و لا یری منکراً و نکیراً۔

ترجمہ: جو شخص اس دعا کو کاغذ پر لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔[590]

فتاویٰ کبریٰ للمکی میں اس حدیث کو نقل کرکے فرمایا۔

ان ھذا الدعآء له اصل و ان الفقیه ابن عجیل کان یامر به ثم افتی بجواز کتابته قیاساً علی کتابة اللہ فی نعم الزکوة۔

---

[588] (الاستیعاب فی معرفة الاصحاب علی ھامش الاصابه ج۳ ص ۹۹ ۳ مطبوعه دار صادر بیروت)

[589] (المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز ج ۱ ص ۳۶۱ مطبوعه دار الفکر بیروت)، (نصب الرایه فی تخریج احادیث الھدایه باب الجنائز فصل فی الغسل ج ۲ ص ۲۵۹ مطبوعه ریاض سعودی عرب)

[590] (نوادر الاصول ص ۲۱۷ مطبوعه دار الجیل بیروت)

ترجمہ: اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتوٰی دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔[591]

اور وہ دعا یہ ہے:

لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک و لہ الحمد لا الٰہ الا اللہ و لا حول و لا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔[592]

نیز ترمذی میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الدنیا بانک انتَ اللہ الذی لآ اِلٰہَ اِلّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فَاِنَّکَ اِن تَکِلنِی الٰی نفسی تُقَرِّبنی مِنَ الشّر وتُبَاعِدنی من الخیر وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ لِیْ عَھْداً عِنْدَکَ تُؤَدِّیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادِ۔

فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالٰی اُس بندے کو قبر سے اُٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انہیں وُہ عہد نامہ دیا جائے۔[593]

امام ترمذی نے فرمایا کہ:

وعن طاوس انہ امر بھذا الکلمت فکتب فی کفنہ۔

[591](فتاوٰی کبرٰی لابن حجر مکی باب الجنائز ج ۲ ص ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[592](فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ترمذی باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲)
[593](نوادر الاصول اصول الرابع و السبعون و المائۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۱۷)

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے۔[594]

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهدنامه یرجی ان یغفر الله تعالی للمیت ویجعله امنا من عذاب القبر۔

ترجمہ: امام صفار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرمادے اور عذاب قبر سے امن دے۔[595]

در مختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے:

کتب علی جبهة المیت او عمامته او کفنه عهدنامه یرجی ان یغفر الله للمیت۔

ترجمہ: میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے۔[596]

در مختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الٰہی سے بچ گیا۔ فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے۔

وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهدنامه یرجی ان یغفر الله تعالی للمیت ویجعله امنا من عذاب القبر قال نصیر هذه روایة فی تجویز ذلک وقد روی انه کان مکتوباً علی افخاذ افراس فی اصطبل الفاروق حبس فی سبیل الله۔

[594] (الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن ص ۴ مطبوعه بریلی شریف)
[595] (فتاویٰ بزازیه علی هامش فتاویٰ هندیه کتاب الاحسان ج ۶ ص ۳۷۹ مطبوعه نورانی کتب خانه پشاور)
[596] (درمختار باب صلوة الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعه مجتبائی دهلی)

ترجمہ: اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔ اور مروی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حبس فی سبیل اللہ۔

ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر ان پہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لئے الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تا کہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لقنوا موتکم میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے اس لئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ۲۸) سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔ تفسیر نیشاپوری وروح البیان سورہ کہف زیر آیت ما یعلم الا قلیل اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں گمی ہوئی چیز تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت بھاگتے وقت آگ بجھانے کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں۔ اور کھیتی کے لئے اگر کسی کاغذ پر

لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔ اور بخار، دردسر کے لئے حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدھی ران پر لکھ کر باندھے مال کی حفاظت کے لئے دریا میں سوار ہوتے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔ (از الحروف الحسن وتفسیر خزائن العرفان وجمل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یملیخا، مکشلینا، مشلینا، مرنوش، وبرنوش، شاذنوش، مرطوش (روح البیان سورہ کہف آیت: مَایَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ (کہف ۲۲) محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کرکے فرمادیتے ہیں لو قرءت ھذہ الاسناد علی مجنون لبرء من جنتہ اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہوجاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں اور بعد موت بے کار ہوں یہ نہیں ہوسکتا ضرور ان سے فائدہ ہوگا۔ لہٰذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضاخان افغانی قندھاری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر" الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن" کے نام سے مکمل رسالہ لکھاہے۔ وہ یہاں پر درج کرتاہوں۔

رسالہ الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن (۱۳۰۸ھ) (کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو)

مسئلہ نمبر ۱۵: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سیّد محمد ابراہیم ۹ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ کفن جو اماکنِ متبرکہ سے آئے اوراس پر آیاتِ کلام اللہ واحادیث وغیرہ لکھی ہوں وہ میّت کو پہنانا کیساہے اور شجرہ قبر میں رکھنا کیساہے؟ بینوا توجروا!

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی سترنابذیل کرمہ فی حیاتنا و بعد الممات و فتح علینا فی التوسل بایاتہ وشعائرہ ابواب البرکات والسلام علی من تبرک بأثارہ الکریمۃ الاحیاء والاموات وحی ویحیی بامطار فیوضہ العظیمۃ کل موات وعلی الہ وصحبہ واھلہ وحزبہ عدد کل ماض و آت۔ سب خوبیاں اللہ کے لئے جس نے اپنے دامنِ کرم سے ہمیں ہماری زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی چھپایا، اور اپنی آیات وشعائر سے توسّل میں ہمارے اوپر برکتوں کے دروازے کھولے اور درود وسلام ہو ان پر جن کے آثار گرامی سے زندے اور مردے سبھی نے برکت حاصل کی اور جن کے عظیم فیوض کی بارشوں سے ہر بے جان کو زندگی ملی اور ملتی ہے۔

اور (درود وسلام ہو) ان کی آل، اصحاب، اہل اور جماعت پر، ہر گزشتہ اور آنے والے کی تعداد کے برابر۔

یہاں چار مقام ہیں:

اول: فقہ حنفی سے کفن پر لکھنے کا جزئیہ کہ بدرجہ اولٰی قبر میں شجرہ رکھنے کا جزئیہ ہوگا۔ اور اُس کے مؤید احادیث وروایات۔

دوم: احادیث سے اس کا ثبوت کہ معظمات دینیہ میں کفن دیا گیا یا بدن میّت پر رکھی گئیں اور اسے مخلِ تعظیم نہ جانا۔

سوم: بعض متاخرین شافعیہ نے جو کفن پر لکھنے میں بے تعظیمی خیال اس کا جواب۔

چہارم: قبر میں شجرہ رکھنے کا بیان۔ و باللہ التوفیق۔

مقامِ اوّل:

ہمارے علماءِ کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امیدِ مغفرت ہے۔

(۱) امام ابوالقاسم صفار شاگردامام نصیر بن یحیٰی تلمیذ شیخ المذہب سیدنا امام ابویوسف و محرر المذہب سید امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تصریح وروایت کی۔

(۲) امام نصیر نے فعلِ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تائید و تقویت کی۔

(۳) امام محمد بزازی نے وجیز کردری (۴) علامہ مدقق علائی نے درمختار میں اُس پر اعتماد فرمایا۔

(۵) امام فقیہ ابن عجیل وغیرہ کا بھی یہی معمول رہا۔

(۶) بلکہ امام اجل طاؤس تابعی شاگرد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ انہوں نے اپنے کفن میں عہد نامہ لکھے جانے کی وصیّت فرمائی اور حسب وصیّت ان کے کفن میں لکھا گیا۔

(۷) بلکہ حضرت کثیر بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور صحابی ہیں خود اپنے کفن پر کلمہ شہادت لکھا۔

(۸) بلکہ امام ترمذی حکیم الٰہی سیّدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادرالاصول میں روایت کی کہ خود حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من کتب ھذاالدعاء وجعلہ بین صدر المیت و کفنہ فی رقعۃ لم ینلہ عذاب القبر و لا یری منکرا و نکیراً و ھو ھذا لاالٰہ الااللہ و اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ لاالٰہ الااللہ لہ الملک و لہ الحمد لاالٰہ الااللہ و لاحول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جو یہ دُعا کسی پرچہ پر لکھ کر میّت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں، اور وہ دعا یہ ہے:

لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک و لہ الحمد لا الٰہ الا اللہ و لا حول و لا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔[597]

نیز ترمذی میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الدنیا بانک انت اللہ الذی لَآ اِلٰہَ اِلّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَلَاتَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فَاِنَّکَ اِن تَکِلنِی الٰی نفسی تُقَرِّبنی مِنَ الشِّر وتُبَاعِدنی من الخیر وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ لِیْ عَھْداً عِنْدَکَ تُؤَدِّیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادِ۔

فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالٰی اُس بندے کو قبر سے اُٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انہیں وُہ عہد نامہ دیا جائے۔[598]

امام نے اسے روایت کرکے فرمایا:

وعن طاؤس انہ امر بھذہ الکلمات فکتبت فی کفنہ۔

امام طاؤس کی وصیّت سے عہد نامہ اُن کے کفن میں لکھا گیا۔[599]

---

[597] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ترمذی باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ٦)

[598] (نوادر الاصول اصول الرابع و السبعون و المائۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۱۷)

[599] (الدر المنثور بحوالہ حکیم الترمذی تحت الا من اتخذ عند الرحمٰن عہدا منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۴/ ۲۸٦)

امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:
اذا کتب ھذاالدعاء و جعل مع المیت فی قبرہ وقاہ اللّٰہ فتنۃ القبر و عذابہ۔
جب یہ لکھ کر میّت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللّٰہ تعالیٰ اُسے سوالِ نکیرین و عذابِ قبر سے امان دے۔[600]

(۹) یہی امام فرماتے ہیں:
من کتب ھذاالدعاء فی کفن المیت رفع اللّٰہ عند العذاب الٰی یوم ینفخ فی الصور وھو ھذا:
جو یہ دُعا میّت کے کفن میں لکھے اللّٰہ تعالیٰ قیامت تک اس سے عذاب اٹھالے اور وہ یہ ہے:
اللّٰھم انی اسألک یاعالم السر یاعظیم الخطر یاخالق البشر یاموقع الظفر یامعروف الاثر یا ذاالطول و المن یا کاشف الضر و المحن یااٰلہ الاولین و الاٰخرین فرج عنی ھمومی و اکشف عنی غمومی و صل اللّٰھم علٰی سیدنا محمد و سلم۔[601]

(۱۰) ابن حجر مکّی نے اپنے فتاوی میں ایک تسبیح کی نسبت جسے کہا جاتا ہے کہ اُس کا فضل اُس کی برکت مشہور و معروف ہیں، بعض علمائے دین سے نقل کیا کہ: **من کتبہ و جعلہ بین صدر المیت و کفنہ لاینال عذاب القبر و لا ینالہ منکر و نکیر و لہ شرح عظیم و ھو دعاء الانس، (و ھو ھذا)**
جو اسے لکھ کر میّت کے سینہ اور کفن کے بیچ میں رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو، نہ منکر نکیر اُس تک پہنچیں اور اس دعا کی شرح بہت عظمت والی ہے اور وُہ چین وراحت کی دعا ہے۔

(وہ دعا یہ ہے:)
سبحٰن من ھو بالجلال موحد بالتوحید معروف وبالمعارف موصوف وبالصفۃ علٰی لسان کل قائل رب بالربوبیۃ للعالم قاھر وبالقھر للعالم جبار وبالجبروت علیم حلیم

---

[600] (فتاوی کبری بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲)
[601] (فتاوی کبری بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۲)

وبالحلم والعلم رؤف رحیم، سبحٰنه کما یقولون وسبحنه کما هم یقولون تسبیحا تخشع له السمٰوٰت والارض ومن علیها ویحمدنی من حول عرشی اسمی اللہ وانا اسرع الحاسبین[602]

مصنّف عبدالرزاق اور ان کے طریق سے معجم طبرانی اور ان کے طریق سے حلیہ ابونعیم میں ہے:

اخبرنا معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل ان فاطمة رضی اللہ تعالٰی عنها لما حضرتها الوفاة امرت علیا فوضع لها غسلا فاغتسلت وتطهرت، ودعت بثیاب اکفانها فلبستها ومست من الحنوط ثم امرت علیا ان لاتکشف اذاهی قبضت وان تدرج کما هی فی اکفانهافقلت له هل علمت احدا فعل نحو ذلک قال نعم کثیر بن عباس، وکتب فی اطراف اکفانا یشهد کثیر بن عباس ان لا اله الا اللہ۔

معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل نے ہمیں خبر دی کہ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا نے انتقال کے قریب امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے اپنے غسل کے لئے پانی رکھوادیا پھر نہائیں اور کفن منگا کر پہنا اور حنوط کی خوشبو لگائی، پھر مولٰی علی کو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد کوئی میرا کفن نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن فرمادی جائیں۔ میں نے پوچھا کسی اور نے بھی ایسا کیا، کہا ہاں کثیر بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے کہ لا الٰہ الّا اللہ۔[603]

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے:

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت اوعلٰی عمامة اوکفنه عهدنامه، یرجی ان یغفر اللہ تعالٰی للمیّت، ویجعله أمنامن عذاب القبر۔

602(فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶)

603(حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۱۳۳ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۲/ ۴۳)

امام صفار نے ذکر فرمایا کہ اگر میّت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے اور عذابِ قبر سے مامون کرے۔[604]

پھر فرمایا:

قال نصیر هذه روایة فی تجویز وضع عهدنامه مع المیّت وقدروی انه کان مکتوبا علی افخاد افراس فی اصطبل الفاروق رضی اللّٰه تعالٰی عنه، حبس فی سبیل اللّٰه۔

امام نصیر نے فرمایا: یہ میّت کے عہد نامہ رکھنے کے جواز کی روایت ہے اور بیشک مروی ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصطبل میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا وقف فی سبیل اللّٰه۔[605]

(۱۱) دُرِ مختار میں ہے:

کتب علی جبهة المیت وعمامته او کفنه عهدنامه یرجی ان یغفر اللّٰه للمیّت اوصی بعضهم ان یکتب فی جبهة وصدره بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبرجاء تنی ملٰئکة العذاب فلمارأوا مکتوبا علی جبهتی بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم قالوا أمنت من عذاب اللّٰه۔

مُردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اُس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی، پھر خواب میں نظر آئے حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا عذاب کے فرشتے آئے میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی دیکھی کہا تجھے عذابِ الٰہی سے امان ہے۔[606]

---

[604] (فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ھندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳۷۹)
[605] (فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ھندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳۷۹)
[606] (درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱/۱۲۶)

(۱۲)فتاوٰی کبری للمکی میں ہے:

نقل بعضھم عن نوادر الاصول للترمذی مایقتضی ان ھذاالدعاء له اصل و ان الفقیه ابن عجیل کان یأمر به ثم افتی بجواز کتابته قیاساعلٰی کتابة لله، فی نعم الزکٰوة۔

بعض علماء نے نوادرالاصول امام ترمذی سے وہ حدیث نقل کی جس کا مقتضٰی یہ ہے کہ یہ دُعا اصل رکھتی ہے، نیز ان بعض نے نقل کیا کہ امام فقیہ ابن عجیل اس کے لکھنے کا حکم فرمایا کرتے، پھر خود انہوں نے اس کے جوازِ کتابت پر فتوٰی دیا اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے چوپایوں پر لکھا جاتا ہے للہ (یہ اللہ کے لئے ہیں)۔[607]

(۱۳)اُسی میں ہے:

واقرہ بعضھم بانه قیل یطلب فعله لغرض صحیح مقصود، فابیح و ان علم انه یصیبه نجاسة۔

اس فتوے کو بعض دیگر علماء نے برقرار رکھا۔

(۱۴) اور اس کی تائید میں بعض اور علماء سے نقل کیا کہ غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی۔[608]

ھذاما اثر، ثم نظر و فیه نظر کماسیأتی وباللہ توفیق۔

یہ انہوں نے نقل کیا پھر اس پر کلام کی اور اس پر کلام ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔اور توفیق خدا ہی سے ہے۔

---

[607] (فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۲)

[608] (فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۲)

مقامِ دوم: احادیث مؤیدہ

اقول (۱۵) حدیث صحیح میں ہے بعض اجلۂ صحابہ نے کہ غالباً سیّدنا عبد الرحمن بن عوف یا سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تہبند اقدس (جو کہ ایک بی بی نے بہت محنت سے خوبصورت بُن کر نذر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس کی ضرورت تھی) مانگا۔ حضور اجود الاجودین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عطا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے انہیں ملامت کی کہ اُس وقت اس ازار شریف کے سوا حضور اقدس صلوات اللہ سلامہ علیہ کے پاس اور تہبند نہ تھا، اور آپ جانتے ہیں حضور اکرم الاکرما صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کبھی کسی سائل کو رَد نہیں فرماتے، پھر آپ نے کیوں مانگ لیا؟ انہوں نے کہا واللہ! میں نے استعمال کو نہ لیا بلکہ اس لئے کہ اس میں کفن دیا جاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن کی اس نیت پر انکار نہ فرمایا، آخر اسی میں کفن دیے گئے۔

صحیح بخاری میں ہے:

باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فلم ینکر علیہ حدثنا عبد اللّٰہ بن مسلمۃ فذکر باسنادہ عن سھل رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان امراۃ جاءت النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ببردۃ منسوجۃ فیھا حاشیتھا اتدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتھا بیدی فجئت لاکسوکھا فاخذھا النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجاً الیھا فخرج الینا وانھا ازارہ، فحسنھا فلان فقال اکسنیھا ما احسنھا، قال القوم ما احسنت لبسھا النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجاً الیھا ثم سألتہ وعلمت انہ لا یرد قال انی واللّٰہ ماسألتہ وعلمت انہ لا یرد قال انی واللّٰہ ماسألتہ وعلمت انہ لا یرد قال انی واللّٰہ ماسألتہ لالبسھا وانما سألتہ لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنہ۔

باب، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جس نے کفن تیار کیا اور آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا، حضرت عبد اللہ بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں خوبصورت بُنی ہوئی حاشیہ والی چادر لائی، تمہیں معلوم ہے کہ کون سی چادر تھی، انہوں نے جواب دیا وہ تہبند ہے، کہا ہاں، اُس عورت نے عرض کیا کہ میں نے خود یہ چادر بُنی ہے آپ ﷺ کو پہننے کے لئے پیش کرتی ہوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی خوشی سے قبول فرمائی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو تہبند کی صورت میں پہن کر باہر تشریف لائے تو فلاں صحابی نے اس تہبند کی تحسین کی اور عرض کیا یہ کتنی اچھی ہے مجھے عطا فرما دیجئے۔ اس پر حاضرین نے اسے کہا تو نے اچھا نہیں کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے لئے پسند فرمائی تھی، تو نے یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کسی سائل کو مایوس نہیں فرماتے سوال کر لیا۔ اس نے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم میں نے اسے پہننے کے لئے نہیں اپنے کفن کے لئے طلب کیا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ چادر مبارک اس سائل صحابی کا کفن بنی۔[609]

(۱۶) بلکہ خود حضور پُر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب یا حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کفن میں اپنا تہبند اقدس عطا کیا اور غسل دینے والی بیبیوں کو حکم دیا کہ اُسے ان کے بدن کے متصل رکھیں۔ صحیحین میں اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:

قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحن نغسل ابنته فقال اغسلنها ثلٰثا او خمسا او اکثر من ذٰلک ان رأیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الاٰخرۃ کافورا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فاٰذننی فلما فرغنا اذناہ فالقی الینا حقوہ فقال اشعرنہا ایاہ۔

---

[609] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۷۰)

فرماتی ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جب ہم ان کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں، فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ، یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ، اور آخری بار کافور ملالینا، فارغ ہونے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ ہم نے جب غسل دے لیا تو حضور ﷺ کو خبر دی۔ سرکار نے اپنا تہبند دیا اور فرمایا اسے اس کے بدن سے متصل رکھنا۔[610]

(۱۷) علماء فرماتے ہیں یہ حدیث مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کی اصل ہے۔

لمعات میں ہے:

هذا الحديث اصل فی التبرک باثار الصالحين ولباسهم، كمايفعله بعض مريدی المشائخ من لبس اقمصتهم فی القبر۔

یہ حدیث صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض ارادت منداُن کی قمیصوں کا کفن پہنتے ہیں۔[611]

(۱۸) یونہی حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ، رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اپنی قمیص اطہر میں کفن دیا۔[612]

رواه الطبرانی فی الكبير والاوسط وابن حبان والحاكم وصححه وابو نعيم فی الحلية عن انس۔

اسے معجم کبیر و معجم اوسط میں طبرانی نے اور ابن حبان اور حاکم نے بافادہ تصحیح، اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

---

[610] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۸)

[611] (لمعات التنقیح باب غسل میت فصل اول مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۴/ ۳۱۸)

[612] (مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب مناقب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۹/ ۲۵۷)

(۱۹)وابو بکر بن ابی شیبۃ فی مصنّفہ عن جابر۔

اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں حضرت جابر سے۔

(۲۰)وابن عساکر عن علی۔

ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔

(۲۱) والشیرازی فی الالقاب وابن عبدالبر وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

القاب میں شیرازی نے ابن عبدالبر وغیر ہم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔

(۲۲) اور ارشاد فرمایا کہ میں نے انہیں اپنا قمیص مبارک اس لئے پہنایا کہ یہ جنّت کے لباس پہنیں۔ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

قال لماماتت فاطمۃ اُمّ علی رضی اللہ تعالٰی عنھا، خلع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ والبسھا ایاہ، واضطجع فی قبرھا فلما سوی علیھا التراب قال بعضھم یارسول اللہ رأیناک صنعت شیئالم تصنعہ باحد، فقال انی البستھا قمیصی لتلبس من ثیاب الجنۃ واضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنھا من ضغطۃ القبر، انھا کانت احسن خلق اللہ نیعا الیّ بعد ابی طالب۔

فرمایا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا کُرتا اتار کر انہیں پہنایا اور ان کی قبر میں لیٹے، جب قبر پر مٹی برابر کر دی گئی تو کسی نے عرض کیا یارسول اللہ ! آج ہم نے آپ کو وہ عمل کرتے دیکھا جو حضور نے کسی کے ساتھ نہ کیا۔ فرمایا اسے میں نے اپنا کُرتا اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے کپڑے پہنے

اور اس کی قبر میں اس لئے لیٹا کہ قبر کے دبانے میں اس سے تخفیف کروں یہ ابو طالب کے بعد خلقِ خدا میں سب سے زیادہ میرے ساتھ نیک سلوک کرنے والی تھی۔[613]

(۲۳) بلکہ صحاح ستّہ سے ثابت کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق کہ سخت دشمن حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا جس نے وہ کلمہ ملعونہ لئن رجعنا الی المدینة (جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے الخ۔) کہا، جہنم واصل ہوا، حضور پُر نور حلیم غیور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُسکے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ بن اُبی کی درخواست سے کہ صحابی جلیل ومومن کامل تھے، اُس کے کفن کے واسطے اپنا قمیص مقدس عطافرمایا، پھر اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے، لوگ اُسے رکھ چکے تھے، حضور طیب وطاہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس خبیث کو نکلوا کر لعابِ دہن اس کے بدن پر ڈالا اور قمیص مبارک میں کفن دیا، اور یہ بدلہ اس کا تھا کہ روزِ بدر جب سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما گرفتار آئے برہنہ تھے، بوجہ طول قامت کسی کا کُرتا ٹھیک نہ آتا اس مردنے انہیں اپنا قمیص دیا تھا۔ حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاہا کہ منافق کا کوئی احسان حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اہلبیت کرام پر بے معاوضہ نہ رہ جائے لہذا اپنے دو قمیص مبارک اس کے کفن میں عطا فرمائے، ونیز مرتے وقت وہ ریاکار، نفاق شعار، خود عرض کر گیا کہ حضور مجھے اپنے قمیص مبارک میں کفن دیں، پھر اس کے بیٹے رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درخواست کی، اور ہمارے کریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کا ادب قدیم ہے کہ کسی کا سوال رَد نہیں فرماتے: یارسول اللہ یا کریم یارؤف یارحیم اسألک الشفاعة عند المولی العظیم والوقایة من نار الجحیم والامان من کل بلاء الیم لی ولکل من اٰمن بک بکتابک الحکیم علیک من ولاک افضل الصلٰوۃ واکمل تسلیم۔

[613] (معرفة الصحابة حدیث ۲۸۸ مکتبہ الدار مدینہ منورہ ۱/ ۷۹۔ ۲۷۸)

اے اللہ کے رسول، اے کریم، اے رؤف، اے رحیم! آپ سے ربِ عظیم کے حضور شفاعت، نارِ جہنم سے حفاظت اور ہر دردناک بلا سے امان کا سوال کرتا ہوں اپنے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو آپ پر آپ کی حکمت والی کتاب پر ایمان لایا، آپ پر اور آپ سے محبت رکھنے والوں پر بہتر درود اور کامل تر سلام ہو۔

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ شانِ رحمت دیکھ کر کہ اپنے کتنے بڑے دشمن کو کیسا نوازا ہے ہزار آدمی قوم ابن اُبی سے مشرف باسلام ہوئے کہ واقعی یہ حلم ورحمت وعفوو مغفرت نبیِ برحق کے سوا دوسرے سے متصور نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم، صحیحین وغیرہما صحاح وسنن میں ہے: عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ان عبداللہ بن أبی لماتوفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ اعطنی قمیصک اکفنہ فیہ وصل علیہ استغفر لہ فاعطاہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ الحدیث۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا اس کے فرزند نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اپنا کُرتا عطا فرمائیں میں اسے اس میں کفن دوں گا اور اسے اپنی صلٰوۃ واستغفار سے نوازیں، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں اپنا کُرتا عطا کر دیا۔ الحدیث۔[614]

(۲۴): نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال أتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن أبی بعد مادفن فنفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ۔

[614] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۹)

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبد اللہ بن اُبی کے پاس دفن کے بعد تشریف لائے اس کے منہ میں اپنا لعابِ اقدس ڈالا اور اسے اپنا کُرتا پہنایا۔[615]

(۲۵) امام ابو عمر یوسف بن عبد البر کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرماتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت میں فرمایا۔

انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فخرج لحاجۃ فاتبعتہ باداوۃ فکسانی احد ثوبیہ الذی یلی جسدہ فخبأتہ لھذا الیوم، واخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اظفارہ وشعرہ ذات یوم فاخذتہ، فخباتہ لھذا الیوم فاذا انامت فاجعل ذلک القمیص دون کفنی ممایلی جسدی وخذ ذلک الشعر والاظفار فاجعلہ فی فمی وعلی عینی ومواضع السجود منی۔

یعنی میں صحبتِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے شرف یاب ہوا ایک دن حضور اقدس صلی للہ تعالٰی وسلامہ علیہ، حاجت کے لئے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ میں لوٹا لے کر ہمراہ رکاب سعادت مآب ہُوا۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جوڑے سے کُرتا کہ بدنِ اقدس سے متصل تھا مجھے انعام فرمایا، وہ کُرتا میں نے آج کے لئے چھپا رکھا تھا۔ اور ایک روز حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ناخن و مُوئے مبارک تراشے وہ میں نے لے کر اس دن کے لئے اٹھا رکھے، جب میں مر جاؤں تو قمیص سراپا تقدیس کو میرے کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھنا، وموئے مبارک وناخن ہائے مقدسہ کو میرے منہ اور آنکھوں اور پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر رکھ دینا۔[616]

---

[615] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۹)

[616] (کتاب الاستعیاب فی معرفۃ الاصحاب علی ھامش الاصابۃ ترجمہ معاویہ بن سفیان مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/ ۳۹۹)

(۲۶) حاکم نے مستدرک میں بطریق حمید بن عبد الرحمن رواسی روایت کی:

قال حدثنا الحسن بن صالح عن هارون بن سعید عن ابی وائل قال کان عند علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مسک، فاوصی ان یحنط بہ، وقال علی وھو فضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سکت علیہ الحاکم، ورواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ قال حدثنا حمید بن عبدالرحمٰن بہ، ورواہ البیھقی فی سننہ، قال النووی اسنادہ حسن۔ ذکرہ فی نصب الرایۃ من الجنائز۔

(انہوں نے کہا ہم نے حسن بن صالح نے حدیث بیان کی وُہ ہارون بن سعید سے، وہ ابووائل سے راوی ہیں انہوں نے کہا۔) کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے پاس مشک تھا وصیت فرمائی کہ میرے حنوط میں یہ مشک استعمال کیا جائے، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حنوط کا بچا ہُوا ہے۔ (اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا، کہا ہم سے حمید بن عبد الرحمن نے حدیث بیان کی آگے سند دی ہے، اور اسے بیہقی نے سنن میں روایت کیا۔ امام نووی نے فرمایا اس کی سند حسن ہے۔ اسے نصب الرایہ کتاب الجنائز میں ذکر کیا۔ [617]

(۲۷) ابن السکن نے بطریق صفوان بن ہبیرہ عن ابیہ روایت کی:

قال قال ثابت البنانی قال لی انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذہ شعرۃ من شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضعھا تحت لسانی، قال فوضعتھا تحت لسانہ فدفن وھی تحت لسانہ، ذکرہ فی الاصابۃ۔

---

[617] (المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۶۱) (نصب الرایۃ باب الجنائز فصل فی الغسل المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہ الریاض ۲/ ۲۵۹)

یعنی ثابت بنانی فرماتے ہیں مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ موئے مبارک سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے، اسے میری زبان کے نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، وہ یوں ہی دفن کئے گئے کہ موئے مبارک اُن کی زبان کے نیچے تھا(اسے اصابہ میں ذکر کیا گیا۔[618]

(۲۸) دلائل النبوۃ بیہقی و ابن عساکر امام محمد بن سیرین سے راوی:

عن انس بن مالک انه کان عنده عصیة لرسول الله صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم فمات فدفنت معه بین جیبه و بین قمیصه۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک چھڑی تھی وہ ان کے سینہ پر قمیص کے نیچے اُن کے ساتھ دفن کی گئی۔[619]

اُن کے سوا ہنگام تتبع اور نظائر ان وقائع کے کتب حدیث میں ملیں گے۔ ظاہر ہے کہ جیسے نقوش کتابت آیات واحادیث کی تعظیم فرض ہے یونہی حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رداو قمیص خصوصاً ناخن و موئے مبارک کی کہ اجزائے جسم اکرم حضور سیّد عالم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلٰی کل جزء جزء وشعرۃ شعرۃ منه وبارک وسلم توصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ان طریقوں سے تبرک کرنا اور حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسے جائز و مقرر رکھنا بلکہ بنفس نفیس یہ فعل فرمانا جوازِ مانحن فیه کے لئے دلیل واضح ہے اور کتابت قرآن عظیم کی تعظیم زیادہ ماننا بھی ہرگز مفید تفرقہ نہیں ہوسکتا کہ جب علت منع خوف تجنیس ہے تو وُہ جس طرح کتابت فرقان کے لئے ممنوع و محظور، یونہی لباس واجزائے جسم اقدس کے لئے قطعاً ناجائز و محذور، پھر صحاح احادیث سے اسکا جواز بلکہ ندب ثابت ہونا بحکم دلالۃ النص اس کے جواز کی دلیل کافی و للہ الحمد۔

---

[618] (اصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ نمبر ۲۷۷ انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۷۲)

[619] (مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ترجمہ انس ابن مالک دار الفکر بیروت ۵/ ۷۵)

مقام سوم:

کفن پر آیات اسماء ادعیہ لکھنے میں جو شبہہ کیا جاسکتا تھا وہ یہی تھا کہ میّت کا بدن شق ہونا، اس سے ریم وغیرہ نکلنا ہے، تو نجاست سے تلوث لازم آئے گا۔ اس کا نفیس ازالہ امام نفیس نے فرمادیا کہ اصطبلِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا: **حبس فی سبیل اللہ تعالٰی۔**(وقف فی سبیل اللہ تعالٰی ہے)۔[620]

جو احتمالِ نجاست یہاں ہے وہاں بھی تھا تو معلوم ہوا کہ ایک امر غیر موجود کا احتمال نیت صالحہ وغرض صحیح موجود فی الحال سے مانع نہیں آتا۔ مگر ایک متاخر عالم شافعی المذہب امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی نے اس جواب میں کلام کیا ارانِ اسپ پر لکھنا صرف پہچان کے لئے تھا اور کفن پر لکھنے سے تبرک مقصود ہوتا ہے، تو یہاں کلماتِ معظمہ اپنے حال پر باقی ہیں انہیں معرض نجاست پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔[621]

ذکرہ فی فتاواہ الکبرٰی واثرہ العلامۃ الشامی فتبعہ علی عادتہ فانی رأیتہ کثیرا مایتبع ھذاالفاضل الشافعی کمافعل ھھنامع نص ائمۃمذھبہ الامام نصیر والامام الصفار وتصریح البزازیۃوالدر المختار وکذافی مسئلۃنزول الخطیب درجۃعندذکر السلاطین وفی مسئلۃ اذان القبر وفی نجاسۃ رطوبۃ الرحم بالاتفاق مع ان الصواب ان طھارۃ رطوبۃ الفرج عند الامامیشمل الفرج الخارج والرحم والفرج الداخل جمیعا کمابینتہ فی جدالممتار۔

اسے امام ابن حجر مکی نے اپنے فتاوٰی کبرٰی میں ذکر کیا اور علّامہ شامی نے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی پیروی کی، جیسا کہ ان کی عادت ہے اس لئے کہ میں نے بہت جگہ دیکھا کہ وہ اس شافعی فاضل کی پیروی کرتے ہیں جیسے یہاں کی باوجودیکہ ان کے ائمہ مذہب امام نصیر، امام صفار کی تصریح

---

[620](ردالمحتار علی الدر المختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱ /۶۰۷)

[621](ردالمحتار علی الدر المختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱ /۶۰۷)

اور بزازیہ و در مختار کی عبارت سامنے ہے۔ اسی طرح خطبہ میں ذکر سلاطین کے وقت خطیب کے ایک سیڑھی نیچے اُتر آنے کے مسئلے میں اور مسئلہ اذانِ قبر میں اور رطوبت رحم کی نجاست کے بارے میں کہا جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک رطوبتِ فرج کی طہارت فرج خارج، رحم اور فرج داخل سبھی کو شامل ہے۔ جیسا کہ جد الممتار میں اسے میں نے بیان کیا ہے۔

اقول قطع نظر اس سے کہ یہ فارق یہاں اصلاً نافع نہیں کما بینته فیما علقت علی ردالمحتار (جیسا کہ میں نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں اسے بیان کیا ہے۔) مقام ثانی میں جو احادیثِ جلیلہ ہم نے ذکر کیں وہ تو خاص تبرک ہی کے واسطے تھیں تو فرق ضائع اور امام نصیر کا استدلال صحیح و قاطع ہے۔

ثمّ اقول بلکہ خود قرآنِ عظیم مثل سورہ فاتحہ و آیاتِ شفاء وغیرہا بغرضِ شفاء لکھ کر دھو کر پینا سلفاً خلفاً بلا نکیر رائج ہے۔

بلکہ دیلمی نے مسند الفردوس میں اُن سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذاعسرت علی المرأۃ ولادتھا خذاناءنظیفا فاکتب علیہ قولہ تعالٰی، کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الاساعۃ من نھار بلغ، فھل یھلک الاالقوم الفٰسقون کانھم یوم یرونھا لم یلبثو الاعشیۃ او ضحٰھا لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب، ثم یغسل وتسقی منہ المرأۃ وینضح علٰی بطنھا وفرجھا۔

جس عورت کو جننے میں دشواری ہو پاکیزہ برتن پر آیتیں لکھ کر اُسے پلائیں اور اس کے پیٹ اور فرج (اندام نہانی، شرمگاہ) پر چھڑکیں۔[622]

---

[622] (ذکرہ فی نزھۃ الاسرار معزی التفسیر بحر العلوم ۱۲ (کنز العمال بحوالہ السنی عن ابن عباس حدیث ۲۸۳۸۱ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۱۰/۶۴)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے دردِزہ کے لئے فرمایا:

تکتب لها شيئ من القرأن وتسقى۔

قرآن مجید میں سے کچھ لکھ کر عورت کو پلائیں۔ **(قول عبداللہ ابن عباس)**

امام احمد بن حنبل اس کے لئے حدیثِ ابن عباس، دعائے کرب اور دو آیتیں تحریر فرمایا کرتے:

لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحٰن اللہ رب العرش العظیم الحمدللہ رب العٰلمین کانھم یوم یرونھا لم یلبثو الاعشیۃ اوضحٰھا کانھم یوم یرون مایوعدون لم یلبثو الا ساعۃ من نھار۔[623]

ان کے صاحبزادہ جلیل امام عبداللہ بن احمد اسے زعفران سے لکھتے۔ امام حافظ ثقہ احمد بن علی ابو بکر مروزی نے کہا: میں نے ان کو بارہا اسے لکھتے دیکھا: **رواہ الامام الثقۃ الحافظ ابو علی الحسن بن علی الخلال المکی** (اسے امام، ثقہ، حافظ ابو علی حسن بن علی خلال مکی نے روایت کیا۔)[624]

حالانکہ معلوم ہے کہ پانی جزوِبدن نہیں ہوتا اور اسکا مثانہ سے گزر کر آلاتِ بول سے نکلنا ضرور ہے بلکہ خود زمزم شریف کیا متبرک نہیں، ولہذا اس سے استنجا کرنا منع ہے، درمختار میں ہے: **یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لاالاغتسال۔** آبِ زمزم سے استنجاء مکروہ ہے غسل نہیں۔[625]

ردالمحتار میں ہے:

وکذاازالۃ النجاسۃ الحقیقۃ من ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک۔

---

[623] (مواھب اللدنیہ کتابات الآلام اخرٰی المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۳۴ مدارج النبوّۃ باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رقیہ عسر ولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱/ ۲۳۵)

[624] (مدارج النبوّۃ بحوالہ خلال مکی باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رقیہ عسر ولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱/ ۲۳۵)

[625] (درمختار باب الھدٰی مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱/ ۱۸۴)

اسی طرح اپنے کپڑے یا بدن سے نجاستِ حقیقیہ آبِ زم زم سے زائل کرنا یہاں تک کہ بعض علماء نے اسے حرام بتایا ہے۔[626]

اور اس کا پینا اعلٰی درجہ کی سنت، بلکہ کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت۔ تاریخ بخاری وسنن ابن ماجہ و صحیح مستدرک میں بسندِ حسن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **أية ما بيننا و بين المنافقين انهم لا يتضلعون من زمزم**۔ ہم میں اور منافقوں میں فرق کی نشانی یہ ہے کہ وہ کوکھ بھر کر آبِ زمزم نہیں پیتے۔[627]

بلکہ بحمد اللہ تعالٰی ہماری تقریر سے امام ابن حجر شافعی اوران کے متبع کا خلاف ہی اُٹھ گیا، اول نے اسے حدیث سے ثبوت پر موقوف رکھا تھا، **قال و القول بانه قيل يطلب فعله الخ مردود لان مثل ذلک لا يحتج به و انما كانت تظهر الحجة لو صح عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم طلب ذلک وليس كذلک**۔ ان کا کلام یہ ہے یہ کہنا کہ غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی ناقابل قبول ہے کیونکہ اس طرح کی بات سے حجت قائم نہیں ہوتی، اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی طلب صحت کے ساتھ ثابت ہوتی تو حجت ظاہر ہوتی اور ایسا نہیں۔[628]

دوم نے حدیث یا قولِ مجتہد پر، **قال فالمنع هنا بالاولى مالم يثبت عن المجتهد او ينقل فيه حديث ثابت**۔ انہوں نے کہا: تو یہاں ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے اس کا ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیث منقول نہ ہو۔[629]

---

[626] (ردالمحتار باب الهدى مطبوعه ادارة الطباعة المصريه مصر ٢/٢٥٦)
[627] (المستدرک على الصحيحين كتاب المناسک مطبوعه دار الفكر بيروت ١/٤٧٢)
[628] (فتاوى ابن حجر مكى باب الجنائز دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٣)
[629] (ردالمحتار باب صلوة الجنائز ادارة الطباعة المصرية مصر ١/٦٠٧)

ہم نے متعدد احادیثِ صحیحہ سے اُسے ثابت کر دیا اور امام نصیر و امام قاسم صفار نے خود ہمارے مذہب کے ائمہ مجتہدین سے ہیں، بالجملہ حکمِ جواز ہے اور اگر بلحاظ زیادت احتیاط کفن پر لکھنے یا لکھا ہوا کفن دینے سے اجتناب کرے تو جادارد۔ اس بحث کی تکمیل و تفصیل فقیر نے تعلیقات ردالمحتار میں ذکر کی، اُس کا یہاں ذکر خالی از نفع نہیں، امام حجر مکی نے بعد عبارت مذکورہ نمبر ۱۲ فرمایا تھا: قیاسه علی مافی نعم الصدقة ممنوع لان القصد ثم التمیز لاالتبرک وھنا القصد التبرک فالاسماء المعظمة باقیة علی حالھا فلا یجوز تعریضھا للنجاسة۔اھ و اقرہ شامی صدقہ کے جانوروں کے بارے میں جو آیا ہے اس پر اس کا قیاس ممنوع ہے اس لئے کہ وہاں امتیاز مقصود ہے تبرک نہیں، اور یہاں برکت لینا مقصود ہے تو عظمت والے اسماء اپنے حال پر باقی رہیں گے انہیں معرض نجاست میں لانا جائز نہ ہوگا اھ، علامہ شامی نے اسے برقرار رکھا۔[630]

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

اقول ھذا الفرق لایجدی نفعا و کیف یسلم ان قصد التمیز یسقط تعظیم ما وجب تعظیمه شرعا افتبدل به اعیان الاسماء العظمة فھو باطل عیانا ام لا یراد بھا معانیھا بل تکون الفاظ مستعملة فی معان اخری او من دون معنی و ھذا ایضا باطل قطعا فان قولنا اللّٰہ او حبس فی سبیل اللّٰہ انما یفید التمیز ویفھم الصدقة بالنظر الی معانیھا الموضوعة لھا لاغیر ام اذا استعملت الکلمات المعظمة فی معانیھا و کان الغرض ھنالک افھام امر ماسوی نحو التبرک یخرجھا ذلک عن کونھا معظمة و ای دلیل من الشرع علی ذلک بل الدلائل بل البداھة ناطقة بخلافه ولو ان مجرد قصد غرض أخر غیر نحو التبرک کان یسقط التعظیم فلیجز توسد القرأن العظیم بل اولٰی لان الغرض ثم لایتم الا باسم الجلالة من حیث ھو اسم الجلالة اما ھٰھنا فنظر المتوسد لیس الی قرأنیته من حیث ھی ھی بل الٰی حجمه و ضخامة جلده و اذا جاز ذلک لذلک جاز ایضا و العیاذ باللّٰہ تعالٰی ان یضع المصحف الکریم علی الارض و یجلس علیه

---

[630] (فتاوی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۳)

توقیالثیابه من التراب فانه لیس باعظم من التعریض للابوال والاروات الی غیر ذلک مما لایجیزه احد ۔ ولعل معتلا یعتل بجواز قراءۃامثال الفاتحۃ للجنب و اختیه اذاقصدواالثناء والدعاءدون التلاوۃ۔

اقول: یہ تفریق بے سُود ہے، یہ کیسے تسلیم کیاجاسکتاہے کہ امتیاز کا قصد ایسی چیز کی تعظیم ساقط کردے جس کی تعظیم شرعاً واجب ہو۔ اگر یہ کہیں کہ اس قصد کی وجہ سے عظمت والے اسماء کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے تو اس کا بطلان عیاں ہے اور یہ کہیں کہ ان سے ان کی معانی مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ دوسرے معانی میں مستعمل الفاظ ہوجاتے ہیں یا معنی سے خالی ہوجاتے ہیں --تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کلمہ للہ (خدا کے لئے) یاحبیس فی سبیل اللہ(اللہ کی راہ میں وقف) امتیاز ونشان کا فائدہ بھی دیتاہے اوراپنے وضعِ معنی کے لحاظ سے مال صدقہ ہونے کو بھی بتاتاہے کوئی اور معنی نہیں دیتا-- اور اگر یہ کہیں کہ عظمت والے کلمات جب اپنے معانی میں مستعمل ہوں اور وہاں تبرک کے سوا کوئی اور بات سمجھانی بھی مقصود ہو تو وہ باعظمت نہیں رہ جاتے--تو اس پر کون سی دلیل شرعی ہے؟ بلکہ دلائل بلکہ بداہت اس کے خلاف ناطق ہے تبرک جیسے امر کے سوا کسی اور غرض کا محض قصد ہوجانا اگر تعظیم کو ساقط کردیتاہے تو چاہیئے کہ قرآنِ عظیم کا تکیہ لگانا جائز ہو بلکہ بدرجہ اولٰی، اس لئے کہ وہاں جو غرض ہے وہ اسم جلالت بحیثیت اسم جلالت کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ اور یہاں تو تکیہ لگانے والے کی نظر اس کی قرآنیت بحیثیت قرآنیت کی جانب نہیں ہوتی بلکہ اس کے حجم اور جلد کی ضخامت کی جانب ہوتی ہے۔ اور اس بنیاد پر جب وہ جائز ہوجائیگا۔

تو معاذاللہ یہ بھی جائز ہوجائے گا کہ مصحف شریف زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھ رہے اس غرض سے کہ اس کے کپڑے مٹّی سے محفوظ رہیں، کیونکہ یہ لید اور پیشاب وغیرہ پڑنے کی جگہ لانے سے

بڑھ کر نہیں، جسے کوئی جائز نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کوئی یوں علت پیش کرے کہ جنب و حائض ونفساء کے لئے دعاوثنا کے ارادے سے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے اور بقصدِ تلاوت جائز نہیں۔

اقول نازعه المحقق الحلبی فی الحلية وخصّ الجواز بما لا يقع به التحدی ای مادون قدر ثلث أيات ولی فی هذا ايضا كلام والحق عندی ان الجواز بنية الدعاء والثناء ورد علی خلاف القياس توسعة من الله تعالٰی بعبيده رحمة منه وفضلا فلايجوز القياس عليه علاان منع الجنب لم يكن لنفس الالفاظ بل لكونها قرأنا ای كلام الله عزوجل النازل علی نبيه صلی الله تعالٰی عليه وسلم المثبت بين الدفتين من حيث هو كذلک حتی لو فرض ان تلک الالفاظ كانت حديثالم يحرم عليه قراءته فاذا قرأت علی جهة انشاء كلامن عند نفسه لم تبق النسبة المانعة ملحوظة اماهٰهنا فالتعظيم لنفس تلک الالفاظ الموضوعة لتلک المعانی المعظمة وهی باقية فی الكتابة علی حالها فافهم، مع ان العلامة سيّدی عبدالغنی النابلسی قدس سره القدسی نص عليه ان النية تعمل فی تغيير المنطوق لا المكتوب كمانقله العلامة شامی قبيل المياه واقره۔

اقول محقق حلبی نے حلیہ میں اس سے اختلاف کیا ہے اور جواز صرف اتنی مقدار سے خاص کیا ہے جس سے تحدّی واقع نہیں ہوتی، یعنی تین آیات سے کم ہی پڑھنے کا جواز ہے-- مجھے اس میں بھی کلام ہے-- میرے نزدیک حق یہ ہے کہ دعا یا ثنا کی نیت سے جواز کا حکم-- اللہ تعالٰی کی جانب سے بطور رحمت و فضل بندوں پر وسعت دینے کے لئے-- خلافِ قیاس وارد ہے تو اس پر قیاس روا نہیں- -علاوہ ازیں جنب کے لئے ممانعت نفسِ الفاظ کے باعث نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ قرآن ہیں یعنی اللہ عزوجل کا وُہ کلام جو اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہے دو دفتوں کے درمیان ثبت ہے اس لحاظ سے کہ وہ قرآن ہیں، یہاں تک کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ الفاظِ حدیث ہیں تو جنب کے لئے ان کی قرأت حرام نہ ہو گی، تو جب ان کی قرأت اس طور پر ہو کہ خود اپنی جانب سے ایک کلام

انشا کر رہا ہے تو جو نسبت باعثِ ممانعت تھی وہ ملحوظ نہ رہ گئی، لیکن یہاں تو تعظیم خود ان ہی الفاظ کے باعث ہے جو ان معانی عظمت کے لئے وضع ہوئے ہیں۔ اور کتابت میں یہ اپنے حال پر باقی ہیں ۔تو اسے سمجھو، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ نیت منطوق کو بدلنے میں اثر انداز ہوتی ہے مکتوب میں نہیں، جیسا کہ علّامہ شامی نے باب المیاہ سے ذرا قبل اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا ہے۔[631]

ثم اقول علی التسلیم لامحیص عن کونه اعنی ماکتب علی افخاذ الا بل حروفا و حروف الهجاء المعظمة بانفسها لایجوز تعریضها للنجاسة کیف و انها علی ماذکر الزرقانی فی شرح المواهب قراٰن انزل علی سیدناهو دعلی نبینا الکریم و علیه الصلٰوة و التسلیم و کذا نقله فی ردالمحتار عن بعض القراء و قدمه عن سیّدی عبدالغنی عن کتاب الاشارات فی علم القراءات للامام القسطلانی و قال اعنی الشامی فیه ان الحروف فی ذاتها لها احترام اھ ثم اقول بر تقدیر تسلیم۔

اونٹوں کی ران پر جو لکھا جاتا اُس کو حروف ماننے سے مفر نہیں ہے اور حروفِ تہجی خود باعظمت ہیں، انہیں معرضِ نجاست میں لانا جائز نہیں ہے ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ وُہ قرآن ہے جو سیّدنا ہود علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلٰوۃ والتسلیم پر نازل ہوا، جیسا کہ علّامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا ہے اسی طرح ردالمحتار میں اسے بعض قراء سے نقل کیا ہے اور اس سے پہلے امام قسطلانی کی کتاب الاشارات فی علم القراءات کے حوالے سے سید عبدالغنی نابلسی سے نقل کیا-اور اسی میں علامہ شامی نے بھی یہ لکھا ہے خود یہ حروف محترم ہیں اھ۔[632]

---

[631](ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹)

[632](ردالمحتار فصل الاستجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱ /۲۲۷)(ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱ /۱۱۹)

وقال ایضانقلوا عندنا ان للحروف حرمة ولو مقطعة اھ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ علماء نے نقل فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی عزت وحرمت ہے اگرچہ یہ الگ الگ ہوں اھ۔[633]

وفی الھندیة لوقطع الحروف فی الحرف او خیط علی بعض الحروف فی البساط او المصلی حتی لم تبق الکلمة متصلة لم تسقط الکراھة وکذلک لوکان علیہ، الملک ، لاغیر وکذلک الالف وحدھا واللام وحدھا کذافی الکبری، اذاکتب اسم فرعون اوکتب ابوجھل علی غرض یکرہ ان یرموا الیہ لان لتلک الحروف الحرمة کذافی السراجیة اھ۔

ہندیہ میں ہے اگر حرف کو حرف سے جدا کردیا، یا فرش یا جا نماز میں بعض حروف پر اس طرح سلائی کردی گئی کہ پُورا لفظ مستعمل نہ رہا تو بھی کراہت ختم نہ ہوئی-- اسی طرح اگر اس پر صرف الملک ہو، اسی طرح اگر صرف الف اور صرف لام ہو، ایسا ہی کبریٰ میں ہے-- اگر نشانہ لگانے کی جگہ فرعون کا نام لکھ دیا گیا یا ابوجہل لکھا گیا تو اس پر تیر مارنا مکروہ ہے اس لئے کہ ان حروف ہی کی عزّت و حرمت ہے، ایسا ہی سراجیہ میں ہے اھ۔[634]

بل صرح فی الدرالمختار وغیرہ انہ یجوز رمی برایة القلم الجدید ولا ترمی برایة القلم المستعمل لاحترامہ کحشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم۔اھ۔

بلکہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے کہ نئے قلم کا تراشا پھینکنا جائز ہے اور مستعمل قلم کا تراشہ پھینکنا جائز نہیں کیونکہ وہ محترم ہے، جیسے مسجد کی گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں بے حرمتی ہو اھ۔[635]

وفی ردالمحتار ورق الکتابة لہ احترام ایضالکونہ اٰلة لکتابة العلم ولذاعللہ فی التاتارخانیہ بان تعظیمہ من ادب الدین اھ

---

[633] (ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبوعہ الطباعة المصریہ مصر ۱/۲۲۷)
[634] (فتاوٰی ھندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۳)
[635] (درمختار کتاب الطھارة مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱/۳۴)

ردالمحتار میں ہے: کتابت کے کاغذ کا احترام ہے اس لئے کہ وہ کتابتِ علم کا سامان ہے -- اسی لئے تاتارخانیہ میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس کی تعظیم دین کے آداب سے ہے اھ۔[636]

فاذا کان ھذا فی برایۃ القلم وبیاض الورق الغیر المکتوب فما ظنک بالحروف فاذن لاشک فی صحۃ الاستناد ولابدمن اخراج کتابات الابل عن الاخلال بالتعظیم۔

توجب یہ حکم قلم کے تراشے اور بغیر لکھے کاغذ کی بیاض کے بارے میں ہے تو حروف کے بارے میں کیا ہوگا اس سے ظاہر ہوا کہ صحتِ استناد میں کوئی شک نہیں ہے اور اونٹوں والی تحریروں کو بے حرمتی سے خارج ماننا ضروری ہے۔

واقول یظھر لی فی النظر الحاضر ان لیس الامتھان من لازم تلک الکتابۃ ولاھو موجود حین فعلت ولاھو مقصود لمن فعل وانماارادالتمیز وانماالاعمال بالنیات وانمالکل امرءمانوی۔ واقول

(اور میں کہتا ہوں) بنظرِ حاضر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اہانت اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بوقتِ تحریر اہانت کا وجود ہے، نہ ہی یہ لکھنے والے کا مقصود ہے اس کا مقصد صرف امتیاز پیدا کرنا اور نشان لگانا ہے اوراعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔[637]

قال فی جواھر الاخلاطی ثم الفتاوی الھندیۃ لاباس بکتابۃ اسم اللّٰہ تعالٰی علی الدراھم لان قصدصاحبہ العلامۃ لاالتھاون۔اھ۔

جواہر اخلاطی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے: دراہم پر اللّٰہ کا نام تحریر کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحریر کرنے والے کا مقصود صرف نشان ہوتا ہے، اہانت نہیں۔ اھ۔[638]

---

[636] (ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۲۲۷)

[637] (صحیح بخاری باب کیف بدأالوحی مطبوعہ قدیمی قطب خانہ کراچی ۱/۲)

[638] (فتاوٰی ھندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۳)

وھذ الاشک انه جارفیما نحن فیه فلیس التجنیس من لازم الکتابة ولاھو موجود لامقصود وانما المراد التبرک الٰی اٰخر مامر فان قنع بھذا فذاک والافایاما ابدیتم من الوجه فی ذالک فانه یجری فیماھنالک ولایظھر فرق یغیر المسالک۔

یہ بات بلاشبہ تحریرِ کفن میں بھی جاری ہے اس لئے کہ نجاست آلود کرنا اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بروقت اس کا وجود ہے نہ ہی مقصود ہے، مقصود صرف برکت حاصل کرنا ہے-- وُہ ساری باتیں جو گزر چکیں۔ اگر مخالف اسے مان لے تو ٹھیک ہے ورنہ اُس میں آپ جو بھی وجہ بتائیں وُہ یہاں بھی جاری ہوگی اور کوئی ایسا فرق رونما نہ ہوگا جس سے راہیں مختلف ہوجاتیں۔

فان قلت التنجیس فی الابل غیر مقطوع به حتی فی اجانب الانسی من افخاذھا لانھا تتفاج حین تبول فکیف بالوحشی المکتوب علیه قلت لاقطع فی التکفین ایضافلیس کل جسدیبلی فان الاولیاء والعلماء العاملین والشھداء والمؤذن المحتسب وحامل القراٰن العامل به والمرابط والمیت بالطاعون صابرامحتسباوالمکثرمن ذکراللّٰہ تعالٰی لاتتغیر ابدانھم نقله العلامة الزرقانی فی شرح المؤطامن جامع الجنائز وجعلھم عشرة کاملة بذکرالانبیاء علیھم الصلٰوة والسلام ثم الصدیقین والمحبین اللّٰہ تعالٰی وجمعت ھذین فی قول الاولیاء۔

اگر یہ کہیے کہ اونٹوں میں آلودگیِ نجاست کا یقین نہیں خواہ پالتو اونٹ کی ران کے پہلو پر لکھائی ہو کیونکہ اونٹ پیشاب کرتے وقت اپنی ٹانگوں کو کھول لیتا ہے تو کھلے جنگل میں رہنے والے جانوروں پر لکھائی میں کیسے یقین ہوسکتی ہے-- میں کہوں گا کفن دینے میں بھی یہ یقینی نہیں، اس لئے کہ ہر جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اولیاء، باعمل علماء، شہداء، طالبِ ثواب موذن، باعمل حافظِ قرآن، سرحد کا پاسبان، طاعون میں صبر کے ساتھ اور اجر چاہتے ہوئے مرنے والا، کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا، ان کے بدن بگڑتے نہیں اسے علامہ زرقانی نے شرح موطا میں جامع الجنائز سے نقل کیا اور انبیاء علیہم الصلٰوۃ

والسلام پھر صدیقین اور خدا کے محبین کو ذکر کرکے ان کی تعداد کامل دس کردی ہے--اور میں نے ان دونوں قسموں کو لفظ اولیاء میں شامل کردیا۔[639]

ثم تقييد المؤذن بالمحتسب هو نص حديث اخرجه الطبراني عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلى الله تعالٰی عليه وسلم قال المؤذن المحتسب كالشهيد (المشتحط) فی دمه و اذامات لم يدود فی قبره۔

مؤذن کے ساتھ محتسب (طالب ثواب) کی قید بتصریح حدیث ثابت ہے۔ طبرانی نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سرکار نے فرمایا: موذّنِ محتسب اپنے خون میں آلودہ شہید کی طرح ہے جب وہ مرتا ہے تو قبر کے اندر اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑتے۔[640]

وهو محمل اثر مجاهد، المؤذنون اطول الناس اعناقا يوم القيمة و لا يدودون فی قبورهم رواه عبدالرزاق و ذلک بدليل الجزء الاول اطول الناس الخ۔

اور یہی حضرت مجاہد کے اس اثر کی بھی مراد ہے کہ اذان دینے والے روزِ قیامت سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز ہوں گے اور قبروں کے اندر ان کے جسم میں کیڑے نہ پڑیں گے۔ اسے عبد الرزاق نے روایت کیا اس کی (یہاں بھی محتسب کی قید ملحوظ ہونے کی) دلیل جزء اول اطول الناس (سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز) الخ ہے۔[641]

اما حامل القراٰن فحديث ابن مندة عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما انه قال قال رسول الله صلى الله تعالٰی عليه وسلم اذامات حامل القراٰن اوحی الله الى الارض ان لاتاكلی

[639] (شرح زرقانی علی المؤطا باب جامع الجنائز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۲/ ۸۴)
[640] (مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی باب المؤذن المحتسب مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲/ ۳)
[641] (المصنف لعبد الرزاق باب فصل فی الاذان مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۸۳)

لحمه، فتقول الارض ای رب کیف أکل لحمه و کلامک فی جوفه قال ابن مندة وفی الباب عن ابی هریرة وابن مسعود۔

حافظ قرآن سے متعلق ابن مندہ کی حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب حافظ قرآن مرتا ہے خدا زمین کو حکم فرماتا ہے اس کا گوشت نہ کھانا، زمین عرض کرتی ہے: اے رب! میں اس کا گوشت کیسے کھاؤں گی جب تیرا کلام اس کے سینے میں ہے۔ ابن مندہ نے کہا اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔[642]

و زاد فیه الشیخ قید العامل به اقول به و لکن العامل به مرجو له ذلک و ان لم یکن حامله فقد اخرج المروزی عن قتادة قال بلغنی ان الارض لاتسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئة الا ان یقال ان وصف العامل به حامل للخطّاء التواب ایضا ثم الذی لم یعمل خطیئة هو الصالح المحفوظ و لا یشمل الصبی فیما اظن و اللّٰه تعالیٰ اعلم و بضم هذا تموا عشرة و اللّٰه الحمد ا۔نبی، ۲۔ولی ، ۳۔عالم ، ۴۔شهید، ۵۔مرابط، ۶۔میت طاعون، ۷۔مؤذّن محتسبین، ۸۔ذکار، ۹۔حامل القرأن، ۱۰۔من لم یعمل خطیئة۔

شیخ نے اس پر قرآن پر عامل کی قید کا اضافہ کیا ہے قول مگر عاملِ قرآن اگر حافظِ قرآن نہ ہو تو بھی اس کے لئے یہ امید ہے-- مروزی نے قتادہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ زمین اس کے جسم پر مسلّط نہیں کی جاتی جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عاملِ قرآن کا وصف اس پر بھی صادق ہے جو خطاکار اور تائب ہو پھر، وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ایسا صالح ہو گا جو گناہ سے بالکل محفوظ رہا ہو-- اور یہ وصف میرے خیال میں بچّے کو شامل نہیں، اور زیادہ علم خدائے برتر کو ہے-- اب اسے ملا کر پورے دس ہو گئے۔ (۱) نبی (۲) ولی (۳) عالم (۴) شہید (۵) مرابط (سرحد کا

---

[642] (الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۱۱۱ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱/۲۸۴)

پاسبان)(٦)میّت طاعون(٧)موؤذن محتسب(٨)بہت ذکر کرنے والا(٩)حافظِ قرآن(١٠)وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا۔

(مروزی مسانید فی الحدیث)

فان کان من نکفنه احدھؤلاء فذالک و الا فمایدریک ان ھذاالمسلم لیس من اولیاء اللہ تعالی او لم ینل منازل الشھداء بل من الاشرار من لایتغیر جسدہ تشدیداللتعذیب و العیاذ باللہ القریب المجیب۔

تو جسے ہم کفن دے رہے ہیں مذکورین میں سے کوئی ایک ہے تو حال واضح ہے--ورنہ کیا معلوم کہ یہ مسلمان اللہ تعالی کے اولیاء سے نہیں یا اسے شہداء کا درجہ حاصل نہیں، بلکہ اشرار میں بھی ایسے ہیں جن کا جسم اس لئے متغیر نہیں ہوتا کہ عذاب زیادہ سخت ہو--پناہ خدائے قریب مجیب کی۔

ھذا و اما ما ایدہ به المحشی مماقدم عن الفتح انه تکرہ کتابة القرأن و اسماء اللہ تعالٰی علی الدراھم و المحاریب و الجدران و مایفرش۔اھ ما فی الفتح قال المحشی فما ذلک الا لاحترامه و خشیة وطئه ونحوہ ممافیه اھانة، فالمنع ھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد اوینقل فیه حدیث ثابت ۔ اھ۔ وھذا الذی حمله علی العدول عن قول امام مذھبه الصفار الحنفی الی قول الامام ابن الصلاح من متاخری الشافیعته۔

اب رہاوہ کلام جو اس کی تائید میں علّامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے پیش کیا کہ درہم، محراب اور دیوار اور بچھائی جانے والی چیز پر قرآن اور اسماء الٰہی لکھنا مکروہ ہے(فتح کی عبارت ختم ہوئی) اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: اس کی وجہ یہی احترام اور پامالی وغیرہ سے اہانت کا اندیشہ ہے، تو یہاں ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیثِ ثابت منقول

نہ ہوا ھ —یہی وہ بات ہے جو ان کے لئے اپنے مذہب کے امام صفار حنفی کے قول سے عدول کر کے ایک شافعی متاخر امام ابن الصلاح کا قول لینے پر باعث ہوئی۔[643]

فاقول امّاالکتابة علی الفراش فامتهان حاضر اوقصدمالا ینفک عن التهاون فلیس ممانحن فیه ولاکلام فی کراهته واما علی البواقی فالمسئلة مختلف فیها وقداسمعناک أنفاما فی جواهر الاخلاطی فی حق الدراهم وقال الامام الاجل قاضی خان فی فتاواه لو کتب القرأن علی الحیطان والجدران بعضهم قالوا یرجی ان یجوز وبعضهم کرهوا ذلک مخافة السقوط تحت اقدام الناس۔اھ۔فاقول۔

(تو میں کہتا ہوں) بچھونے پر لکھا تو بروقت اہانت ہے یا ایسے کام کا قصد ہے جو بے حرمتی سے جُدا ہونے والا نہیں۔ یہ تو ہمارے مبحث سے خارج ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ رہا باقی چیزوں پر لکھنا تو ان کے بارے میں مسئلہ اختلافی ہے---دراہم سے متعلق تو جواہر اخلاطی کی عبارت ابھی ہم پیش کر آئے (دیوار و محراب سے متعلق ملاحظہ ہو) امام اجل قاضی خاں اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں: اگر دیواروں پر قرآن لکھا تو بعض نے کہا امید ہے کہ جائز ہوگا اور بعض نے لوگوں کے پاؤں تلے پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے اس کو مکروہ کہا اھ۔[644]

فقد قدم رجاء الجواز وهو کما صرح به فی دیباجة فتاواه لایقدم الاالاظهر الاشهر ویکون کمانص علیه العلامة السید الطحطاوی ثم السید المحشی هو المعتمد فاذن فلتکن الکتابة المعهودة علی افخاذ الابل من لدن سیدنا الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه مرجحة لقول الجواز ان فرضنا المساواة والا فلانسلمها من الاصل فان الکتابة علی المحاریب والجدران انمایکون المقصود بهاغالبا الزینة ولیست من الحاجة فی شیئ فالمنع

---

[643] (ردالمحتار مطلب فیما یکتب علٰی کفن المیت مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ /۶۰۷) (ردالمحتار مطلب فیما یکتب علٰی کفن المیت مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ /۶۰۷)

[644] (فتاوی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح من الحظر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۹۲)

ثمہ لایستلزم المنع حیث الحاجة ماسة کالتمییز و التبرک و التوسل للنجاة باذن اللہ تعالٰی فافھم و اللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔

اس عبارت میں امیدِ جواز کو انہوں نے مقدم رکھا ہے -- اور جیسا کہ اپنے فتاوٰی کے دیباچے میں وہ تصریح فرماچکے ہیں جسے وہ مقدم رکھتے ہیں وہی اظہر اشہر ہوتا ہے -- اور جیسا کہ علامہ سید طحطاوی پھر خود علّامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے وہی معتمد ہوتا ہے -- ایسی صورت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے سے اونٹوں کی ران پر لکھی جانے والی تحریر معہود و معلوم سے قولِ جواز کو ترجیح ہونی چاہئے -- اگر دونوں تحریروں میں ہم مساوات مانیں -- ورنہ اسے ہم سرے سے نہیں مانتے اس لئے کہ محرابوں اور دیواروں پر لکھنے سے عموماً زینت مقصود ہوتی ہے۔ یہ کوئی حاجت کی چیز ہی نہیں ہے تو اگر اس میں ممانعت ہے تو یہ اس کو مستلزم نہیں کہ وہاں بھی ممانعت ہو جہاں حاجت ہے جیسے امتیاز پیدا کرنا، برکت حاصل کرنا، باذنِ الٰہی نجات کا وسیلہ بنانا ہے تو اسے سمجھو -- اور خدائے پاک بزرگ و برتر خوب جاننے والا ہے۔

مقام چہارم:

جب خود کفن پر ادعیہ وغیرہ تبرکاً لکھنے کا جواز فقہاً و حدیثاً ثابت ہے تو شجرہ شریف رکھنا بھی بداہۃً اسی باب سے بلکہ بالاولٰی، اوّل تو اسمائے محبوبانِ خدا علیہم التحیۃ والثناء سے توسل و تبرک بلاشبہہ محمود و مندوب ہے۔

تفسیرِ طبری پھر شرح مواہبِ لدنیہ للعلامۃ الزرقانی میں ہے:

اذا کتب اسماء اھل الکھف فی شیئ و القی فی النار اطفئت۔

جب اصحابِ کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈالے جائیں تو آگ بجھ جاتی ہے۔[645]

---

[645] (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة المقصد الثامن مطبوعه معرفة بیروت ۷/۱۰۸)

تفسیر نیشاپوری علامہ حسن محمد بن حسین نظام الدین میں ہے:

عن ابن عباس ان اسماء اصحاب الکهف یصلح للطلب و الهرب و اطفاء الحریق تکتب فی خرقه ویرمی بهافی وسط النار ، ولبکاء الطفل تکتب وتوضع تحت راسه فی المهد ، وللحرث تکتب علی القرطاس وترفع علٰی خشب منصوب فی وسط الزرع وللضربان وللحمی المثلثة والصداع والغنی والجاه والدخول علی السلاطین تشد علی الفخذ الیمنی ولعسر الولادة تشد علی فخذها الایسر، ولحفظ المال و الرکوب فی البحر والنجاه من القتل۔

یعنی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اصحابِ کہف کے نام تحصیل نفع ودفع ضرراورآگ بجھانے کے واسطے ایک پرچی پر لکھ کر آگ میں ڈال دیں، اور بچّہ روتا ہو لکھ کر گہوارے میں اس کے سر کے نیچے رکھ دیں، اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کاغذ پر لکھ کر بیچ کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اُس پر باندھ دیں، اور رگیں تپکنے اور باری والے بخار اور دردِ سر اور حصول تونگری ووجاہت اور سلاطین کے پاس جانے کے لئے دہنی ران پر باندھیں، اور دشواری ولادت کے لئے عورت کی بائیں ران پر، نیز حفاظت مال اور دریا کی سواری اور قتل سے نجات کے لئے۔[646]

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں نقل فرماتے ہیں: جب امام علی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ نیشاپور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث امام ابوزرعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اوران کے ساتھ بیشمار طالبانِ علم وحدیث حاضرِ خدمتِ انور ہوئے اور گڑ گڑا کر عرض کیا اپنا اجمالِ مبارک ہمیں دکھایئے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمایئے، امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا پردہ ہٹالیں خلقِ خدا کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ دو ۲ گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق خدا

[646] (تفسیر غرائب القرآن ذکر اسماء اهل کهف مطبوعه مصطفی البابی مصر ۱۵ /۱۱۰)

کی وہ حالت ہوئی کہ کوئی چلّاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی: خاموش سب لوگ خاموش ہو رہے۔

دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی حضور نے فرمایا:

حدثنی ابو موسی الکاظم عن ابیه جعفر الصادق عن ابیه محمد الباقر عن ابیه زین العابدین عن ابیه الحسین عن ابیه علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنهم قال حدثنی حبیبی و قرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ یقول لا اله الا اللہ حصنی فمن قال دخل حصنی امن من عذابی۔

یعنی امام علی رضا امام موسٰی کاظم وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وہ امام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اس کلمے کو پڑھا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا۔

یہ حدیث روایت فرما کر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا، دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کئے گئے، بیس (۲۰) ہزار سے زائد تھے۔[647]

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

لو قرأت هذا الاسناد علی مجنون لبرئ من جننه۔

یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھوں تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔[648]

---

[647] (الصواعق المحرقه الفصل الثالث مطبوعه مکتبه مجیدیه ملتان ص ۲۰۵)

[648] (الصواعق المحرقه الفصل الثالث فی الاحادیث الواردۃ فی بعض اهل البیت مطبوعه مکتبه مجددیه ملتان ص ۲۰۵)

اقول فی الواقع جب اسمائے اصحاب کہف قدست اسرارہم میں وُہ برکات ہیں، حالانکہ وُہ اولیائے عیسویین میں سے ہیں تو اولیاء محمدیین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا کیا کہنا، اُن کے اسمائے کرام کی برکت کیا شمار میں آسکے۔ اے شخص! تو نہیں جانتا کہ نام کیا ہے۔ مسمّٰی کے انحائے وجود سے ایک نحو ہے۔ امام فخر الدین رازی وغیرہ علماء نے فرمایا کہ وجودِ شیئ کی چار ۴ صورتیں ہیں: وجود اعیان میں، علم میں، تلفظ میں، کتابت میں، توان دو شق اخیر وجود اسم ہی کو وجود مسمّٰی قرار دیاہے بلکہ کتبِ عقائد میں لکھتے ہیں: الاسم عین المسمی نام عین مسمی ہے۔ امام رازی نے فرمایا: المشھور عن اصحابنا ان الاسم ھو المسمّی مقصود اتناہے کہ نام کا مسمی سے اختصاص کپڑوں کے اختصاص سے زائد ہے اور نام مسمی پر دلالت تراشہ ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک اعلٰی ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسامی سلاسل علیہ کی اسناد اتصال بمحبوب ذوالجلال وبحضرت عزت وجلال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور اللہ ومحبوب واولیاء کے سلسلہ کرام وکرامت میں انسلاک کی سند تو شجرہ طیبّہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے: پھر کفن پر لکھنا کہ ہمارے ائمہ نے جسے جائز فرمایا اور امید گاہِ مغفرت بنایا، اور بعض شافعیہ کو اس میں خیال تنجیس آیا، شجرہ طیبہ میں اس کا خیال بھی لزوم نہیں۔ کیا ضرور کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں طاق بناکر خواہ سرہانے کہ نکیرین پائینتی کی طرف سے آتے ہیں اُن سے پیشِ نظر ہو، خواہ جانبِ قبلہ کہ میّت کے پیش رو رہے اور اس کے سکون واطمینان واعانت جواب کا باعث ہو، باذنہٖ تعالٰی ولہ الحمد۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی رسالہ فیض عام میں شجرہ قبر میں رکھنے کو معمولِ بزرگانِ دین بتاکر سرہانے طاق میں رکھنا پسند کیا۔ یہ امر واسع ہے بلکہ ہماری تحقیق سے واضح ہوا کہ کفن میں رکھنے میں جو کلامِ فقہاء بتایا گیا وُہ متاخرینِ شافعیہ ہیں، ہمارے ائمہ کے طور پر یہ بھی رواہے، ہاں خروج عن

الخلاف کے لئے طاق میں رکھنا زیادہ مناسب و بجا ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

بعض اہل خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات کرتے ہیں جن کے جوابات درج ذیل ہیں۔

اعتراض (۱)...:۔ وہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے لہٰذا حرام ہے۔

جواب:۔ ہماری گزشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض (۲)...:۔ کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ ان پڑھ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب:۔ بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ جہالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالٰی نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد وپیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے دیئے جائیں گے۔ اور جاہل وعالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہٰذا یہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض (۳)...:۔ علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبد العزیز صاحب نے فتاوٰی عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت

پھولے پھٹے گی تو اس کے پیپ وخون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور ان کی بے ادبی ہو گی۔ لہٰذا یہ ناجائز ہے (مخالفین عام طور پر یہ ہی سوال کرتے ہیں)۔

جواب:۔ اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو جائز۔ اس میں حرفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہٰذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔

اسی مقام پر خود فرماتے ہیں:

نعم نقل عن بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا اله الا الله محمد رسول الله وذلک بعدالغسل قبل التکفین۔

ترجمہ: بعض محققین نے فوائد الشرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے **بسم الله الرحمن الرحیم** اور سینے پر لکھ دیا جاوے **لا اله الا الله محمد رسول الله** اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔ [649]

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہو گا؟ ہر گز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ

---

[649] (درمختار باب صلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دھلی)

میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی لخت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا۔ حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہئیے کیا یہاں خون و پیپ میں لتھڑنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم نہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرور تاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آب زمزم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس ﷺ کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حبس فی سبیل اللہ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی چھینٹیں پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لئے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لئے ہو حروف تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرضکہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث

ممانعت پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہت کیونکہ بلا دلیل ہے۔

اعتراض (۴): عہد نامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو نہیں آئے گا برباد ہو جائے گا۔ اور اسراف حرام ہے۔

جواب:۔ چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بے کار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اعتراض (۵):۔ حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بے کار ہے۔ نیز پتہ لگا کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن ولباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جاسکتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب:۔ اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن ابی کا منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے جانے سے ہم نے جانا ہے۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر و قابل پیداوار

زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے۔

ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا جس کی دلجوئی منظور تھی۔

دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ ﷺ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔

تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یا نہ لے۔ بادل ہر زمین پر برستا ہے مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔[650]

مفتی محمد فرید دیوبندی شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اپنے فتاویٰ فریدیہ میں لکھتے ہیں کہ مردے کے ساتھ بطور تبرک احادیث مبارکہ اور وظائف کی کتب وغیرہ دفن کرنا اس کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کافی روایات ذکر کیں اور پھر فرمایا کہ ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔[651]

---

[650](سعیدالحق ص ۶۳۸)

[651](فتاویٰ فریدیہ، ص ۲۷۹ ج ۳ پشتو)

قبر میں تبرکات مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اور تبرکات کے متعلق گنگوہی سے استفسار

”حضرت مولانا اشرف تھانوی مد ظلہ نے ایک بار دریافت کیا۔ حضرت قبر میں شجرہ رکھنا جائز ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا ہاں! مگر میت کے کفن میں نہ رکھے، طاق کھود کر رکھ دے۔ اس پر مولانا نے عرض کیا اس سے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کوئی مرید تھے انکے پاس شاہ صاحب کا جوتا تھا۔ انتقال کے وقت وصیت کی کہ یہ جوتے میری قبر میں رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ حسب وصیت رکھ دیئے گئے اس پر شاہ صاحب سے مولوی نذیر حسین وغیرہ نے استہزاءً کہا، کہیئے جوتوں میں کتنا غلیظ لگا ہوا تھا اور کوئی پوچھتا کتنا کیچڑ تھا، اس پر شاہ صاحب نے فرمایا اگر یہ فعل ناجائز تھا تو ہمیں دلیل سے سمجھا دیتے، استہزاء اور تمسخر کی کیا حاجت تھی، سو اب تم لوگوں کے پاس بیٹھو۔ میں کبھی بھی نہیں بیٹھوں گا۔ اور دستور یہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد یہ لوگ مسجد میں بیٹھا کرتے تھے۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے کسی شاگرد نے ”ضرب النّعال علی رؤس الجهال“ رسالہ لکھا۔ اس میں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت کیا کہ تبرکات بزرگاں کو قبر میں لے جانا جائز ہے، اس رسالہ کو دیکھ کر منکرین ناکام ہوئے“۔[652]

مفتی محمّد شفیع صاحب دیوبندی کے کفن میں تبرکات

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی وفات پر ماہنامہ ”البلاغ“ کا خصوصی نمبر شائع کیا گیا۔ ایک مضمون بعنوان ”والد ماجد کے آخری شب و روز“ میں مفتی صاحب کے صاحبزادہ ولی رازی صاحب

---

[652](تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۹۰)

لکھتے ہیں: ”وصیت کے مطابق مسنون طریقہ سے کفن دیا گیا اور تبرکات کفن میں حسب ہدایت شامل کی گئیں“۔[653]

فصل دربیان
اولیاء اللّٰہ کی فراست

بعض علماء اولیاء اللہ کی فراست سے انکار کرتے ہیں حالانکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ کا تعلیم الٰہی کا غیب پر مطلع ہونا معجزات سید الانبیاء علیہم السلام سے ہے جو آپ کے صدق نبوت ورسالت اور دین اسلام کی حقانیت وصداقت کی دلیل ہے (اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار اور بے حد وحساب معجزات عطاء فرمائے ہیں) لہٰذا ایسے اولیاء کرام بھی بحمد للہ کثیر التعداد ہیں اور ہر دور اور ہر علاقہ میں موجود رہے ہیں اور ان شاء اللہ رہیں گے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي الطَّيِّبِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ سَلَّامٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اتَّقُوا فِرَاسَةَ المُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ، ثُمَّ قَرَأَ: {إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ} (الحجر: 75)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ {إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ} (الحجر: 75)[654]

---

[653] (ماهنامه، البلاغ خصوصی نمبر ص ۳۴۳)

[654] (سنن الترمذی باب ومن سورۃ الحجر ج ۵ ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۳۱۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۰۲ رقم الحدیث ۷۴۹۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (تاریخ بغداد حرف الکاف من اباء المحمدین ج ۳ ص ۱۹۱ برقم ۱۲۳۴ مطبوعہ دار لکتب العلمیۃ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۸۱-۲۸۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حدثنی ابو شرحبیل الحمصی قال ثنا سلیمان بن سلمة قال ثنا المؤمل بن سعید بن یوسف الرحبی قال ثنا ابو المعلی اسد بن وداعة الطائی قال ثنا وھب بن منبه عن طاؤس بن کیسان عن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ احذروا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ وینطق بتوفیق اللہ۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی توفیق سے بولتا ہے۔[655]

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حدثنا عبد الاعلی بن واصل قال ثنی سعید بن محمد الجرمی قال ثنا عبدالواحد بن واصل قال ثنا ابو بشر المزلق عن ثابت البنانی عن انس قال قال رسول اللہ ان للہ عبادا یعرفون الناس بالتوسم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کو توسم (فراست) سے پہچان لیتے ہیں۔[656]

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حدثنی احمد فتعبدوہ قال ثنا الحسن بن محمد قال ثنا الفرات بن السائب قال ثنا میمون بن مھران عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ اتقوا فراسة المؤمن فان المؤمن ینظر بنور اللہ۔

---

655 (جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر طبری تحت سورة الحجر آیت نمبر ۷۵ ج ۱۴ ص ۴۶۔۴۷ مطبوعه دار الفکر بیروت)

656 (جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر طبری تحت سورة الحجر آیت نمبر ۷۵ ج ۱۴ ص ۴۶ مطبوعه دار الفکر بیروت)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔[657]

ولیوں کے امام مشکل کشا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

اخرج ابن عساکر عن الحسن بن محمد العلوی قال: کنت بالکوفة وانا صبی فی المسجد الجامع وقد جاء القرامطة بالحجر الاسود وکان اهل الکوفة قد رووا عن امیر المومنین علی علیه السلام انه قال: کانی بالاسود الدندانی من اولاد حام قد دلی الحجر الاسود من القنطرة السابعة فی مسجدی هذا یقال له (رخمة) وذکروا اسمه بالحاء (رحمة) قال: فلما دخلوا المسجد قال السید القرمطی یا رخمة بالخاء قم فقام اسود دندانی من اولاد حام کما ذکر امیر المؤمنین فاعطاه الحجر وقال: اطلع الی سطح المسجد ودل الحجر فاخذه وطلع فجاء یدلیه من القنطرة الاولی وکان انساناً دفعه الی الثانیة وکان کلما اراد ان یدلیه من القنطرة مشی الی قنطرة اخری حتی وصل الی القنطرة السابعة ودلاه منها فکبر الناس لقول امیر المؤمنین وتصحیح قوله۔

ترجمہ: ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے الحسن بن محمد علوی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی انہوں نے کہا میں بچپن میں کوفہ کی جامع مسجد میں تھا جب کہ قرامطہ (جو کہ ملاحدہ روافض کی قوم تھی اور خلافت عباسیہ میں انہوں نے خروج کیا تھا) حجر اسود کو لائے تو اہل کوفہ نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا میں اسود دندانی کو جو کہ حام کی اولاد سے ہے دیکھ رہا ہوں کہ اس نے میری اس مسجد کے ساتویں کنگرے سے حجر اسود کو گرایا ہے۔ اس کا نام رخمہ ہے۔ (علماء اس کا نام رحمہ حاء کے ساتھ بتاتے ہیں) راوی نے بیان کیا جب قرامطہ مسجد کے اندر آئے تو ان کے سردار نے کہا اے رخمہ اٹھ تو اسود دندانی

---

[657] (جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر طبری تحت سورۃ الحجر آیت نمبر ۷۵ ج ۱۴ ص ۴۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ذکر میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۹۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

(جو کہ اولاد حام سے تھا جیسا کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا) اٹھا اور اسے حجر اسود دے کر کہا اسے مسجد کی چھت پر لے جا اور اوپر سے اسے گرا دے تو وہ حجر اسود کو لے کر مسجد کی چھت پر چڑھا اور وہ پہلے کنگرے کے قریب سے اسے گرانے لگا تو ایک انسان نے دوسرے کنگرے کی طرف دھکیل دیا پھر جب وہ اسے وہاں سے گرانے لگا تو تیسرے کنگرے کی طرف دھکیل دیا۔ یہاں تک کہ وہ ساتویں کنگرے کے پاس پہنچے اور وہاں سے اس نے حجر اسود کو گرادیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قول کی صداقت پر لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ کس طرح ان کی غیبی خبر صحیح ثابت ہوئی۔[658]

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال شهدت علی بن ابی طالب یخطب فقال فی خطبته سلونی فواللہ لا تسألونی عن شئ الی یوم القیمة الا حدثتکم به۔

ترجمہ: میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے خطبہ میں حاضر تھا امیر المومنین نے خطبہ میں ارشاد فرمایا مجھ سے دریافت کرو خدا کی قسم قیامت تک جو چیز ہونے والی ہے مجھ سے پوچھو میں بتادوں گا۔[659]

---

[658] (خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۷۳۔ ۲۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[659] (جامع بیان العلم وفضله باب فی ابتداء العالم جلساء بالفائدة وقوله سلونی ج ۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی ص ۸۳ مطبوعہ دار الکتب المصریة)

امام شعرانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں:

و اما شیخنا السید علی الخواص رضی اللہ عنہ فسمعتہ یقول لا یکمل الرجل عندنا حتی یعلم حرکات مریدہ فی انتقالہ فی الاصلاب و ھو من یوم الست الی استقرارہ فی الجنۃ او فی النار۔

ترجمہ: ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نسبی کو نہ جان لے۔ یوم میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔[660]

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:

ثم انہ ینجذب الی حیز الحق فیصیر عبداللہ فیتجلی لہ کل شئی۔

ترجمہ: پھر وہ مرد عارف بارگاہ حق کی طرف جذب ہو جاتے ہیں پس وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور ان کو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔[661]

مشکوۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بروایت بخاری:

فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا۔

---

[660] (الکبریت الاحمر بھامش الیواقیت والجواھر الباب الرابع والثمانین وماتین ج ۲ ص ۳۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[661] (فیوض الحرمین ص ۱۷۵ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

ترجمہ: رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔[662]

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب امت مصطفی علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

فصل دربیان
نماز میں رفع الیدین نہ کرنا

بعض علماء غیر مقلدین رفع یدین پر بہت زور دیتے ہیں حالانکہ رفع یدین کرنا منع ہے۔

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلد ان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں، اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

نماز میں رکوع میں جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴: ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی: قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ افصلی ولم یرفع یدیہ الا مرۃ

---

[662] (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع ج ۵ ص ۲۳۸۴ رقم الحدیث ۶۱۳۷ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۸ رقم الحدیث ۳۴۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۹ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (الزھد الکبیر للبیہقی ج ۲ ص ۲۶۹ رقم الحدیث ۶۹۲ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)

واحدة مع تکبیر الافتتاح و قال الترمذی حدیث ابن مسعود حدیث حسن و بہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی او التابعین۔

ترجمہ: ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور ﷺ کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ و علماء تابعین کا عمل ہے۔[663]

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور ﷺ کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور ﷺ کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے۔ جیسا کہ

---

[663] (سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرۃ ج ۲ ص ۴۰ رقم الحدیث ۲۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۷۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن نسائی کتاب الافتتاح باب ترک ذلک ج ۲ ص ۱۸۲ رقم الحدیث ۱۰۲۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۳۵۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۹۲۹۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

ہم آئندہ عرض کرینگے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵:۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال کان النبی ﷺ اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ ثم لا یرفعھما حتی یفرغ۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔ [664]

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء۔

حدیث نمبر ۶:۔ ابو داؤد نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ قال رایت رسول اللہ ﷺ رفع یدیہ حین افتتح الصلوۃ ثم لم یرفعھما حتی انصرف۔

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔ [665]

حدیث نمبر ۷:۔ طحاوی شریف نے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن النبی ﷺ انہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود۔

ترجمہ: وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔ [666]

---

[664] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[665] (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[666] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۸ تا ۱۴: حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی:

قال قال رسول اللہ ﷺ ترفع الایدی فی سبع مواطن عند افتتاح الصلوۃ و استقبال البیت و الصفا و المروۃ و الموقفین و الجمرتین۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منیٰ و مزدلفہ ہیں اور دونوں جمروں کے سامنے۔[667]

حدیث نمبر ۱۵: امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔ **ان کان وائل راہ یفعل ذلک فقد راہ عبداللہ خمسین مرۃ لا یفعل ذلک۔**

ترجمہ: اگر حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو پچاس دفعہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔[668]

---

[667] (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۷۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (کتاب الآثار امام ابویوسف ص ۲۱ رقم الحدیث ۱۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) یہ حدیث ۱۰ بزار (کشف الاستار ج ۱ ص ۲۵۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ ۱۱۔ ابن ابی شیبہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض) نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی ۱۲۔ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ۱۳۔ طبرانی (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۸۵ رقم الحدیث ۱۲۰۷۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم و الحکم الموصل) نے اور ۱۴۔ بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ھے۔

[668] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع و التکبیر للسجود و الرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۶۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بہت قوی ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور ﷺ سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم وعاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷: طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى من الصلوة۔

ترجمہ: کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔[669]

امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا الحميدى قال ثنا سفيان ثنا الزهرى قال اخبرنى سالم بن عبدالله عن ابيه قال رايت رسول الله اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه و اذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع راسه من الركوع فلا يرفع رلا بين السجدتين۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔[670]

---

[669](شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[670](مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷ رقم الحدیث ۶۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا وکیع عن ابی بکر بن عبداللہ بن قطاف النھشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلاۃ ثم لا یعود۔

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب سے روایت کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوران نماز میں نہیں اٹھاتے تھے۔[671]

حدثنا یحیی بن سعید عن اسماعیل قال کان قیس یرفع یدیہ اول ما یدخل فی الصلوۃ ثم لا یرفعھما۔

ترجمہ: حضرت اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ امام قیس رحمۃ اللہ علیہ رفع یدین کرتے جب نماز شروع کرتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔[672]

حدثنا وکیع و اسامۃ عن شعبۃ عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبداللہ و اصحاب علی لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوۃ۔

ترجمہ: امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہوں نے امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔[673]

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابن مبارک عن اشعث عن الشعبی انہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یرفعھما۔

---

[671] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[672] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۴۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[673] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۴۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: اشعث فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ رفع یدین صرف نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔[674]

حدثنا یحیی بن آدم عن حسن بن عیاش عن عبدالملک بن ابجر عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم عن الاسود قال صلیت مع عمر فلم یرفع یدیہ فی شئی من صلاتہ الا حین افتتح الصلاۃ قال عبدالملک ورایت الشعبی وابراھیم وابا اسحاق لا یرفعون ایدیھم الا حین یفتتحون الصلاۃ۔

ترجمہ: اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کیا اور عبد الملک نے کہا میں نے شعبی ابراہیم اور ابو اسحاق کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ سب صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔[675]

حدثنا وکیع عن مسعر عن ابی معشر عن ابراھیم عن عبداللہ انہ کان یرفع یدیہ فی اول ما یستفتح ثم لا یرفعھما۔[676]

حدثنا وکیع عن شریک عن جابر عن الاسود وعلقمۃ انھما کانا یرفعان ایدیھما اذا افتتحا ثم لا یعودان۔

ترجمہ: اسود اور علقمہ رحمہا اللہ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔[677]

حدثنی ابن ابی داود قال ثنا احمد بن یونس قال ثنا ابوبکر بن عیاش قال ما رایت فقیھا قط یفعلہ یرفع یدیہ فی غیر التکبیرۃ الاولی۔

---

[674](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[675](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[676](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[677](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: امام احمد بن یونس نے کہا بیان کیا ہم سے ابو بکر بن عیاش نے کہا میں نے کوئی ایسا فقیہ نہیں دیکھا جو کہ رفع یدین کرتا ہو سوائے تکبیر افتتاح۔

امام عبد الرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقال مالک لا اعرف رفع الیدین فی شئی من تکبیر الصلاۃ لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلاۃ۔

ترجمہ: کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کسی رفع یدین کو نہیں پہچانتا نماز تکبیر میں نہ جھکتے وقت اور نہ ہی اٹھتے ہوئے سوائے تکبیر افتتاح کے۔[678]

مزید فرماتے ہیں:

کان رفع الیدین عند مالک ضعیفا الا فی تکبیرۃ الاحرام۔

ترجمہ: یعنی امام ابن القاسم نے فرمایا کہ تکبیر افتتاح کے بغیر باقی رفع یدین امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک ضعیف ہے۔[679]

حدیث نمبر ۱۸: عینی شرح بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن زبیر سے روایت کی:

انہ رای رجلاً یرفع یدیہ فی الصلوۃ عند الرکوع وعند رفع راسہ من الرکوع فقال لہ لاتفعل فانہ شئی فعلہ رسول ثم ترکہ۔

ترجمہ: کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔[680]

---

678 (مدونۃ الکبری ج ۱ ص ۶۸ مطبوعہ مصر)

679 (مدونۃ الکبری ج ۱ ص ۶۸ مطبوعہ مصر)

680 (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب رفع الیدین فی التکبیر الاولی مع الافتتاح تحت رقم الحدیث ۷۳۵ ج ۵ ص ۴۰۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور ﷺ سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۱۹۔۲۰:۔ بیہقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ ثم لا یرفع فی شیئی منہا۔

ترجمہ: کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔[681]

حدیث نمبر ۲۱: طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال رایت عمر ابن الخطاب رفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود و قال حدیث صحیح۔

ترجمہ: میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[682]

حدیث نمبر ۲۲: ابو داؤد شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی: **حدثنا سفیان اسنادہ بھذا۔قال فرفع یدیہ فی اول مرۃ و قال بعضھم مرۃ واحدۃ۔**

ترجمہ: حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے۔[683]

---

[681] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع و التکبیر للسجود و الرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[682] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع و التکبیر للسجود و الرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[683] (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدیث نمبر ۲۳:۔ دار قطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی:
انہ رای النبی ﷺ حین افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حتی حاذی بھما اذنیہ ثم لم یعد الی شئی من ذالک حتی فرع من صلوتہ۔
ترجمہ: کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔[684]
حدیث نمبر ۲۴:۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کی: انہ قال لا ترفع الایدی فی شیئی من صلوتک بعد المرۃ الاولی۔
ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔[685]
حدیث نمبر ۲۵: ابو داؤد نے براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود۔
ترجمہ: بے شک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر دوبارہ نہ کرتے۔[686]

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔

---

[684](سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)
[685](جامع الرضوی بصحیح البہاری ج ۲ ص ۳۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)
[686](سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں:

امام ابو محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دار الحناطین میں ملاقات ہوگئی۔ تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنئیے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی:۔ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ:۔ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی: آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حدثنی الزھری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ۔

ترجمہ: مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

امام اعظم:۔ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی: اچھا فوراً پیش فرمائیے۔

امام اعظم: لیجئے سنیئے۔

حدثنا حماد عن ابراھیم عن علقمہ و الاسود عن عبداللہ ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوۃ ثم لا یعود لشئی من ذالک۔

ترجمہ: ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسود رضی اللہ عنہ سے کہا نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی: آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم:۔ اس لئے کہ حماد:۔ زہری سے زیادہ عالم فقیہہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑھکر عالم و فقیہہ ہیں۔ علقمہ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہہ وافضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقہ میں۔ قراۃ میں حضور ﷺ کی صحبت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی: خاموش۔[687]

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمانے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ لمبی لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف

---

687 (مسند امام اعظم کتاب الصلوۃ ص ۵۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (جامع الرضوی بصحیح البھاری ج ۲ ص ۳۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہئیے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر۔ تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع وسجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جو رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہئیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے۔[688]

خلاصہ:

یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ

---

[688] (از طحاوی۔ شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحتہً مذکور ہے یا وہ سب مرجوح اور ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔

یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون واطمینان چاہیئے۔ بلاوجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلاضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلاضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

فصل دربیان
نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

بعض علماء غیر مقلدین نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ناجائز کہتے ہیں حالانکہ نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر (۱): عن وائل ابن حجر قال راءیت رسول اللہ ﷺ وضع یمینہ علی شمالہ تحت السرۃ۔ رواہ ابن ابی شیبۃ بسند صحیح ورجالہ ثقات۔

ترجمہ: حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔[689]

---

[689] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۴۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر (۲): ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:
قال ثلث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع الکف علی الکف تحت السرۃ۔

ترجمہ: تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ سحری دیر سے کرنا۔ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔[690]

حدیث نمبر (۳): ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
قال ابو وائل اخذ الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ۔

ترجمہ: ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہئیے۔[691]

حدیث نمبر (۴تا۵): دارقطنی اور عبداللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:
ان من السنۃ فی الصلوۃ وضع الکف و فی روایۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ۔

ترجمہ: نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔[692]

حدیث نمبر (٦تا۹): ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی۔ احمد۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی: قال السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ۔

---

[690] (الجوہر النقی عن انس ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)
[691] (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
[692] (سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۸٦ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۷۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

ترجمہ: ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔[693]

حدیث نمبر (۱۰): رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

ان علیاً قال السنۃ وضع الکف فی الصلوۃ ویضعھما تحت السرۃ۔

ترجمہ: نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔[694]

حدیث نمبر (۱۱): امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار شریف میں امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی:

انہ کان یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری تحت السرۃ۔

ترجمہ: آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔[695]

حدیث نمبر (۱۲): امام ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی:

قال یضع یمینہ علی شمالہ تحت السرۃ۔

ترجمہ: آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔[696]

حدیث نمبر (۱۳): ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انہ قال من اخلاق النبوۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔[697]

---

[693] (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۰ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیھقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۶۸ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

[694] (سنن الکبریٰ للبیھقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۷۰ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

[695] (جامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری ج ۲ ص ۳۸۵ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

[696] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[697] (المحلی لابن حزم ج ۲ ص ۳۰)، (خلافیات للبیھقی ص ۳۷ مطبوعہ مکتبہ ظاھریہ دمشق شام)

حدیث نمبر (۱۴): ابو بکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی:

قال سمعت ابا مجلز و سالته قلته کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلهما اسفل من السرة۔ اسناد جید و رواته کلهم ثقات۔

ترجمہ: میں نے ابو مجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے۔ اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔[698]

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں، اس کی تحقیق دیکھو، صحیح البخاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔ لہٰذا ادب سے کھڑا ہونا چاہئیے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب، التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو۔ یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

[698] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۴۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

فصل دربیان
جنازہ کے ساتھ کلمہ کا ذکر اور نعت خوانی

بعض علماء جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یادرود شریف یانعت خوانی کرنے کو بدعت ،ناجائز اور حرام کہتے ہیں حالانکہ جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح و تہلیل یادرود شریف آہستہ آہستہ یابلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات واحادیث صحیحہ واقوال فقہاء شاہد ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ (آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے یا بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے:

ای یذکرون دائماً علی الحالات کلھا قائمین و قائدین و مضطجعین فان الانسان لا یخلو عن ھذہ الھیئات غالباً۔

ترجمہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔[699]

تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کریمہ کے ماتحت ہے:

والمراد تعمیم الذکر للاوقات وتخصیص الاحوال المذکورۃ لیس لتخصیص الذکر بھا بل لانھا الاحوال المعھودۃ التی لایخلو اعنھا الانسان۔

ترجمہ: قریب قریب وہی ہے جو اوپر کیا گیا۔

[699](تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۱۷۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

المراد کون الانسان دائم الذکر لربه فان الاحوال لیست الا هذه الثلثته ثم لما وصفهم بکونهم ذاکرین فیها کان ذلک دلیلاً علی کونهم مواظبین علی الذکر غیر فاترین عنه۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزر چکا ہے۔

ابن عدی نے کامل میں اور امام زیلعی نے نصب الرایہ التخریج احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے:

عن ابن عمر قال لم یکن یسمع من رسول اللہ ﷺ وهو یمشی خلف الجنازة الا قول لا اله الا الله مبدیا و راجعا۔ [700]

اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو۔ پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ تحذیر المختار علی ردالمختار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے:

ولکن قد اعتاد الناس کثرة الصلوة علی النبی ﷺ ورفع اصواتهم بذلک وهم ان منعوا ابت نفو سهم عن السکوت و التفکر فیقعون فی کلآم دنیوی وربما وقعوانی عبیه وانکار المنکر اذاقضی الی ماهو اعظم منکرا کان ترکه احب لانه ارتکاب باخف المضرتین کماهو القاعدة الشرعته۔ [701]

اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات واحادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ہر حال میں ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ اب کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ خبر واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء تو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت قرآن

[700] (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار الحدیث قاهرة مصر)
[701] (تحذیر المحتار علی ردالمحتار ص ۱۲۳ مطبوعہ مصر)

کے علاوہ تمام اذکار کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جارہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہوا۔

قرآن فرماتا ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ۲۸)

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں:

فالمومنون یستانسون بالقرآن و ذکر اللہ الذی ہو الاسم الاعظم ویحبون استماعھا والکفار یفرحون بالدنیا ویستبشرون بذکر غیر اللہ۔

ترجمہ: پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی و فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہٰذا ہر طرح جائز ہوا محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے: اکثروا فی الجنازۃ قول لا الہ الا اللہ مشکوۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔

ان اللہ ملئکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوماً یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الی حاجتکم قال فیحفو لھم باجنحتھم۔

ترجمہ: اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ۔[702]

لہٰذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔ مشکوۃ اسی باب میں ہے۔

اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا وما ریاض الجنۃ قال حلق الذکر۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔[703]

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوۃ میں اسی باب میں ہے کہ۔

الشیطن جاثم علی قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ خنس۔

---

[702] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الاول ص ۱۹۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[703] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الثانی ۱۹۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔[704]

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہے گی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالتہ ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جس میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر پھر فرماتے ہیں:

لکن بعض المشائخ جوزو الذکر الجھری و رفع الصوت بالتعظیم قدام الجنازۃ وخلفھا لتلقین المیت والاموات والاحیاء وتنبیہ الغفلۃ والظلمۃ وازالۃ صداء القلوب وقسوتھا یحب الدنیا وریاستھا۔

ترجمہ: یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔[705]

لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العھود الحمدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ یقول اذا علم من الماشین مع الجنازۃ انھم لایترکون اللغو فی الجنازۃ ویشتغلون باحوال الدنیا فینبغی ان تامرھم بقول لاآلہ الا اللہ محمد

---

[704] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الثالث ۱۹۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)
[705] (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ج ۲ ص ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

رسول اللہ فان ذلک افضل من ترکه ولا ینبغی للفقیه ان ینکر ذلک الا بنص او اجماع فان للمسلمین الاذن العام من الشارع بقول لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ کل وقت شاء وا واللہ العجب من عمی قلب من ینکر مثل ھذا۔

ترجمہ: حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ ان کو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرے۔[706]

امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرماتے ہیں:

ولا نمکن احداً من اخواننا ینکر شیئاً ابتدعها المسلمون علی جهة القربة وراه حسناً لاسیما ما کان متعلقاً باللہ ورسوله کقول الناس امام الجنازة لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ او قرءة احد القرآن امامها ونحو ذلک فمن حرم ذلک فهو قاصر عن فهم الشریعة۔

ترجمہ: ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ ورسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت سمجھنے سے قاصر ہے۔[707]

---

[706] (فتاوی رضویہ جدید ج ۹ ص ۱۴۴ مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور)

[707] (الحدیقة الندیه شرح الطریقة المحمدیه الصنف الثالث ج ۲ ص ۴۰۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

پھر فرماتے ہیں:

وکلمة لا اله الاالله محمد رسول الله اکبر الحسنات فکیف یمنع منها و تامل احوال غالب الخلق الان فی الجنازة تجدهم مشغولین بحکایات الدنیا لم یعتبروا بالمیت وقلبهم غافل عن جمیع ما وقع له بل رءیت منهم من یضحک واذا تعارض عندنا مثل ذلک وکون ذلک لم یکن فی عهد رسول الله اقدمنا ذکر الله عزوجل بل کل حدیث لغو اولی من حدیث ابناء الدنیا فی الجنازة فلو صاح کل من فی الجنازة لا اله الاالله محمد رسول الله فلا اعتراض۔

ترجمہ: یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں میں بہتر نیکی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤگے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کرکے کہ یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کے ساتھ پکار کر نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیئے بلکہ دنیاداروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لا الہ الا اللہ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔[708]

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کردیا جاوے کہ ذکر الٰہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

---

[708](فتاوی رضویہ جدید ج ۹ ص ۱۴۴۔۱۴۵ مطبوعہ رضافاونڈیشن لاہور)

فصل در بیان
اقامت میں حی علی الفلاح تک بیٹھنا

بعض علماء اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو برا کہتے ہیں حالانکہ امام جب مسجد کے اندر ہو یعنی محراب کے قریب ہو تو اس وقت حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت مبارک، تابعین کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمھم اللہ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اور اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا فقہاء احناف رحمھم اللہ کے نزدیک بالاتفاق مکروہ ہیں۔ ترتیب وار دلائل حاضر ہیں۔

اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت مبارک ہے

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت عن علقمة عن أمه عن أم حبیبة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان فی بیتها فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوة نهض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الصلوة۔

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے اور موذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب موذن نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[709]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا اسحاق بن ابراهیم الدبری عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت یعنی ابن دینار عن علقمه عن أمه عن أم حبیبة ان رسول اللہ کان فی بیتها فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوة نهض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الصلوة۔

---

[709] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۸۱ رقم الحدیث ۱۸۵۱ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے اور موذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب موذن نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[710]

امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق عتیکی بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا محمد بن المثنی قال اخبرنا الحجاج بن فروخ عن العوام بن حوشب عن عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ قال کان بلال اذا قال قد قامت الصلوۃ نهض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالتکبیر۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ "قدقامت الصلوۃ" کہتے تھے تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم تکبیر کے ساتھ کھڑے ہوتے۔[711]

دیوبند مسلک کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

عن عبداللہ ابن ابی اوفی قال کان بلال اذا قال قدقامت الصلوۃ نهض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[712]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب قد قامت الصلوۃ کہتے تھے تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کھڑے ہوتے تھے۔[713]

---

[710] (المعجم الکبیر طبرانی ج۲۳ ص ۲۴۴ رقم الحدیث ۴۸۵ مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی عراق)، (کنز العمال ج۸ ص ۳۶۲ رقم الحدیث ۲۳۲۷۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)، (فتح الرحمن فی اثبات مذھب النعمان ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ بک لینڈ اردو بازار لاھور)

[711] (البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج۸ ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۳۳۷۱ مطبوعہ مکتبۃ العلوم و الحکم المدینۃ المنورۃ)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۲ ص ۶۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۳۵ رقم الحدیث ۲۲۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[712] (ذکرہ فی مجمع الزوائد عن مسند عبد الرزاق)

[713] (جواھر الفقہ ج ۱ ص ۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

نیز محمد شفیع دیوبندی اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

"چھٹی حدیث سے ایک خاص صورت یہ بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نماز سے پہلے ہی مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب موذن قد قامت الصلوۃ پر پہنچتا تھا اس سے ظاہر یہ ہے کہ عام صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اسی وقت کھڑے ہوتے ہوں گے۔"[714]

ظفر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

عن عبداللہ بن ابی اوفی قال اذا قال بلال قدقامت الصلوۃ نہض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر (أی متلبسا بہ ۱۲ منہ) رواہ البزار وفیہ الحجاج بن فروخ وہو ضعیف (مجمع الزوائد) قلت ذکرہ ابن حبان فی الثقات کما فی اللسان (۲:۱۷۹) فہو حسن الحدیث۔

ترجمہ: نعیم احمد دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں "عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ جب بلال رضی اللہ عنہ **قد قامت الصلوۃ** کہتے تو رسول اللہ ﷺ تکبیر کے ساتھ کھڑے ہو جاتے (یعنی مصلی پر کھڑے ہو کر تکبیر کہتے)"۔ اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں حجاج بن فروخ ہے جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد)۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے پس حدیث حسن ہے۔[715]

---

[714] (جواہر الفقہ ج ۱ ص ۳۱۵ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

[715] (اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی)، (احیاء السنن ترجمہ اعلاء السنن ج ۱ ص ۶۳۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

ورویناعن انس بن مالک انه اذا قیل قدقامت الصلوۃ وثب فقام وعن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما انه کان یفعل ذلک وهو قول عطاء والحسن۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قد قامت الصلوۃ کہا جاتا تو وہ جلدی سے کھڑے ہو جاتے اور حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے اور یہی عطاء اور حسن بصری کا قول ہے۔[716]

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حدثنا عثمان بن ابی شیبة قال حدثنا ابن المبارک عن ابی یعلی قال رأیت انس بن مالک اذا قیل قدقامت الصلوۃ قام فوثب۔

ترجمہ: حضرت ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب قدقامت الصلوۃ کہا گیا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے۔[717]

تابعین رحمہم اللہ کا فرمان مبارک

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ لکھتے ہیں:

عبد الرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء انه یقال اذا قال المؤذن قدقامت الصلوۃ فلیقم الناس حینئذ؟ قال نعم۔

---

[716] (السنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[717] (التمہید ابن عبد البر ج ۴ ص ۱۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (اکمال المعلم بفوائد مسلم شرح مسلم قاضی عیاض ج ۲ ص ۵۵۷ مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

ترجمہ: ابن جریج فرماتے ہیں میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو لوگ اس وقت کھڑے ہو جائیں؟ تو فرمایا ہاں۔[718]

عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابن علیة عن خالد عن ابی معشر عن ابراهیم قال: کان اذا قال المؤذن حی علی الصلوة قام فاذا قال قد قامت الصلوة کبر۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن (اقامت میں) حی علی الصلوة کہتا تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور مؤذن جب قد قامت الصلوة کہتا تو تکبیر کہتے۔[719]

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا عبداللہ، حدثنا عبدالحمید، حدثنا الخضر، حدثنا ابو بکر قال حدثنا سفیان بن عیینة عن ابن عجلان عن ابی عبید قال سمعته یقول سمعت عمر بن عبد العزیز بحناصرة یقول حین یقول المؤذن قد قامت الصلوة قوموا قد قامت الصلوة۔

ترجمہ: ابو عبید سے ابن عجلان بیان کرتے ہیں کہ ابو عبید نے کہا میں نے عمر بن عبد العزیز کو مقام حناصرة میں یہ فرماتے سنا ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوة کہے تو اس وقت کھڑے ہوا کرو۔[720]

[718](مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۰۵ رقم الحدیث ۱۹۳۶ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)
[719](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۴۲ رقم الحدیث ۴۰۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
[720](التمهید ج ۴ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے کہ جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو اور مؤذن حی علی الفلاح کہے تو سب لوگ صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور اسی پر تمام فقہاء احناف کا فتوی ہیں۔ چند حوالاجات ملاحظہ فرمائیں:

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ لکھتے ہیں:

عن ابیه عن ابی حنیفة عن طلحة عن ابراهیم النخعی انه قال اذا قال المؤذن حی علی الفلاح قام القوم فی الصف۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو قوم صف میں کھڑی ہو۔[721]

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

محمد قال اخبرنا ابو حنیفة قال حدّثنا طلحة بن مصرف عن ابراهیم قال اذا قال المؤذن "حی علی الفلاح" فانه ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا فاذا قال المؤذن "قد قامت الصلوة" کبر الامام قال محمد رحمة اللہ تعالی علیه و به نأخذ و هو قول أبی حنیفة رحمة اللہ تعالی علیه۔[722]

[721] (کتاب الآثار امام ابو یوسف ص ۱۹ مطبوعه المعارف النعمانیه قاهره)
[722] (کتاب الآثار امام محمد ص ۲۱ برقم ۶۳ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

ابو الفتح محمد صغیر الدین دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

طلحہ سے روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ جب موٴذن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو لائق ہے کہ اٹھ کھڑے ہوں اور صفیں باندھیں اور جب موٴذن قد قامت الصلوۃ کہے تو اس وقت امام تکبیر تحریمہ کہے امام محمد نے کہا کہ اس کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔[723]

استاد الفقیہہ الشیخ ابو الوفا افغانی اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

قلت و الحديث اخرجه الامام ابو يوسف فی آثار ص (١٩) و فی كتاب الاصل للامام محمد قلت فمتی يجب علی القوم ان يقوموا فی الصف قال اذا كان الامام معهم فی المسجد فانی احب لهم ان يقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح فاذا قال قد قامت الصلوة كبر الامام و كبر القوم معه۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کو امام ابو یوسف نے آثار ص (۱۹) میں اور امام محمد نے کتاب الاصل میں روایت کی میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں اور جب موٴذن قد قامت الصلوۃ کہے تو امام اور قوم تکبیر کہیں۔[724]

یہی امام محمد رضی اللہ عنہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

قلت فمتی يجب علی القوم ان يقوموا فی الصف؟ قال اذا كان الامام معهم فی المسجد فانی احب لهم ان يقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔

---

[723] (کتاب الاٰثار مترجم ص ۳۵۔۳۶ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

[724] (حاشیہ کتاب الاثار ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ المعارف الشرقیۃ چھتہ بازار حیدر آباد دکن ھند)

ترجمہ: میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں۔[725]

یہی امام محمد رضی اللہ عنہ اپنی تیسری کتاب میں لکھتے ہیں:

قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوۃ فیصفوا و یسووا الصفوف و یحاذوا بین المناکب۔[726]

دیوبندیوں کے استاد حدیث محمد حسن صدیقی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لوگوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اپنی صفیں سیدھی کریں اور اپنے کندھوں کو کندھوں سے ملائیں۔[727]

علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸٦ھ لکھتے ہیں:

قال محمد رحمہ اللہ فی "الاصل" اذا کان الامام مع القوم فی المسجد فانہ یقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔

ترجمہ: فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاصل میں کہ امام جب مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو کھڑے ہوں امام اور قوم حی علی الفلاح کے وقت۔ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک۔[728]

علامہ علاؤالدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

(و القیام) امام و مؤتم (حین قیل حی علی الفلاح)۔[729]

---

[725](کتاب الاصل المعروف بالمبسوط ج ۱ ص ۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی)
[726](مؤطا امام محمد ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)
[727](مؤطا امام محمد مترجم ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ حسّان کراچی)
[728](فتاوی تاتارخانیہ ج ۱ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
[729](الدر المختار ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

احسن نانوتوی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

اور مستحب ہے کھڑا ہونا امام اور مقتدی کو جب کہ تکبیر میں حی علی الفلاح کہا جائے۔[730]

علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قوله حين قيل حي على الفلاح كذا في الكنز و نور الايضاح و الاصلاح و الظهيرية و البدائع و غيرها و الذى فى الدرر فى متنا و شرحا عند الحيعله الاولى يعنى حين يقال حي على الصلوة و عزاه الشيخ اسماعيل فى شرحه الى عيون المذاهب و الفيض و الوقايه و النقايه و الحاوى و المختار اه قلت و اعتمده فى متن الملتقى و حكى الاول بقيل لكن نقل ابن الكمال تصحيح الاول و نص عبارته قال فى الذخيره يقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة۔

ترجمہ: امام اور مقتدیوں کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس کو کنز، نور الایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور درر کی متن اور شرح میں ہے کہ حی علی الصلوۃ پر قیام کریں۔ شیخ اسماعیل نے اپنی شرح عیون المذاہب اور فیض اور وقایہ اور نقایہ اور حاوی اور مختار میں نقل کیا میں کہتا ہوں کہ ملتقی کے متن میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اور ابن کمال نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا اور ذخیرہ میں کہا گیا ہے کہ امام اور مقتدی حضرات جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ علمائے ثلاثہ (یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) کے نزدیک۔[731]

[730](غاية الاوطار ج ا ص ۲۴۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)
[731](فتاوی شامی ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

ان کان المؤذن غیر الامام و کان القوم مع الامام فی المسجد فانه یقوم الامام و القوم اذا قال حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة و هو الصحیح۔[732]

سیّد امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

اگر مؤذن امام کے سوا کوئی اور ہو اور نمازی مع امام کے مسجد کے اندر ہوں تو مؤذن جس وقت اقامت میں حی علی الفلاح کہے اس وقت ہمارے تینوں علماء کے نزدیک امام اور مقتدی کھڑے ہو جاویں۔ یہی صحیح ہے۔[733]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اس لئے اس کے بعد کسی حنفی کو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے کا حق نہیں۔

فقیہ اعظم مفتی امجد علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یہ مسئلہ حاضرہ ایسا ہے کہ خود امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالی کے اقوال اس کے متعلق موجود ہیں۔ ائمہ ثلاثہ بالاتفاق فرمارہے ہیں کہ امام و مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کہے۔ شروع سے کھڑے ہو جانا نہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول۔ پس حنفی کو چون و چرا ان کی اصلاً گنجائش نہیں"۔[734]

---

[732](فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳۔۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[733](فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)
[734](فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

اب رہا اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کا مسئلہ تو اس کو بھی تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ بھی اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرزاق عن التیمی، عن ابی عامر، عن معاویة ابن قرة قالوا: کانوا یکرھون ان ینھض الرجل الی الصلوۃ حین یاخذ المؤذن فی اقامتہ۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن قرہ (تابعی) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ و تابعین) اس کو مکروہ جانتے تھے کہ نماز میں مؤذن کے اقامت شروع کرتے ہی اٹھ کھڑا ہو۔[735]

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن عطیة قال کنا جلوسا عند ابن عمر فلما اخذ المؤذن فی الاقامة قمنا فقال ابن عمر اجلسوا فاذا قال قد قامت الصلوۃ فقوموا۔

ترجمہ: عطیہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اقامت کہنا شروع کر دی تو ہم کھڑے ہوگئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ جب وہ قد قامت الصلوۃ کہے تو کھڑے ہونا۔[736]

---

[735] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۸۱۔۴۸۲ رقم الحدیث ۱۸۵۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[736] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۰۶ رقم الحدیث ۱۹۴۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (جامع الاحادیث الکبیر للسیوطی ج ۲۰ ص ۳۹۱ رقم الحدیث ۱۷۳۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان مبارک

عن الحسن انہ کرہ ان یقوم الامام حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آپ مکروہ سمجھتے تھے کہ امام مؤذن کے قد قامت الصلوۃ کہنے سے پہلے کھڑا ہو۔[737]

امام عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

و کان عمر رضی اللہ عنہ یقول لا تقوموا للصلوۃ حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مؤذن جب تک قد قامت الصلوۃ نہ کہے نماز کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔[738]

امام بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

کرہ ھشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت ہشام ابن عروہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے۔[739]

امام شمس الدین بخاری متوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

و فی الکلام ایماء الی انہ لو دخل المسجد احد عند الاقامۃ یقعد لکراھۃ القیام و الانتظار کما فی المضمرات۔

---

[737] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۴۰۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
[738] (کشف الغمہ امام شعرانی ص ۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
[739] (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کے دوران مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔[740]

علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ویکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: آدمی کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو جائے۔[741]

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

اذا دخل الرجل عند الاقامة یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذا فی المضمرات۔[742]

مولوی امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اقامت کے وقت (مسجد میں) داخل ہو جائے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح تک پہنچے تو پھر کھڑا ہو جائے۔[743]

علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

واذا اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل المسجد فانه یقعد ولا ینتظر قائما فانه مکروہ کما فی المضمرات قهستانی ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون۔

---

[740](جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[741](رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۲۹۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[742](فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[743](فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

ترجمہ: جب مؤذن اقامت شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ اس سے اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہونے کا مکروہ ہونا ثابت ہوا حالانکہ لوگ اس (مسئلے) سے غافل ہیں۔[744]

ان دلائل سے اظہر من الشمس کی طرح واضح ہوا کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ کسی چیز سے منع کرے اور فقہاء احناف رحمہم اللہ بھی اس منع کرے اور اس کو مطلق مکروہ کہے تو اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔

فصل در بیان
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ کی تاریخ میلاد

بعض علماء کہتے ہیں ۱۲ ربیع الاول حضور ﷺ کا یوم وفات ہے اور ولادت کی تاریخ کتب احادیث میں نو (۹) کی ہی روایتیں آتی ہیں بارہ ربیع الاول کو ولادت باسعادت کے متعلق کوئی حدیث نہیں ملتی اس لیے بارہ ربیع الاول کو خوشی منانا وفات کی خوشی منانا ہے؟ حالانکہ عام مشہور یہ ہے کہ ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے اس کے علاوہ بھی ولادت کی تاریخیں دور بیع الاول اور نو ربیع الاول بھی کتب میں پائی جاتی ہیں لیکن اکثر مورخین اور تقریباً تمام متاخرین کے نزدیک ولادت النبی ﷺ پیر کے روز ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی یہی صحیح ہے۔ اور اگرچہ بعض کتب میں وصال شریف ۱۲ ربیع الاول مذکور ہے لیکن محققین نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور صحیح تحقیق کے مطابق وصال شریف کی تاریخ ۲ ربیع الاول ہے۔ ہمارے دور میں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن بارہ ربیع الاول کو جلسے جلوس زوروں پر ہوتے ہیں ہزاروں عیدوں سے بڑھ کر خوشی کا سماں ہوتا ہے وہابی دیوبندی

---

[744] (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۲۵ مطبوعہ مکتبہ انصاریہ کابل افغانستان)

اس کے بر عکس بدعت کی رٹ لگاتے رہے اب نیا شوشہ چھوڑا کہ ۱۲ ربیع الاول کو تو حضور ﷺ کی وفات ہے لہٰذا اس دن خوشی منانے کا کوئی فائدہ نہیں یہ تو غم کا مہینہ ہے اور ہمارے علاقے میں ایک دیوبندی عالم نے اپنے ایک مقتدی کو اس مہینہ میں شادی کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ یہ غم کا مہینہ ہے اس لئے اس مہینہ میں کوئی خوشی کا کام نہ کرو۔

چالاک دیوبندی

دیوبندی بڑے چالاک ہیں اس طرح کے اختلافات سے یہ عوام کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ کو چھپا دیتے ہیں اور تاریخ کا اختلاف یا کتاب اس کی نہیں اس کی ہے اس اختلاف سے یہ لوگ اصل مسئلہ کو چھپا دیتے ہیں۔ جشن عید میلاد النبی ﷺ کی تاریخ میں اختلاف ڈال کر یہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھئے حضور ﷺ کی پیدائش ۲ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور یہ بریلوی لوگ ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں۔ دیوبندیو! تاریخ کا اختلاف ڈال کر تم لوگ اپنے شیطانی عقیدے میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہو اس لئے تاریخ کے اختلاف سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اگر آپ لوگوں کے نزدیک حضور ﷺ کی پیدائش کی تاریخ ۲ ربیع الاول ہے تو تم لوگ ۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ منایا کرو۔ ہمارے نزدیک ۱۲ ربیع الاول ہے ہم ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں۔ تاریخ کے اختلاف سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح کتاب کے مصنف میں اختلاف ہونے سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دیکھئے امام حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں بہت بڑا اختلاف ہے تو کیا دیوبندی یہ کہیں گے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہی نہیں ہوئی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

قال الواقدی مات سنة تسع و اربعین و قال المدائنی مات سنة خمسین و قیل سنة احدی وخمسین و قال الھیثم بن عدی سنة اربع و اربعین و قال بن مندہ مات سنة تسع و اربعین و قیل خمسین و قیل سنة ثمان و خمسین۔ [745]

ان لوگوں کے دلوں میں بغضِ رسول ہے اور میلاد النبی ﷺ کی خوشی کے منکر ہیں ان کے دلوں میں حضور ﷺ کی محبت نہیں اور اس قسم کے دھوکے دے کر نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی سے لوگوں کو روکنے کی ہمیشہ کوشش کرتے ہیں لیکن ان سب کی اس قسم کی کوششوں کے باوجود پوری دنیا میں اور خصوصاً ملک پاکستان میں بارہ ربیع الاول کو ہی ولادت باسعادت کی خوشی منائی جاتی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک سرکار ﷺ کا میلاد منایا جاتا رہے گا یہ منع کرنے والے ختم ہو جائیں گے مگر میلاد مصطفی ﷺ ہمیشہ رہے گا۔

صدائیں درودوں کی آتی رہے گی جنہیں سن کے دل شاد ہوتا رہے گا
خدا اہل سنت کو آباد رکھے محمد ﷺ کا میلاد ہوتا رہے گا

بدنصیب گروہ

میلاد کے دشمن وہ بدنصیب گروہ ہے جو اپنے آپ کو سرکار دو عالم ﷺ کا امتی کہلواتے ہیں لیکن یہ اتنے بدنصیب ہیں کہ اپنے نبی ﷺ کے میلاد کا ذکر سنتے ہی ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں اور میلاد کو بند کرنے کے لیے طرح طرح کے بہانے اور کوششیں کرتے رہتے ہیں۔

لیکن دوسری طرف دیکھئے کہ اس میلاد کو کفار نے بھی منایا اور اس سے فائدہ حاصل کیا۔

---

[745] (الاصابة فی تمیز الصحابة ذکر حسن بن علی رضی اللہ عنہما ج ۲ ص ۶۳ برقم ۱۷۲۱ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (تھذیب الکمال ج ۶ ص ۲۵۷ برقم ۱۲۴۸ مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت)

کفار نے بھی میلاد منایا

بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب و امھاتکم التی ارضعنکم و ما یحرم من الرضاعته میں ہے:

فلما مات ابو لھب اریه بعض اھله بشر ھیئة قال له ماذا لقیت قال ابو لھب لم الق بعدکم خیرا انی سقیت فی ھذہ بعتاقتی ثویبة۔

ترجمہ: جب ابو لہب مر گیا تو اس کو اس کے بعض گھر والوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری؟ ابو لہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی۔ ہاں مجھے اس کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ کیونکہ میں نے ثویبہ لونڈی کو آزاد کیا تھا۔[746]

بات یہ تھی کہ ابو لہب حضرت عبد اللہ کا بھائی تھا۔ اس کی لونڈی ثوبیہ نے آکر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبد اللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے۔ ﷺ۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی کو اشارے سے آزاد کر دیا۔ لونڈی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب دوزخ میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چوستا ہے۔ پیاس بجھ جاتی ہے۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔ ہم مومن۔ وہ دشمن تھا ہم ان کے بندے بے دام۔ اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی۔ نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں ﷺ۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

[746] (صحیح بخاری کتاب النکاح باب و امھاتکم اللاتی ارضعنکم ج ۵ ص ۱۹۶۱ رقم الحدیث ۴۸۱۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۷۸ رقم الحدیث ۱۳۹۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیھقی ج ۷ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۱۳۷۰۱ مطبوعہ مکتبة دار الباز مکة المکرمة)، (شعب الایمان للبیھقی ج ۱ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۲۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)

حافظ امام جزری

حافظ شمس الدین محمد بن عبد اللہ جزری متوفی ٦٦٠ھ لکھتے ہیں:

فاذا کان ابو لھب الکافر الذی نزل القران بذمه جوزی فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ﷺ به فما حال المسلم الموحد من امة النبی ﷺ یسر بمولده وبذل ما تصل الیه قدرته فی محبته ا؟ لعمری انما یکون جزاؤه من اللہ الکریم ان یدخله بفضله جنات النعیم۔

ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اجر میں اس ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس کی مذمت میں قرآن حکیم میں ایک مکمل سورت نازل ہوئی ہے۔ تو امت محمدیہ کے اس مسلمان کو ملنے والے اجر وثواب کا کیا عالم ہو گا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت وعشق میں حسب استطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو اپنے حبیب مکرم ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔[747]

امام صالحی

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ٩٤٢ھ لکھتے ہیں:

کان اول من فعل بالموصل عمر بن محمد الملاء احد الصالحین المشهورین وبه اقتدی فی ذلک اربل وغیرهم رحمهم اللہ تعالی۔

[747] (الحاوی للفتاویٰ ص ٢٠٦)، (سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ ج ١ ص ٣٦٦۔٣٦٧ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

ترجمہ: پہلا شخص جنھوں نے اہتمام اور شان و شوکت سے موصل میں محفل میلاد منائی وہ شیخ عمر بن محمد تھے جو مشہور صالحین میں سے تھے اور صاحب اربل ابوسعید مظفر اور ان کے علاوہ دوسروں نے اس عمل میں ان کی پیروی کی ہے۔[748]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی

مدارج النبوۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرماکر فرماتے ہیں:

دریں جا سند است مراہل موالید راکہ درشب میلاد آں سرور سرور کنند وبذل نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلماں کہ مملواست بمحبت وسرور و بذل مال دروے چہ باشد لیکن باید کہ ازبدعت ہاکہ عوام احداث کردہ انداز تغنی وآلات محرمہ و منکرات خالی باشد۔

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا حال ہو گا جو محبت وخوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہئیے کہ محفل میلاد شریف عوام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو۔

---

[748](سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۳۶۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضور ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی

حضور ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتمال ہے کہ عام الفیل سے مراد وہ دن ہو جس دن اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو کعبہ پر حملہ کرنے سے روکا اور جو لوگ ان کو لائے تھے ان کو تہس نہس کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ سال ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حَدَّثنَا يَعْقُوب، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ ابْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: فَحَدَّثَنِي الْمُطَّلِبُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: "وُلِدْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيلِ، فَنَحْنُ لِدَانِ، وُلِدْنَا مَوْلِدًا وَاحِدًا"۔

ترجمہ: حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ہاتھیوں کے لشکر والے سال میں پیدا ہوئے تھے ہماری پیدائش ایک سال میں ہوئی ہے۔[749]

حضور ﷺ کی ولادت پیر کے دن ہوئی

اسی طرح اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت پیر کو ہوئی۔

امام مسلم بن حجاج متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وسئل عن صوم یوم الاثنین قال ذاک یوم ولدت فیه ویوم بعثت و انزل علی فیه۔

---

[749] (مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن الترمذی باب ماجاء فی میلاد النبی ﷺ ج ۵ ص ۵۸۹ رقم الحدیث ۳۶۱۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (الاحاد والمثانی ج ۱ ص ۳۵۵ رقم الحدیث ۴۷۸ مطبوعہ دار الرایۃ الریاض)، (طبرانی کبیر ج ۱۸ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۸۷۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۰۳ مطبوعہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۱ مطبوعہ دارصادر بیروت)، (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۷۶۔۷۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: حضور ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز میری بعثت ہوئی اور اسی روز میرے اوپر قرآن نازل کیا گیا۔[750]

محمود پاشا فلکی مصری

محمود پاشا فلکی مصری ۱۸۸۵ء لکھتے ہیں:

وکان یوم ولادته ﷺ یوم الاثنین کما ھو المتفق علیه باجماع الآراء۔[751]

حضور ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی

اور تقریباً اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ بعض علماء نے رمضان اور بعض نے محرم بھی لکھا ہے لیکن یہ جمہور کے خلاف ہے اس لئے اکثر علماء نے اس مجہول اقوال کو رد کیا ہے۔ صرف تاریخ میں اختلاف ہے۔ مگر مضبوط و مستند دلائل کے ساتھ ۱۲ ربیع الاول ولادت ثابت ہے اور تقریباً جمہور کے نزدیک یہی تاریخ ولادت شریف ہے۔ جو ان شاءاللہ تعالیٰ آگے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس رسالہ میں دو فصلیں ہیں اور ایک خاتمہ ہے پہلی فصل تاریخ ولادت کی تحقیق میں، دوسری فصل تاریخ وفات کی تحقیق میں۔ اور خاتمہ میں یوم جمعہ آدم علیہ السلام کی وفات ہونے کے باوجود یوم عید بھی ہے۔

---

[750] (صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلثة ایام من کل شهر ج ۲ ص ۸۱۹ رقم الحدیث ۱۱۶۲ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیهقی ج ۴ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۸۱۸۲ مطبوعه مکتبة دار الباز مکة المکرمة)، (سنن الکبری للنسائی ج ۲ ص ۱۴۶ رقم الحدیث ۲۷۷۷ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)، (مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۶-۲۹۷ رقم الحدیث ۲۲۵۹۰ مطبوعه)، (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۹۶ رقم الحدیث ۷۸۶۵ مطبوعه المکتب الاسلامی بیروت)، (مسند ابویعلیٰ ج ۱ ص ۱۳۴ رقم الحدیث ۱۴۴ مطبوعه دار المامون للتراث دمشق)

[751] (التقویم العربی قبل الاسلام وتاریخ میلاد الرسول وهجرته البحث الثالث فی مولد النبی محمد ﷺ ص ۴۴ مطبوعه جمادی الاولی سنة ۱۳۸۹ھ سلسلة البحوث الاسلامیة مصر)

تاریخ ولادت کی تحقیق میں صحابی رسول جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول

ابن ابی شیبہ

امام ابو بکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ لکھتے ہیں:

عن عفان عن سعید بن مینا عن جابر و ابن عباس انهما قالا ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل یوم الاثنین الثانی عشر من شهر ربیع الاول۔

ترجمہ: امام عفان سے روایت ہے کہ وہ سعید بن مینا سے راوی کہ جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں پیر کے روز بارہویں ربیع الاول کو ہوئی۔[752]

ابن کثیر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں:

ورواه ابن ابی شیبة فی مصنفه عن عفان عن سعید بن مینا عن جابر و ابن عباس انهما قالا ولد رسول اللہ عام الفیل یوم الاثنین الثانی عشر من شهر ربیع الاول۔

ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا عفان سے انہوں نے سعید بن مینا سے انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور ﷺ کی ولادت عام فیل پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے کی بارہ تاریخ میں ہوئی۔[753]

---

[752] (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ج ۲ ص ۱۸۹ مطبوعہ بیروت)

[753] (البدایۃ والنہایۃ باب مولد رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

امام صالحی

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن جابر و ابن عباس قال فی الغرر وھو الذی عمل العمل۔[754]

اس روایت کی سند صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس روایت میں تین راوی ہیں۔

پہلا راوی امام ابن ابی شیبہ

امام ذہبی علیہ الرحمہ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

الحافظ الکبیر الحجۃ ابو بکر حدث عنہ احمد بن حنبل و البخاری و ابو القاسم البغوی و الناس و وثقہ الجماعۃ۔

ترجمہ: آپ حافظ کبیر اور حجت ہیں۔ امام بخاری اور احمد بن حنبل کے استاد ہیں اور محدثین کی ایک پوری جماعت نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔[755]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقال احمد: صدوق۔

ترجمہ: امام احمد نے فرمایا ابو بکر بن ابی شیبہ صدوق ہے یعنی سچا ہے۔

وقال العجلی: ثقۃ و کان حافظا للحدیث۔

ترجمہ: امام عجلی نے کہا آپ ثقہ ہیں۔ کہ آپ حدیث کے حافظ ہیں۔

وقال ابو حاتم و ابن خراش: ثقۃ۔

ترجمہ: امام ابو حاتم اور امام ابن خراش نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔

---

[754] (سبل الھدی و الرشاد الباب الرابع فی تاریخہ مولدہ او مکانہ ج ۱ ص ۳۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[755] (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۷۷ ۳ برقم ۴۹۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابن معین نے کہا:

ابو بکر عندنا صدوق۔

ترجمہ: کہ ہمارے نزدیک ابو بکر سچے راوی ہیں۔

امام ابن حبان نے آپ کو ثقات میں داخل کیا ہے۔ امام ابن قانع نے کہا آپ ثقہ ثبت ہیں۔
آخر میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے آپ سے تیس حدیثیں روایت کی ہیں جبکہ امام مسلم علیہ الرحمۃ نے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث آپ سے روایت کی ہیں۔[756]

دوسرا راوی عفان

یہ امام عفان بن مسلم ہے اور یہ صحاح ستہ کے راوی ہے۔

امام حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزی متوفی ۷۴۲ھ روایت کرتے ہیں:

قال احمد بن عبد اللہ العجلی عفان بن مسلم بصری ثقة ثبت صاحب سنة۔

ترجمہ: احمد بن عبد اللہ عجلی فرماتے ہیں عفان بن مسلم بصری ثقہ ثبت صاحب سنہ ہے۔[757]

امام ابو حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

قال ابو محمد سالت ابی عن عفان فقال ثقة متقن متین۔[758]

---

[756](تهذيب التهذيب ج۳ص ۲۵۲۔۲۵۳ برقم ۴۰۴۹ مطبوعه دار احياء التراث العربی بيروت)

[757](تهذيب الكمال ج ۲۰ ص ۱۶۴ برقم ۳۹۶۴ مطبوعه موسسة الرسالة بيروت)، (تهذيب التهذيب لابن حجر عسقلانی ج ۷ ص ۲۰۵ برقم ۴۲۴ مطبوعه دار الفكر بيروت)، (معرفة الثقات للعجلی ج ۲ ص ۱۴۰ برقم ۱۲۵۶ مطبوعه مكتبة الدار المدينة المنورة)، (التاريخ الكبير للبخاری ج۷ص ۷۲ برقم ۱۳۳ مطبوعه دار الفكر بيروت)

[758](الجرح والتعديل ج۷ص ۳۰ برقم ۱۶۵ مطبوعه دار احياء التراث العربی بيروت)

تیسرا راوی سعید بن مینا

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سعید بن مینا مولی البختری بن ابی ذباب الحجازی مکی او مدنی الغرماء ابا الولید ثقة من الثالثة۔[759]

امام حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزی متوفی ۷۴۲ھ روایت کرتے ہیں:

قال عبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیه عن اسحاق بن منصور عن یحییٰ بن معین و ابو حاتم ثقة ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات۔[760]

جلیل القدر تابعی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول

علامہ محمود پاشا فلکی مصری ۱۸۸۵ء لکھتے ہیں:

وعن سعید بن المسیب ولد رسول اللہ عند ابهیر النهار ای وسطه وکان ذلک الیوم لمضی ثنتی عشرة لیلة من ربیع الاول ای وکان فی فصل الربیع وقد اشار لذلک بعضهم بقوله:

یقول لنا لسان الحال منه	وقول الحق یعذب للسمیع
فوجهی والزمان وشهر وضعی	ربیع فی ربیع فی ربیع

قال وحکی الاجماع علیه، وعلیه العمل الآن ای فی الامصار خصوصا اهل مکة فی زیارتهم موضع مولده۔[761]

---

[759] (تقریب التهذیب ص ۲۴۱ برقم ۲۴۰۳ مطبوعه دارالرشید سوریا)، (التاریخ الکبیر للبخاری ج ۳ ص ۵۱۲ برقم ۱۷۰۱ مطبوعه دارالفکر بیروت)

[760] (تهذیب الکمال ج ۱۱ ص ۸۵ برقم ۲۳۶۵ مطبوعه موسسة الرسالة بیروت)

[761] (التقویم العربی قبل الاسلام وتاریخ میلاد الرسول وهجرته ﷺ البحث الثالث فی مولد النبی محمد ﷺ ص ۳۳۔ ۳۴ مطبوعه جمادی الاولی سنة ۱۳۸۹ ھ سلسلة البحوث الاسلامیة مصر)

امام المغازی محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول

سیرت ابن ہشام

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق يحدد الميلاد قال حدثنا ابو محمد عبد الملک ابن هشام قال حدثنا زياد بن عبدالله البکائی محمد بن اسحاق المطلبی قال ولد رسول الله ﷺ يوم الاثنين لاثنتی عشرة ليلة خلت من شهر ربيع الاول عام الفيل۔

ترجمہ: امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول پیر کے روز عام الفیل میں پیدا ہوئے۔[762]

امام طبری

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حدثنا ابن حميد قال حدثنا سلمة قال حدثنی ابن اسحاق ولد رسول الله ﷺ يوم الاثنين عام الفيل لاثنتی عشرة ليلة مضت من شهر ربيع الاول۔

ترجمہ: امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ پیدا ہوئے۔[763]

---

[762] (السیرۃ النبویہ لابن ھشام باب ولادۃ رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۲۹۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[763] (تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۴۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام حاکم

امام محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو الحسن محمد بن احمد بن شبویه الرئیس بمرو حدثنا جعفر بن محمد النیسابوری حدثنا علی بن مهران حدثنا سلمة بن الفضل عن محمد بن اسحاق قال ولد رسول اللہ الاثنتی عشر لیلة مضت من شهر ربیع الاول۔[764]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیتے ہیں۔[765]

اسی طرح ڈاکٹر محمود مطرجی امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال الذهبی فی التلخیص علی شرط مسلم۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیتے ہیں۔[766]

امام بیہقی

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابو الحسن بن الفضل قال حدثنا عبد اللہ بن جعفر قال حدثنا یعقوب بن سفیان قال حدثنی عمار بن الحسن النسائی قال حدثنی سلمة بن الفضل قال قال محمد بن اسحاق ولد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین عام الفیل لاثنتی عشرة لیلة مضت من شهر ربیع الاول۔[767]

---

764 (المستدرک علی الصحیحین کتاب تواریخ المتقدمین باب ذکر اخبار سید المرسلین ج ۲ ص ۶۵۹ رقم الحدیث ۴۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (السیوۃ النبوۃ لابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

765 (تلخیص المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۶۰۳ مطبوعہ بیروت)

766 (حاشیۃ المستدرک علی الصحیحین ج ۳ ص ۲۰۴ رقم الحدیث ۴۲۳۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

767 (دلائل النبوۃ للبیہقی باب اشهر الذی ولد فیہ ج ۱ ص ۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۵ رقم الحدیث ۱۳۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

امام ابن الاثیر

علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

قال ابن اسحاق ولد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من ربیع الاول وکان مولدہ بالدار التی تعرف بدار ابن یوسف۔

ترجمہ: امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اس حویلی میں ہوئی جو ابن یوسف کے نام سے مشہور ہے۔[768]

امام طاہر مقدسی

امام مطہر بن طاہر المقدسی متوفی ۵۰۷ھ لکھتے ہیں:

وقال ابن اسحاق لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شھر ربیع الاول۔[769]

امام ابن عساکر

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

وفی حدیث ابن المقری قال ابن اسحاق ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شھر ربیع الاول۔[770]

---

[768] (الکامل فی التاریخ لابن اثیر باب ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۳۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[769] (البداء والتاریخ ج ۴ ص ۱۳۲ مطبوعہ مکتبۃ الثقافیۃ الدینیۃ القاھرۃ)

[770] (تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر مولد النبی علیہ الصلوۃ والسلام و معرفۃ من کفلہ وما کان امرہ... ج ۲ جز ۳ ص ۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (السیرۃ النبوۃ لابن عساکر ج ۲ جز ۳ ص ۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن کثیر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں:

وقیل لثنتی عشرة خلت منه نص علیه ابن اسحاق۔

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت شریف بارہ ربیع الاول کو ہوئی جس پر امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے نص قائم کی۔[771]

امام صالحی

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

قال ابن اسحاق رحمه اللّٰہ تعالی لاثنتی عشرة لیلة [خلت] منه۔[772]

امام ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۷۱ھ روض الانف کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

ومحمد بن اسحق هذا۔ رحمه اللّٰہ ثبت فی الحدیث عند اکثر العلماء واما فی المغازی والسیر فلاتجهل امامته فیها قال ابن شهاب الزهری من اراد المغازی فعلیه بابن اسحق ذکره البخاری فی التاریخ وذکر عن سفیان بن عینیه انه قال ما ادرکت احداًیتهم ابن اسحق فی حدیثه وذکر ایضاً عن شعبة بن الحجاج انه قال ابن اسحق امیر المؤمنین یعنی فی الحدیث وذکر ابویحیی الساجی رحمه اللّٰہ باسناد له عن الزهری انه قال خرج الی قریته باذام فخرج الیه طلاب الحدیث فقال لهم این انتم من الغلام الاحول او قد خلفت فیکم الغلام الاحول یعنی ابن اسحق وذکر الساجی ایضاًقال کان اصحاب الزهری یلجؤون الی محمد بن اسحق فیما شکوا فیه بحفظه هذا معنی کلام الساجی نقلته من حفظی لا من کتاب۔ وذکر عن یحیی بن معین واحمد بن حنبل ویحیی بن سعید القطان انهم وثقوا ابن اسحق واحتجوا بحدیثه۔ وذکر

---

[771] (البدایة والنهایة باب مولد رسول اللّٰہ ﷺ ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[772] (سبل الهدی والرشاد الباب الرابع فی تاریخه مولده ﷺ ومکانه ج ۱ ص ۳۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علی بن عمر الدار قطنی فی السنن حدیث القلتین من جمع طرقه و ما فیه من الاضطراب ثم قال فی حدیث جری و هذا یدل علی حفظ محمد بن اسحق و شدة اتقانه۔

ترجمہ: یہی محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکثر علماء کے نزدیک حدیث میں حجت ہیں۔ جہاں تک مغازی اور سیر کا تعلق ہے ان میں ان کی قیادت مشہور ہے۔ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے مغازی کے متعلق پڑھنا ہو وہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرے۔ اس قول کو امام بخاری نے "تاریخ" میں ذکر کیا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو حدیث میں ابن اسحاق پر تہمت لگاتا ہو۔ حضرت شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے امیر المؤمنین ہیں۔ حضرت ابو یحییٰ ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنی بستی "باذام" کی طرف تشریف لے گئے۔ حدیث مبارک کے طالب علم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا وہ بھینگا لڑکا تم سے کہاں چلا گیا یا میں بھینگا لڑکا تم میں جانشین بنا کر گیا تھا۔ حضرت ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ذکر کیا ہے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں کو جب امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں شک پڑتا تو وہ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف پناہ لیتے۔ وہ ان میں حافظہ کے اعتبار سے ثقہ تھے۔ علامہ ساجی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات میں نے اپنی یادداشت سے لکھی ہے کسی کتاب سے نقل نہیں کی۔ حضرت یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن سعید القطان رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ یہ سب ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو ثقہ سمجھتے تھے۔ وہ ان کی حدیث سے استدلال کرتے تھے۔ علی بن عمر دار القطنی نے "السنن" میں قلتین کی حدیث تمام اسناد کے ساتھ ذکر کی ہے

اور اس کا اضطراب بھی بیان کیا ہے پھر لکھا ہے۔ یہ بات محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے حافظے اور ان کی پختگی کی شدت پر دلالت کرتی ہے۔[773]

نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کے بعد لکھتے ہیں:

وذکر ان یحیی بن سعید الانصاری شیخ مالک روی عن ابن اسحق قال وروی عنه سفیان الثوری والحمادان حمادبن دینار سلمةبن دینار و حمادبن زیدبن درهم وشعبةوذکر عن الشافعی رضی الله عنه انه قال من اراد ان یتجب فی المغازی فهو عیال علی محمد بن اسحق فهذاما بلغنا عن محمدبن اسحق رحمه الله۔

ترجمہ: یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت یحیٰ بن سعید انصاری نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے حماد بن سلمہ بن دینار حماد بن درہم اور شعبہ رحمہم اللہ نے بھی ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جو مغازی کا عالم بننا چاہتا ہے وہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا محتاج ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہمیں یہی کچھ ملا ہے۔[774]

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

یونس بن بکیر فرماتے ہیں میں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں:

محمدبن اسحاق امیر المحدثین بحفظه۔

ترجمہ: امیر المحدثین محمد بن اسحاق حافظہ والے تھے۔[775]

---

[773](روض الانف مع سیرۃ النبویۃ لامام ابن ھشام ترجمۃ ابن اسحق ج ۱ ص ۱۹ ـ ۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[774](روض الانف مع سیرۃ النبویۃ لامام ابن ھشام ترجمۃ ابن اسحق ج ۱ ص ۱۹ ـ ۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[775](التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۴۰ برقم ۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبد الرحمن بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں۔

اسماعیل بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں:

محمد بن اسحاق صدوق فی الحدیث۔

ترجمہ: محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں سچے تھے۔[776]

حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

و قال ابن عیینۃ سمعت شعبۃ یقول محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث۔

ترجمہ: امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فن حدیث میں امیر المؤمنین ہے۔[777]

سید السادات امام باقر رضی اللہ عنہ کا قول

ابن سعد

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی جعفر محمد بن علی قال ولد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین لعشر لیال خلون من شهر ربیع الاول و کان قدوم اصحاب الفیل قبل ذلک للنصف من المحرم فبین الفیل و مولد رسول اللہ ﷺ خمس و خمسون لیلۃ۔

---

[776] (الجرح و التعدیل باب من روی عنه العلم ممن یسمی محمد و اسم ابیه اسحاق ج ۷ ص ۱۹۲ برقم ۱۰۸۷ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)

[777] (تهذیب التهذیب ج ۹ ص ۳۹ مطبوعه دار الفکر بیروت)

ترجمہ: امام باقر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی اور ہاتھیوں کا لشکر لے کر ابرہہ نصف محرم کو مکہ شریف پہنچا لہٰذا حضور ﷺ کی ولادت باسعادت اور ابرہہ کے لشکر لانے کے درمیان پچپن راتوں کا فاصلہ ہے۔[778]

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ امام باقر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

وروی ان ابا جعفر کان یصلی فی الیوم واللیلة مائة وخمسین رکعة۔[779]

اہل قریش کا قول

امام ابن عساکر

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

قال انبانا الزبیر بن بکار قال وحدثنی ایضاً محمد بن الحسن عن عبد السلام بن عبد اللہ عن معروف بن خربوذ وغیرہ من اہل العلم قالوا ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل وسمیت قریش آل اللہ وعظمت فی العرب ولد لاثنتی عشرة لیلة مضت من شہر ربیع الاول۔[780]

---

[778] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۰۔ ۱۰۱ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۲ جز ۳ ص ۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (السیرة النبوة لابن عساکر ج ۳ ص ۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[779] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام الطبقة الثانیة عشرة جدید ج ۳ ص ۴۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[780] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ جز ۳ ص ۱۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (السیرة النبوة لابن عساکر ج ۲ جز ۳ ص ۱۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ذہبی

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

وقال الزبير بن بكار حدثنا محمد بن حسن عن عبدالسلام بن عبدالله عن معروف بن خربوذ وغيره من اهل العلم قالوا ولد رسول الله ﷺ عام الفيل وسميت قريش آل الله وعظمت في العرب وولد لاثنتي عشرة ليلة مضت من ربيع الاول۔[781]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ لکھتے ہیں:

والرابع لاثنتي عشرة خلت منه۔

ترجمہ: چوتھا قول یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔[782]

امام المحدثین وفقہاء، تدبر، تفقہ، بصیرت وفراست، ایقان وعرفان علم وفضل میں یکتائے روزگار، علم حدیث وفقہ کے عظیم امام وپیشوا جن کو دنیا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے جن کے فیضان حدیث وفقہ سے دنیا مستفید اور فیض یاب ہورہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

محمد بن سہل بن عسکر کا بیان ہے کہ حافظ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے زیادہ کسی کو پرہیز گار ومتقی دیکھا ہے۔[783]

---

[781] (تاریخ الاسلام ووفيات المشاهير والاعلام ذكر ترجمة السيرة النبوة ج ۱ ص ۲۷۶ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)

[782] (مسائل الامام احمد ج ۱ ص ۱۴ مطبوعه الدار العلمية دلهي)

[783] (مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۲۹)، (تهذيب التهذيب ج ۱ ص ۷۳)

عبید اللہ بن عمر قواریری کا بیان ہے کہ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرے پاس بغداد سے کوئی ایسا شخص نہیں آیا جو مجھے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ محبوب ہو۔[784]

محمد بن مشکان کا بیان ہے کہ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے پاس احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی شخص نہیں آیا۔[785]

ابو عثمان الرقی کا بیان ہے کہ میں نے ہیثم بن جمیل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے فرمایا اگر یہ نوجوان احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ زندہ رہا تو عنقریب اپنے اہل زمانہ پر حجت ہو گا۔[786]

اسد خشاب کا بیان ہے کہ میں نے ہیثم بن جمیل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میری عمر میں سے کم کر کے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی عمر میں اضافہ کر دے پھر آپ نے ایک شخص سے کہا کہ تم مجھ سے پوچھو کہ میں نے ایسی بات کیوں کہی؟ یہ احمد بن حنبل ایسے انسان ہیں جن سے مسلمان نفع حاصل کریں گے۔[787]

حرملہ کا بیان ہے کہ میں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا میں عراق سے نکلا تو میں نے اپنے پیچھے کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ افضل زیادہ عالم زیادہ پرہیز گار اور زیادہ متقی ہو۔[788]

---

[784](مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۷۴)

[785](مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۶۹)

[786](مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۷۸)

[787](مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۷۸)

[788](البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۳۵)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن حبان التمیمی متوفی ۳۵۴ھ لکھتے ہیں:

قال ابو حاتم ولد النبی ﷺ عام الفیل یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شہر ربیع الاول۔

ترجمہ: امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول پیر کے روز عام الفیل میں پیدا ہوئے۔[789]

ڈاکٹر قلعجی

ڈاکٹر عبد المعطی قلعجی لکھتے ہیں:

وصرح ابن حبان فی تاریخہ وھو کتاب الثقات فقال ولد النبی ﷺ عام الفیل یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شہر ربیع الاول۔[790]

امام ماوردی شافعی رحمۃ للہ علیہ کا قول

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی متوفی ۴۲۹ھ لکھتے ہیں۔

لانہ ولد بعد خمسین یوماً من الفیل وبعد موت ابیہ فی یوم الاثنین الثانی عشر من شہر ربیع الاول۔

ترجمہ: واقعہ اصحاب فیل کے پچاس روز بعد اور آپ کے والد کے انتقال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بروز پیر بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔[791]

---

789 (الثقات ج ۱ ص ۱۵ ذکر مولد رسول اللہ ﷺ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السیرۃ النبوۃ واخبار الخلفاء ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۳۳۔۳۴ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)

790 (کتاب الثقات (ج ۱ ص ۱۴۔۱۵) حاشیہ دلائل النبوۃ للبیھقی ج ۷ ص ۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

791 (اعلام النبوۃ الباب التاسع عشر فی آیات مولدہ وظھور برکتہ ص ۲۷۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام یحییٰ بن شرف الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چار اقوال لکھے ہیں اور چوتھا قول ۱۲ ربیع الاول کا لکھا ہے۔[792]

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

النواوی الامام الحافظ الاوحد القدوۃ شیخ الاسلام علم الاولیاء محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف بن مری الحزامی الحورانی الشافعی صاحب التصانیف النافعۃ۔

ترجمہ: امام نووی، امام، حافظ، قدوہ، شیخ الاسلام، اولیاء کی نشانی، دین کو زندہ کرنے والے یحییٰ بن شرف مری الحزامی الحورانی الشافعی فائدہ دینے والے تصانیف کے مصنف ہیں۔[793]

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قال ابن العطار ذکرلی شیخنا رحمہ اللہ تعالی انہ کان لا یضیع لہ وقتا لا فی لیل ولا فی نہار الا فی اشتغال حتی فی الطریق وانہ دام علی ھذا ست سنین ثم اخذ فی التصنیف والافادۃ والنصیحۃ واحقاق۔

قلت مع ما ھو علیہ من المجاھدۃ بنفسہ والعمل بدقائق الورع والمراقبۃ وتصفیۃ النفس من الشوائب ومحقھا من أغراضھا کان حافظ للحدیث وفنونہ ورجالہ وصحیحہ وعلیلہ راسا فی معرفۃ المذھب۔

ترجمہ: ابن عطار کہتے ہیں ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے بجز پڑھنے پڑھانے کے دن اور رات میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا حتی کہ راستہ چلتے ہوئے بھی اسی شغل میں مصروف رہتے اور برابر چھ سال تک یہی معمول رہا پھر تعلیم وتصنیف عوام کی بھلائی اور احقاق حق کو اپنے پر لازم کرلیا اور عمر بھر قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

---

[792] (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار للنبھانی ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[793] (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۷۰ برقم ۱۱۶۲ مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

میں کہتا ہوں روح کو معصیت کی آلائشوں اور گناہوں کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کے لئے انتہائی تورع، مسلسل جہاد بالنفس اور لگاتار ریاضتوں میں مصروف رہنے کے باوجود آپ نامور حافظ حدیث اس کے جملہ فنون کے عالم فن رجال کے ماہر اور صحیح اور ضعیف کو خوب جاننے والے تھے تحقیق مذاہب میں تو آپ کا جواب نہیں تھا۔[794]

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابی الفرج عبد الرحمن علی بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

والرابع لاثنتی عشرۃ خلت منه۔

ترجمہ: چوتھا قول یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔[795]

نیز یہی محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے الوفاء میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت پیر کے دن عام الفیل میں دس ربیع الاول کے بعد ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے کے بعد تیسری تاریخ کو اور دوسری روایت یہ ہے کہ بارھویں رات کو ولادت ہوئی۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے حالات پر ایک کتاب "تلقیح فھوم الاثر" بھی لکھی۔ جسے مولانا یوسف بریلوی نے ۱۹۶۹ء میں مفید حواشی کے ساتھ شائع کیا۔ یہ جید برقی پریس دہلی سے چھپی تھی۔ اس میں بھی علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے پیر کا دن اور ماہ ربیع الاول کو دیگر تواریخ کے ساتھ بارہ بھی لکھا ہے۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مولد النبی کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا۔

---

[794] (تذکرۃ الحفاظ ج۴ص ۱۳۷۲ مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

[795] (صفوۃ الصفوۃ ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۵۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (نسیم الریاض للقاضی عیاض القسم الاول فی تعظیم العلی الاعظم لقدر النبی ﷺ فصل فیما ظھر من الآیات عند مولدہ ﷺ ج ۴ ص ۳۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (تحفۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۶۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (ڈاکٹر عبد المعطی قلعجی فی حاشیۃ دلائل النبوۃ للبیھقی ج ۱ ص ۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اس کا ترجمہ مولانا عبد الحکیم لکھنوی نے کیا تھا جو ۱۹۲۳ء میں لکھنؤ سے چھپا اس میں تاریخ ولادت کے بارے میں لکھا کہ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ ربیع الاول کی بارہویں شب کو پیدا ہوئے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ دوسرا یہ کہ آٹھویں اس ماہ کی پیدا ہوئے۔ یہ حضرت عکرمہ کا قول ہے۔ تیسرا یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ یہ حضرت عطاء کا قول ہے۔ مگر سب سے صحیح قول پہلا ہے۔

امام سید الناس رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس اندلسی متوفی ۷۳۴ھ لکھتے ہیں:

ولد سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شھر ربیع الاول عام الفیل قیل بعد الفیل بخمسین یوماً۔

ترجمہ: ہمارے آقا اور ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ پیر کے روز بارہ ربیع الاول شریف کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ واقعہ فیل کے پچاس روز بعد حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔[796]

امام عبد الرحمن بن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ عبد الرحمن بن احمد ابن رجب الحنبلی متوفی ۷۹۵ھ اپنی کتاب لطائف المعارف میں لکھتے ہیں: جمہور امت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن ولادت ہوئی امام ابن اسحاق وغیرہ مورخین کا یہی قول ہے۔[797]

---

[796] (عیون الاثر ج ۱ ص ۷۹ مطبوعہ طبعۃ دار ابن کثیر دمشق)، (جواھر البحار فی فضائل النبی المختار للنبھانی ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[797] (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین اردو ج ۱ ص ۳۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

وقال ابو معشر نجیح ولد لاثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول۔

ترجمہ: ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔[798]

امام ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام تاریخ و فلسفہ علامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں۔

ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل لاثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول۔

ترجمہ: حضور ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل کو ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔[799]

ابو العباس احمد بن خالد الناصری کا قول

ابو العباس احمد بن خالد الناصری لکھتے ہیں۔

قال ابن خلدون ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل لاثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول۔

ترجمہ: علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل کو ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔[800]

---

798 (تاریخ الاسلام و وفیات المشاهیر و الاعلام ذکر ترجمة السیرة النبوة ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

799 (تاریخ ابن خلدون باب المولد الکریم وبدء الوحی ج ۲ ص ۴۰۷ مطبوعه بیروت)، (السیرة النبوة لابن خلدون ص ۸۱ مطبوعه مکتبة المعارف التوزیع الریاض)

800 (کتاب الاستقصا لاخبار دول المغرب و الاقصی ج ۱ ص ۶۳ مطبوعه دار الکتاب الدار البیضاء)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ محمد عبد الرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

مات ابوہ فی اثنائها بالمدینة عند اخوال ابیه بنی عدی بن النجار عن خمس وعشرین او ثلاثین سنة وضعته وهو البکر لکل منهما فی یوم الاثنین عند فجره لاثنتی عشرة لیلة مضت من ربیع الاول عام الفیل۔[801]

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اور بعض نے بارہ ربیع الاول شریف (تاریخ ولادت لکھی) اور اہل مکہ اس پر متفق ہیں کیونکہ بارہ ربیع الاول شریف ہی کو اہل مکہ آپ ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ بعض نے سترہ اور بعض نے ۲۲ بائیس ربیع الاول شریف کا قول کیا ہے اور مشہور یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول شریف بروز پیر ہوئی اور یہ ابن اسحاق وغیرہ کا قول ہے۔ (المورد الروی فی المولد النبوی ص ۹۶ مطبوعہ مکۃ المکرمۃ) شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ روایت کرتے ہیں۔ خوب جان لو کہ جمہور اہل سیر وتواریخ کی یہ رائے ہے کہ حضور ﷺ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی اور واقعہ فیل کے چالیس روز یا پچپن روز بعد اور یہ قول سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور بارہ تاریخ تھی۔ بعض علماء نے اس قول پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ یعنی اکثر علماء اس پر متفق ہیں۔[802]

---

[801](التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ للسخاوی ج ۱ ص ۷۔۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[802](مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

محدثِ ہند امام محمد طاہر الصدیقی الھندی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

محدثِ ہند امام محمد طاہر الصدیقی الھندی متوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

ولد عام الفیل یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول۔[803]

امام محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی کا قول

امام محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی متوفی لکھتے ہیں:

(وقیل) ولد (لاثنتی عشر) من ربیع الاول (وعلیہ عمل اھل مکۃ) قدیما وحدیثا فی (زیارتھم موضع مولدہ فی ھذا الوقت) فتحصل فی تعیین الیوم سبعۃ اقوال (والمشھور انہ) ا (ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع) الاول وھو القول الثلث فی کلام المصنف (وھو قول محمد (بن اسحاق) بن یسار امام المغازی (و) قول (غیرہ) قال ابن کثیر وھو المشھور عند الجمھور وبالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیہ الاجماع وھو الذی علیہ العمل۔

ترجمہ: پیدا ہوئے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بارہ ربیع الاول شریف کو اسی پر عمل ہے پرانے اور نئے اہل مکہ کا اس بات میں کہ وہ زیارت کرتے ہیں اس وقت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جائے ولادت کی یعنی بارہ ربیع الاول کو۔ لہٰذا تاریخ ولادت کے بارے میں سات قول ہیں سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بارہ ربیع الاول بروز پیر کو پیدا ہوئے مصنف کی کلام میں یہ تیسرا قول ہے اور یہ قول امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے علماء کا ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے اور ابن جوزی اور ابن جزار نے یہاں تک پہنچایا کہ انہوں نے اس میں اجماع نقل کیا اور وہ ہی ہے کہ جس پر لوگوں کا عمل ہے۔[804]

---

[803] (مجمع بحار الانور فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار السیر بیان نسبہ ج ۵ ص ۲۶۵ مطبوعہ مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورۃ)

[804] (شرح زرقانی علی المواھب المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ ج ۱ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (البدایۃ والنھایۃ باب مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (السیوۃ النبوۃ لابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (السیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۹۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شرح الہمزیہ کا قول

شرح الہمزیہ میں ہے:

هو المشهور و عليه العمل۔

ترجمہ: یہی (۱۲ ربیع الاول حضور ﷺ کی تاریخ ولادت) مشہور ہے۔ اور اسی پر عمل ہے۔[805]

شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں۔

وقيل لاثنتى عشرة وهو المشهور و عليه العمل۔

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول حضور ﷺ کی تاریخ ولادت ہے یہی مشہور ہے۔ اور اسی پر عمل ہے۔[806]

عاشق رسول امام محمد بن یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

عاشق رسول امام محمد بن یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ قصہ فیل میں نبی اکرم ﷺ کا معجزہ یہ ہے کہ یہ اس زمانے میں وقوع پذیر ہوا جب آپ ﷺ شکم مادر میں تشریف فرماتے اور واقعہ کے پچاس دن بعد پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول حکومت ہرمز بن انوشیروان کے بارہویں سال آپ ﷺ متولد ہوئے۔[807]

---

[805] (الفتوحات الاحمدية بالمنح المحمدية شرح الهمذية تحت قوله ليلة المولد ص ۱۰ مطبوعه جماليه قاهرة)

[806] (جواهر البحار فی فضائل النبی المختار للنبهانی ج ۲ ص ۹۶ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)

[807] (حجة الله على العالمين فی معجزات سيد المرسلين اردو ج ۱ ص ۴۱۳ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)

امام عبد الباسط بن خلیل بن شاھین رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام عبد الباسط بن خلیل بن شاھین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولد بمکۃ فی لیلۃ الاثنین و ثمانین ثانی عشرۃ ربیع الاول فی عام الفیل بعد قدوم ابرھۃ بالفیل بسبعۃ و خمسین یوما۔[808]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولادت آنحضرت روز دوشنبہ مستحق شد از شہر ربیع الاول از سالے کہ واقعہ فیل دراں بود۔ بعض گفتہ اند بتاریخ دوم بعض گفتہ اند بتاریخ سوم و بعض گفتہ اند بتاریخ دوازدہم۔

ترجمہ: جس سال واقعہ فیل پیش آیا اسی سال ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن حضور ﷺ کی ولادت ہوئی جمہور کے نزدیک یہی صحیح ہے البتہ تاریخ ولادت کی تعین میں اختلاف ہے بعض نے دوسری بعض نے تیسری اور بعض نے بارہویں تاریخ بیان کی ہے۔[809]

عاشق رسول علامہ عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی حضور ﷺ کی ولادت پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔[810]

---

[808] (غایۃ السؤل فی سیرۃ الرسول ص ۳۰ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)
[809] (سرور المخزون ترجمہ نور العیون ص ۹ مطبوعہ محمدی لاھور سنۃ ۱۸۹۱ء)
[810] (شواھد النبوۃ ص ۲۲ مطبوعہ ھندوستان)

علامہ ملا معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ ملا معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

از زمان بعثت عیسی بن مریم علیہما السلام تا زمان ولادت حضرت خاتم ﷺ بروایت محمد بن اسحاق از ابن عباس رضی اللہ عنہما شش صد سال بودہ ہشتصد وہشتاد و دو سال از وفات اسکندر ذوالقرنین گزشتہ واز زمان داود علیہ السلام ھزار وھشت صد سال برآمدہ واز زمان ابراھیم سہ ھزار وھفتا و سال بکمال رسیدہ واز زمان حضرت نوح علیہ السلام چھار ھزار و چھار صد دو نواد و نہ سال انقضاء پزیرفتہ واز زمان آدم علیہ السلام شش ھزار ھفتصد وپنجاہ سال بتقدیم رسیدہ ودر عام فیل بعضے گویند کہ ھم در آن روز واقعہ فیل این دولت عظمے روئے نمود بعضے از ان واقعہ بہ پنجاہ وپنج روز گفتہ اند و بعضے زیادہ نیز گفتہ اند واصح روایات آنست کہ ھم در آن سال بوقوع پیوستہ وبھر حال دفع آن قضیہ بدیعہ وآن بلیہ شنیعہ ببرکت ظھور نور آنحضرت بود ویکے از علامات نبوت آن حضرت ست ﷺ۔

ومشہور آنست کہ در ماہ ربیع الاول آنحضرت ﷺ در وجود آمد بیشتر بر آنند کہ روز دوزادہم ماہ مذکور بود جمہور محدثان وارباب سیر وتواریخ شب دوشنبہ تعین نمودہ اند۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ بعثت سے خاتم النبیین کے زمانہ ولادت تک چھ سو سال کا زمانہ تھا اور ذو

القرنین کی وفات سے آٹھ سو بیاسی سال داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے ایک ہزار آٹھ سو سال موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے دو ہزار تین سو سال گزر چکے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کو مکمل تین ہزار ستر سال اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کو چار ہزار چار سو ننانوے سال اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے چھ ہزار سات سو پچاس سال گزر چکے تھے اور عام فیل میں، بعض کہتے ہیں کہ اسی روز جب واقعہ فیل رونما ہوا اس دولت عظمیٰ کا اظہار ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے پچپن روز بعد اور بعض نے چالیس روز بعد کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دو سال دو ماہ بعد وقوع پزیر ہوا۔ اور بعض نے زیادہ مدت بھی لکھی ہے اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اسی سال وقوع پزیر ہوا۔ بہر حال اس عجیب قضیہ اور بری بلا کا ذہاب (خاتمہ) حضور ﷺ کے نور کے ظہور کی برکت سے ہوا۔ اور حضور ﷺ کی علامات نبوت میں سے ایک یہ تھا۔

اور مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی اور جمہور محدثین اور ارباب سیرت و تاریخ نے شب پیر کی متعین کی ہے۔[811]

بعض مورخین نے جو یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت حکومت نوشیروان کے زمانہ میں ہوئی یہ غلط ہے۔

ملا علی قاری

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اور بعض نے تاریخ سے بے خبری اور ناواقفی سے یہاں تک بے تکی بات کہہ ڈالی کہ آپ ﷺ کی پیدائش کسریٰ نوشیروان عادل کے زمانہ میں مکہ میں ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور اس

---

[811] (معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ رکن دوم باب سوم در ذکر ولادت آنحضرت ﷺ واقعہ اول ذکر تاریخ ولادت و وقت سعادت او ﷺ ص ۳۲ مطبوعہ نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

میں علماء کا کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ذکر کیاہے کہ ہمارے نبی پاک ﷺ کے بارے میں بعض جہلاء سے جو یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت عادل بادشاہ کے زمانہ میں ہوئی ہمارے شیخ عبداللہ حافظ نے اسے باطل قرار دیا ہے اور پھر بعض صالحین کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ سے ابوعبداللہ کی بات دریافت فرمائی تو آپ ﷺ نے اس من گھڑت حدیث کی تکذیب وابطال میں ابوعبداللہ کو سچا قرار دیااور حضور ﷺ نے فرمایایہ ہرگز میری حدیث نہیں (کہ میں نوشیروان کے زمانہ میں پیدا ہوا۔)[812]

امام عجلونی

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

ولدت فی زمن الملک العادل ذکرہ الصغانی بالتنکیر وقال انہ موضوع۔ وقال فی المقاصدلااصل لہ۔[813]

علامہ عبدالواحد حنفی کا قول

علامہ عبدالواحد حنفی لکھتے ہیں۔حضور ﷺ بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔[814]

---

[812](الموردالروی فی المولدالنبوی اردو ص ۶۸ مطبوعہ مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ)
[813](کشف الخفاءومنریل الالباس ج ۲ ص ۴۵۴ رقم الحدیث ۲۹۲۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)
[814](عجائب القصص ص ۲۳۷ مطبوعہ نول کشور ھند)

اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار کا قول

اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار میں ہے۔ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔[815]

علامہ احمد بن حجر آل علی قاضی المحکمہ الشرعیہ بقطر کا قول

علامہ احمد بن حجر آل علی قاضی المحکمہ الشرعیہ بقطر لکھتے ہیں:

وضعته امه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی صبیحة یوم الاثنین الثانی عشر من ربیع الاول عام الفیل۔[816]

دیوبندیوں کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی کا قول

دیوبندیوں کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

الغرض جس سال اصحاب فیل کا حملہ ہوا۔ اس کے ماہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ روز دوشنبہ دنیا کی تاریخ میں ایک نرالا دن ہے کہ آج پیدائش عالم کا مقصد لیل ونہار کے انقلاب کی اصل غرض آدم واولاد آدم کا فخر کشتی نوح کی حفاظت کا راز وابراہیم کی دعا اور موسیٰ وعیسیٰ کی پیشگوئیوں کا مصداق یعنی ہمارے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ رونق افروز عالم ہوتے ہیں۔ نیز اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ اس پر اتفاق ہے کہ ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی۔ لیکن تاریخ کے تعیین میں چار اقوال مشہور ہیں۔ دوسری، آٹھویں، دسویں، بارہویں... مشہور قول بارہویں تاریخ کا ہے۔ یہاں تک کہ ابن البزار نے اس پر اجماع نقل کر دیا۔ اور اسی کو کامل ابن اثیر میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور محمود پاشا فلکی مصری نے جونویں تاریخ کو بذریعہ حسابات اختیار کیا ہے یہ جمہور کے خلاف بے

---

[815] (اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار ج ۱ ص ۶ مطبوعہ مصر)

[816] (الرد الشافی الواخر علی نفی امیة سید الاوائل والاواخر ص ۳۲ مطبوعہ دار الارشاد للطباعة والنشر والتوزیع بیروت)

سند قول ہے اور حسابات پر بوجہ اختلاف مطالع ایسا اعتماد نہیں ہو سکتا کہ جمہور کی مخالفت اس بنا پر کی جائے۔[817]

امام محمد ابو زہرہ کا قول

امام محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سیرت کی کتاب خاتم النبیین میں لکھتے ہیں:

الجمهور العظمى من علماء الرواية على ان مولده عليه الصلوة والسلام فى ربيع الاول من عام الفيل فى ليلة الثانى عشر منه وقد وافق ميلاده بالسنة الشمسية نيسان۔

ترجمہ: علماء روایت کی ایک عظیم کثرت اس بات پر متفق ہے کہ یوم میلاد عام الفیل ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ ہے۔[818]

نیز دوسرے اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولولا ان هذه الرواية ليست هى المشورة لاخذنا بها ولكن علم الرواية لايدخل الترجيح فيه بالعقل۔

ترجمہ: کہ جمہور علماء کے قول کے مقابلہ میں یہ روایتیں مشہور نہیں ہیں نیز علم روایت میں ترجیح کا دارومدار عقل پر نہیں ہوتا بلکہ نقل پر ہوتا ہے۔[819]

ڈاکٹر محمد حسین حیکل کا قول

ڈاکٹر محمد حسین حیکل لکھتے ہیں:

والجمهور على انه ولد فى الثانى عشر من شهر ربيع الاول وهو قول ابن اسحاق وغيره۔

---

[817](سیرۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے آخری کلمات ص ۳۶ حاشیہ ا مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

[818](خاتم النبیین ج ا ص ۱۱۵)

[819](خاتم النبیین ج ا ص ۱۱۵)

ترجمہ: جمہور کے نزدیک حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ اور یہی قول امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔[820]

علامہ محمد سید گیلانی ماچسٹر کلیۃ الآداب بجامعۃ القاہرۃ کا قول

علامہ محمد سید گیلانی ماچسٹر کلیۃ الآداب بجامعۃ القاہرۃ لکھتے ہیں۔

ولدیوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول الموافق۔[821]

سیرت نگار محمد الصادق ابراہیم کا قول

دور حاضر کے سیرت نگار محمد الصادق ابراہیم عرجون، پرنسپل آف کلیہ اصول الدین جامعہ ازہر لکھتے ہیں:

وقد صح من طرق کثیرۃ ان محمدا علیہ السلام ولد یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ مضت من شھر ربیع الاول عام الفیل فی زمن کسری انوشیروان ویقول اصحب التوفیقات التاریخیۃ ان ذلک یوافق الیوم المکمل للعشرین من شھر اغسطس ۵۷۰ بعد میلاد المسیح علیہ السلام۔

ترجمہ: کثیر تعداد ذرائع سے یہ بات صحیح ثابت ہوچکی ہے کہ حضور ﷺ بروز پیر ربیع الاول عام الفیل کسریٰ نوشیرواں کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ اور ان علماء کے نزدیک جو مختلف سمتوں کی آپس میں تطبیق کرتے ہیں انہوں نے عیسوی تاریخ میں ۲۰ اگست ۵۷۰ء بیان کی ہے۔[822]

---

[820](حیاۃ محمد ﷺ مولدہ راضاعہ ص ۱۰۹ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ المویۃ القاھرۃ)

[821](۲۳ من ابریل سنۃ ۵۷۱)(عین الیقین فی سیرۃ سید المرسلین ص ۲ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر طبع سنۃ ۱۹۵۲)

[822](محمد رسول اللہ ج ۱ ص ۱۰۲)

غیر مقلد نواب صدیق حسن خان قنوجی کا قول

غیر مقلد نواب صدیق حسن خان قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر روز شنبہ (پیر کے دن) شب دوازدہم ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی جمہور علماء کا یہی قول ہے ابن جوزی نے اس پر اتفاق کیا ہے۔[823]

احمد موسیٰ البکری کا قول

احمد موسیٰ البکری کی کتاب "التاریخ العزلی القدیم و السیرۃ النبویۃ" سعودی عرب کی وزارۃ المعارف نے ۱۳۹۶ھ میں طبع کرائی۔ اس میں حضور ﷺ کی ولادت کے متعلق ہے:

ولد رسول الکریم ﷺ فی مکۃ المکرمۃ فی فجر یوم الاثنین الثانی عشر من ربیع الاول الموافق۔ ۲۰ نیسان (اپریل) ۵۷۱ء وتعرف سنۃ مولدہ بعام الفیل۔

ترجمہ: حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں عام الفیل کے سال پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔

علامہ محمد رضا جو قاہرہ یونیورسٹی کا قول

علامہ محمد رضا جو قاہرہ یونیورسٹی کی لائبریری کے امین تھے۔ اپنی کتاب محمد رسول اللہ ﷺ میں لکھتے ہیں۔ حضور ﷺ پیر کے دن فجر کے وقت ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو بمطابق بیس اگست ۵۷۰ عیسوی پیدا ہوئے اہل مکہ سرکار دو عالم ﷺ کے مقام ولادت کی زیارت کے لئے اسی تاریخ کو جایا کرتے ہیں۔[824]

---

[823] (الشمامۃ العنبریۃ من مولد خیر البریۃ ص ۷ طبع سنۃ ۱۳۰۵ھ)

[824] (محمد رسول اللہ ج ۲ ص ۱۹ طبع سنۃ ۱۹۲۴)

تاریخ وفات کی تحقیق میں

بارہ ربیع الاول تاریخ وفات ہر گز ثابت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوا۔

حضور اکرم ﷺ کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوا

امام بخاری

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان رجلاً من الیھود قال لہ یا امیر المومنین! آیۃ فی کتابکم تقرؤونھا لو علینا معشر الیھود نزلت لا تخذنا ذلک الیوم عیداً قال ای آیۃ؟ قال (الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا) قال عمر قد عرفنا ذلک الیوم و المکان الذی نزلت فیہ علی النبی ﷺ و ھو قائم بعرفۃ یوم جمعۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک یہودی نے ان سے کہا اے امیر المومنین! آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر وہ آیت ہم گروہ یہود پر اترتی تو ہم اس کے نزول کا دن عید بنا لیتے۔ آپ نے پوچھا کون سی آیت؟ اس نے کہا (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس دن اور جس جگہ یہ آیت حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی ہم اس کو پہچانتے ہیں۔ آپ ﷺ اس وقت جمعہ کے دن عرفات کے مقام پر کھڑے تھے۔[825]

---

[825] (صحیح بخاری کتاب الایمان باب زیادۃ الایمان و نقصانہ ج ۱ ص ۲۵ رقم الحدیث ۴۵ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب التفسیر ج ۴ ص ۲۳۱۳ رقم الحدیث ۳۰۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الترمذی ابواب تفسیر

امام طبرانی حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

عن کعب الاحبار قال قلت لعمر بن الخطاب انی لاعرف فی ای یوم انزلت (الیوم اکملت لکم دینکم) یوم جمعۃ ویوم عرفۃ وھما لنا عیدان۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰعنہ نے فرمایا میں پہچانتا ہوں کہ کس دن الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی جمعہ اور عرفات کے دن اور وہ دونوں دن (پہلے سے) ہی ہمارے عید کے دن ہیں۔[826]

امام ترمذی

امام ابو عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

فانھا نزلت فی یوم عیدین فی یوم الجمعۃ ویوم عرفۃ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت کا نزول جمعہ اور عرفہ کے دن ہوا جنہیں مسلمان پہلے ہی عیدوں کے طور پر مناتے ہیں۔[827]

معلوم ہوا کہ اس سال ذی الحجہ کی نویں (تاریخ) جمعہ کو تھی اور یوم وفات پیر ثابت ہے اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔

القرآن باب من سورۃ المائدۃ ج ۵ ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۳۰۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی کتاب الایمان باب زیادۃ الایمان ج ۸ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۵۰۱۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)

[826] (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۸۳۰ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۵ رقم الحدیث ۴۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[827] (سنن الترمذی ابواب تفسیر القرآن باب من سورۃ المائدۃ ج ۵ ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۳۰۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۱۸۴ رقم الحدیث ۱۲۸۳۵ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (جامع البیان فی تفسیر القرآن ج ۶ ص ۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یوم وفات پیر ثابت ہے

امام ابن عساکر

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال ولد ا یوم الاثنین فی ربیع الاول وانزلت علیہ النبوۃ یوم الاثنین [فی شہر ربیع الاول] وانزلت علیہ البقرۃ یوم الاثنین فی ربیع الاول وھاجر الی المدینۃ فی ربیع الاول وتوفی یوم الاثنین فی ربیع الاول۔[828]

امام طبری

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

قال ابو جعفر اما الیوم الذی مات فیہ رسول اللہ ﷺ فلا خلاف بین اھل العلم بالاخبار فیہ انہ کان یوم الاثنین من شھر ربیع۔[829]

علامہ ابن حزم

غیر مقلدوں کے امام علی بن احمد حزم الظاھری متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

ولم یختلف فی انہ علیہ السلام مات یوم الاثنین۔[830]

---

828 (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ جز ۳ ص ۴۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (السیرۃ النبوۃ لابن عساکر ج ۲ جز ۳ ص ۴۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ رقم الحدیث ۲۵۰۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (تاریخ الاسلام للذھبی ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (جواھر البحار فی فضائل النبی المختار للنبھانی ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

829 (تاریخ طبری ذکر الاخبار الواردۃ بالیوم الذی توفی فیہ رسول اللہ ومبلغ سنہ یوم وفاتہ ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

830 (جوامع السیرۃ لابن حزم ص ۷ مطبوعہ دارالمعارف بمصر)

امام ابن عبد البر مالکی حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں:

و مات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الاثنین بلا اختلاف۔[831]

امام ابن حجر عسقلانی

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

و کانت وفات یوم الاثنین بلا خلاف من ربیع الاول۔[832]

محدث کبیر امام عینی

شیخ الاسلام محدث کبیر امام بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

و قال اھل الصحیح باجماع انہ توفی یوم الاثنین۔[833]

پس جمعہ کو نویں ذی الحجہ ہو تو بارہ ربیع الاول پیر کو کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا ثبوت اکابر دیوبند ہی کی کتب سے ملاحظہ فرمائیں:

اکابر دیوبند سے ثبوت

محمد زکریا دیوبندی

محمد زکریا دیوبندی لکھتے ہیں:

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وصال بالاتفاق اہل تاریخ دوشنبہ کے روز ہوا ہے لیکن تاریخ میں اختلاف ہے اکثر مورخین کا قول ۱۲ ربیع الاول کا ہے مگر اس میں ایک نہایت قوی اشکال ہے وہ یہ کہ ۱۰ھ کو نو ۹ ذی الحجہ جس میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حج کے موقع پر عرفات میں تشریف فرما تھے وہ جمعہ کا دن

---

[831] (الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبد البر ص ۲۷۱ مطبوعہ دار المعارف القاھرۃ)

[832] (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[833] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناقب باب وفاۃ النبی ا ج ۱۱ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۳۵۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تھا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے نہ محدثین کا نہ مورخین کا حدیث کی روایات میں بھی کثرت سے اس کی تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوا اس کے بعد خواہ ذی الحجہ محرم اور صفر تینوں مہینے ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ کے یا بعض مہینے ۲۹ کے اور بعض ۳۰ کے کسی صورت سے بھی بارہ ربیع الاول دوشنبہ کی نہیں ہو سکتی اس لئے بعض محدثین نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال دو ۲ ربیع الاول کو ہوا۔[834]

دیوبندیوں کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔ اور تاریخ کی تحقیق نہیں ہوئی اور بارہویں جو مشہور ہے وہ حساب درست نہیں ہوتا کیونکہ اس سال ذی الحجہ کی نویں جمعہ کی تھی اور یوم وفات دوشنبہ ثابت ہے پس جمعہ کو نوی ذی الحجہ ہو کر بارہ ربیع الاول دوشنبہ کو کسی طرح نہیں ہو سکتی۔[835]

علامہ شبلی نعمانی دیوبندی

علامہ شبلی نعمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

بیہقی نے دلائل میں مسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے (نور النبراس ابن سید الناس وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے (فتح الباری وفات)۔

امام سہیلی نے روض الانف میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہے (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل

---

834 (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ﷺ باب ۵۴ حضور اقدس ﷺ کے وصال کا ذکر! ص ۳۲۴ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

835 (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ ص ۱۹۴ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

تسلیم ہے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں روز وفات دوشنبہ کا دن تھا(صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ کی نویں تاریخ کو جمعہ کا دن تھا۔ (صحاح قصہ حجۃ الوداع صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم)۔ذی الحجہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ تک حساب لگاؤ۔ذی الحجہ محرم صفر ان تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹،۲۹ خواہ ۳۰،۳۰ خواہ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑھ سکتا اس لئے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے۔ دوم ربیع الاول حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑھ سکتا ہے جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں جب دو پہلی صورتیں نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے۔ جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ تیس کا لیا جائے اس حالت میں ۲۹ ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ذی الحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاول میں اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہو سکتا ہے۔

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ محرم اور صفر سب ۲۹ دن کے ہوں	۶	۱۳	
۲	ذی الحجہ محرم اور ۲۹ صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۲	۱۹	۱۶
۳	ذی الحجہ ۲۹ محرم ۲۹ اور صفر سب ۳۰ کے دن ہوں	۱	۸	۱۵
۴	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ دن کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذی الحجہ ۲۹ محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	
۷	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو	۷	۱۴	
۸	ذی الحجہ ۲۹ کا اور محرم و صفر ۳۰ کے ہوں	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخوں میں سے ۶۔۷۔۸۔۱۳۔۱۹۔۱۶۔۱۵ خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں رہ گئیں یکم اور دوم تاریخیں۔ دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑسکتی ہے جو خلاف اصول ہے یکم تاریخ تین صورتوں میں واقع ہوسکتی ہے اور تین کثیر الوقوع ہیں اور روایت ثقات ان کی تائید میں ہیں اس لئے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔[836]

مفتی محمد شفیع دیوبندی

مسلک دیوبند کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

تاریخ وفات میں مشہور ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو واقع ہوئی اور یہی جمہور مورخین لکھتے چلے آئے ہیں لیکن حساب سے کسی طرح یہ تاریخ وفات نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ بھی متفق علیہ ہے اور یقینی امر ہے کہ آپ ﷺ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی اور یہ بھی یقینی ہے کہ آپ ﷺ کا حج ۹ ذی الحجہ بروز جمعہ المبارک کو ہوا۔ ان دونوں باتوں کو ملانے سے ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ نہیں پڑتی اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح بخاری میں طویل بحث کے بعد یہ ہی صحیح قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ کی تاریخ وفات دوسری ربیع الاول ہے کتابت کی غلطی سے ۲ کا (ا) اور عربی میں ثانی ربیع الاول کا ثانی عشر ربیع الاول بن گیا حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دوسری تاریخ کو ترجیح دی ہے۔ **واللہ اعلم۔**[837]

---

[836] (سیرۃالنبی ﷺ ج ۲ ص ۱۰۴۔۱۰۵ مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاھور)

[837] (سیرۃ رسول اکرم ﷺ آپ کے آخری کلمات ص ۱۲۹ حاشیہ ۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

علامہ ادریس کاندھلوی دیوبندی

مسلک دیوبند کے شیخ التفسیر والحدیث محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابو مخنف نے دوم ربیع الاول تاریخ وصال قرار دی ہے علامہ سہیلی نے روض الانف میں اور حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو مرجح قرار دیا ہے۔[838]

ابو الکلام آزاد دیوبندی

ابو الکلام آزاد دیوبندی اپنے مقالات میں لکھتے ہیں۔ (۱) ذی الحجہ محرم اور صفر تینوں کو تیس تیس دن فرض کیا جائے یہ صورت عموماً ممکن الوقوع نہیں۔ اگر واقع ہو تو دوشنبہ ٦ ربیع الاول کو ہو گا یا تیرہ ربیع الاول کو۔ (۲) ذی الحجہ محرم اور صفر تینوں مہینوں کو انیتس انیتس دن کے فرض کیا جائے۔ ایسا بھی عموماً واقع نہیں ہوتا۔ اس صورت میں دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو اور ۹ ربیع الاول کو ہو گا۔

---

[838] (فتح الباری ج۸ ص ۹۸ زرقانی ج۳ ص ۱۱۰) (سیرۃ المصطفیٰ ﷺ تاریخ وفات ج۳ ص ۱۱۰ مطبوعہ ہند طبع سنہ ماہ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۸۱)

ممکن الوقوع صورتوں کا نقشہ

نمبر شمار	صورت	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ ۳۰ محرم و صفر ۲۹	۱	۸	۱۵
۲	ذی الحجہ و محرم ۲۹ صفر ۳۰	۱	۸	۱۵
۳	ذی الحجہ ۲۹ محرم ۳۰ صفر ۳۰	۱	۸	۱۵
۴	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹ صفر ۳۰	۷	۱۴	۲۱
۵	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۳۰ صفر ۲۹	۷	۱۴	۲۱
۶	ذی الحجہ ۲۹ محرم و صفر ۳۰	۱	۸	۱۵

ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں سے صرف یکم ربیع الاول ہی صحیح اور قابل تسلیم ثابت ہے۔

اس کی تصدیق مزید یوں بھی ہو سکتی ہے کہ یوم وقوف عرفات سے مہینوں کے طبعی دور کے مطابق حساب کر لیا جائے۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو جمعہ تھا اور یکم ربیع الاول ۱۱ھ کو لازماً دوشنبہ ہو گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے یوم سے وفات تک اکاسی (۸۱) دن ہوتے ہیں۔ اس حساب سے بھی دوشنبہ یکم ربیع الاول ہی کو آتا ہے۔ غرض یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہی صحیح تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے اس کی متوازی عیسوی تاریخ ۲۵ اگست یا ۲۶ مئی ۶۳۲ء نکلتی ہے۔[839]

نقوش رسول نمبر میں ہے۔ نبی خدا ﷺ کی رحلت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح مسلم ریاست کے طول و عرض میں پھیل گئی معتبر ترین روایات کے مطابق اس روز پیر تھا ربیع الاول کی ۲ تاریخ اور ۱۱ سن ہجری (۲۵ مئی ۶۳۲ عیسوی) رسول اللہ ﷺ کا وصال دن کے وقت ہوا۔[840]

[839] (رسول رحمت ص ۲۵۴)

[840] (نقوش رسول نمبر شمارہ ۱۳۰ دستمبر ۱۹۸۲ء مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لاہور)

مستند فقہاء کرام سے ثبوت

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ بھی لکھتے ہیں:

ورجح جمع من المحدثين الرواية الاولى لورود اشكال سياتى على الرواية۔ قال الحنفى وهنا سوال مشهور على اشكال مسطور وهو ان جمهور ارباب السير على ان وفاته فى تلك السنة يوم الجمعة فيكون غرة ذى الحجة يوم الخميس فلا يمكن ان يكون يوم الاثنين الثانى عشر من ربيع الاول سواء كانت المشهور الثلاث الماضية يعنى ذاالحجة والمحرم وصفر ثلاثين يوماً اور تسعاً وعشرين او بعض منها ثلاثين وبعض آخر منها تسعا وعشرين وحله ان يقال يحتمل اختلاف اهل مكة والمدينة فى روية هلال ذى الحجة بواسطة مانع من السحاب وغيره او بسبب اختلاف المطالع فيكون غرة ذى الحجة عند اهل مكة يوم الخميس وعند اهل المدينة يوم الجمعة وكان وقوف عرفة واقعاً بروية اهل مكة ولما رجع الى المدينة اعتبروا التاريخ بروية اهل المدينة وكان المشور الثلاثة كوامل فيكون اول ربيع الاول يوم الخميس ويوم الاثنين الثانى عشر منه هذا۔[841]

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

وَلَا يَصِحّ أَنْ يَكُونَ تُوُفّيَ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ إلّا فِي الثّانِي مِنْ الشّهْرِ أَوْ الثّالِثَ عَشَرَ أَوْ الرّابِعَ عَشَرَ أَوْ الْخَامِسَ عَشَرَ لِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ عَلَى أَنّ وَقْفَةَ عَرَفَةَ فِي حَجّةِ الْوَدَاعِ كَانَتْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ التّاسِعُ مِنْ ذِي الْحَجّةِ فَدَخَلَ ذُو الْحَجّةِ يَوْمَ الْخَمِيسِ فَكَانَ الْمُحَرّمُ إمّا الْجُمُعَةُ وَإِمّا السّبْتُ فَإِنْ كَانَ الْجُمُعَةُ فَقَدْ كَانَ صَفَرٌ إمّا السّبْتُ وَإِمّا الْأَحَدُ فَإِنْ كَانَ السّبْتُ

---

[841] (جمع الوسائل فى شرح الشمائل وبهامش شرح الشمائل باب ماجاء فى وفاة رسول الله ﷺ ج ۲ ص ۲۵۲۔ ۲۵۳ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

فَقَدْ كَانَ رَبِيعٌ الْأَحَدَ أَوْ الِاثْنَيْنِ وَكَيْفَا دَارَتْ الْحَالُ عَلَى هَذَا الْحِسَابِ فَلَمْ يَكُنْ الثَّانِي عَشَرَ مِنْ رَبِيعٍ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ بِوَجْهٍ وَلَا الْأَرْبِعَاءَ أَيْضًا كَمَا قَالَ الْقُتَبِيّ وَذَكَرَ الطَّبَرِيّ عَنْ ابْنِ الْكَلْبِيّ وَأَبِي مِخْنَفٍ۔

ترجمہ: اور یہ صحیح نہیں ہے کہ حضور ﷺ کا وصال ربیع الاول کی دو تاریخ یا تیرہ یا چودہ یا پندرہ تاریخ کو ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ کا وقوف عرفات جمعۃ المبارک کو ہوا تھا یہ نو ذی الحجہ تھی تو ذوالحجہ جمعرات کے روز شروع ہوا تو محرم کا آغاز جمعہ کو ہوگا اگر محرم کا آغاز جمعہ کو ہو تو صفر کا آغاز ہفتہ کو ہوگا یا اتوار کو اگر صفر کا آغاز ہفتہ کو ہو تو ربیع الاول کا آغاز اتوار کو ہوگا یا پیر کو تو پھر اس حساب پر جو بھی حالت ہو تو بارہ ربیع الاول پیر کو نہیں ہو سکتی اور نہ ہی بدھ کو ہو سکتی ہے۔ جس طرح قتیبی نے کہا۔ طبری نے ابن کلبی اور ابی مخنف سے روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ کا وصال ربیع الاول کی دو تاریخ کو ہوا یہ قول اگرچہ جمہور کے خلاف ہے تاہم صحیح ہے کیونکہ یہ کوئی بعید نہیں کہ ربیع الاول سے پہلے تینوں مہینے (ذی الحجہ، محرم، صفر) انیتس دن کے ہوں اس میں خوب غور و فکر کرلو۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ اس کے ذہن میں یہ بات آئی ہو۔ میں نے خوارزمی کو دیکھا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال یکم ربیع الاول کو ہوا۔ طبری نے ابن کلبی اور ابو مخنف سے جو روایت نقل کی ہے یہ اس کے زیادہ قریب ہے۔[842]

[842] (الروض الانف للسھیلی متی توفی رسول اللہ ج ۴ ص ۴۳۹۔۴۴۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (البدایۃ والنھایۃ ج ۵ ص ۲۵۶ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)، (السیرۃ الحلبیۃ ج ۳ ص ۴۷۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ السمھودی ج ۱ ص ۳۱۸ مطبوعہ بیروت)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

قال ابو الیمن بن عساکر وغیرہ لایمکن ان یکون موتہ یوم الاثنین من ربیع الاول الا یوم ثانی الشھر او نحو ذلک فلا یتھیان ان یکون ثانی عشر الشھر للاجماع ان عرفۃ فی حجۃ الوداع کان یوم الجمعۃ فالمحرم بیقین اولہ الجمعۃ او السبت وصفر اولہ علی ھذا السبت او الاحد او الاثنین فدخل ربیع الاول الاحد وھو بعید اذ یندر وقوع ثلاثۃ اشھر نواقض فترجح ان یکون اولہ الاثنین وجاز ان یکون الثلاثاء فان کان استھل الاثنین فھو ما قال موسی بن عقبۃ من وفاتہ یوم الاثنین لھلال ربیع الاول فعلی ھذا یکون الاثنین الثانی منہ ثامنہ وان جوز ناعشرۃ ولکن بقی بحث آخر کان یوم عرفۃ الجمعۃ بمکۃ فیحتمل ان یکون کان یوم عرفۃ بالمدینۃ یوم الخمیس مثلاً او یوم السبت فیبنی علی حساب ذلک۔[843]

امام عبداللہ ابن اسعد الیافعی المالکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ الامام ابی محمد عبداللہ ابن اسعد بن علی الیافعی المالکی متوفی سنۃ ثمان وستین وسبع مائۃ لکھتے ہیں:

قیل انہ توفی الثانی عشر منہ اشکال من اجل انہا کانت وقفۃ بالجملۃ فی السنۃ العاشرۃ اجماعاً فاذا کان ذلک لایتصور وقوع یوم الاثنین فی ثانی عشر ربیع الاول من السنۃ التی بعدھا وذلک مطر فی کل سنۃ تکون الوقفۃ قبلہ بالجمعۃ علی کل تقدیر من تمام المشھور ونقصانھا وتمام بعضھا ونقصان بعض۔[844]

---

[843] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام ذکر ترجمۃ السیرۃ النبوۃ ج ۱ ص ۲ ۳ ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[844] (مرآۃ الجنان وغیرۃ الیقظان السنۃ الحادی عشر ج ۱ ص ۷ ۱ مطبوعہ حیدر آباد دکن ھند)

محدث کبیر امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ الاسلام محدث کبیر امام بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

وقال السهيلی فی (الروض) اتفقوا انه توفی ﷺ يوم الاثنين وقالوا كلهم فی ربيع الاول غير انهم قالوا او قال اكثرهم فی الثانی عشر من الشهر او الثالث عشر او الرابع عشر او الخامس عشر الاجماع المسلمين علی ان وقفة عرفة فی حجة الوداع كانت يوم الجمعة وهو التاسع من ذی الحجة فدخل ذوالحجة يوم الخميس فكان الحرام اما الجمعة واما السبت واما الاحد فان كان الجمعة فقد كان صفر اما السبت واما الاحد فان كان السبت فقد كان الربيع اما الاحد واما الاثنين وكيف ما دارت الحال علی هذا الحساب فلم يكن الثانی عشر من ربيع الاول يوم الاثنين بوجه۔[845]

حافظ الحدیث امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل بحث کر کے دوم ربیع الاول کو ترجیح دی اور بارہ ربیع الاول کے یوم وفات ہونے کی روایت کو عقل و نقل کے خلاف ثابت کر کے اسے راوی کا وہم اور غلط قرار دیا ہے۔[846]

امام علی بن برہان الدین الحلبی متوفی ۱۰۴۴ھ لکھتے ہیں:

توفی رسول الله ﷺ وهو فی صدر عائشة وذلک يوم الاثنين حين زاغت الشمس لاثنتی عشرة ليلة خلت من ربيع الاول هكذا ذكر بعضهم وقال السهيل لايصح ان يكون وفاته يوم الاثنين الا فی ثالث عشرة او رابع عشرة لاجماع المسلمين علی ان وقفة عرفة كانت يوم الجمعة وهو تاسع ذی الحجة وكان المحرم اما بالجمعة واما بالسبت فان كان

---

[845] (عمدة القاری شرح صحيح البخاری كتاب المناقب باب وفاة النبی ا ج ۱۱ ص ۲۸۲ رقم الحديث ۳۵۳۶ مطبوعه دارالفكر بيروت)

[846] (فتح الباری ج۸ ص ۱۳۰ مطبوعه دارالمعرفة بيروت)

السبت فیکون اول صفر اما الاحد و الاثنین فعلی ھذا لا یکون الثانی عشر من شھر ربیع الاول بوجہ و قال الکلبی انہ توفی فی الثانی من شھر ربیع الاول۔

ترجمہ: حضور ﷺ کا وصال شریف ہوا اس حال میں کہ آپ ﷺ کا سر مبارک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر تھا پیر کے روز سورج ڈھلنے کے وقت بارہ ربیع الاول کو آپ ﷺ کا وصال شریف ہوا جیسے کہ بعض نے ذکر کیا اور امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے (بارہ ربیع الاول کو وصال شریف کا قول) صحیح نہیں ہے اس طرح کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وفات شریف آپ کی پیر کے روز ہو مگر تیرہ یا چودہ ہو سکتی ہے اس لیے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ حضور ﷺ کا وقوف عرفہ ذوالحج جمعہ کے روز ہوا تو اس حساب سے یکم محرم یا جمعہ کو یا ہفتہ کو ہو گا اگر ہو ہفتہ تو پہلی صفر کی یا اتوار کو ہو گی یا پیر کو اس حساب کے اعتبار سے حضور ﷺ کا وصال شریف بارہ ربیع الاول کو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اما کلبی نے فرمایا نبی پاک ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو ہوا۔[847]

شرح شمائل میں ہے:

اختلف اھل العلم فی الیوم الذی توفی فیہ بعض اتفاقھم علی انہ یوم الاثنین فی شھر ربیع الاول فذکر الواقدی و جمھور الناس انہ الثانی عشر قال ابو الربیع بن سالم و ھذا لا یصح و قد جری فیہ علی العلماء من الغلط ما علینا بیانہ و قد تقدمہ السھیلی الی بیانہ بان حجۃ الوداع کانت وقفھا یوم الجمعۃ فلا یسقیھم ان یکون یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول سوا متمت الاشھر کلھا او نقصت کلھا او اتم بعضھا و نقص بعضھا و قال الطبری یوم الاثنین للیلتین مضتا من شھر ربیع الاول۔

---

847 (سیرۃ الحلبیہ باب یذکر فیہ مرۃ مرضہ و ما وقع فیہ وفاتہ ﷺ التی ھی مصیبۃ الاولین و الاخرین من المسلمین ج ۳ ص ۴۷۳ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: اہل علم نے اس دن کے بارے میں اختلاف کیا کہ جس میں آپ کا وصال شریف ہوا بعض نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضور ﷺ کا وصال شریف پیر کے روز ربیع الاول میں ہوا۔ برابر ہے (نو ذوالحج سے لے کر ربیع الاول تک) سب مہینے تیس کے شمار کریں یا انیتس کے شمار کریں تو کسی طرح بھی بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن نبی پاک ﷺ کا وصال شریف ثابت نہیں ہو سکتا لہٰذا طبری نے کہا آپ کا وصال شریف دو ربیع الاول پیر کے دن بن سکتا ہے۔[848]

دو ربیع الاول تاریخ وفات پر چند مزید دلائل

محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد ابن قیس سے روایت ہے کہ بدھ کے روز انیس صفر کو حضور ﷺ کی بیماری کا آغاز ہوا سن ہجری ۱۱ھ میں لہٰذا آپ تیرہ دن بیمار رہے اس کے بعد پیر کے روز دو ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ کا وصال شریف ہوا۔[849]

امام بیہقی

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

واخبرنا ابو عبداللہ الحافظ قال اخبرنا ابو عبداللہ الاصبهانی قال حدثنا الحسین بن الجهم قال حدثنا الحسین بن الفرج قال حدثنا الواقدی قال حدثنا ابو معشر عن محمد بن قیس۔۔۔ وتوفی یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول۔[850]

---

[848] (شرح شمائل محمدیہ باب ماجاء فی وفاۃ رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۲۱۲ مطبوعہ بیروت)

[849] (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[850] (دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی الوقت والیوم والشهر [والسنۃ] التی توفی فیها رسول اللہ او فی مدۃ مرفیہ ج ۷ ص ۲۳۴۔۲۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (کتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۱۱۲۰)

امام ذہبی

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

وقال الواقدی حدثنا ابو معشر عن محمد بن قیس قال اشتکی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثلاثة الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول سنة احدی عشرة۔[851]

امام عجلی کوفی

امام احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی الکوفی متوفی ۲۶۱ھ لکھتے ہیں:

محمد بن قیس الهمدانی شامی تابعی ثقة۔[852]

امام مزئی

امام یوسف بن الزکی المزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں۔

ثقة۔

ترجمہ: امام محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہے۔[853]

---

[851](تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام ذکر ترجمة السیرة النبوة ج ا ص ۲۳۲ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

[852](معرفة الثقات ج ۲ ص ۲۵۰ برقم ۱۶۳۸ مطبوعه مکتبة الدار المدینة المنورة)

[853](تهذیب الکمال ج ۲۶ ص ۳۲۲ برقم ۵۵۶۵ مطبوعه موسسة الرسالة بیروت)، (الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۶۱ برقم ۲۷۵ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)، (الکاشف للذهبی ج ۲ ص ۲۱۲ برقم ۵۱۲۳ مطبوعه موسسة علو جدة)

فقہاء اہل حجاز کا قول

امام طبری

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حدیث بیان کی ہمیں مصعب بن زہیر نے فقہاء اہل حجاز سے انہوں نے کہا نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا وصال شریف دور بیع الاول کو بارہ بجے کے قریب ہوا۔[854]

امام بیہقی

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

یقال لھا ریحانة کانت من سبی الیھود وکان اول یوم مرض فیہ یوم السبت وکانت وفاته الیوم العاشر یوم الاثنین للیلتین خلتا من شھر ربیع الاول۔[855]

امام سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ذہبی

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

وقال سلیمان التیمی توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیوم العاشر من مرضه وذلک یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول۔ رواہ معتمر عن ابیه۔[856]

---

[854] (تاریخ طبری ذکر الاخبار الواردة بالیوم الذی توفی فیہ رسول اللہ ومبلغ سنہ یوم وفاتہ۔ (ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[855] (دلائل النبوة للبیھقی باب ماجاء فی الوقت والیوم والشھر [والسنة] التی توفی فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفی مدة مرفیه ج ۷ ص ۲۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[856] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام ذکر ترجمة السیرة النبوة ج ۱ ص ۶۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (اشعة اللمعات فارسی کتاب الفتن باب وفاة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۴ ص ۶۱۶ مطبوعہ المکتبة الحقانیة پشاور)

کلبی اور ابی مخنف کا قول

امام ذہبی

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

وذکر الطبری عن ابن الکلبی وابی مخنف وفاتہ فی ثانی ربیع الاول۔

ترجمہ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ابی مخنف اور کلبی کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو ہوا۔[857]

امام ابن حجر عسقلانی

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابی مخنف اور کلبی کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو ہوا۔[858]

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابو مخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا پھر اس وہم میں بعضوں نے بعضوں کی پیروی کی۔[859]

---

857 (تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام ذکر ترجمة السیرة النبوة ج ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

858 (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)، (سیرة الحلبیہ باب یذکر فیہ مرة مرضہ وما وقع فیہ وفاتہ ﷺ التی ھی مصیبة الاولین والاخرین من المسلمین ج ۳ ص ۴۷۳ مطبوعہ بیروت)

859 (فتح الباری ج ۸ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)

حافظ الحدیث امام سعد بن ابراہیم زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابن کثیر حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں:

سعد بن ابراھیم الزھری سے روایت ہے کہ یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے پیر کے دن ۲ ربیع الاول کو وصال فرمایا۔[860]

امام احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی الکوفی متوفی ۲۶۱ھ لکھتے ہیں:

سعد بن ابراهیم بن عبدالرحمن بن عوف لاباس به وکان علی قضاء واسط وقال ایضا مدنی ثقة۔

ترجمہ: امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سعد بن ابراہیم مدنی ثقہ ہیں۔[861]

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

سعد بن ابراهیم ابن عبدالرحمن بن عوف الامام الحجة الفقیه قاضی المدینة ابو اسحاق ویقال ابراهیم القرشی الزهری مدنی...

وقال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث۔

وقال احمد بن حنبل کان ثقة فاضلا ولی قضاء المدینة۔

وقال ابن معین وابو حاتم وجماعة ثقة۔

ترجمہ: سعد بن ابراہیم ابن عبد الرحمن بن عوف الامام الحجہ الفقیہ مدینہ منورہ کے قاضی۔

امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ثقہ فاضل ہے۔

---

[860] (البدایة والنهایة ج۵ ص ۲۵۵ مطبوعه مکتبة المعارف بیروت)

[861] (معرفة الثقات ج ۱ ص ۳۸۹ برقم ۵۵۸ مطبوعه مکتبة الدار المدینة المنورة)

امام یحیٰ بن معین اور امام ابو حاتم وغیرہ ثقہ کہتے ہیں۔[862]

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

سن گیارہ ہجری ربیع الاول شریف کی دو تاریخ بروز پیر وصال ہوا۔[863]

امام مزئی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام حافظ جمال الدین بن ابو الحجاج یوسف المزی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

آپ ﷺ نے ۶۳ سال کی عمر میں بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن دوپہر کے وقت وصال فرمایا۔

ایک قول یکم ربیع الاول کا ہے اور ایک قول دو ربیع الاول کا ہے۔[864]

امام مغلطائی بن قلیج کا قول

امام مغلطائی بن قلیج متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

کلبی اور ابو مخنف نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو ربیع الاول کو فوت ہوئے۔[865]

---

[862] (سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۱۸۔ ۴۱۹ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[863] (تفسیر بغوی ج ۲ ص ۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[864] (تہذیب الکمال ج ۱ ص ۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[865] (الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ ص ۳۵۱ مطبوعہ الدار الشامیۃ بیروت)

حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ کی یکم ربیع الاول یا دو ربیع الاول کو وفات ہوئی۔[866]

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

و قد اخبرنی الشیخ الصالح عطیة الابناسی و الشیخ الصالح قاسم المغربی المقیم فی تربة الامام الشافعی رضی اللہ تعالی عنه، و القاضی زکریا الشافعی انهم سمعوا الشیخ جلال الدین السیوطی رحمه اللہ تعالی یقول: رأیت رسول اللہ ﷺ، فی الیقظة بضعا و سبعین مرة و قلت له فی مرة منها: هل انا من اهل الجنة یارسول اللہ؟ فقال: نعم! فقلت: من غیر عذاب یسبق، فقال: لک ذلک، قال الشیخ عطیة: و سألت الشیخ جلال الدین مرة أن یجتمع بالسلطان الغوری فی ضرورة وقعت لی۔ فقال لی: یاعطیة أنا اجتمع بالنبی ﷺ، یقظة و أخشی ان اجتمعت بالغوری ان یحتجب، عنی۔

ترجمہ: اور مجھے شیخ صالح عطیہ الابناسی اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تربت میں مقیم شیخ صالح قاسم المغربی اور قاضی زکریا الشافعی نے بتایا کہ انہوں نے شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے بیداری میں رسول پاک ﷺ کی کچھ اوپر ستر مرتبہ زیارت کی ہے۔ اور ان میں سے ایک دفعہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا میں اہل جنت سے ہوں؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی: پہلے کوئی سزا دیئے بغیر؟ فرمایا: تیرے لئے یہی ہے۔ شیخ عطیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ سلطان غوری کے پاس تشریف لے چلیں تو آپ نے مجھے فرمایا: اے عطیہ! میں بیداری

---

[866] (التوشیح ج ۴ ص ۱۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔ڈرتا ہوں کہ اگر غوری کے پاس چلا جاؤں تو کہیں حجاب لاحق ہو جائے۔[867]

محدثِ دیوبند انور شاہ کشمیری

محدث دیوبند انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

نقل عن السیوطی رحمہ اللہ تعالی انہ رآہ ﷺ اثنین وعشرین مرۃ وسألہ عن احادیث ثم صححہا بعد تصحیحہ ﷺ۔الخ۔

ترجمہ: امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے بائیس مرتبہ جاگتے ہوئے حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ سے بہت سی حدیثوں کے متعلق پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کی حدیث ہے یا نہیں حضور ﷺ کے صحیح فرمانے کے بعد امام سیوطی نے ان احادیث کی تصحیح کی۔[868]

اشرف علی تھانوی

مسلک دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

حضرت شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو روز حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی بعض ایسی احادیث کی یہ توثیق کرتے ہیں جن کی اور محدثین توثیق نہیں کرتے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور ﷺ سے دریافت کر لیتے ہیں اور بعض نے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے جب حدیث کا ذکر ہوا اور حضور ﷺ کا چہرہ انور بشاش ہوا تو یہ سمجھ جاتے

---

[867] (الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
[868] (فیض الباری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ صحت کا فتویٰ لگا دیتے تھے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ضعیف ہونے کا حکم کرتے۔ ان کو حضور ﷺ کی رویت بیداری میں بھی ہوتی تھی۔[869]

امام محمد بن یوسف صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

ابو مخنف اور کلبی نے کہا آپ ﷺ کی وفات ۲ ربیع الاول کو ہوئی سلیمان بن طرخان نے مغازی میں اسی کو ترجیح دی ہے امام محمد بن سعد، امام ابن عساکر اور امام ابو نعیم الفضل بن دکین کا بھی یہی قول ہے اور سہیلی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔[870]

امام علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ پیر کے دن ۲ ربیع الاول کو فوت ہوئے۔[871]

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

آپ ﷺ کی وفات ۲ ربیع الاول کو پیر کے دن ہوئی۔[872]

---

[869] (الکلام الحسن ج ۲ ص ۱۷۵)

[870] (سبل الهدی والشاد الباب الثلاثون فی تاریخ وفاته ﷺ ج ۱۲ ص ۳۰۵ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

[871] (مرقات المفاتیح ج ۱۱ ص ۲۳۸ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

[872] (اشعة اللمعات ج ۴ ص ۲۰۴ مطبوعه لکهنؤ هند)

شیخ اشرف علی تھانوی

مسلک دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ ان کو دربار نبوی ﷺ میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں۔ انہیں میں سے ایک شیخ عبد الحق محدث دہلوی (علیہ الرحمۃ) ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے۔[873]

نواب صدیق حسن خان بھوپالی

غیر مقلد نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں:

ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں علم حدیث نہیں تھا، بلکہ کبریت احمر کی طرح کمیاب تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بعض علماء، مثلاً شیخ عبد الحق دھلوی متوفی ۱۰۵۳ھ اور ان جیسے دوسرے علماء پر اسی علم کا فیضان کیا شیخ وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علم حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہترین انداز میں یہ علم سکھایا۔[874]

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ومات یوم الاثنین بعد ما زاغت الشمس لليلتين خلتا من شهر ربيع الاول سنة احدى عشر من الهجرة۔[875]

---

[873] (افاضات الیومیہ ج۷ص ۶ مطبوعہ تھانہ بھون)

[874] (الحطہ ص ۱۲۰۔۱۲۱ مطبوعہ لاہور)

[875] (تفسیر روح البیان سورۃ المائدۃ تحت آیت نمبر ۳ ج ۲ ص ۳۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

سن گیارہ ہجری ربیع الاول شریف کی دو تاریخ بروز پیر وصال ہوا۔[876]

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

علامہ نور بخش صاحب توکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۳٦۷ھ لکھتے ہیں:

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی جمہور کے نزدیک ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی ماہ صفر کی ایک یا دوراتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا۔ بعضے تاریخ وصال یکم ربیع الاول بتاتے ہیں بنابر قول حضرت سلیمان التیمی ابتداء مرض یوم شنبہ ۲۲ صفر کو ہوئی اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو ہوئی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابو مخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا پھر اس وہم میں بعضوں نے بعضوں کی پیروی کی۔[877]

---

[876](تفسیر مظھری ج ۳ ص ۲۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[877](سیرت رسول عربی ص ۲۲٦ مطبوعہ فرید بک سٹال لاھور)

یکم ربیع الاول تاریخ وفات

امام ابو نعیم الفضل بن دکین، عروۃ بن الزبیر تابعی وموسیٰ بن عقبہ، امام زھری تابعی امام خوارزمی رحمہم اللہ کا قول

امام ابن کثیر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں:

وقال ابو نعیم الفضل بن دکین توفی رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین مستھل ربیع الاول سنة احدی عشرة من مقدمه المدینة ورواه ابن عساکر ایضا وقد تقدم قریبا عن عروة وموسی بن عقبة والزهری مثله فیما نقلناه عن مغازیهما فالله اعلم۔[878]

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام موسیٰ بن عقبہ، اللیث، الخوارزمی اور ابن زبیر کے نزدیک حضور ﷺ کی وفات یکم ربیع الاول کو ہوئی ہے۔[879]

---

[878](البدایة والنهایة ج۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

[879](فتح الباری ج۸ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

محدث کبیر امام عینی

شیخ الاسلام محدث کبیر امام بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابو بکر نے لیث سے روایت کیا ہے کہ پیر کے دن یکم ربیع الاول کو حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور سعد بن ابراھیم الزھری نے کہا آپ ﷺ پیر کے دن دو ربیع الاول کو فوت ہوئے اور ابو نعیم الفضل بن دکین نے کہا آپ ﷺ پیر کے دن یکم ربیع الاول کو فوت ہوئے۔[880]

امام ابن کثیر

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں:

لیث سے روایت ہے کہ یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے پیر کے دن ربیع الاول کی ایک رات گزرنے پر وصال فرمایا۔[881]

امام حلبی

امام علی بن برہان الدین الحلبی متوفی ۱۰۴۴ھ لکھتے ہیں۔ امام خوارزمی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا وصال شریف یکم ربیع الاول کو ہوا۔[882]

---

880 (عمدة القارى شرح صحيح البخارى كتاب المناقب باب وفاة النبى ا ج ١١ ص ٢٨٦ رقم الحديث ٣٥٣٦ مطبوعه دار الفكر بيروت)

881 (البداية والنهاية ج ٥ ص ٢٥٥ مطبوعه مكتبة المعارف بيروت)

882 (سيرة الحلبيه باب يذكر فيه مرة مرضه وما وقع فيه وفاته ﷺ التى هى مصيبة الاولين والاخرين من المسلمين ج ٣ ص ٤٧٣ مطبوعه بيروت)

علامہ عبد الرؤف

علامہ ابو البرکات عبد الرؤف لکھتے ہیں:

لیکن عقبہ، لیث اور خوارزمی وغیرہ کہتے ہیں کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی اور ابو مخنف اور کلبی وغیرہ کہتے ہیں کہ دوسری تاریخ تھی۔[883]

امام ابن عساکر

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضور ﷺ یکم ربیع الاول کو پیر کے دن گیارہ ہجری کو فوت ہوئے۔[884]

محمد بن عبد الوہاب نجدی

محمد بن عبد الوہاب نجدی کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ نجدی نے آٹھویں ربیع الاول کو یوم وفات لکھا ہے۔[885]

ان کے علاوہ وفات نبوی کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول کے بارے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت) میں مروی ہے وہ سنداً سخت ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اس کو واقدی نے روایت کیا ہے جو ضعیف ہے اور اس روایت میں ابراہیم بن یزید ہے جو قابل احتجاج نہیں۔

---

[883] (اصح السیر فی ہدیٰ خیر البشر ﷺ حصہ اول ص ۵۳۵ مطبوعہ کلکۃ ھند)

[884] (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[885] (مختصر سیرۃ الرسول ص ۹ مطبوعہ جہلم)

امام شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

وقال ابو حاتم یکتب حدیثه و لا یحتج به۔[886]

یوم جمعہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہونے کے باوجود یوم عید بھی ہے۔

اگر بالفرض ۱۲ ربیع الاول کو تاریخ وفات ثابت بھی ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اس کے مختصراً دو جواب حاضر ہیں: ایک یہ کہ غم وہ منائے جن کے مرے ہوں ہمارا نبی تو زندہ ہے اور کسی میت پر تین روز کے بعد غم منانا جائز ہی نہیں۔ مختلف اسناد و مختلف الفاظ کے ساتھ حدیث مبارکہ میں ہے: کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے جو اللہ عزوجل اور آخری دن پر ایمان رکھتی ہو کہ کسی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر اپنے خاوند کا چار ماہ دس دن ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم کسی وفات یافتہ پر تین روز کے بعد غم نہ منائیں مگر شوہر پر (چار ماہ دس دن تک بیوی غم مناسکتی ہے)۔[887]

معلوم ہوا کہ تین روز کے بعد وفات کا غم منانا ممنوع ہے اور حصول نعمت کی خوشی بار بار اور ہمیشہ منانا شرعاً محبوب ہے۔

---

[886] (میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ۱ ص ۲۰۳ برقم ۲۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۲۴۲ برقم ۲۶۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۶ برقم ۳۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[887] (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۵ ص ۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۳۷ رقم الحدیث ۱۵۲۹۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن النسائی کتاب الطلاق باب الاحداد ج ۶ ص ۱۹۸ رقم الحدیث ۳۵۲۵ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (موطاء امام مالک باب ماجاء فی الاحداد ج ۲ ص ۵۹۶ رقم الحدیث ۱۲۴۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الاثار ج ۳ ص ۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۴۷۔۴۸۔۴۹ رقم الحدیث ۱۲۱۳۰۔۱۲۱۳۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الدارمی کتاب الطلاق باب فی احداد المراۃ علی الزوج ج ۲ ص ۲۲۰ رقم الحدیث ۲۲۸۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب احداد المتوفی عنہا زوجہا ج ۲ ص ۲۹۰ رقم الحدیث ۲۲۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (المسند حمیدی ج ۱ ص ۱۱۲ رقم الحدیث ۲۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الترمذی ج ۳ ص ۵۰۰ رقم الحدیث ۱۱۹۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جمعہ کے دن آدم علیہ السلام کی وفات اور ولادت ہوئی

دوم جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی روز آپ علیہ السلام نے وفات پائی۔

امام ابو داؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس روز ان کی روح قبض کی گئی اور اسی روز صور پھونکا جائے گا۔ پس اس روز کثرت سے مجھ پر درود شریف بھیجا کرو بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔[888]

معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی روز آپ علیہ السلام نے وفات پائی۔

جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے عید کا دن بنایا گیا

مگر میلاد آدم (علیہ السلام) کی خوشی کو باقی رکھا گیا اور جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے عید کا دن بنایا گیا۔

---

[888] (سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب تفریع ابواب الجمعۃ وفضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ ج ۱ ص ۲۷۵ رقم الحدیث ۱۰۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابن ماجه کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیها باب فی فضل الجمعۃ ج ۱ ص ۳۴۵ رقم الحدیث ۱۰۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی کتاب الجمعۃ باب اکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ ج ۳ ص ۹۱ رقم الحدیث ۱۳۷۵ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن الکبری للنسائی ج ۱ ص ۵۱۹ رقم الحدیث ۱۶۶۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الدارمی باب فی فضل جمعۃ ج ۱ ص ۴۴۵ رقم الحدیث ۱۵۷۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیهقی ج ۳ ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۵۷۸۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (موارد الظمان الی زوائد ابن حبان ج ۱ ص ۱۴۶ رقم الحدیث ۵۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۱ ص ۲۱۶ رقم الحدیث ۵۸۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۸۶۹۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بنایا ہے۔ پس جو کوئی جمعہ کی نماز کے لیے آئے تو غسل کر کے آئے اور اگر ہو سکے تو خوشبو لگا کر آئے۔ اور تم پر مسواک کرنا لازمی ہے۔[889]

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

بے شک یوم جمعہ عید کا دن ہے۔[890]

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

جمعہ کے دن روزہ نہ رکھو کیوں کہ یہ عید کا دن ہے۔[891]

اب دیوبندی وہابی بتائیں کہ ہر ہفتہ جمعہ کے دن تمام مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کے میلاد کی خوشی میں عید مناتے ہیں یا وفات کی خوشی میں؟

فصل دربیان
صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور قیام کرنا

بعض علماء کہتے ہیں کہ میلاد شریف کے بعد یا تقریر کے بعد یا جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے بعد صلاۃ وسلام وقیام کرنا حرام اور بدعت ہے حالانکہ محفل میلاد میں ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہو کر

---

[889] (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوۃ باب فی الزینۃ یوم الجمعۃ ج ۱ ص ۳۴۹ رقم الحدیث ۱۰۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (طبرانی الاوسط ج ۷ ص ۲۳۰ رقم الحدیث ۷۳۵۵ مطبوعہ دار الحرمین القاہرۃ)، (الترغیب والترھیب للمنذری ج ۱ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۱۰۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[890] (مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳ رقم الحدیث ۸۰۱۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن خذیمہ ج ۳ ص ۳۱۵ رقم الحدیث ۲۱۶۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۶۰۳ رقم الحدیث ۱۵۹۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[891] (صحیح ابن حبان ج ۸ ص ۳۷۵ رقم الحدیث ۳۶۱۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۰۲ رقم الحدیث ۸۲۷۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حضوراقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بار گاہ بیکس پناہ میں ہدیہ صلاۃ وسلام پیش کرنا باعث رحمت وبرکت اوراجر وثواب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۵۶الاحزاب)

"بیشک اللہ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پراے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دوکام کرنے کا حکم دیا ہے ایک نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود پڑھنا، دوسرا سلام بھیجنا۔ غور کیجئے کہ صلوا کے بعد تصلية نہیں فرمایا اور وسلموا کے بعد تسلیماً مفعول مطلق بیان فرماکر سلام پڑھنے میں تاکید فرمادی کہ سلام ضرور پڑھنا کیونکہ مفعول مطلق کی اصل غرض تاکید ہے چونکہ خدائے تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ جانتا تھا کہ سلام پڑھنے کے منکرین اور پڑھنے والوں کو روکنے والے پیدا ہونگے اس لیے اس نے ایمان والوں کو تاکیداً حکم دیا کہ ایمان والو منکر چاہے کچھ کہیں لیکن تم سلام ضرور پڑھنا اور باربار پڑھنا بحمداللہ تعالیٰ مؤمنین اس حکم الٰہی کی تعمیل دل وجان سے کرکے بے شمار رحمتیں وبرکتیں حاصل کرتے ہیں کیونکہ صلوۃ وسلام کا فرمان ایمان والوں کے حصے میں ہے۔ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر صلاۃ وسلام بھیجنا حکم الٰہی ایک منفرد وظیفہ بے مثل عبادت، عظیم الشان دعا اور قطعی القبول عمل ہے۔ یہ قرب خداوندی اور قرب مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آیت اوراس کے ترجمہ میں گزر چکا ہے۔ امام ابن منظورافریقی رحمہ اللہ کے مطابق لفظ صلوۃ کے کئی معانی ہیں جن میں دعا، استغفار، رحمت، برکت، اشاعت، ذکر جمیل اور نماز زیادہ معروف ہے لیکن امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر صلوۃ کے حوالے سے جب اس لفظ کا ذکر آئے تو اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف

سے ہو تو اس کا معنیٰ نزول رحمت ہوتا ہے۔ فرشتوں کی طرف سے ہو تو دعا اور اگر اس کا تعلق بندوں کی طرف سے ہو تو اس کا معنیٰ طلب رحمت ہوتا ہے۔

وفی القاموس الصلوة الدعاء والرحمة والاستغفار وحسن الثناء من اللہ تعالیٰ علی رسوله فماخص ان من اللہ رحمة وان من المؤمنين دعاء ومن الملئكة استغفار فليس بتمامه لغوياقاموس قيل الصلوة من اللہ هی الرحمة ومن العباد الدعاء۔(جصاص) الصلوة من اللہ رحمته ورضوانه ومن الملئكة الدعاء والاستغفار ومن الامة الدعاء والتعظيم لامره۔[892]

حضور نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے درود بھیجنے کا یہ شرف دائمی اور ابدی ہے اور کسی ایک زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیوں کہ یہ سنت الٰہیہ ہے اور سنت الٰہیہ میں دوام ہوتا ہے اگرچہ احکام الٰہیہ میں تبدیلی آتی رہتی ہے مگر سنت الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا (فاطر ۴۳)

"تو تم ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے"۔

صلوۃ و سلام کے فضائل از احادیث مبارکہ:

وَعَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ: "إِنَّهُ جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ أَمَا يُرْضِيكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا؟"۔[893]

---

[892] (قرطبی)

[893] (أخرجه النسائی فی السنن کتاب السهو، باب الفضل فی الصلاة علی النبی ﷺ ۳/۵۰، الرقم ۱۲۹۵، وأيضاً فی السنن الکبری، ۱/۳۸۴، الرقم: ۱۲۱۸، والدارمی فی السنن ۲ / ۴۰۸، الرقم: ۲۷۷۳، وأحمد بن حنبل فی المسند ۴/۳۰ و الحاکم فی المستدرک ۲/۴۵۶، الرقم: ۳۵۸۵، وابن أبی شيبة فی المصنف، ۲/۲۵۲، الرقم: ۸۶۹۵، والطبرانی فی المعجم الکبير، ۵/۱۰۰، الرقم: ۴۷۲۰، تحفة الانام فی فضل الصلوة والسلام صفحه ۳۶، مشکوة المصابيح ص ۸۶، کنز العمال ج ۲, ۱۸۱)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم اس حالت میں تشریف لائے کہ چہرۂ اقدس پر خوشی کے آثار خاص طور پر نمایاں تھے فرمایامیں اس وجہ سے مسرور ہوں کہ میرے پاس حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے اورانہوں نے کہا کہ آپ کارب فرماتاہے کہ اے محمد (ﷺ) "کیا تم اِس بات پر راضی نہیں کہ تمہارا اُمّتی تم پر ایک بار درود بھیجے تومیں اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں گااورآپ کی امت کا کوئی شخص آپ پر ایک بار سلام بھیجے تومیں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا (فرمایا) میں نے کہا کیوں نہیں (میں اس پر راضی ہوں)۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جو شخص آپ ﷺ پر درود اور سلام ایک ایک مرتبہ بھیجتاہے اس پر دس مرتبہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور دس مرتبہ اس پر اللہ سلام بھیجتاہے۔

اور کنز العمال میں انہی سے روایت ہے اس میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص آپ ﷺ پر درود پڑھے گا میں اور میرے فرشتے اس پر دس بار درود پڑھیں گے اور جو شخص آپ ﷺ پر سلام بھیجے گا میں اور میرے فرشتے اس پر دس بار سلام بھیجیں گے۔[894]

معلوم ہوا کہ درود و سلام پڑھنے والوں پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ کے بے شمار فرشتے ان کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں۔

(۲) حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ قال من سلم علیّ عشرا فکانما اعتق رقبۃ۔

(نبی ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے پر دس مرتبہ سلام بھیجا یہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے بردہ (غلام) آزاد کیا۔)[895]

---

[894](کنز العمال ج ۲ ص ۱۸۱)
[895](شفاشریف ج ۲ ص ۶۱)

(۳)حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الصلوۃ علی النبی ﷺ امحق للذنوب من الماء البارد للنار و السلام علیه افضل من عتق الرقاب۔

یعنی حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھنا گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح ٹھنڈا پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آپ ﷺ پر سلام پڑھنا بردہ آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے۔[896]

(۴)حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔[897]

یعنی اللہ کے بہت سے فرشتے زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ملائکہ سیاحین سلام پڑھنے والوں کی تلاش کرتے ہیں اور پھر ان کا سلام بارگاہ بے کس پناہ میں پیش کرتے ہیں۔

(۵)حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ ما من مسلم یسلم علی فی شرق و غرب الا انا و ملئکۃ ربی یرد علیه السلام۔

حضور ﷺ نے فرمایا کوئی مسلمان مشرق و مغرب میں ایسا نہیں ہے جو مجھ پر سلام بھیجے مگر میں اور میرے رب کے فرشتے اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں۔[898]

---

[896](شفاء شریف)

[897](رواہ النسائی و الدارمی)

[898](جلاء الافہام ابن قیم ص ۳۵)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر وہ مسلمان جو آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سلام پیش کرتا ہے تو حضور نبی کریم ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کو جواب میں سلام سے مشرف فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کی ایک آیت اور چھ احادیث مبارکہ سے صلوۃ و سلام کا محبوب و مطلوب ہونا اور اس کے پڑھنے سے بے شمار اجر و ثواب کا ملنا ثابت ہوا۔

چہ جائیکہ ایسے مبارک فعل کو بدعت و شرک کہا جائے اور مسلمانوں کو خیر کثیر سے روکا جائے، رہا تعظیماً دست بستہ کھڑے ہو کر سلام پڑھنا تو یہ سرکار دو عالم ﷺ کی تعظیم ہے اور آپ ﷺ کی تعظیم بحکمِ رب العالمین ہم سب پر واجب ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (الفتح ۹) یعنی ان کی تعظیم و توقیر کرو۔

چنانچہ حضرت علامہ سید احمد زین وحلان مکی اپنی کتاب درر سینی میں فرماتے ہیں:

(۲) ومن تعظیمه صلی اللہ علیه وسلم الفرح بلیل ولادته وقرأة المولد والقیام عند ذکر ولادته صلی اللہ علیه واله وسلم۔

یعنی شبِ ولادت میں اظہارِ فرحت کرنا اور میلاد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔

(۳) علامہ عثمان بن حسن محدث دمیاتی اپنے رسالے ''اثبات قیام'' میں فرماتے ہیں:

القیام عند ذکر ولادة سید المرسلین ﷺ امر لا شک فی استحبابه واستحسانه وندبه یحصل کفاعله من الثواب الاوفر الخیر الاکبر لانه تعظیم النبی الکریم ذی الخلق العظیم الذی اخرجنا اللہ به من ظلمات الکفر الی الایمان وخلّصنا اللہ من نار الجهل الیٰ جنات المعارف والایقان۔

یعنی حضور ﷺ کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا، ایک ایسا امر ہے جس کے مستحب و مستحسن و مندوب ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اور قیام کرنے والے کو ثواب کثیر اور فضل کبیر

حاصل ہو گا کیونکہ یہ قیام تعظیم ہے کس کی تعظیم، اس نبی کریم صاحب خلق عظیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں ظلمات کفر سے ایمان کی طرف لایا اور ان کے سبب سے ہمیں دوزخِ جہل سے بچا کر بہشت معرفت ویقین میں داخل فرمایا۔

اس کے بعد بہت سے دلائل نقل کرکے فرمایا:

قد اجتمعت الامة المحمدية من اهل السنة و الجماعة على استحسان القيام المذكور و قد قال ﷺ لا تجتمع امتی علی الضلالة۔

یعنی بلاشبہ امت محمدیہ ﷺ کے اہل سنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہے کہ یہ قیام مستحسن ہے اور بے شک حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔

(۴) علامہ سید جعفر برزنجی اپنے رسالے عقد الجواہر میں فرماتے ہیں:

قد استحسن القيام عند ذكر ولادته الشريفة ائمة ذو رواية و دراية فطوبى لمن كان تعظيمه ﷺ غاية مرامه مرماه۔

یعنی بے شک حضور ﷺ کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا ایسے ائمہ نے بہتر سمجھا جو صاحب روایت ودرایت تھے تو شادمانی اس کے لئے جن کا انتہائی مقصود حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔

(۵) حضرت علی بن برہان الدین حلبی اپنی کتاب "**انسان العیون المعروف بسیرت الحلبیہ**" میں فرماتے ہیں:

قد وجد القيام عند ذكر اسمه ﷺ من عالم الامة و مقتدى الأمة دينا و ورعا تقى الدين السبكى رحمۃ اللہ تعالیٰ عليه و تابعه على ذالک مشائخ الاسلام فى عصره۔

یعنی بلاشبہ حضور ﷺ کے اسم پاک کے ذکر کے وقت قیام کرنا امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے پالیا گیا ہے جو اس مرحومہ امت کے عالم دین اور تقویٰ میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پر ان کے زمانے کے مشائخ اسلام نے ان کی متابعت کی ہے۔

(۶) علامہ جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی حنفی مفتی حنفیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

القیام عند ذکر مولاہ ﷺ استحسنہ جمع من السلف فھو بدعۃ حسنۃ۔

ذکر میلاد حضور ﷺ کے وقت قیام کرنے کو جماعت سلف نے مستحسن کہا ہے تو وہ بدعت حسنہ ہے۔

(۷) علامہ مولانا حسین بن ابراہیم مکی مفتی مالکیہ فرماتے ہیں:

استحسنہ کثیر من العلماء وھو حسن لما یجب علینا تعظیمہ ﷺ۔

اس قیام کو بہت سے علماء نے مستحسن رکھا اور وہ بہتر ہے کیونکہ ہم پر حضور ﷺ کی تعظیم واجب ہے۔

(۸) علامہ مولانا محمد بن یحیٰ حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں:

نعم یجب القیام عند ذکر ولادتہ ﷺ اذ یحضر روحانیتہ ﷺ فعند ذالک یجب التعظیم والقیام۔

ہاں ذکر ولادت حضور ﷺ کے وقت قیام ضروری ہے کیونکہ روح اقدس حضور ﷺ جلوہ فرما ہوتی ہے پس اس وقت قیام و تعظیم لازم ہوا۔

(۹) امام اجل فقیہ محدث سراج العلماء مولانا عبد اللہ سراج مفتی حنفیہ فرماتے ہیں:

تورثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ والحکام من غیر نکیر منک ورد راد ولھذا کان حسناً ومن یستحق التعظیم غیرہ ﷺ ویکفی اثر عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ما راہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن۔

یعنی یہ قیام بڑے بڑے اماموں میں برابر چلا آرہا ہے اور اسے ائمہ و حکام نے برقرار رکھا اور کسی نے رد و انکار نہ کیا لہٰذا مستحب ٹھہرا اور نبی ﷺ کے سوا اور کون مستحق تعظیم ہے اور اس کے

ثبوت میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہے وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔

اسی طرح علام مفتی عمر بنابی بکر شافعی اور سید المحققین مولانا احمد بن زین شافعی اور مدرس مسجد نبوی مولانا محمد بن محمد عرب شافعی اور مولانا عبد الکریم بن عبد الحکیم حنفی مدنی رحمہم اللہ نے اس قیام کے مستحب و مستحسن ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ اس مضمون اور ان تمام باتوں کی نفیس تحقیق کے لئے دیکھو رسالہ "اقامۃ القیامہ" مصنفہ اعلی حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی۔

یہ تمام ائمہ اور اکابر علماء اور چاروں مذہب کے مفتیان کرام تعظیماً کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کو مستحب و مستحسن فرما رہے ہیں اور سب کے سب کہہ رہے ہیں کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم ہے اب اگر اس قیام تعظیمی کو شرک و بدعت کہا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنا شرک و بدعت ہے تو سوائے اسکے اور کیا کہیں گے:

شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب ﷺ ———— اس برے مذہب پر لعنت کیجئے

(۱۰) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کیا جائے، ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے جیسے قیام مولود شریف، اگر بوجہ آنے نام آنحضرت ﷺ کے کوئی شخص تعظیما قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے جب کوئی آتا

ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں، اگر اس سردار عالم و عالمیان روحی فداہ کے اسم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا؟۔[899]

نیز فرماتے ہیں: البتہ وقت قیام کے اعتقاد و تولد کا نہ کرنا چاہیئے اگر احتمال تشریف آوری کیا جائے، تو مضائقہ نہیں کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔[900]

دیکھئے جناب حاجی صاحب فرمارہے ہیں کہ قیام مولود شریف سے روکنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے کیونکہ یہ حضور ﷺ کی تعظیم ہے اور قیام کے وقت آپ ﷺ کی تشریف آوری کا عقیدہ رکھنے میں مضائقہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ تشریف لاسکتے ہیں۔ اب اگر قیام میلاد کو شرک و بدعت کہا جائے تو شرک و بدعت کو خیر کثیر ماننے والا کون ہو گا، اور اس کو پیر و مرشد ماننے والے کون ہوں گے؟

(۱۱) امت محمدیہ یہ جلیل القدر عالم امام تقی الدین سبکی جو دین اور تقوی میں ائمہ کے مقتداء میں۔ چنانچہ منقول ہے کہ امام سبکی کے پاس ان کے ہم عصر علماء بکثرت جمع ہوئے ایک مداح رسول ﷺ نے سرکار کی مدح سرائی کا یہ شعر پڑھا کہ:

"اگر چاندی پر سونے کے حروف سے بہترین کاتب آقا ﷺ کی مدح لکھے تب بھی کم ہے۔ بے شک عزت و شرف والے لوگ آپ ﷺ کا ذکر جمیل سن کر دست بستہ قیام کرتے ہیں یا گھٹنوں پر دوزانو ہو جاتے ہیں۔"

---

[899] (امداد المشتاق ص ۸۸)

[900] (امداد المشتاق)

یہ اشعار سن کر امام سبکی کھڑے ہوگئے اور ان کے ساتھ تمام اہل مجلس مشائخ و علماء بھی کھڑے ہوگئے۔ اس وقت بڑا انس حاصل ہوا مجلس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی اور اس قسم کے واقعات مشائخ علماء کی اقتداء کے بارے میں کافی ہوتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ مسئلہ قیام میلاد میں امام مذکور اور ان کے ہم عصر مشائخ کی اقتداء کافی ہے۔ بالکل یہی مضمون علامہ شیخ اسماعیل حقی نے تفسیر روح البیان شریف میں ارقام فرمایا۔

مفتی اعظم حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "جاء الحق" میں فرمایا ہے:

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے۔ قیام جائز قیام فرض قیام سنت قیام مستحب۔ قیام مکروہ قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کئے دیتے ہیں۔ جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے؟

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (الجمعه ۱۰)

ترجمہ: جب نماز جمعہ ہو جاوے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے۔ وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ (البقرة ۲۳۸)

اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴)چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے آپ زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرمادے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

ویقف کما یقف فی الصلوۃ ویمثل صورته الکریمة کانه نائم فی لحد عالم به یسمع کلامه۔

ترجمہ: روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔[901]

اسی طرح مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کرکے کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری کتاب الکراہیتہ باب زیارت القبور میں ہے۔

یخلع نعلیه ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلا لوجه المیت۔

ترجمہ: اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو۔

روضہ پاک آب زمزم وضو کا پانی قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔ اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسراء اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰعنہ مسجد

[901] (فتاوی عالمگیری کتاب المناسک باب نذر بالحج خاتمه فی زیارۃ قبر النبی ج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ **قوموا الی سیدکم**۔ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔[902]

یہ قیام تعظیمی تھا نہ یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے۔ سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا۔ خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کرائی گئی۔ جن لوگوں نے الیٰ سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا۔ وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ **اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ** کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

حکمت در مراعات توقیر و اکرام سعد دریں مقام وامر تعظیم اوار ادریں ہا آں باشد کہ ادر ابرائے حکم کردن طلبیدہ بودند پس اعلان شان او دریں مقام اولیٰ او نسب باشد۔

ترجمہ: اس موقعہ پر سعد کی تعظیم و تکریم کرانے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو بنی قریظہ پر حکم فرمانے کے لئے بلایا تھا۔ اس جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔[903]

فاذا قام قمنا قیاماً حتی فرءیناہ قد دخل بیوت بعض ازواجہ۔

902 (صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ج ۴ ص ۱۵۱۱ رقم الحدیث ۳۸۹۵ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب جواز قتال من نقض العہد ج ۳ ص ۱۳۸۸ رقم الحدیث ۱۷۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابو داؤ کتاب الادب ماجاء فی القیام ج ۴ ص ۳۵۵ رقم الحدیث ۵۲۱۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

903 (اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام الفصل الاول ج ۴ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

مشکوۃ باب القیام میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور علیہ السلام مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی کسی زوجہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰعنہا کے گھر میں داخل ہو گئے۔[904]

اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث **قوموا الی سید کم** ہے۔

اجماع کردہ اند جماہیر علماء بایں حدیث بر اکرام اہل فضل از علم باصلاح یا شرف ونووی گفتہ کہ ایں قیام مر اہل فضل راوقت قدوم آوردن نیست قیام جالس از برائے کسی کہ درآمدہ است بروئے بجہت تعظیم۔[905]

اس حدیث کی وجہ سے جمہور علماء نے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحتہ کوئی حدیث نہیں آئی۔ قنیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکراہیتہ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تجوز الخدمۃ بغیر اللہ تعالی بالقیام و اخذ الیدین و الانحناء۔

ترجمہ: غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کرکے جھک کر ہر طرح جائز ہے۔[906]

اس جگہ جھکنے سے مراد حد رکوع سے کم جھکنا ہے۔ تاحد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ در مختار جلد پنجم **کتاب الکراھیتہ باب الاستبراء** کے آخر میں ہے۔

---

[904] (مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثالث ص ۴۰۳۔۴۰۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[905] (اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام الفصل الاول ج ۴ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[906] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیۃ باب ملاقاۃ الملوک التواضع لھم الباب الثامن و العشرون ج ۵ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یجوز بل یندب القیام تعظیماً للقادم یجوز القیام و لو للقاری بین یدی العالم۔

ترجمہ: آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔[907]

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آجائے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے:

و قیام قاری القران لمن یجئی تعظیماً لا یکرہ اذ کان ممن یستحق التعظیم۔

ترجمہ: قرآن پڑھنے والے کا آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔[908]

شامی جلد اول باب الامات میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے۔[909]

لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔[910]

ان امور سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔

مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے:

فقام طلحۃ ابن عبید اللہ یھرول حتی صافحنی و ھنانی۔

---

[907] (رد المحتار علی در المختار کتاب الخطر و الاباحۃ باب الاستبرء و غیرہ ج ۵ ص ۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[908] (رد المحتار علی در المختار کتاب الخطر و الاباحۃ باب الاستبرء و غیرہ ج ۵ ص ۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[909] (رد المحتار علی در المختار باب الامامۃ ج ۱ ص ۴۲۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[910] (مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۱۷۸۵ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)

ترجمہ: پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے دوڑتے ہوئے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔[911]

اس جگہ نووی میں ہے:

فیہ استحباب مصافحتہ القادم و القیام لہ اکراما و الھرولة الی لقاءہ۔[912]

اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا۔ اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا۔ اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجائے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا۔ ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفی علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فقام الیہ رسول اللہ ﷺ عریانا فاعتنقہ و قبلہ۔

ترجمہ: ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر ان کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔[913]

مشکوۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔

قام الیھا فاخذ بیدھا فقبلھا و اجلسھا فی مجلسہ۔

---

[911] (صحیح مسلم کتاب التوبة حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۳۶۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[912] (شرح صحیح مسلم للنووی کتاب التوبة حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۳۶۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[913] (سنن الترمذی کتاب الاستئذان و الآداب باب ماجاء فی المعانقة و القبلة ج ۴ ص ۴۵۰ رقم الحدیث ۲۷۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۲۹ رقم الحدیث ۶۷۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲ مطبوعہ)

ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑتے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھا لیتیں۔[914]

مرقات باب المشی بالجنازۃ فصل دوم میں ہے:

فیہ ایمآء الی ندب القیام لتعظیم الفضلآء و الکبرآء۔[915]

معلوم ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سنے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔ مشکوۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک خوشخبری سنائی۔

فقمت الیہ و قلت بابی انت و امی انت احق بھا۔

ترجمہ: تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔[916]

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت ۲۹ محمد رسول اللہ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

---

[914] (سنن الترمذی کتاب المناقب باب فضل فاطمة ج ٦ ص ١٧٥ رقم الحدیث ٣٨٧٢ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب الادب باب ماجاء فی القیام ج ٤ ص ٣٥٥ رقم الحدیث ٥٢١٧ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ٥ ص ٩٦ رقم الحدیث ٨٣٦٩ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ١٥ ص ٤٠٣ رقم الحدیث ٦٩٥٣ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ٣ ص ١٧٤ رقم الحدیث ٤٧٥٣ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[915] (مرقاۃ المفاتیح ج ٤ ص ٤٣ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[916] (مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان الفصل الثالث ص ١٦ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

فعند ذلک قام الامام السبکی و جمیع من فی المجلس فحصل انس عظیم بذلک المجلس۔

ترجمہ: تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہوگئے اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔[917]

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ پاک سے لگایا۔[918]

عالمگیری کتاب الکراہیتہ باب اہل الذمہ میں ہے:

اذا دخل ذمی علی مسلم فقام له طمعا فی اسلامه فلا باس۔

ترجمہ: کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔[919]

(۵) چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیادار کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیاوی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے۔ تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسکی مالداری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیتہ باب اہل الذمہ میں ہے۔

و ان قام له من غیر ان ینوی شیئا مما ذکرنا او قام طمعاً لغناه کره ذلک۔

---

917 (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

918 (کتب تواریخ)

919 (فتاوی عالمگیری الباب الرابع عشر فی اهل الذمة و الاحکام التی تعود الیهم ج ۵ ص ۳۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا اس کی مالداری کے طمع میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔[920]

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے۔ اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالہ دوسرے باب میں آئیں گے ان شاء اللہ یہ تقسیم خیال میں رہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سنت سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم سے ثابت ہے کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے وہ جان اولاد ماں باپ مال متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں ﷺ ان کے ذکر ولادت کے موقع پر کھڑا ہونا سنت سلف صالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ در دولت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ولادت کے ذکر کے وقت کھڑا ہونا فعل ملائکہ سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ تو اس قیام کی اصل مل گئی چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔

---

[920] (فتاوی عالمگیری الباب الرابع عشر فی اهل الذمة والاحکام التی تعود الیهم ج ۵ ص ۳۷۲ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں۔ نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں۔ وہ شریعت میں مستحب ہے شامی جلد سوم کتاب الوقف۔ وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔ لان التعامل یترک به القیاس لحدیث ماراه المومنون حسناً فهو عندالله حسن یعنی دیگچی وجنازہ وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہیئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا۔ دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔

در مختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے:

وجاز اجارة الحمام لانه علیه السلام دخل حمام الجحفة وللعرف وقال النبی علیه السلام ماراه المومنون حسنا فهو عندالله حسن۔

ترجمہ: حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام جحفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا۔ اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔[921]

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جحفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے۔ بعض نے کہا کہ موضوع ہے۔ لہذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام تو ثابت ہو گا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔

---

921 (ردالمحتار علی در المختار کتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة ج ۵ ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شامی میں اسی جگہ ہے:

لان الناس فی سائر الامصارید فعون اجرت الحمام فدل اجماعھم علی جواز ذلک وان کان القیاس یاباہ۔

ترجمہ: کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔[922]

ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہو گا۔ اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ جائز ہے۔ قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں۔ لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ (الفتح ۹)

ترجمہ: اے مسلمانو ہمارے نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو۔

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ ورکوع۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیئے۔ دیکھو کُلُوا وَاشْرَبُوا (البقرۃ ۱۸۷) میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو۔ تو بریانی، زردہ، قورما، سب ہی حلال ہوا خواہ خیر القرون میں ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی توقروہ کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

ذٰلِکَ وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)

[922] (ردالمحتار علی درالمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ج ۵ ص ۳۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ترجمہ:اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقوے سے ہے۔

روح البیان نے زیر آیت وَتَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ ۲) لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں۔ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے کہ بعض مہینے بعض دن و مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اسی لئے صفا و مروہ کعبہ معظمہ ماہ رمضان شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اس کی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔ مگر مخالفین کے پاس خدا جانے۔تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں۔ محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

منکرین قیامِ میلاد شریف پر یہ اعتراضات کرتے ہیں :

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعتراضات اور ان کے جوابات ذکر فرماتے ہیں:

اعتراض(۱)...:۔چونکہ میلاد کا قیام اول تین زمانوں میں نہیں تھا۔لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حضور کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔اپنی ایجادات کو اس میں داخل نہ کیا ہم کو بمقابلہ صحابہ کرام حضور سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب:۔ بدعت کا جواب تو بارہا دیا جاچکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہیئے

جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر سٹیشن پر جانا۔ ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ ان کے لئے جلوس نکالنا جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا۔ کرسیاں لگانا۔ وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا۔ مسند اور قالین بچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کرسکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کرسکتے۔ تو فرمایئے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہٰذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ بلکہ رکوع وسجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے۔ لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے۔ اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملکے ہر رسمے۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح

مرقاۃ واشعۃ اللمعات کے مقدمہ دراحوال محدثین ص ۱۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے۔ خوشبو لگاتے اور ہیبت ووقار سے بیٹھتے تھے۔ کہیئے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے عین ثواب ہے۔ تفسیر روح البیان زیر آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ (الأحزاب ۴۰) ہے کہ ایاز کے فرزند کا نام محمد تھا۔ سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے۔ ایک روز غسل خانہ میں جاکر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا قصور ہوا

کہ غلام زادے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کہیئے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہا اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض (۲)...:۔ اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور میلاد شریف میں اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب:۔ یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر کس کو اللہ توفیق دے اور ہر وقت کھڑے ہو۔ یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ اعلی حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے ان کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہو گا۔ اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اونگھ جاتے ہیں کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام پڑھ لو تا کہ نیند جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں۔ تا کہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب! نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو۔ اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر۔ ہر ذکر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں۔ مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو **کھیعص** اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کر دے "کاف" پر "ہ" پر "ی" پر وغیرہ۔ پھر **حمعسق**

پڑھے ہر ایک پر ایک انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں۔ اور یہ اشارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں۔ حزب البحر وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے۔ نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار چکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں اور رمل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کے صدہا سوالات کئے جاسکتے ہیں۔ امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناداً بیان کیا۔ بعض کو تعلیقاً۔ سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہوسکتی ہے۔

اعتراض (۳)...: لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب:۔ یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے۔ اور نہ تقریروں میں کہا۔ عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کار ثواب ہے۔ پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں! اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا برا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے۔ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب۔ تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔ نہ کہ یہ درود نماز ہی منع ہو جاوے اس کی تحقیق حاجی امداد اللہ صاحب نے (ہفت مسئلہ) میں خوب کی ہے رہا یہ کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔

مشکوۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔

احب الاعمال الی اللہ ادومہا و ان قل۔

ترجمہ: اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو۔ اگرچہ تھوڑا ہو۔[923]

ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ مدارس میں ہر رمضان وجمعہ میں چھٹی کرتے ہیں۔ ہر سال امتحان لیتے ہیں۔ مسلمان ہر رات کو سوتے ہیں۔ ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں۔ تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی وجوب کی علامت ہے رہا قیام نہ کرنے والوں کو وہابی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہوگئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے۔ اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لاالہ الااللہ کہہ لیا جنتی ہو گیا۔[924]

کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔ پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ ﷺ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ ﷺ رسول اللہ ہیں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کہیے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔ مگر ہیں جھوٹے پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی۔ مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے۔[925]

---

[923] (مشکوۃ المصابیح باب القصد فی العمل الفصل الاول ص ۱۱۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[924] (مشکوۃ کتاب الایمان ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[925] (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوۃ کتاب القصاص باب قتل اھل الروہ) (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب ذکر الخوارج وصفاتھم ج ۲ ص ۷۴۵ رقم الحدیث ۱۰۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۳ ص ۵ رقم الحدیث ۱۱۰۳۱ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (السنۃ لابن عبداللہ بن احمد وقال اسنادہ صحیح ج ۲ ص ۶۲۲ رقم الحدیث ۱۴۸۲ مطبوعہ دار ابن القیم الدمام)

یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حب الختنین تفضیل الشیخین و المسح علی الخفین دود امادوں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا۔ شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت وان ھذا صراطی مستقیما ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے۔

تفضیل الشیخین توقیر الختنین تعظیم القبلتین الصلوۃ علی الجنازتین الصلوۃ خلف الامامین ترک الخروج علی الامامین المسح علی الخفین و القول بالتقدیرین و الامساک عن الشھادتین و اداء الفریضتین۔[926]

مرقات شروع باب المسح علی الخفین میں ہے:

سئل انس ابن مالک عن علامۃ اھل السنۃ و الجماعۃ فقال ان تحب الشیخین و لا تطعن الختنین و تمسح علی الخفین۔

در مختار باب المیاہ میں ہے:

و التوضو من الحوض افضل رغما للمعتزلۃ۔

ترجمہ: حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لئے۔[927]

اسی جگہ شامی میں ہے:

لان المعتزلۃ لا یحبیزونہ من الحیاض فنرغمھم بالوضوء منھا۔

---

[926] (التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

[927] (ردالمحتار علی درالمختار کتاب الطھارۃ باب المیاہ ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ترجمہ: یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے۔[928]

دیکھو حوض سے وضو کرنا۔ چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہٰذا ان کو سنی کی پہچان قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔ مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہٰذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے۔ نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلاوجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔ آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں۔ مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا۔ اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زنار باندھنا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔ قرآن پاک نجاست میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

ضروری نوٹ: یہ سوال اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سنی ہونیکی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں یہ علامت نہیں ہیں سب کے لئے یہ ہی جواب دیا جاوے بہت مفید ہو گا۔ ان شاء اللہ۔

اعتراض (۴)...: کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مشکوۃ باب القیام میں ہے: و کانوا اذا را ولم یقوموا لما یعلمون من کراھیۃ لذلک صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ناپسند ہے۔[929]

---

[928] (ردالمحتار علی در المختار کتاب الطهارة باب المیاه ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[929] (مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

مشکوۃ اسی باب میں ہے:

من سرہ ان یتمثل له الرجال قیاماً فلیتبوء مقعدہ من النار۔

ترجمہ: جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے۔[930]

مشکوۃ باب القیام میں ہے:

لاتقوموا کما تقوم الاعاجم۔

ترجمہ: عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔[931]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔ میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں پھر تعظیمی قیام کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

جواب: ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا۔ ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوال فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہو گا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔

وحاصل آنکہ قیام وترک قیام بحسب زمان واحوال واشخاص مختلف گردد وازیں جا است کہ گاہے نہ کردند۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کبھی تو حضور کے لئے قیام کیا اور کبھی نہ کیا معلوم

---

[930] (مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[931] (مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً کی۔ دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔

قیام مکروہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر دے محبت قیام نہ دارد وقیام برائے دے کہ مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی گفتہ کہ قیام منہی درحق کسی است کہ نشستہ باشد وایستادہ باشد پیش دے دور قیام تعظیم برائے اہل دنیا بجہت دنیائے ایشاں وعید دارد شدہ مکروہ است۔

خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو۔ اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کے لئے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مشکوۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسرار زیر حدیث قوموا الی سیدکم میں ہے:

قال النووی فیہ اکرام اھل الفضل وتلقیھم و القیام الیھم واحتج بہ الجمھور وقال القاضی عیاض لیس ھذا من القیام المنھی عنہ وانما ذلک فیمن یقومون علیہ وھو جالس و یمثلون لہ قیاماً طول جلوسہ۔

ترجمہ: نووی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا۔ ان کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے نہیں۔ ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔ اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔[932]

---

[932] (حاشیہ مشکوۃ المصابیح کتاب الجہاد باب حکم الاسرار ص ۳۴۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں۔ نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سر وقد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ کیوں جائز ہے؟

فصل در بیان
فجر کی جماعت کے وقت فجر کی سنتیں ادا کرنا

بعض غیر مقلد فجر کی دو رکعت سنت اس صورت میں چھوڑ دیتے ہیں جبکہ فجر کی فرض جماعت شروع ہو چکی ہو، بلکہ دوسروں کو بھی پڑھنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ فجر کی سنت اس سے مستثنیٰ ہے۔

جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنت اس وقت تک ضرور پڑھنا چاہیئے جب تک کہ یہ گمان ہو کہ سنت پڑھ کر کم از کم ایک رکعت امام کے ساتھ ضرور پا جاؤں گا۔ کیونکہ ایک رکعت پانے والے کو بھی جماعت کا ثواب ملتا ہے لہذا جب تک جماعت مل جانے کی امید ہو تو سنتِ فجر پڑھے، لیکن اگر ایک رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہو تو سنت فجر چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور پھر سورج نکلنے کے بعد ان کی قضا کرے۔

سنتِ فجر کا استثنیٰ اس لئے ہے کہ نہ تو کسی اور سنت کی اتنی تاکید آئی اور نہ ہی اتنی فضیلت آئی ہے جتنی فجر کی دو رکعات سنت کی آئی ہے۔ یہ اگرچہ سنتِ مؤکدہ ہیں، لیکن احادیث مبارکہ میں ان کی بہت اہمیت وارد ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنھا ان النبی ﷺ لم یکن علی شئ من النوافل أشد معاھدۃ منه علی رکعتین قبل الصبح۔[933]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی نہیں فرماتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی کرتے تھے۔

عن عائشة رضی اللہ عنھا عن النبی ﷺ قال رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیھا وفی روایۃ عنھا لھما احب الی من الدنیا جمیعا۔[934]

ترجمہ: امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا صبح کی دو رکعات سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ دو رکعات مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ لا تدعوھما وان طردتکم الخیل۔[935]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی دو رکعات سنت کو نہ چھوڑو خواہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔

وضاحت: اگر صبح کی جماعت کھڑی ہو چکی ہو اور فجر کی سنتیں بھی ادا کرنی ہوں تو دونوں فضیلتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، جماعت کی صفوں سے ہٹ کر سنتیں ادا کر کے جماعت میں شرکت کی جائے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ سنتیں پڑھنے سے جماعت فوت ہو جائے گی تو پھر جماعت

---

933 (بخاری ج ۱ ص ۱۵٦، مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)
934 (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)
935 (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۸٦)

میں شامل ہو جائے اور سنتیں سورج نکلنے کے بعد ادا کرے۔اس تفصیل کے لئے ذیل کی آثار صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین ملاحظہ ہوں۔

انہ کان یدخل المسجد و الناس صفوف فی صلاۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلاۃ۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے جب کہ لوگ صبح کی نماز کی صف بندی کر چکے ہوتے، تو آپ مسجد کے ایک کونے میں سنتیں پڑھتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔[936]

عن عبد اللہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال جاءنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ و الامام یصلی الصبح فصلی رکعتین الی ساریۃ و لم یکن صلی رکعتی الفجر۔[937]

حضرت عبد اللہ بن ابی موسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں تشریف لائے جب کہ امام صاحب صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صبح کی سنتیں رہتی تھیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ستون کے پاس ان کو ادا کیا۔اس کے راوی ثقہ، لائق الاعتماد ہیں۔

عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبد اللہ بن عباس و الامام فی صلوۃ الغداۃ و لم یکن صلی الرکعتین فصلی عبد اللہ بن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم۔[938]

ترجمہ: حضرت ابو عثمان انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما (فجر کی نماز کے لئے مسجد) تشریف لائے تو امام نماز میں تھا اور آپؓ نے دو رکعات (سنت) نہیں

---

[936](طحاوی ج ا ص ۲۵۶ ا اسناد حسن)
[937](طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۷۷، قال الحدیث الھیثمی فی مجمع الزوائد رجالہ موثقون)
[938](طحاوی ج ا ص ۲۵۸)

پڑھی تھیں، چنانچہ آپؓنے دو رکعات سنت امام کے پیچھے ادا کی اس کے بعد لوگوں کے ساتھ شریک (جماعت) ہو گئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہئیے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جانے کی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن ابیہ حین دعاھم سعید ابن العاص دعا ابا موسی و حذیفۃ و عبداللہ ابن مسعود قبل ان یصلی الغداۃ ثم خرجوا من عندہ و قد اقیمت الصلوۃ فجلس عبداللہ الی اسطوانۃ من المسجد فصلی الرکعتین ثم دخل فی الصلوۃ۔

ترجمہ: وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ نے بلایا اس نے حضرت ابو موسیٰ حضرت حذیفہ اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے

واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔[939]

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فقیہہ صحابی ہیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے۔ معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کرسکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلز سے روایت کی:

قال دخلت المسجد فی صلوۃ الغداۃ مع ابن عمر و ابن عباس و الامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف و اما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مکانہ حتی طلعت الشمس فرکع رکعتین۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد میں گیا۔ حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے

---

[939] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعت نفل پڑھیں۔[940]

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳)اس طحاوی نے حضرات ابو عثمان انصاری سے روایت کی۔

قال جاء عبداللہ ابن عباس و الامام فی صلوۃ الغداۃ و لم یکن صلی الرکعتین فصلی ابن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم۔

ترجمہ: کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد میں اس حال میں آئے کہ امام فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے۔[941]

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال خرج ابن عمر من بیتہ فاقیمت صلوۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد وھو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس۔

---

[940] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[941] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔[942]

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن ابی الدرداء انه كان يدخل المسجد و الناس صفوف فی صلوة الفجر فيصلی الركعتين فی ناحية المسجد ثم يدخل مع القوم فی الصلوة۔

ترجمہ: کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔[943]

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان مہدی سے روایت کی:

قال كنا ناتی عمر ابن الخطاب قبل ان نصلی الركعتين قبل الصبح وهو فی الصلوة فنصلی ركعتين فی اخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلوتهم۔

942 (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

943 (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔[944]

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی:

قال کان الحسن یقول یصلیھما فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ: کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔[945]

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

یقول ایقظت ابن عمر لصلوۃ الفجر و قد اقیمت الصلوۃ فقام فصلی الر کعتین۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کے لئے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔[946]

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی:

کان مسروق یجئی الی القوم وھم فی الصلوۃ ولم یکن رکع رکعتی الفجر فیصلی الر کعتین فی المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔

---

[944] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[945] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[946] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔[947]

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انہ دخل المسجد و الامام فی الصلوۃ فصلی رکعتی الفجر۔

ترجمہ: کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔[948]

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا: بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو کیونکہ تمام موکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم و بخاری ابو داؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی:

(۱۱ تا ۱۵) لم یکن النبی اعلی شیئی من النوافل اشد تعاھداًمنہ علی رکعتی الفجر۔

ترجمہ: حضور ﷺ جتنی نگہبانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔[949]

---

[947] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[948] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[949] (صحیح مسلم باب استحباب رکعتی ج ۱ ص ۵۰۱ رقم الحدیث ۷۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی ج ۳ ص ۲۵۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۹ رقم الحدیث ۱۲۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

احمد، طحاوی، ابو داؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال قال رسول اللہ لا تدعوا رکعتی الفجر و ان طردتکم الخیل۔

ترجمہ: فرمایا نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو اگر چہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔[950]

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لئے جاویں سورج نکلنے کے بعد قضاء کرسکتے ہیں اگر چاہے۔ تو سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لئے جاتے ہیں ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑدے تو واجب کا تارک ہوا اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑدے تو اتنی اہم سنت موکدہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے۔ پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں جمع کرنا بہتر ہے ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں جماعت میں شامل ہونا معلوم نہ ہو مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں موکدہ ہیں مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں اور سنت عصر وعشاء موکدہ نہیں غیر موکدہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکے سنت فجر موکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑدے کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

---

[950] (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۰ رقم الحدیث ۱۲۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱:

طحاوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔

ترجمہ: آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔ [951]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرات کی آواز جا رہی ہو اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔ جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

---

[951] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹۳ رقم الحدیث ۷۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ لہذا ان کا عمل و قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہوگئی اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہو گا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے:

اذااقیمت الصلوۃ فلاصلوۃ الا المکتوبۃ الارکعتی الفجر۔

ترجمہ: جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت فجر کے۔[952]

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

---

[952] (سنن الکبری للبیھقی ج ۲ ص ۴۸۳ رقم الحدیث ۴۳۲۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ موکدہ سنت ہے یہ تاویل اس لئے ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲:

طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی:

قال اقیمت صلوة الفجر فاتی رسول اللہ ﷺ علی رجل یصلی رکعتی الفجر فقام علیه و لاث به الناس فقال اتصلیها اربعاً ثلث مرات۔

ترجمہ: کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔[953]

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃ ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب: یہ صاحب مالک ابن بحینہ کے صاحبزادے عبد اللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل یہ واقعی مکروہ ہے اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

---

[953] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوة الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت)

عن محمد ابن عبدالرحمن ان رسول اللہ امر بعبداللہ ابن مالک ابن بحینة وھو منتصب ثمه بین یدی نداء الصبح فقال لا تجعلوا ھذہ الصلوۃ کصلوۃ قبل الظھر و بعدھا و اجعلوا بینھما فصلاً۔

ترجمہ: محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔[954]

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہتہً جائز ہے جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳:

جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو لہٰذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں کیا قراۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

---

[954] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ ہے قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل در پیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے آج سائنس کا زور ہے ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو تو مصیبت آ جاوے بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ۴:

جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بری چیز ہے۔

جواب: یہ مخالفت جب ہو گی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔

اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو گا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی

مخالفت ہو گی مگر ضرور تاً جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دورہ کر ادا کر لی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

فصل در بیان
مستحبات پر دوام کرنا

بعض علماء کہتے ہیں کہ مستحبات پر دوام کرنا بدعت اور ناجائز ہے، حالانکہ کسی مستحب کام پر مواظبت (ہمیشگی) کرنا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو واجب سمجھ کر نہ کرے۔ اور یہ اندیشہ بھی نہ ہو کہ لوگ اسے واجب سمجھ لیں گے۔ جیسا کہ مردے کو سفید رنگ کا کپڑا پہنانا مستحب ہے۔ شامی میں ہے: ویستحب البیاض (اور سفید کفن مستحب ہے)۔[955]

مگر فی زمانہ کفن میں سفید رنگ پر مواظبت ہے۔ ہر مسلمان کو سفید رنگ کا کفن ہی دیا جاتا ہے۔ اور کوئی اسے بدعت یا ناجائز اور غلط نہیں کہتا۔

اسی طرح فجر کی اُذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے جیسا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کے وقت یہ الفاظ کہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِجْعَلْهُ فِیْ اَذَانِکَ (ان الفاظ کو اپنی اُذان کا حصہ بنالو)۔

اس کے تحت بحر الرائق میں ہے: "وھو للندب" یعنی اور یہ فرمانا استحباب کے لئے ہے۔[956]

اور بہار شریعت میں ہے: "صبح کی اذان میں فلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کے الفاظ کہنا مستحب ہے"۔[957]

---

[955] (شامی ج۳ ص ۱۰۰)

[956] (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[957] (بہار شریعت ج ۱ حصہ ۳ صفحہ ۴۷۰)

مگر آج کوئی اذان فجر اس سے خالی نہیں ہوتی اور سب اسے صحیح و درست سمجھتے ہیں۔ جب ان مستحب اعمال پر ہمیشگی منع نہیں ہے تو پھر سبز عمامے پر بھی منع نہیں۔

قیام اللیل یعنی رات کے نوافل مستحب ہیں مگر پابندی کرنے والے کو ترک کرنا مکروہ وناپسندیدہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قال لی رسول اللہ ﷺ لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: اے عبد اللہ! تو فلاں کی طرح نہ ہونا کہ رات میں اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔[958]

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

احب الاعمال الی اللہ تعالی ادومها، وان قلَّ۔

(یعنی اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو)۔[959]

اس حدیث پاک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے ان کے بارے میں ما قبل راوی کہتے ہیں: وکانت عائشة اذا عملت العمل لزمته یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی عمل کو اپناتیں تو اس کو اپنے اوپر لازم کر لیتیں یعنی پابندی کے ساتھ کرتیں۔[960]

فصل در بیان
قبرستان پر سکول و مسجد وغیرہ بنانا

بعض علماء و عوام قبرستان کو مسمار کرتے ہیں اور اس کی جگہ مسجد، اسکول، منڈی و غیرہ تعمیر کرتے ہیں یا کھیتی باڑی کرتے ہیں، حالانکہ قبروں کو ویران کرنا اور اس کی جگہ گھر، دکان، منڈی،

[958] (صحیح البخاری، باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ، ج ۲ ص ۵۴، دار طق النجاۃ)
[959] (صحیح مسلم، باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)
[960] (صحیح مسلم، باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مسجد، یا کچرا دان وغیرہ بنانا یا کھیتی باڑی کرنا حرام ہے، جس کی صراحت ہمارے مذہب کی کتابوں میں باقاعدہ موجود ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) قاضی خان جلد ۴ ص ۳۰۹، جامع الفوائد ص ۱۴۸، ظهیریه و کنز العباد و خزانة المفتیین، و اسعاف ثم اهلاک ص ۲۹ میں ہے:

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها أثار المقبرة هل يباح لاهل المحلة الانتفاع بها قال ابو نصر رحمه الله تعالٰى لا يباح۔[961]

ترجمہ: ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس کے نشانات باقی نہیں رہے، کیا اہل محلہ اس سے نفع حاصل کرسکتے ہیں، ابو نصر رحمہ اللہ تعالٰی نے کہا کہ مباح نہیں ہے۔

(۲) عالمگیری ج ۳ ص ۲۴۳، محیط وغیرہ میں ہے:

سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود الاوزجندی عن المقبرة اذا اندرست و لم يبق فيها اثر الموتٰى لا العظم و لا غيره هل يجوز زرعها و استغلالها قال لا و لها حكم المقبرة۔ كذا في المحيط۔

ترجمہ: قاضی شمس الائمہ محمود اوزجندی سے ایسے مقام قبرستان کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس میں ہڈیاں تک نہ رہی ہوں کیا اس میں کھیتی باڑی کرنا اور اسے کرائے پر دینا جائز ہے، فرمایا: نہیں، وہ قبرستان کے حکم میں ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔[962]

(۳) خزانة الروایة و مفید المستفید ثم اهلاک ص ۹ میں ہے:

---

[961] (فتاوٰی قاضی خان، فصل فی المقابر و الرباطات، ۴/۴۲۵)

[962] (فتاوٰی هندية الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۲/ ۴۷۰-۴۷۱)

اذا صار المیّت ترابافی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقیة وان جمعوا عظامه فی ناحیة ثم دفن غیرہ فیه تبرکا بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکرہ ذلک۔

ترجمہ: یعنی اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا ممنوع ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے، اور اگر مزاراتِ صالحین کے قرب کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے میّت کی ہڈیاں ایک کنارے جمع کر دیں تو اب بھی ممنوع ہے جبکہ فارغ جگہ دفن کو مل سکتی ہے۔[963]

(۴) خزانة الروایة اھلاک ص ۹ میں ہے:

لا یجوز لاحد ان یبنی فوق القبور بیتا او مسجدا لان موضع القبر حق المقبور فلا یجوز لاحد التصرف فی ھواء قبرہ۔ (رحمانیه)

ترجمہ: قبر کے اوپر گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں اس لیے کہ قبر کی جگہ میّت کا حق ہے تو کسی کے لیے اس قبر کی فضا میں تصرف روانہ ہو گا۔

(۵) البخاری حاشیہ جنائز میں ہے:

باب بناء المسجد علی القبور (الی قوله) فقال اولئک اذا مات منھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا الخ۔ وموضع الترجمة قوله بنوا علی قبرہ مسجدا الخ وھو مؤول علی مذمة من اتخذ القبر مسجدا ومقتضاہ التحریم لا سیما وقد ثبت اللعن علیه آہ۔

ترجمہ: مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو مقبروں کی جگہ مسجد بناتے ہیں اور اس پر لعن بھی ثابت ہے اور حدیث سے قبروں کی جگہ مسجدیں بنانے کی حرمت ثابت ہے یعنی یہ حرام ہے کہ قبروں کی جگہ مسجدیں بنادی جائیں۔

(۶) حدیقۃ الندیۃ واشعۃ اللمعات ثم اھلاک ص ۹:

[963] (فتاوی تاتارخانیة، الجنائز، القبر والدفن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیه، ۲/۱۷۲)

ان الارواح تعلم بترک اقامۃ الحرمۃ و الاستھانۃ فتاذی بذلک۔

ترجمہ: روحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا (کمی کی) لہذا ایذا پاتی ہیں۔[964]

(۷) شامی ج ا ص ۹۰۹ میں ہے:

وقال فی الامداد ویخالف الزیلعی ما فی التاتارخانیہ اذا صار المیّت ترابا فی القبر یکرہ تحریما دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمۃ باقیۃ آہ۔[965]

ترجمہ: اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا مکروہ تحریمی ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے۔

(۸) ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیہ او یطاء علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط۔ الخ

قبر پر عمارت بنانا، بیٹھنا، سونا، روندنا، بول و براز کرنا مکروہ ہے۔[966]

(۹) علامہ شامی اس کی دلیل میں حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:

لان المیّت یتأذی بما یتاذی بہ الحیّ۔

ترجمہ: اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔[967]

(۱۰) بلکہ دیلمی نے امّ المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کلیے کی صریح روایت کی کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

المیّت یؤذیہ فی قبرہ ما یؤذیہ فی بیتہ۔

ترجمہ: میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے ایذا پاتا ہے۔[968]

---

[964] (نوادر الاصول الاصل التاسع و المائتان دار صادر بیروت ص ۲۴۴)

[965] (فتاوٰی تاتارخانیۃ، الجنائز، القبر و الدفن، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، ۲/۱۷۲)

[966] (فتاوٰی ھندیۃ، الفصل السادس فی القبر و الدفن، نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۶)

[967] (ردالمحتار، فصل الاستنجاء، ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر، ۱/۲۲۹)

[968] (الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۴۷۵۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۹۹)

(۱۱) ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔

ترجمہ: مسلمان کو بعد موت تکلیف دینی ایسی ہی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلیف پہنچائی۔[969]

اور اظھر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر ان پر رہنے کو مکان بنانا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں، جس سے یقینا اہل قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے۔ جو ہر گز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔

قبروں پر بیٹھنا حرام ہے

جب قبر پر گھر، مسجد، دکان وغیرہ بنایا جائے گا تو اٹھنا بیٹھنا بھی ہو گا حالانکہ احادیث کریمہ میں قبر پر اٹھنے بیٹھنے کو حرام کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں احادیث کریمہ:

(۱) مشکوٰۃ ص ۱۴۱: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تجلسوا علی القبور رواہ مسلم۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھا کرو۔

(۲) نسائی ج ۱ ص ۲۲۳: عن جابر قال نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن ان یجلس علی القبور۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے قبروں پر بیٹھنے سے۔

(۳) مشکوٰۃ ص ۱۴۰ وابو داؤد ص ۱۰۴: سمع جابر ایقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نھی أن یقعد علی القبر۔

---

[969] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶)

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ نے سناوہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴) تاجدارِ ختمِ نبوت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ترجمہ: بیشک تم میں کسی کا چنگاری پر بیٹھنا کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے اس کے حق میں قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ (اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا)[970]

(۵) اخرج الطحاوی فی معانی الاثار والطبرانی فی المعجم الکبیر بسند حسن والحاکم وابن مندۃ عن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالٰی علیہ رانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالساً علٰی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر و لا یؤذیک ولفظ الامام الحنفی فلایؤذیک۔

ترجمہ: طحاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابنِ مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں فلایؤذیک (پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔)[971]

---

[970] (صحیح مسلم، کتاب الجنائز فصل فی النھی عن الجلوس علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۱۲)

[971] (شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم وابن مندۃ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶) (شرح معانی الآثار، باب الجلوس علی القبور، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۳۴۶)

(٦) وَأخرج الطَّبَرَانِيّ وَالْحَاكِم وإبن مَنْدَه عَن عمَارَة بن حزم قَالَ رَآنِي رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جَالِسا على قبر فَقَالَ يَا صَاحب الْقَبْر إنزل من على الْقَبْر لَا تؤذي صَاحب الْقَبْر وَلَا يُؤْذِيک۔[972]

ترجمہ: طحاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابنِ مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں فلا یؤ ذیک (پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔)[973]

اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا: عمرو بن حزم کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآلہٖ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لا تؤذِ صاحب القبر, کما فی المشکوۃ قلت و ھذا الحدیث لا یلائمہ تاویل الامام ابی جعفر و النھی عن شیئ لا ینافی النھی عن اعم منہ فافھم۔

صاحب قبر کو ایذا نہ دے، جیسے مشکوۃ میں ہے، میں کہتا ہوں اس حدیث سے امام ابو جعفر کی تاویل مناسب نہیں رکھتی ہے اور کسی چیز سے روکنا اس چیز سے عالم کے روکنے کو مستلزم نہیں، تو غور کیجئے۔[974]

---

972 (شرح الصدور بشرح حال الموتی و القبور ج ا ص ٢٩٢، دار المعرفۃ-لبنان)

973 (شرح الصدور بحوالہ الطبرانی و الحاکم و ابن مندۃ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ١٢٦)(شرح معانی الآثار باب الجلوس علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ١/٣٤٦)

974 (مشکوٰۃ المصابیح باب دفن المیّت فصل ثالث مطبع مجتبائی دھلی ١/١٤٩)

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح میں فرماتے ہیں: شاید کہ مراد آنست کہ روحِ وے ناخوش می دارد وراضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبر وے جہت تضمن وے اہانت واستخفاف رابوے اھ۔ شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناراض ہوتی ہے اپنی قبر پر تکیہ لگائے کی وجہ سے اہانت محسوس کرتی ہے۔ اھ[975]

(۷) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا، ارشاد فرمایا: ہائے کم بختی تیری اے طائفی جُوتے والے! پھینک اپنی جوتی۔

اخرج الائمۃ ابو داؤد النسائی و الطحطاوی وغیرھم عن بشیر بن الخصاصیۃ و اللفظ للامام الحنفی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی رجلاً یمشی بین القبور فی نعلین، فقال ویحک یا صاحب السبتیتین الق سبتیتیک اھ۔ السِّبتتہ بکسر المھملۃ وسکون الموحدۃ ھی التی لاشعرفیھا۔ قال القاضی عیاض کان من عادۃ العرب لبس النعال بشعرھا غیر مدبوغۃ و کانت المدبغۃ تعمل بالطائف وغیرہ۔ الخ۔

ابوداؤد، نسائی اور طحطاوی وغیرہم نے بشیر بن خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: خرابی ہو تیری اے جوتیوں والے اپنی جوتیاں اتاردے، سبتہ مہملہ کے کسرہ اور سکون باء سے مراد وہ چمڑا ہے جس میں بال نہ ہوں، قاضی عیاض نے فرمایا: عرب والے کچے چمڑے کے مع بالوں کے جوتے پہنا کرتے تھے اور پکائے ہوئے چمڑے کے جوتے طائف وغیرہ میں بنائے جاتے تھے الخ۔[976]

(۸) فاضل محقق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی فرماتے ہیں: چلنے میں جو آواز کفش پا سے پیدا ہوتی ہے اموات کو رنج دیتی ہے۔

---

[975] (اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۹)

[976] (شرح معانی الاثار باب المشی بین القبور بالنعال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۲)(تاریخ سبتتہ للقاضی عیاض)

حیث قال فی مراقی الفلاح اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتأذون بخفقتی النعال انتھی اھ۔ اقول ووجھہ ماسیأتی عن العارف الترمذی رحمہ اللہ تعالٰی۔

اس لیے کہ مراقی الفلاح میں کہا کہ مجھے خبر دی میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کہ مُردے جوتیوں کی پہچل سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اھ۔ میں کہتا ہوں اس کی دلیل عنقریب عارف ترمذی سے منقول ہو کر آئے گی۔[977]

(۹) نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدکم علٰی جمرۃ فتحرق ثیابہ حتی تخلص الٰی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علٰی قبر۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے، اسے مسلم وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔[978]

(۱۰) علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت مُردہ وزندہ برابر ہے۔

محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الاتفاق علٰی انّ حُرمۃ المسلم میّتا کحرمتہ حیّا۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزت وحرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔[979]

(۱۱) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[977] (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲)

[978] (سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۰۴)

[979] (فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۰۲)

کسر عظم المیّت و اذاہ ککسرہ حیًا ۔ رواہ الامام احمد و ابو داؤد و ابن ماجة باسناد حسن عن اُمّ المؤمنین عائشہ الصدیقة رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا۔

مُردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا، اسے امامِ احمد و ابوداؤد وابن ماجہ نے بسند حسن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔[980]

(۱۲) یہ حدیث مسند الفردوس میں ان لفظوں سے ہے: سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المیّت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ۔

مُردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی۔[981]

(۱۳) علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں:

افادان حرمة المؤمنین بعدموتہ فاقیة۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی حُرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔[982]

(۱۴) سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔رواہ ابی بکر بن ابی شیبہ۔

مسلمان مُردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو۔ اسے ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔[983]

(۱۵) علماء فرماتے ہیں:

---

[980] (سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاھور ۲/۱۰۲)

[981] (الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۶۵۴۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۹۹)

[982] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۲۲۳ دار المعرفة بیروت ۴/۱۵۵)

[983] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ فصل تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶)

المیّت یتاذی بمایتاذی بہ الحی۔ کذافی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔
جس بات سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں مذکور ہے۔[984]

(۱۶)علامہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اشعۃ اللمعات میں امام علامہ ابویوسف بن عبدالبر سے نقل فرماتے ہیں:

ازیں جا مستفاد میگردد کہ میّت متألم میگردد بجمیع انچہ متألم میگردد بدان حی ولازم انیست کہ متلذذ گردد بتمام انچہ متلذذم میشود بدان زندہ۔ انتہی۔

اس جگہ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو درد پہنچتا ہے ان تمام سے مردہ کو بھی الم پہنچتا ہے، اور یہ لازم ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو لذت حاصل ہو ان سب سے میّت کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے انتہی۔[985]

یہاں تک ہمارے علماء نے تصریح فرمائی، قبرستان میں جو نیاراستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے، فی الشامیہ عن الطحطاویۃ آخر کتاب الطھارۃ نصوا علٰی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیھا حرام۔ آخر کتاب الطہارۃ شامی میں طحطاوی سے ہے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبرستان میں جو نیاراستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے۔[986]

خلاصہ: ان مذکورہ تمام حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ قبروں کو ویران کر کے ان کی جگہ مسجد بنانا یادکان یا گھر یااور کوئی چیز بنانا بالکل ناجائز ہے اوراس طرح قبر کے اوپر بیٹھنا یا چلنا یا تکیہ لگانا یا پیشاب وغیرہ کرنا بالکل ناجائز ہے اور جس طرح زندگی میں اس کا ادب کرنا ضروری تھا اس

---

[984] (ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۲۲۹)
[985] (اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت فصل ثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۲)
[986] (ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۹)

مرنے کے بعد بھی ضروری ہے اور جس طرح زندگی میں وہ اذیت محسوس کرتا تھا اس طرح مرنے کے بعد بھی محسوس کرتا ہے اور قبر کا پورا حصہ میت کا حق ہوتا ہے تو جس طرح زندہ شخص کے حق اور مال میں تصرف کسی طرح جائز نہیں ہوتا اسی طرح میت کی قبر کے کسی بھی حصے میں تصرف کرنا یا اس کا حق غصب کرنا یا اس کی تذلیل کرنا حرام اور ناجائز ہو گا تو قبر کو ویران کرنا یہ میت کا حق غصب کرنا بھی ہے اور یہ اس کی تذلیل بھی ہے جس کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اس وجہ سے یہ کئی وجوہات کی وجہ سے حرام وناجائز ہے۔اس عمل قبیح کا مرتکب ہو کر لاتعداد حرام کاموں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔یہ غاصب وظالم ہے۔اس کو شیطان نے دھوکا دیا ہے اور شیطان نے یہ کہا کہ مسجد بنانا نیک کام ہے لہذا یہ کرلو حالانکہ یہ بے وقوف شریعت سے بے خبر،اسلام کی تعلیمات سے بے خبر اور نیکی اور بدی سے جاہل،اپنی تاریک عاقبت سے بے علم،خود بھی ہلاک وبرباد ہو رہا ہے اور دوسروں کو بھی قبیح عمل میں شریک کر کے تباہ کر رہا ہے بروز قیامت ایسے لوگوں کی تباہی سب پر عیاں وظاہر ہو جائے گی جو اس قدر ظلم انسانوں اور مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نیکی کی توفیق دے اور علم وعقل عطا فرمائے تاکہ خود بھی ہلاکت سے محفوظ ہو جائے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں نہ ڈالے۔ہمارا فرض تھا ہم نے حق واضح کر دیا ہے۔اب اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس حق کو قبول کر کے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔**وماعلینا الاالبلاغ المبین۔**

اگر کسی کو زیادہ تحقیق چاہیئے ہو تو ہمارا رسالہ **"اھلاک النجدیین' علی توھین قبور المسلمین"** کا مطالعہ کیجئے اس طرح شیخ العرب والعجم امام المحدثین،شاہ احمد رضا خاں افغانی ثم بریلوی نے **"اھلاک الوھابیین"** فتاویٰ رضویہ ج۹ کا مطالعہ کیجئے اس طرح جامع المعقول والمنقول استاذ کل

پیر طریقت رہبر شریعت مجاہد اعظم حضرت علامہ ابوالفضل محمد فضل سبحان صاحب مدظلہ العالی "القول المبرور فی صیانۃ القبور" مطالعہ کیجئے۔

فصل در بیان
ارواح اموات گھروں میں آنا

بعض علماء کہتے ہیں کہ جب انسان مرگیا تو وہ ختم ہوگیا اور اس کی روح اپنے گھر میں نہیں آسکتی حالانکہ خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:

مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میّت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز تصدق از میّت نفع می کند او را بے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است در آں احادیث صحیحہ بہ میّت را مگر صدقہ ودعا، ودر بعض روایات آمدہ است کہ روح میّت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ واللہ تعالٰی اعلم۔

میّت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ میّت کی طرف سے صدقہ اس کے لیے نفع بخش ہوتا ہے۔ اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں، اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں، خصوصاً پانی صدقہ کرنے کے بارے میں اور بعض علماء کا قول ہے کہ میّت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رُوح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں و اللہ تعالٰی اعلم۔[987]

شیخ الاسلام کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں:

---

[987] (اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱۶و۷۱۷)

درغرائب و خزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہ ہائے خود را ہر شب جمعہ روز عید وروز عاشورہ وشب برات، پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود وندامی کنند ہر یکے باآواز بلند اندوہ گین اے اہل و اولاد من و نزدیکانِ من مہربانی کنید برما بصدقہ۔

غرائب اور خزانہ میں منقول ہے کہ مومنین کی روحیں ہر شب جمعہ، روز عید، روز عاشورہ اور شب برات کو اپنے گھر آکر باہر کھڑی رہتی ہیں اور ہر روح غمناک بلند آواز سے ندا کرتی ہے کہ اے میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے قرابت دارو! صدقہ کرکے ہم پر مہربانی کرو۔[988]

اسی میں ہے:

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ در شرح الصدور احادیث شتے در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست۔

شرح الصدور میں شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ان میں سے اکثر اوقات کے بارے میں مختلف حدیثیں نقل کی ہیں اگرچہ ضعف سے خالی نہیں ہیں۔[989]

اکثرے کا لفظ صریح دلالت کررہا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں،۔ تو صاحب مائۃ مسائل کا مطلقاً اس کی طرف نسبت کرنا کہ این روایات راتضعیف ہم فرمودہ اند۔ کذب وافترا ہے یا جہل واجتزا۔ اور استناد کا صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر، جیسا کہ

[988] (کشف الغطاء عمالزم للموتی علی الاحیاء فصل احکام دعا و صدقہ ص ۲۶)
[989] (کشف الغطاء عمالزم للموتی علی الاحیاء فصل احکام دعا و صدقہ ص ۲۶)

صاحب مائۃ مسائل سے یہاں واقع ہوا۔ جہل شدید وسفہ بعید ہے، حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے۔ غیر عقائد و احکام حلال و حرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے، ہمارے ائمہ کرام حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنٰی طلبہ علم پر بھی روشن ہیں، اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم کے ابجد خوانوں پر بین ومبرہن (ظاہر و دلائل سے ثابت۔) ہے۔

ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون (لیکن وہابیہ نادان ہیں۔)

(مائۃ مسائل)

طرفہ (تعجب۔) یہ کہ خود صاحبِ مائۃ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگانِ خاندان دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف کثیرہ میں وہ وہ روایات غیر صحاح وروایات طبقہ رابعہ اوران سے بھی نازل تر (کم مرتبہ۔ت) سے استناد کیا ہے جیسا کہ ان کتب کے ادنٰی مطالعہ سے واضح ومبین ہے ولکن النجدیۃ یجحدون الحق وھم یعلمون (لیکن نجدیہ جان بوجھ کر حق کا انکار کرتے ہیں۔)

امام اجل عبداللہ بن مبارک وابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی للہ تعالٰی عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی۔

وھذا لفظ ابن المبارک قال ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن، وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض یتفسح فیھا۔

(اور یہ ابن مبارک کے الفاظ ہیں) بیشک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے، جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص زندان میں تھا اب آزاد کردیا گیا تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔[990]

ابو بکر کی روایت یوں ہے:

فاذامات المؤمنین یخلی بہ یسرح حیث شاء۔

جب مسلمان مرتاہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔[991]

ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی وعبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما باہم ملے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا، کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ کہا:

نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنۃ وھی تذھب حیث شاءت۔

ہاں مسلمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔[992]

ابن المبارک کتاب الزہد وابو بکر ابن ابی الدنیا وابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت ونفس الکافر فی سجین۔

---

[990] (کتاب الزہد لابن المبارک باب فی طلب الحلال حدیث ۵۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۱)
[991] (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزہد حدیث ۱۶۵۷۱ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳/۳۵۵)
[992] (شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۳۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۲۱)

بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔[993]

ابن ابی الدنیا مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلة تذھب حیث شاءت۔

فرمایا: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[994]

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

رجح ابن البران ارواح الشهداء فی الجنة وارواح غیرهم علی افنیة القبور فتسرح حیث شاءت۔

امام ابو عمر ابن عبد البر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔[995]

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ان الروح اذا انخلعت من هذا الهیکل وانفکت من القیود بالموت تحول الی حیث شاءت۔

بیشک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔[996]

قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:

---

[993] (کتاب الزھد لابن مبارک باب ماجاء فی التوکل حدیث ۴۲۹ دار الکتب العلمیه بیروت ص ۱۴۴)

[994] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۸)

[995] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۵)

[996] (تیسیر شرح جامع صغیر تحتِ حدیث ان روح المومنین الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیه ۱/۳۲۹)

ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین وآسمان وبہشت ہر جا کہ خواہند می روند۔

اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[997]

خزانۃ الروایات میں ہے:

عن بعض العلماء المحقیقین ان الارواح تتخلص لیلۃ الجمعۃ وتنتشر فجاؤ الی مقابر ثم جاؤ افی بیوتھم۔

بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھُٹی پاتی اور پھیلتی جاتی ہیں، پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔[998]

دستور القضاۃ مسند صاحبِ مائۃ مسائل میں فتاوٰی امام نسفی سے ہے:

ان ارواح المومنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل و احد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکروناولاتنسوناوارحمونافی غربتنا الخ۔

بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر روز وشب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہوکر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچّو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہربانی کرو، ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔[999]

نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے:

---

[997] (تذکرۃ الموتی والقبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاھور ص ۷۶ و ۷۵)

[998] (خزانۃ الروایات)

[999] (دستور القضاۃ)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما اذا کان یوم عید اویوم جمعة اویوم عاشوراء ولیلة النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علٰی ابواب بیوتهم فیقولون هل من احد یذکرنا هل من احدیترحم علینا هل من احدیذکر غربتنا الحدیث۔

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔[1000]

اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول، یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے حلال و حرام کا، ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس ہوتیں نہ کہ اس قدر کثیر ووافر۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفاء زیر رثائے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم اجده فی شیئ من کتاب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخله ذکراه فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلک سنداً المثله فانه لیس ممایتعلق بالاحکام۔

یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحبِ اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔[1001]

باقی رہا شیخ گنگوہی کا براہین قاطعہ میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہے قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنّیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم و صریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں اور وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم (مذہب ۱۲) میں

[1000](خزانة الروایات)

[1001](مناهل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء)

مردود ہوں گی کہ ان روایات میں عمل نہیں بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کرلیے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل، براھین قاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یو صل (اللہ تعالٰی نے جس چیز کے ملانے کا حکم دیا اسے قطع کرنے والی کتاب۔) میں چار ورق سے زائد پر یہی اعجوبہ اضحوکہ، طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندودہ (مزین وملمع ۱۲) کیاہے سخت جہالت فاحشہ ہے۔

اقول اگرچہ ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یاسلب ہو اگرچہ اسے نفیًا واثباتًا کسی طرح عقاید میں دخل نہ ہو، نافی یامثبت کسی پر اس نفی واثبات کے سبب حکم ضلالت وگمراہی محتمل نہ ہو سب باب عقاید میں داخل ٹھہرے، جس میں احادیث بخاری ومسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں نامقبول ٹھہریں، تو اولاً سیر ومغازی ومناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤخورد ودریابُرد ہوجائیں، حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح درکنار ضعاف بھی مقبول۔

سیرت انسان العیون میں ہے:

لایخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم، والضعیف والبلاغ، والمرسل والمنقطع، المعضل دون الموضوع، وقد قال الامام احمد بن حنبل وغیرہ من الائمۃ، اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذ رویناافی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔

مخفی نہیں کہ کتب سیر، میں موضوع چھوڑ کر صحیح، سقیم، ضعیف، بلاغ، مرسل، منقطع، معضل ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں، امام احمد وغیرہ ائمہ نے فرمایاہے: جب ہم حلال وحرام یعنی باب احکام میں روایت کرتے ہیں تو شدت برتتے ہیں اور جب باب فضائل وغیرہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی رکھتے ہیں۔[1002]

[1002] (انسان العیون خطبۃالکتاب مصطفی البابی مصر ۱/۳و۴)

اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العینین فی حکم تقبیل الابھامین میں ملاحظہ ہو، یہیں دیکھیے رثائے مذکور امیر المؤمنین کیا فضائل اعمال سے تھا، وہ بھی باب علم سے ہے۔ جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علماء کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔

ثانیاً: علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے، نہ عمل و فضل، عمل تو غیر قطعیات سب باطل و مہمل۔

ثالثاً: دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں۔

رابعاً: عقائد و اعمال میں تفرقہ جس پر اجماع ائمہ ہے ضائع جائے، کہ احکام حلالِ و حرام میں کیا اعتقاد، حلت و حرمت نہیں لگا ہوا ہے، اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود، اور جب حلالِ و حرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں اس سے کیوں بچیں!

خامساً: بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے، ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے اس پر یہ ثواب یہ جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔

سادساً: اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی، انھوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں، جب تک قطعیات نہ ہوں کچھ نہ سنیں گے۔

قدم عشق پیشتر بہتر

سابعاً: ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھئے، اسی براہین قاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا تاکہ

صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں، اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو محض بے اصل و بے سند حکایت سے سند لایا کہ شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہ، نے اسے ہرگز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضاً ذکر کر کے صاف فرمادیا تھا کہ ایں سخن اصلے نہ دارد و روایت بدان صحیح نشدہ است (اس کلام کی کوئی اصل نہیں، اور اس کے بارے میں روایت صحیح نہیں۔)

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذاللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لیے بے اصل و بے سند و بے سروپا حکایت مقبول و محمود، اور پھر دعوٰی ایمان و امانت ودین ودیانت بدستور موجود۔ انااللہ و انا الیہ راجعون کذٰلک یطبع اللہ علٰی کل قلب متکبر جبار (اسی طرح اللہ ہر متکبر سخت گیر کے دل پر مہر کردیتا ہے۔)

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکامِ حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہئے کہ اس کے لیے اتنی سندیں کافی ووافی، منکر اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر جزم ویقین نہیں تو ٹھیک ہے، اور عامہ مسائل سیر ومغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پاسکتے، اور اگر دعوٰی نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم وثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں تو جھوٹا کذاب ہے، بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم، اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم وستم، آنے کے بارے تو اتنی کتب علماء کی عبارات اتنی روایات بھی

ہیں نفی وانکار کے لیے کون سی روایت ہے؟ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل وغلط ہے؟ تو ادعائے بے دلیل محض باطل وذلیل۔

کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرف مقابل پر روایات موجودہ بربنائے ضعف مردود، اور اپنی طرف روایت کا نام ونشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان، روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیًا واثباتًا ہر طرح اسی باب سے ہوگا، اور دعوٰی نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی، یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود، اور دوسری طرف سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود، ولکن الوھابیة لایعقلون ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، امین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ فقط لیکن وہابیہ بے عقل ہوتے ہیں اور برائی سے رکنے، نیکی کے کرنے کی طاقت نہیں مگر بلند عظیم خدا ہی کی طرف سے ۔ اور خدائے برتر اپنی مخلوق میں سب سے بہتر محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر درود نازل فرمائے۔ الٰہی! قبول کر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس ذات بزرگ کا علم کامل اور محکم ہے۔[1003]

وفی الحدیث (یا أصحابي لا تنسوا امواتکم فی قبورھم خاصة فی شھر رمضان فان أرواحھم یأتون بیوتھم فینادی کل أحد منھم الف مرۃ من الرجال والنساء اعطفوا علینا بدرھم او برغیف او بکسرۃ خبز او بدعوۃ او بقراءۃ آیۃ او بکسوۃ کساکم اللہ من لباس الجنة) کذا فی ربیع الأبرار فاذا کان الرغیف او الکسرۃ مفیدا مقبولا عند اللہ تعالی فما ظنک بما فوقہ من اللذائذ۔

ترجمہ: اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے دوستو تم مردوں کو نہ بھولو جو اپنی قبروں میں ہیں۔ خاص کر ماہ رمضان شریف میں ان کی ارواح اپنے گھروں میں آتی

[1003] (بحوالہ فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۶۴۹-۶۵۲ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ہیں(جن گھروں کو چھوڑ کر قبروں میں جا بسے ہیں)۔ پس پکارتا ہے ایک ان میں سے ہزار مرتبہ مردوں اور عورتوں سے کہ بخشش کرو ہم پر ساتھ صدقہ کرنے درہم کے یا ساتھ خوراک اور ٹکڑا روٹی کے یا ساتھ دعا اور پڑھنے قرآن کریم کے یا ساتھ خیرات کرنے کپڑے کے پہنائے گا اللہ تعالیٰ تم کو جنت کی پوشاک۔[1004]

عید کا دن، دسواں دن، ماہ رجب کا پہلا جمعہ اور شب برأت میں ارواح کا اپنے گھروں میں آنا اور صدقات وغیرہ کا ثواب طلب کرنا

کتاب درر الحسان میں امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں:

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما اذا کان یوم العید ویوم العشر ویوم الجمعۃ الاولی من شھر رجب ولیلۃ النصف من شعبان ولیلۃ الجمعۃ یخرج الاموات من قبورھم ویقفون علی ابواب بیوتھم ویقولون ترحموا علینا فی اللیلۃ بصدقۃ ولو بلقمۃ من خبز فانا محتاجون الیھا فان لم یجدوا اشیئا یرجعون بالحسرۃ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے جب عید کا دن، دسواں دن، ماہ رجب کا پہلا جمعہ، شب براءت (شعبان کی نصف) اور جمعہ کی رات آتی ہے تو اموات اپنی قبور سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہماری طرف سے اس رات صدقہ کرو اگرچہ

[1004](روح البیان، ج۴ص ۳۶۶، دار الفکر- بیروت، تنویر الایمان فی اتباع مذھب النعمان ص ۲۹۱)

روٹی کا ایک لقمہ ہی دو کیونکہ ہم اس کے ضرورت مند ہیں اگر وہ کچھ صدقہ نہ کریں تو بڑے افسوس سے لوٹتے ہیں۔[1005]

دستور القضاۃ مصنفہ صدرالدین رشید تبریزی میں فتاوٰی نسفیہ سے منقول ہے:

ان ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یااھلی ویا اولادی یا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرو نا ولاتنسونا وارحمونا فی غربتنا قد کان ھذا المال الذی فی ایدیکم فی ایدینا فیرجعون منھم باکیا حزینا ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین اللھم قنطھم من الرحمۃ کماقنطونا من الدعاء والصدقۃ۔

اہل ایمان کی ارواح ہر جمعہ کی رات اور دن کو اپنے گھروں کے صحن میں آکر غمناک آواز دیتی ہیں: اے میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے رشتہ دارو، ہم پر صدقہ کرکے مہربانی کرو، ہمیں یاد رکھو، ہمیں بھول نہ جاؤ، ہماری غربت پر رحم کرو، یہ مال جو تمھارے ہاتھوں میں ہے یہ کبھی ہمارے پاس بھی تھا پھر وہ غمگین روتے ہوئے واپس جاتے ہیں، پھر ان میں سے ہر کوئی غمگین آواز سے کہتا ہے اے اللہ! ان کو رحمت سے اسی طرح دور فرما جس طرح انھوں نے ہمیں دعا و صدقہ سے مایوس کیا ہے۔[1006]

اشباہ والنظائر احکام جمعہ میں مسطور ہے: **وفیہ یجتمع الارواح** یعنی جمعہ کے دن روحیں اکٹھی ہوتی ہیں۔[1007]

روضۃ الریاحین میں ہے:

[1005] (درر الحسان فی البعث ونعیم الجنان للسیوطی ص ۲، دقائق الاخبار للامام الغزالی)

[1006] (دستور القضاۃ صدرالدین رشیدتبریزی)

[1007] (فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۶۹۴، بالاشباہ والنظائر باب احکام الجمعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۹)

مذہب اهل السنة ان ارواح الموتی فی بعض الاوقات من علیین وسجین یاتون الی اجساد هم فی قبورهم عند مایریداللّٰہ تعالٰی خصوصا فی لیلة الجمعة ویومها ویجلسون ویتحدثون۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اموات کی ارواح جب اللہ تعالیٰ چاہتاہے علیین اور سجین سے اپنے اجسام کی طرف آتی ہیں خصوصاجمعہ کی رات، دن میں آپس میں بیٹھ کر گفتگو کرتی ہیں۔[1008]

بخوف تطویل اس قدر ہی روایات پر بس، ورنہ اور بھی کتب معتبرہ خزانۃ الروایات اور عوارف المعارف اور تذکرۃ الموتیٰ مصنفہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے ارواح موتیٰ کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں کو آنا ثابت ہے، چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاوٰی عزیزی ترجمہ سرور عزیزی میں فرماتے ہیں:

"مُردے اوقات متبرکہ میں مثلاً شب جمعہ اور شب قدر میں اپنے ان عزیزوں کے پاس گزرتے ہیں کہ وہ عزیزان اموات کو یاد کرتے ہیں قدر ضرورت"[1009]

وفی روح البیان وفی الحدیث وفي الحديث: يا أصحابي لا تنسوا أمواتكم في قبورهم خاصة في شهر رمضان فإن أرواحهم يأتون بيوتهم فينادي كل أحد منهم ألف مرة من الرجال والنساء أعطفوا علينا بدرهم أو برغيف أو بكسرة خبز أو بدعوة أو بقراءة آية أو بكسوة كساكم الله من لباس الجنة كذا في ربيع الأبرار فإذا كان الرغيف أو الكسرة مفيداً مقبولاً عند اللہ تعالی فما ظنک بما فوقه من اللذائذ۔[1010]

خزانۃ الروایات میں ہے:

[1008](روضۃالریاحین)

[1009](سرورعزیزی ترجمہ فتاوٰی عزیزی)

[1010](روح البیان سورۃ الرعد ج۴ص۴۰۲،تنویر الایمان فی اتباع مذہب نعمان ص۰۹۲)

عن بعض العلماء المحقیقین ان الارواح تتخلص لیلة الجمعة و تنتش فجاؤ الی مقابر ثم جاؤ افی بیوتھم۔

بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھُٹی پاتی اور پھیلتی جاتی ہیں، پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔[1011]

ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی وعبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما باہم ملے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا، کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟

کہا: نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنة وھی تذھب حیث شاءت۔ ہاں مسلمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔[1012]

ابن المبارک کتاب الزہد وابو بکر ابن ابی الدنیا وابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں:

قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت و نفس الکافر فی سجین۔

بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔[1013]

ابن ابی الدنیا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں:

قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلة تذھب حیث شاءت۔

[1011] (خزانة الروایات)

[1012] (شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۳۵۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۲۱)

[1013] (کتاب الزھد لابن مبارک باب ماجاء فی التوکل حدیث ۴۲۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۴)

فرمایا: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[1014]

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

رجح ابن البران ارواح الشهداء فی الجنة وارواح غیرهم علی افنیة القبور فتسرح حیث شاءت۔

امام ابو عمر ابن عبد البر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔[1015]

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ان الروح اذا انخلعت من هذا الهیکل وانفکت من القیود بالموت تحول الی حیث شاءت۔

بیشک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔[1016]

قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:

ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین وآسمان وبہشت ہر جا کہ خواہند می روند۔

[1014] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۸)

[1015] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۵)

[1016] (تیسیر شرح جامع صغیر تحتِ حدیث ان روح المومنین الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/۳۲۹)

اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[1017]

فصل دربیان
تین طلاق کوایک طلاق کہنے کی تحقیق

بعض علماءایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کوایک طلاق شمارکرتےہیں حالانکہ فقہ حنفیہ اوراحادیث کی روسے یہ تین طلاقیں شمار کی جائیں گی اور طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی جیسے کہ حدیث پاک میں ہے حضورعلیہ السلام کےزمانہ مبارک میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے دادانے اپنی بیوی کوایک ہزار طلاق دیں‌اور حضورعلیہ السلام سے اس سلسلہ میں پوچھاگیاتوآپ ﷺ نے تنبیہہ فرماتے ہوئے فرمایاکہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں اوربقیہ طلاقیں ظلم ہیں۔ نیز حضرت حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ کودفعتہً تین طلاقیں دیں‌تو حضورعلیہ السلام نےفاطمہ کواس سے الگ کیااورکوئی عیب نہیں لگایا۔ نیز بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاروایت فرماتی ہیں کہ ایک شخص نےاپنی بیوی کوتین طلاقیں دیں اوراس عورت نے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیاجس نےاس کوطلاق دی اور حضورعلیہ السلام سےپوچھاگیاکہ کیااب یہ سابق شوہرکیلئے حلال ہوگئی؟توآپ ﷺ نے فرمایاکہ جب تک مجامعت نہ ہواس وقت تک اس کاسابق شوہرسےنکاح نہیں ہوسکتانیزحضرت عائشہ رضی اللہ عنہاسےروایت ہے کہ حضرت رفاعہ نےاپنی بیوی کوتین طلاقیں دیں جس نےحضرت عبدالرحمٰن بن زبیررضی اللہ عنہماسےنکاح کیامگراس کاحضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے نبھانہیں اوراس عورت نے حضور

[1017](تذکرۃالموتٰی والقبور اردوترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاھور ص ۷٦و ۷۵ وفتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۲۵۲)

علیہ السلام سے رجوع کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تم آپس میں مل نہ لو اس وقت تک تم رفاعہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ،حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقیں حرمت کا باعث ہیں جو کہ طلاق ثلاثہ کا حکم ہے نہ کہ ایک کا دیکھو دار القطنی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ لہٰذا ان احادیث اور جلیل القدر صحابہ کے عمل سے ثابت ہوا کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین طلاقیں ہی ہیں اور عدت گزرنے کے بعد دوسرے مرد کے ساتھ نکاح اور حلالہ کے بعد طلاق یا موت کی صورت میں عدت ثانیہ گزرنے کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کیا جا سکتا ہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ جاء الحق میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو اگر چہ اس نے برا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی نہ کہ ایک، اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہو گی۔ چونکہ زمانہ موجودہ کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہو گی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہو گا۔

بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر عورت کو بحالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگر چہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہو گی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہو گئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب)

(۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور اخیری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے۔ نہ کہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیانتہ طلاق ایک ہی ہو گی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھالو کھانا کھانا میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے خلوت ہو چکی ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہر حال طلاقیں تین ہی واقع ہو نگی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہو گی۔ اس پر امام ابو حنیفہ وشافعی ومالک واحمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہر بین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت **فَاِن طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ (الایہ سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۳۰)** ہے:

والمعنی فان ثبت طلاقھا ثلاثاً فی مرۃ او مرات فلا تحل (الایہ) کما اذا قال لھا انت طالق ثلثاً او البثہ وھذا ھو المجمع علیہ۔

یعنی علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہر حال حرام ہو جائے گی۔[1018]

نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے:

وقد اختلف العلمآء فی من قال لامراء ته انت طالق ثلثاً فقال الشافعی ومالک وابو حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث وقال طاءوس بعض اهل الظاهر یقول لا یقع بذلک الا واحدة۔[1019]

یعنی جو کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف و خلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہو گی۔ بلکہ حجاج ابن ارطات اور ابن مقاتل اور محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہ پڑیگی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف قول ہو وہ ہی ان کا دین ایمان ہے اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو گی۔

تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت فَاِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ (الایه سوره البقره آیت نمبر ۲۳۰) ہے:

[1018](تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1019](شرح صحیح مسلم نووی کتاب الطلاق ج ۵ جز ۱۰ ص ۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

واما القول بان الطلاق الثلث فی مرة واحدة لایقع الا طلقة لایعرف الا لابن تیمیه ورد علیه ائمة مذهبه حتی قال العلماء انه الضال المضل ونسبتها الی الامام اشهب من الائمة المالکیة باطلة۔[1020]

یعنی یہ کہنا کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سوا ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی خود اس کے مذہب کے اماموں نے تردید کر دی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام، اشہب مالکی کی طرف غلط ہے بہر حال پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ آج کل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا۔

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہر میں تین۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ برا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی جیسے طلاق بحالت حیض کہ اگرچہ برا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیحٌ بِاِحْسَانٍ (البقرہ ۲۲۹)

پھر فرماتا ہے:

[1020] (تفسیر صاوی ج ا ص ۱۷۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فَاِن طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ (البقرہ ۲۳۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مرتان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہو گا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

فان طلقها ای طلقة ثالثة سوآء وقع الاثنتان فی مرة او مرتین والمعنی فان ثبت طلاقها ثلثاً فی مرة او مرات فلاتحل۔[1021]

یعنی اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں:

کما اذا قال لها انت طالق ثلثا او البتة وهذا هو الجمع علیه۔[1022]

یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَن يَّتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَاتَدْرِی لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا (طلاق ۱)

یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے (کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے) تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا؟ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے۔

[1021] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1022] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وَاحْتَجَّ الْجُمْهُورُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودُ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللهَ يحدث بعد ذلک أمرا قَالُوا مَعْنَاهُ أَنَّ الْمُطَلِّقَ قَدْ يَحْدُثُ لَهُ نَدَمٌ فَلَا يُمْكِنُهُ تَدَارُكُهُ لِوُقُوعِ الْبَيْنُونَةِ فَلَوْ كَانَتِ الثَّلَاثُ لَا تَقَعُ لَمْ يَقَعْ طَلَاقُهُ هذا إِلَّا رَجْعِيًّا فَلَا يَنْدَمُ۔

ترجمہ: وہ ہی ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔[1023]

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلتہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ روپڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کرلیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

لَوْ لَا أَنِّي سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"۔

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا قَالَ: "ثَلَاثٌ تُحَرِّمُهَا عَلَيْکَ وَاقْسِمْ سَائِرَهَا بَيْنَ نِسَائِکَ"۔[1024]

یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں ہیں۔ فرمایا کہ تین طلاقوں نے اسے تجھ پر حرام کر دیا۔ باقی طلاقیں اپنی اور بیویوں کو

[1023] (شرح صحیح مسلم نووی کتاب الطلاق ج۵ جز ۱۰ ص ۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1024] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع و الطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج۷ ص ۳۳۵ رقم الحدیث ۱۴۷۳۸ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الطلاق باب فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفاً فی قول واحد ج۴ ص ۱۲ رقم الحدیث ۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بانٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مہینوں میں تو نہ دی ہوں گی ورنہ ۸۲ سال ۳مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں جائز رکھیں۔

(۵) بیہقی میں ہے:

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"۔ [1025]

یعنی امام جعفر صادق اپنے جد امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔

اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلی سے مروی ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا قَالَ: "لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"۔ [1026]

(۶) بیہقی نے محمد ابن ایاز ابن بکیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ہم اس

[1025] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع و الطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج۷ ص ۳۳۵ رقم الحدیث ۱۴۷۳۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1026] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع و الطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج۷ ص ۳۳۴ رقم الحدیث ۱۴۷۳۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دے دیا۔

حدیث کے آخری الفاظ ہیں:

فَسَألَ أَبَا هُرَيْرَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَا: "لَا نَرَى أَنْ تَنْكِحَهَا حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ"، قَالَ: إِنَّمَا كَانَ طَلَاقِي إِيَّاهَا وَاحِدَةً، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: "إِنَّكَ أَرْسَلْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَضْلٍ"۔ [1027]

(۷) اسی بیہقی میں عبد الحمید ابن رافع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تین لے لو اور ستانوے چھوڑ دو۔

عبارت یہ ہے:

قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ: طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِائَةً قَالَ: "تَأْخُذُ ثَلَاثًا وَتَدَعُ سَبْعًا وَتِسْعِينَ"۔ [1028]

(۸) بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبد اللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین لے لو۔ اور نو سو ستانوے چھوڑ دو۔

عبارت یہ ہے:

[1027] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج۷ ص ۳۳۵ رقم الحدیث ۱۴۷۴۲ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1028] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب من جعل الثلاث واحدۃ وما ورد فی خلاف ذلک ج۷ ص ۳۳۷ رقم الحدیث ۱۴۷۵۴ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا فقَالَ: "تَأْخُذُ ثَلَاثًا وَتَدَعُ تِسْعَ مِائَةٍ وَسَبْعَةً وَتِسْعِينَ"۔ [1029]

(۹) بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہدو کہ تجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔

عبارت یہ ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ عَدَدَ النُّجُومِ فَقَالَ: "إِنَّمَا يَكْفِيكَ رَأْسُ الْجَوْزَاءِ"۔ [1030]

(۱۰) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب من طلق ثلثا فی مجلس واحد میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایکدم دیدیں۔ ان تینوں کو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے جائز رکھا۔

عبارت یہ ہے:

قَالَتْ: طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا، وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْيَمَنِ، فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ [1031]

[1029] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع و الطلاق باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فی خلاف ذلک ج۷ ص ۳۳۷ رقم الحدیث ۱۴۷۵۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1030] (سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع و الطلاق باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فی خلاف ذلک ج۷ ص ۳۳۷ رقم الحدیث ۱۴۷۵۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1031] (سنن ابن ماجه کتاب الطلاق من طلاق ثلاثاً فی مجلس واحد ج ۲ ص ۵۰۷ رقم الحدیث ۲۰۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الدارقطنی کتاب الطلاق ج ۲ جز ۴ ص ۱۰ رقم الحدیث ۳۸۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الدارمی کتاب الطلاق باب فی المطلقة ثلاثاً لها السکنی و النفقة ام الا؟ ج ۲ ص ۱۳۶ رقم الحدیث ۲۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

(۱۱)حاکم ابن ماجہ ابو داؤد نے عبد اللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی بس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا چنانچہ ابن ماجہ اور ابو داؤد میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: مَا أَرَدْتَ بِهَا؟ قَالَ: وَاحِدَةً، قَالَ: آللَّهِ، مَا أَرَدْتَ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً؟ قَالَ: آللَّهِ، مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً، قَالَ: فَرَدَّهَا عَلَيْهِ۔[1032]

اگر ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا انت طالق طالق طالق اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مااشرف ھذا الحدیثیہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے۔[1033]

ابو داؤد نے فرمایا ہے:

ھذا اصح من حدیث ابن جریج۔

یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریج زیادہ صحیح ہے۔[1034]

[1032](ابن ماجہ باب طلاق البتۃ ج ۱ ص ۶۶۱ رقم الحدیث ۲۰۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ ج ۲ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع المسانید لابن کثیر ج ۳۲ ص ۱۱۱ رقم الحدیث ۲۸۴۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1033](ابن ماجہ باب طلاق البتۃ ج ۱ ص ۶۶۱ رقم الحدیث ۲۰۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1034](سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ ج ۲ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(۱۲) امام مالک و شافعی و ابوداؤد و بیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دیگی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہو گا۔ عبد اللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔

عبارت یہ ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، سُئِلُوا عَنِ الْبِكْرِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا ثَلَاثًا؟ فَكُلُّهُمْ قَالُوا: لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ، أَنَّهُ شَهِدَ هَذِهِ الْقِصَّةَ۔ [1035]

(۱۳) بیہقی نے بسام صریفی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔

(۱۴) اسی بیہقی نے مسلمہ ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہو گی؟ فرمایا معاذاللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ [1036]

(۱۵) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنادیا گیا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے:

[1035] (سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعته بعد التطلیق الثلث ج ۲ ص ۴۵۰ رقم الحدیث ۲۱۹۸ مطبوعه دار ابن حزم بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۲۶۲۔۲۶۳ رقم الحدیث ۱۱۱۵، ۱۱۱۲۲ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)، (شرح معانی الآثار کتاب الطلاق ج ۲ جز ۳ ص ۵۷ رقم الحدیث ۴۴۷۹ مطبوعه عالم الکتب بیروت)

[1036] (تفسیر روح المعانی پاره دوم ج ۱ جز ۲ ص ۱۳۹ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ "۔[1037]

(١٦) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کر سکتے۔[1038]

(١٧) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیئے۔

(١٨) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ ایکدم تین طلاقیں دینا بے شک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقع کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو ذبیحہ بے شک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دیدے تو واقع ہو جائے گی۔

(١٩) اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔

ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے:

لِأَنَّ الْحُكْمَ فِيمَا لَا يَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنْ السَّبَبِ، لِأَنَّهُ) يَعْنِي أَنَّ السَّبَبَ فِي هَذِهِ الْعُقُودِ إِسْقَاطٌ فَيَتَلَاشَى۔[1039]

[1037] (مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث ج ۱ ص ۴۷۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1038] (شرح مسلم نووی کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث ج ۱ ص ۴۷۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1039] (ہدایہ آخرین کتاب الوکالۃ ص ۱۸۰ مطبوعہ بک لینڈ اردو بازار لاہور)

یعنی اسقاط میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہو سکتا طلاق بولنا سبب ہے اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے لہٰذا نا ممکن ہے کہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک۔

(۲۰)جمہور علماء خصوصاً چاروں امام امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کہ ایکدم طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہونگی اس کی مخالفت امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو گمراہی ہے، غرضکہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث اجماع صحابہ اقوال علماء محدثین و مفسرین دلائل عقلیہ ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل و نقل کی مخالفت ہے۔

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کرسکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم ان کی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

اعتراض(ا)…:رب تعالیٰ فرماتا ہے:الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیحٌ بِاِحْسَان (البقرۃ ۲۲۹) کچھ آگے چل کر ارشاد فرماتا ہے فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَاتَحِلُّ لَہٗ۔ "مرتان" اور "فان" کی ف سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایکدم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔ "مرتان" علیحدگی بتارہا ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ایکدم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ الطلاق میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اسے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی

وصاوی وجلالین میں ہے: الطلاق ای التطلیق الذی یراجع بعدہ مرتن دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مرتان سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (الملک ۴) آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بے شک ایکدم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

اعتراض (۲)...:۔ مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے:

الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً۔[1040]

نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو الصھباء نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں عبارت یہ ہے: انَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَتَعْلَمُ أَنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ

[1040] (صحیح مسلم کتاب الطلاق طلاق الثلاث ص ۲۰ ۵ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَثَلَاثًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَعَمْ۔ [1041]

ان حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ:۔ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی مضبوط اعتراض ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہو گا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنا دینا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس پر اعتراض نہ کرنا با آواز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماول۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایکدم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہو گی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث میں ہے کہ ابو صھباء نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔

عبارت یہ ہے:

[1041] (صحیح مسلم کتاب الطلاق طلاق الثلاث ص ۶۰۵ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قال ابن عباس بلی کان الرجل اذا طلق امراته ثلثاً قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة الخ۔[1042]

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ وہ تین طلاقیں ہی دینے لگے لہذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔

نووی شریف میں ہے:

فَالْأَصَحُّ أَنَّ مَعْنَاهُ أَنَّهُ كَانَ فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ وَلَمْ يَنْوِ تَأْكِيدًا وَلَا اسْتِئْنَافًا يُحْكَمُ بِوُقُوعِ طَلْقَةٍ لِقِلَّةِ إِرَادَتِهِمُ الِاسْتِئْنَافَ بِذَلِكَ فَحُمِلَ عَلَى الْغَالِبِ الَّذِي هُوَ إِرَادَةُ التَّأْكِيدِ فَلَمَّا كَانَ فِي زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَثُرَ اسْتِعْمَالُ النَّاسِ بِهَذِهِ الصِّيغَةِ وَغَلَبَ مِنْهُمْ إِرَادَةُ الِاسْتِئْنَافِ بِهَا حُمِلَتْ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ عَلَى الثَّلَاثِ عَمَلًا بِالْغَالِبِ السَّابِقِ إِلَى الْفَهْمِ مِنْهَا فِي ذَلِكَ الْعَصْرِ۔[1043]

یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لئے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایکدم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس لئے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا

[1042] (سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ج ۲ ص ۲۵۰ رقم الحديث ۲۱۹۹ مطبوعه دار ابن حزم بیروت)

[1043] (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ص جز ۱۰ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ص ۲۱ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

دیکھو قرآن شریف میں زکوۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مولفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا کہ مصرف زکوۃ صرف سات ہیں مولفۃ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لئے ایسے کافروں کو زکوۃ دے کر مائل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لہذا ان کو زکوۃ دینا بند کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا نسخ نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہو گیا تو زکوۃ دینے کا حکم ہو گیا۔ کپڑا ناپاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہو گیا اس سے نماز جائز ہو گئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

اعتراض (۳)...:۔ ابوداؤد جلد اول اور درمنثور جلد اول ص ۲۷۹ وعبدالرزاق و بیہقی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ عبدیزید ابورکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کرلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! (ﷺ) میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (طلاق ۱)

ابوداؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے:

طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ أَبُو رُكَانَةَ أُمَّ رُكَانَةَ فقال النبیﷺ "رَاجِعِ امْرَأَتَکَ، فَقَالَ إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ: "قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا, وَتَلَا {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ (الآية)۔[1044]

اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت در پیش آتی معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ خود ابو رکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب:۔ افسوس کہ معترض نے ابو داؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابو داؤد بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کی ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اس کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لا محالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے:

حَدِيثُ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَرَدَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ لِأَنَّهُمْ وَلَدُ الرَّجُلِ وَأَهْلُهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رُكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً۔[1045]

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی

[1044] (بیهقی سنن کبری ج۷ ص ۳۳۹ مطبوعه مکتبة دار الباز مكة المكرمة)،(سنن ابو داؤد باب نسخ المرجعته ج ۲ ص ۴۴۸ رقم الحديث ۲۱۹۶ مطبوعه دار ابن حزم بیروت)

[1045] (بیهقی سنن کبری ج۷ ص ۳۳۹ مطبوعه مکتبة دار الباز مكة المكرمة)،(سنن ابو داؤد باب نسخ المرجعته ج ۲ ص ۴۴۸ رقم الحديث ۲۱۹۶ مطبوعه دار ابن حزم بیروت)

طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہو گی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے:

وھذا الاسناد لاتقوم بہ الحجۃ مع ثمانیۃ ورد عن عباس فافتاہ بخلف ذلک ومع روایت او لادر کانہ ان طلاق رکانہ کان واحدۃ وباللہ التوفیق۔ [1046]

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ابو رکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ ﷺ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شاید تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی۔ عبارت یہ ہے:

وَأَمَّا الرِّوَايَةُ الَّتِي رَوَاهَا الْمُخَالِفُونَ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ ثَلَاثًا فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرِوَايَةٌ ضَعِيفَةٌ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُولِينَ وَإِنَّمَا الصَّحِيحُ مِنْهَا مَا قَدَّمْنَاهُ أَنَّهُ طَلَّقَهَا أَلْبَتَّةَ وَلَفْظُ أَلْبَتَّةَ مُحْتَمِلٌ لِلْوَاحِدَةِ وَلِلثَّلَاثِ وَلَعَلَّ صَاحِبَ هَذِهِ الرِّوَايَةِ الضَّعِيفَةِ اعْتَقَدَ أَنَّ لَفْظَ أَلْبَتَّةَ يَقْتَضِي الثَّلَاثَ فَرَوَاهُ بِالْمَعْنَى الَّذِي فَهِمَهُ وَغَلِطَ فِي ذَلِكَ۔ [1047]

[1046] (بیہقی سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[1047] (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ص جز ۱۰ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ص ۷۱ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعتراض (۴)...:۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہمانے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں۔ جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب:۔ یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیئے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے۔

عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَاجِعَهَا، ثُمَّ يُمْسِكَهَا حَتَّى تَطْهُرَ۔ [1048]

نیز نووی شریف شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں فرمایا:

واما حديث ابن عمر فروايا ت الصحيحة التى ذكرها مسلم وغيره انه طلقها واحدة۔ [1049]

ان کے متعلق تین کی روایات بالکل ضعیف ہیں۔

اعتراض (۵)...:۔ تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۴۷ الطلاق مرتان کی تفسیر میں ہے:

معناه ان تطليق الشرعية يجب ان يكون تطليقة على التفريق دون الجمع والارسال وهذاالتفسير هو قول من قال الجمع بين الثلث حرام۔

[1048] (صحیح مسلم باب تحریم الطلاق الحائض ج ۲ ص ۱۰۹۳ رقم الحدیث ۱۴۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1049] (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ص جز ۱۰ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ص ۶۱ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کئے دینا واجب ہے یہ ہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔[1050]

جواب:۔ اس کا کون منکر ہے بے شک طلاقیں الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام جائز نہیں ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سببیت پر نہیں پڑتا۔

اعتراض (۲)...:۔ تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

وھو اختیار کثیر من علماء الدین انہ لو طلقھا اثنتین او ثلثاً لایقع الا الواحدۃ۔

یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے تو اس سے ایک ہی واقع ہو گی۔ معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔[1051]

جواب:۔ معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اس کے وہابی پیروکار ہیں۔ ان ہی کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ

[1050] (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۴۷ مطبوعہ مصر)

[1051] (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۴۷ مطبوعہ مصر)

کرنے والا لکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے۔

والقول الثانی وھو قول ابی حنیفة رضی اللہ عنہ انہ وان کان محرماً الا انہ یقع۔

یعنی دوسرا قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جا کر تفسیر کبیر میں فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں۔ دیکھو۔[1052]

اعتراض (۷)...:۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں جمروں پر الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں کو سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں کنکریاں ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائے گی اور چھ کنکریاں اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔

ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اللھم صل علی سیدنا محمد الف مرۃ تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائے گا لہٰذا چاہیئے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔

جواب:۔ الحمد للہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے نہ کہ محض فعل لہٰذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب

[1052](تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ مصر)

کہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہئیے۔بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز رمی جمروں میں سات فعل چاہئیں ایک دم سات کنکر یاں پھینک دینے میں مفعول سات ہوئے۔ مگر فعل ایک چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہئیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے اور ظاہر ہے کہ ایک بار الف مرۃ کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف۔ قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے طلاق کونسا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ محنت کا ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بناء تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہو گی۔ لہذا احتیاط بھی اس میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔[1053]

فصل دربیان
قبرستان کے ہرے بھرے درخت کاٹنے کی حرمت

بعض لوگ قبرستان کے چھوٹے بڑے درخت اور گھاس کاٹ کر فروخت کرکے اس کی رقم کسی کار خیر یا مسجد وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں حالانکہ قبرستان سے سبز گھاس اور درخت کاٹنا اور بیچنا یہ حرام ہے کیوں کہ یہ مردوں کا حق ہے اس وجہ سے کہ ہری گھاس اور درختوں کے پتے ذکر اللہ کرتے ہیں

[1053] (بحوالہ سعید الحق فی تخریج جاء الحق ص ۷۷۷)

جس کی وجہ سے مردوں پر رحمت نازل ہوتی ہے اور عذاب دفع ہوتا ہے اور ان درختوں کے پتے اور گھاس کے پودوں کی تعداد بھی ہزاروں اور لاکھوں میں ہو اور گناہ اور جرم بھی ہزاروں اور لاکھوں میں ہوں۔ (العیاذ باللہ) (اثبات و تسبیح نباتات و جمادات اللہ جل جلالہ فرماتا ہے)

اِن مِّن شَیءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِیحَهُمْ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیمًا غَفُورًا (الاسراء ۴۴)

ترجمہ: "اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔"

یہ تسبیح الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جس کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ جمهور السلف علی ان الآیة علی ظاهرها من ان کل شیئی حیوانا کان او جمادا یسبح بلسان المقال۔

ترجمہ: جمہور سلف کہتے ہیں کہ آیات مبارکہ اپنے ظاہری معنٰی پر حمل ہیں اس بات سے کہ ہر چیز چاہے وہ حیوان ہو یا جماد وہ اپنی زبان مقال سے تسبیح کرتی ہے۔[1054]

۲۔ وهو الذی یشیر له قول الجلال انه لیس بلغتکم الصریح فی انه بلغة اخریٰ اھ۔[1055]

۳۔ ان تسبیح الجماد بلسان المقال وهو الذی اختاره الخازن و اثبته باحادیث متعددة۔

ترجمہ: بے شک جماد کی تسبیح کی اپنی زبان مقال کے ساتھ ہوتی ہے اور خازن نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسے احادیث متعددہ سے ثابت کیا ہے۔[1056]

۴۔ وهو قریب جدا۔ اھ۔ شیخنا۔ اھ۔[1057]

[1054] (جمل ج ۲ ص ۶۲۷)

[1055] (جمل ج ۲ ص ۶۲۷)

[1056] (جمل ج ۲ ص ۶۲۷)

[1057] (جمل ج ۲ ص ۶۲۷)

۵۔ففی ھذہ الاحادیث (الثلثۃ المنقولۃ من البخاری والمسلم)دلیل علی ان الجمادیتکلم وانہ یسبح۔

ترجمہ:ان تینوں احادیث مبارکہ میں جو کہ نقل کی گئی ہیں بخاری اور مسلم سے دلیل ہے اس بات پر کہ جماد باتیں بھی کرتے اور تسبیح بھی بیان کرتے ہیں۔[1058]

۶۔وھو الاصح لمادلت علیہ الحدیث۔اھ۔[1059]

۷۔وانہ منقول عن السلف۔اھ۔[1060]

۸۔حَتّٰی اِذَا مَا جَآءُوھَا شَھِدَ عَلَیھِمْ سَمْعُھُمْ وَ اَبْصَارُھُمْ وَ جُلُودُھُمْ بِمَا کَانُوا یَعْمَلُونَ (۲۰) وَقَالُوا لِجُلُودِھِمْ لِمَ شَھِدتُّمْ عَلَینَاؕ قَالُوا اَنطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِی اَنطَقَ کُلَّ شَیءٍ وَّ ھُوَ خَلَقَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّاِلَیہِ تُرْجَعُونَ (حم السجدۃ ۲۱)

ترجمہ: یہاں تک کہ پچھلے آملیں یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کئے کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی اور اس نے تمہیں پہلی بار بنایا اور اسی کی طرف تمہیں پھرنا ہے۔"پس دیکھو کہ یہ چار قوی دلائل مقال پر ہیں۔

۹۔ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَ ھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًاؕ قَالَتَا اَتَینَا طَآئِعِینَ (حم السجدۃ ۱۱)

ترجمہ:پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔"پس دیکھو کہ یہ چار قوی دلائل مقال پر ہیں۔

[1058](خازن ج۳ص ۱۶۶)
[1059](خازن ج۳ص ۱۶۶)
[1060](خازن ج۳ص ۱۶۶،والمعالم ج۴ص ۱۳۱،والجمل ج۲ص ۶۲۷)

• ١٠- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ مَرَّ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ، فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لاَ يَسْتَتِرُ مِنَ البَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ، ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لِمَ صَنَعْتَ هَذَا؟ فَقَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جارہے ہیں اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیئے جارہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا پھر آپ نے ایک ہری ترشاخ لی اور اسے چیر کر دو ۲ حصے فرمائے پھر ہر قبر میں ایک ایک گاڑدی لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا، تو فرمایا کہ جب تک یہ نہ سوکھیں گے تب تک ان کا عذاب ہلکا ہوگا۔[1061]

١١- مقبرے کی گھاس (سبز) کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے، اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں سے کاٹ کر جانوروں کے پاس لے جائیں، اور یہ ممنوع ہے کہ انھیں گورستان میں چرنے چھوڑدیں۔

فی جنائز ردالمحتار یکرہ ایضا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کمافی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ مادام رطباً یسبح اللہ تعالٰی فیونس المیّت وتنزل بذکرہ الرحمۃ ونحوہ فی الخانیۃ انتھی۔

ردالمحتار کے جنائز میں ہے کہ تر گھاس کا مقبرے سے کاٹنا مکروہ ہے خشک گھاس کا نہیں، جیسا کہ بحر، درر اور شرح منیہ میں ہے، اور امداد میں اس کی یہ وجہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے

[1061] (مسلم، بخاری، مشکوۃ ص ۴۲، ابوداؤد ثم طحطاوی علی المراقی ص ۳۷۸ ثم شامی دفن ص ۶۰۶)

اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میّت کو انس حاصل ہوتا ہے، خانیہ میں بھی اسی طرح ہے انتہی۔[1062]

فصل دربیان
جوازصدقات برفقراءسادات

بعض مولوی و مفتی حضرات کہتے ہیں کہ بنی ہاشم (سادات کرام وغیرہ) کو زکوۃ، صدقات، خیرات، صدقہ ٔفطر وچمڑہ دیناجائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ مقروض، نادار، محتاج اور تنگدست ہی کیوں نہ ہوں حالانکہ اسلام کی روشنی میں تمام اقسام کے صدقات و خیرات و زکوۃ عشر و فطرانہ نادار، محتاج ، قرض دار، سادات کرام کو دیناجائزاوردرست ہیں۔اس لئے کہ دین حق اسلام میں صدقات وخیرات وزکوۃ وعشر وغیرہ کی مشروعیت کی حکمتوں میں سے اعلیٰ حکمت وسبب وہی ہے جسے خود کلام اللہ شریف نے منصوص فرماکربیان فرمایا:اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ:الخ (توبۃ ٦٠)یعنی صدقات توفقراء ومساکین ہی کاحق ہےاوراس کی سب سےاعلیٰ تفسیرجوخود معلم کائنات ﷺ نے متفق حدیث میں فرمائی ہےتُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ۔[1063]

یعنی صدقات فریضہ واجبہ اغنیاءسےلےکرفقراء کودی جاتی ہےلہٰذاملت اسلامیہ کے فقراءومساکین صدقات کے حق دارہیں چاہےوہ سادات ہوں یاغیرسادات تمام اس میں شامل ہیں اگرخودشرع کسی فردکوکسی وقت وزمانہ یاحال وعلت سے مستثنیٰ فرماکراس کی حاجت روائی کیلئےکوئی خاص بندوبست مقررکردےتووہ اس کاحق ہےمگروہ وقت زمانہ حال اورعلت نہ رہےتوقاعدہ شرعیہ ہے۔

[1062] (ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ١/٦٠٦)

[1063] (صحيح البخاري ج ٢ ص ١٢٨ رقم الحديث ١٤٩٦ ،صحيح مسلم ج ١ ص ٥١ رقم الحديث ٣١)

لِأَنَّ الْحُكْمَ يَدُورُ مَعَ الْعِلَّةِ۔[1064]

جب وہ زمانہ وحال اور سبب علت نہ رہے تو وہ حکم استثناء بھی نہ رہے گا جیسا کہ حالت خوف وسفر کہ امیں وہ حکم نہیں رہتا جو اس حالت میں تھا۔ کتب مذہب میں ہے کہ طاعات ومعاصی پر اجرت لینا صحیح نہیں جبکہ اذان حج امامت تعلیم قرآن وحدیث وفقہ سب طاعات سے ہیں اور اجرت لینے دینے پر علماء وعوام کا معمول ہے بعض نے اقامت اور وعظ کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ حالانکہ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ) نے تصریح فرمائی ہے واجمعوا علی ان الاجارۃ علی تعلیم الفقہ باطلۃ مگر معمول علماء ہے کہ حج وزیارت کی تربیت وتعلیم پر اجرت معمول متواتر ہے اور تعلیم وتلاوت قرآن بھی عوام وخواص کا معمول ہے باوجودیکہ علامہ کی مجموعہ رسائل طبعہ مصر ص ۱۷۴ رسالہ سابعہ میں ہے قرآن کے متعلق لایجوز فی مذھب من مذاھب الاسلامیۃ ولافی دین من الادیان السماویۃ مگر تلاوت وقرآت پر اجرت کا معمول کتنا عام ہے جن پر خلاف معمول حکم کے خلاف عمل ہو رہا ہے اگر مانعین حضرات کی طرح علم وانصاف کی آنکھیں بند کرکے عدم جواز وممانعت کا حکم نافذ کر دیا جائے تو کیا خلق کثیر پر ظلم نہ ہوگا۔ تو آخر کیا علت ہے اجرت پر ان کاموں کو جاری رکھنے کی یہی ہے کہ بغیر اجرت کے یہ کام کرنے والوں کا زمانہ نہ رہا اور کام کرنے والوں کی ضرورت وحاجت کی علت کی بناء پر ضرورتاً اور اضطراراً امور دین کو جاری رکھنے کیلئے جواز کا حکم وفتویٰ دیا گیا ہے۔[1065]

(وَ) لَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ مِثْلُ (الْأَذَانِ وَالْحَجِّ وَالْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ) وَيُفْتَى الْيَوْمُ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ۔

[1064] (شامی ج ۳ ص ۳۹)

[1065] (درمختار ج ۲ ص ۱۷۹ مجتبائی) پر ملاحظہ ہو۔

جس طرح ان امور پر اجرت لینا دینا ایک زمانے میں صحیح نہ تھا تو جواز کا حکم وفتویٰ بھی نہ تھا اور اب وہ زمانہ نہ رہا۔ یونہی عہد نبوی ﷺ اور خیر القرون دور خلافت میں بیت المال کے مال غنیمت سے آل رسول ﷺ بنی ہاشم سادات کو **خمس الخمس** دے کر ان کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا بندوبست مقرر تھا لہٰذا صدقات وغیرہ سے لینا دینا ممنوع ومکروہ رکھا گیا۔ روایات میں **لاتحل** اور **لاتنبغی** کہا گیا ہے وہ زمانہ تاسیس ضابطہ کا زمانہ تھا اگر آل رسول ﷺ کو صدقات وغیرہ ملتے تو کوئی ضعیف الاعتقاد شک وطعن میں مبتلا ہو کر دین وایمان سے محروم نہ ہو بیٹھے کہ یہ شارع علیہ السلام نے اپنوں کیلئے مشروع کیے اس اندیشہ کا محل اب نہ رہا۔ بعض افراد کے مطالبے پر فرمایا کہ تمہاری حاجت روائی کا بندوبست **خمس الخمس** سے کر دیا گیا ہے وہی کافی ہے پس وہ علت اب نہ رہی تو وہ حکم بھی نہ رہا۔ وجود علت کا حکم عدم علت میں ہو تو فقراء ومساکین کی حق تلفی ہو اور صاف ضرر ہو اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ **الضرر یزال** یعنی ضرر کو دور کرنا مشروع ہے۔ **خمس الخمس** ملنے کے وقت وحال کا حکم **خمس الخمس** نہ ملنے کے وقت وحال میں لگانا قطعاً غلط اور **قیاس مع الفارق** ہے۔

تفسیر احمدی طبع علیمی میں ہے:

غاية مافى الباب انهم يستحقونه اذاكانوافقراء وذالک لانهم لماطلبواالزكاة فمنعهاعليه السلام عنهم وقال يامعشربنى هاشم ان الله حرم عليكم غسالة الناس واوساخهم وعوضكم منهابخمس الخمس من الغنيمة فقد جعل رسول الله ﷺ خمس الخمس عوضاعن الزكاة والزكاة انمايستحقهاالفقراءفكذاهذاوقدصح ان الخلفاءالراشدين كلهم قسمواعلى نحومانقلناهكذافى شرح الوقاية والهداية۔

لہذا معلوم ہوا کہ خمس الخمس زکوۃ کا عوض ہے جو آل رسول ﷺ کیلئے ہوا اور زکوۃ کے مستحق فقراء ہی ہیں تو خمس الخمس کے مستحق بھی فقراء ہی ہیں پس آل رسول ﷺ سادات بنی فاطمہ سے جو فقراء مساکین محتاج ہو زکوۃ و صدقات ان کو دینا جائز بلکہ دوسروں سے زیادہ ثواب ہے ایک ادائے زکوۃ کا اور دوسرا قرابت نبوی ﷺ کا اس مسئلے میں بعض علماء سے لغزش ہوئی ہے مگر مذہب حنفی سنی میں تمام صدقات بنی ہاشم و آل رسول ﷺ کیلئے حلال اور درست ہیں۔

جامع الرموز طبع نول کشور فصل مصرف الزکوۃ ص ۱۵۰ میں ہے:

وعن ابی حنیفة روایتان وبالجواز نأخذ لأن الحرمة مخصوص بزمانه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

امام ابو جعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس چیز کو اختیار کیا ہے کہ صدقات زکوۃ و عشر وغیرہ بنی ہاشم آل رسول ﷺ سادات کرام کو دینا جائز ہے اور ناجائز ہونے کا زمانہ اب نہیں ہے۔

(طحاوی ص ۳ طبع مصر ۴۳۴) پر تصریح ہے:

واختار الطحاوی دفعها لبنی هاشم وکذاروی ابو عصمة عن الامام انه یجوز الدفع الی بنی هاشم فی زمانه لان عوضها وهو الخمس الخمس لم یصل الیهم العوض عادوا الی المعوض واقره القهستانی کذافی شرح الملتقیٰ، اه۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ. حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ مُحَمَّدٍ, عَنْ أَبِي يُوسُفَ, عَنْهُ أَنَّ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا كَانَتْ حَرُمَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا جُعِلَ لَهُمْ فِي الْخُمُسِ الخمس فَلَمَّا انْقَطَعَ ذَلِكَ مَا كَانَ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ فَبِهَذَا نَأْخُذُ.

ص۳۹۳اورامام طحاوی اصحاب ترجیح میں سے ہیں ان کے "فبهذانأخذ" کہنے سے یہ روایت مرجح ہوگئی اور حرمت وممانعت والی روایت مرجوح ہوگئی اور فتاویٰ شامی میں امام ابن عابدین نے تصریح فرمائی ہے کہ:

المرجوح کالمنسوخ والحکم والفتویٰ بالمرجوح حرام۔

نیز فرمایا:

الحکم والفتیابماھو مرجوح خلاف الاجماع۔

بعض کا یہ کہنا کہ صدقات کی علت حرمت آل رسول ﷺ پر مجموعۂ امرین ہے۔اول صدقات کا وسخ ہونا دوسرا خمس الخمس کا ملنا۔قرین قیاس یہ ہے کہ مجموعۂ امرین کا ارتفاع حکم حرمت کا ارتفاع ہو سو وسخ ہونا یوں مرتفع ہوا کہ

فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ سے قاعدہ الضرورۃ تبیع المحظورات۔

توحظر اباحت میں داخل ہو گیا اور دوسرا امر خمس الخمس کا ملنا بوجہ عدم خلافت اور بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے موقوف ہو گیا پس ارتفاع مجموعہ امرین سے علت حرمت بھی مرتفع ہوگئی تو اس قاعدہ کے تحت "سقوط العلة یستلزم لسقوط المعلول" یعنی جو حکم جس علت پر ہو اس علت کے اٹھ جانے سے حکم بھی اٹھ جایا کرتا ہے لہذا صدقات وزکوۃ سادات کرام کیلئے جائز اور حلال ہیں۔اور اصحاب ترجیح سے محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر بھی اسی کے مؤید ہیں اور امام طحاوی (مجتہد فی المسائل) کے فتویٰ کو نقل فرمارہے ہیں:

قال العلامة الحموی شارح الاشباہ والنظائروفی شرح الآثارعن ابی حنیفة ان الصدقات کلھاجائزۃ علی بنی ھاشم والحرمة کانت فی عھدرسول اللہ ﷺ لوصول خمس الخمس الیھم فلماسقط ذالک بموته ﷺ حلت لھم الصدقة قال الطحاوی وبالجوازنأخذہ۔"

قال العلامة القھستانی فی جامع الرموزوعن ابی حنیفة روایتان وبالجوازنأخذہ فالحرمة مخصوص بزمانہ ﷺ اہ۔وفی شرح الملتقی الابحرعن الامام جوازدفع الھاشمی زکوۃلمثلہ وعنہ الجوازفی زماننامطلقاقال الطحاوی وبہ نأخذ"۔

برھان شرح مواہب الرحمٰن میں تصریح ہے۔

وروی ابوحنیفة انہ یجوزفی ھذاالزمان وانما کان ممتنعافی ذالک الزمان اہ۔

اور کفایۃ حاشیہ ہدایۃ میں ہے کہ:قولہ(ولاتدفع الی بنی ھاشم)وفی شرح الآثار للطحاوی رحمة اللہ تعالیٰ علیہ عن ابی حنیفة رحمة اللہ تعالیٰ علیہ لابأس بصدقات کلھاعلی بنی ھاشم والحرمة فی عھدالنبی ﷺ للعوض وھوخمس الخمس فلماسقط ذلک بموتہ ﷺ حلت لھم الصدقة.....قال الطحاوی رحمة اللہ تعالیٰ علیہ وبالجواز نأخذ۔

ترجمہ:یہ قول کہ بنی ہاشم کو زکوۃ نہیں دی جائے گی امام طحاوی امام ابوحنیفۃ رحمہ اللہ سے شرح الآثار میں نقل کرتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے تمام صدقات بنی ہاشم کو دینے پر اور حرمت آپ ﷺ کے زمانے اطہر میں تھی کیونکہ انہیں خمس الخمس عوض میں ملتا تھاجب آپ ﷺ مبارک کے وصال کے ساتھ خمس الخمس ساقط ہوا تو ان کیلئے صدقہ وزکوۃ حلال ہے۔اور آخر میں امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ جواز کی صورت کو ہم لیتے ہیں۔[1066]

اور تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

وَقَدْ ذُكِرَ فِي شَرْحِ الْآثَارِ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي زَمَانِنَا إعْطَاءُ الزَّكَاةِ لِبَنِي هَاشِمٍ الْأَخْيَارِ لِعَدَمِ وُصُولِ خُمُسِ الْخُمُسِ إلَيْهِمْ بِسَبَبِ إهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِمْ فَإِذَا لَمْ يَحْصُلْ الْمُعَوَّضُ عَادُوا إلَى الْعِوَضِ وَبِهِ أَخَذَ مِنْ الْآثَارِ حَاوِي الْإِمَامِ الْجَلِيلِ الطَّحَاوِيِّ۔

[1066](الکفایۃشرح الھدایۃ ج ۱ ص ۱۳۸،البنایۃفی شرح الھدایۃ ج۳ص ۵۵۴)

ترجمہ: اور تحقیق کے ساتھ شرح الآثار میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے کیونکہ ان کو خمس الخمس نہیں مل رہا ہے اس سبب کے ساتھ کہ لوگوں نے غنائم کے معاملے کو چھوڑ دیا ہے اور جو ان پر واجب ہے اس کو بھی پس جب معوض حاصل نہ ہو جائے تو عوض کی طرف آنا پڑے گا (جب خمس الخمس نہیں مل رہا ہے تو زکوۃ لے سکتے ہیں) اور امام طحاوی نے آثار سے اسی کو لیا ہے۔[1067]

فیض الباری علی صحیح البخاری میں ہے:

ونقل الطحاوي عن أمالي أبي يوسف: أنه جاز دفعُ الزكاة إلى آل النبيِّ صلى الله عليه وسلّم عند فُقدان الخُمُس، فإنَّ في الخُمُس حقَّهم، فإذا لم يوجد، صح صرفُها إليهم. وفي البحر عن محمد بن شجاع الثَّلْجي عن أبي حنيفة أيضًا جوازه. وفي عقد الجيد أن الرازي أيضًا أفتى بجوازِه. قلتُ: وأخذُ الزكاةِ عندي أسهلُ من السؤال، فأفتي به أيضًا (نقل العيني عن الأصطَخْري أيضًا: أنهم إن مُنِعُوا الخُمُس جاز صرفُ الزكاةِ إليهم.)۔

ترجمہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب امالی سے امام طحاوی نقل کرتے ہیں کہ زکوۃ نبی کریم ﷺ کی آل کو دینا جائز ہے جب ان کو خمس الخمس نہ دیا جارہا ہو پس تحقیق کے ساتھ خمس میں ان کا حق ہے پس جب وہ نہ پایا جائے تو ان کی طرف زکوۃ کا رجوع ہونا صحیح ہے اور بحر میں محمد بن شجاع الثلجی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کا جواز نقل کرتے ہیں اور عقد الجید میں ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی جواز کا فتوی دیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ زکوۃ کا لینا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے سوال سے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام عینی اسطخری سے اسی طرح نقل کرتے ہیں اگر انہیں خمس سے منع کیا جائے تو انہیں زکوۃ دینا جائز ہے۔[1068]

[1067] (تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۱ ص ۳۰)

[1068] (فیض الباری شرح علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۲)

اور الفتاویٰ السراجیہ میں ہے:

لو ادی الی ہاشمی لایجوز (ہذاہو القول المعروف المذکور فی عامة الکتب و القول الاخر ان الصدقات انما کانت محرمة علیہم لأجل خمس الخمس فلماانقطع ذلک عنہم جاز دفع الزکاة الیہم، وہذہ روایة ابی عصمة عن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ[1069]، و ابن سماعة عن أبی یوسف[1070]، وہکذانقل الطحاوی عن أمالی أبی یوسف[1071] واختارہ الطحاوی۔[1072]

قال الزیلعی فی "تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳" وروی أبو عصمة عن أبی حنیفة جواز دفع الزکاة الی الہاشمی فی زمانہ وروی عن أبی حنیفة أن الہاشمی یجوز لہ أن یدفع زکاتہ إلی الہاشمی۔

وقال الشیخ الشبلی فی حاشیة علی "تبیین الحقائق" قال الطحطاوی: ہذہ الروایة عن أبی حنیفة لیست بالمشہورة۔اہ۔غایة۔وفی شرح الآثار عن أبی حنیفة لا بأس بالصدقات کلہا علی بنی ہاشم و الحرمة للعوض وہو خمس الخمس، فلماسقط ذلک بموتہ علیہ الصلاة و السلام حلت لہم الصدقة، قال الطحاوی: و بہ نأخذ۔انتہی۔

وقال السغدی فی "النتف فی الفتاویٰ ص ۱۲۴" (من لا تعطی لہم الزکاة)... الخامس: إلی بنی ہاشم فی قول أبی یوسف و محمد و أبی عبداللہ، و یجوز فی قول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ۔

وقال العینی فی "البنایة ج ۳ ص ۵۵۴" وروی ابن سماعة عن أبی یوسف أنہ قال: لا بأس بصدقة بنی ہاشم بعضہم علی بعض۔

[1069] (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳)
[1070] (البنایة ج ۳ ص ۵۵۴)
[1071] (فیض الباری ج ۳ ص ۵۲)
[1072] (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۳۳)

ومن قال بالجواز من المتأخرين: الشيخ يوسف القرضاوی (فقه الزكاة ٢/١٨٠) والدكتور وهبة الزحيلی (الفقه الاسلامی وأدلته ٢/٨٨٤)، والشيخ أنور شاه الكشميری (فيض الباری ٣/٥٢) والقاضی مجاهد الاسلام القاسمی (مجلة بحث ونظر ص-٩٩-١١٠)

وللاستزادة انظر: "حاشية الطحطاوی على الدرالمختار ١/٤٣٨" و"حاشية الشرنبلالی على دررالحكام ١/١٩١" و "فقه الزكاة ١٨٨-٢/١٨٧" و"معارف السنن ٥/٢٦٦" و"فتاوی محمودية ٩/٥٦٠"

اسی طرح الیاس زادہ وبر جندی وشرح نقایہ شرنبلالی وغیرہ سب کے سب آل رسول ﷺ بنی ہاشم کیلئے صدقات کو بالتصریح جائز وحلال کہتے ہیں ۔ تمام کتب مذاہب مثلاً برھان ، ملتقی الابحر، نھر الفائق ، حموی شرح الاشباہ والنظائر، جامع الرموز، الیاس زادہ، برجندی، شرح نقایہ، نورالایضاح، فتح القدیر، کفایہ اور معانی الآثار میں ثابت اور متقرر ہے۔اور یہ فتویٰ من جانب مجتہد ہے اور فتویٰ کی علامات میں سے ایک علامت "فبهذانأخذ" ہے۔

قال فی الدر المختار اما العلامة للافتاء فقوله وعليه الفتوىٰ، وبه يفتى، وبه نأخذ...الخ۔

لہٰذا مسئلہ ہذا جواز صدقات بر بنی ہاشم وسادات مذہب سنی حنفی میں ثابت اور محقق ہے اوران حضرات کا صدقات لینا درست وجائز ہے۔

قرآن پاک میں صریح حکم ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرة)

ترجمہ: پس جو ناچار ہوا نہ حکم شرع سے باغی بن کر اورنہ حد ضرورت سے بڑھ کر کھائے تو اس پر گناہ نہیں۔جب ضرورة لابدیہ شرعیہ میں میتہ (مردار) بھی مباح ہوتا ہے تو بحالت حاجت لابدیہ شرعیہ سادات بنی ہاشم کیلئے صدقہ وزکوۃ جو بعلت وصول خمس الخمس کے (جو ان کی حاجت

روائی کیلئے کافی تھا) ممنوع ومکروہ تھے تو اس زمانہ وعلت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کیوں مباح اور حلال نہ ہوں گے بلکہ ضرور حلال ہوں گے صدقات کی مشروعیت فقراءومساکین کی حاجت مندی اور ضرورت ہی کی بناءپر ہے توجب تک حاجت وضرورت باقی ہے صدقات کی مشروعیت اباحت ہے۔

تفسیر احکام القرآن باب ذکر الضرورۃ المبیحۃ لاکل المیتۃ میں ہے کہ:

وقدفصل لکم ماحرم علیکم الاماضطررتم الیہ (الانعام) فاقتضیٰ ذلک وجود الاباحۃ بوجود الضرورۃ فی کل حال وجدت الضرورۃ فیھا۔

پس جس زمانہ وحال میں ضرورت ہو اباحت ومشروعیت کا حکم ہے۔ صدقات وزکوۃ اہل بیت بنی ہاشم سادات پر مباح وحلال ہیں ان کو دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ انہیں لینے میں کوئی گناہ ہے بلکہ ان کو دینے سے منع کرنا مذہب وملت کے علم سے محرومی وجہالت ہے اوران کو باوجود فقر ومحتاجی کے نہ لینا بھی جہالت اور گناہ ہے حتی کہ اگر اس فقر ومحتاجی میں مفتی کے غلط فتویٰ کی بناءپر اوراپنی لاعلمی سے صدقات وزکوۃ سے جان، آبرو اور دین کی تباہی کی نوبت آئی تو گناہ اور نہ لینے والے پر ہے اور یہ و لاتقتلوا انفسکم فرمان خداوندی کی صریح خلاف ورزی ہے جو قطعی حرام ہے۔لہٰذا اب عدم خلافت وبیت المال سے خمس الخمس کے عدم وصول اور فقراء واحتیاج کے عدم جواز کا فتویٰ ظلم وبربریت وجہالت ہے۔ اللہ معاف فرمائے۔

احکام القرآن (طبع مصر) میں ہے:

قال اللہ تعالیٰ ولاتقتلوا انفسکم "ومن امتنع من المباح حتی مات کان قاتلا نفسہ متلفالھاعندجمیع اھل العلم....الخ۔

خلاصہ کلام:

تمام اقسام کے صدقات محتاج سادات کو دینا اور لینا فی زمانہ جائز، درست اور حلال ہیں اور منع کرنا جہالت اور گمراہی ہے بلکہ یزیدیت سے محبت اور اہل بیت سے دشمنی ہے۔ نجانا اللہ منہ۔
واللہ ورسولہ اعلم!

فصل دربیان تبرکات
تبرکات کا بیان

بعض علماء تبرّکات سے انکار کرتے ہیں حالانکہ تبرکات کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے اور ہر دَور میں اہلِ حق علمائے کرام نے اس فرقہ ضالہ کا رد کیا اور اُن کی گمراہی کا سدّباب کرتے ہوئے مختلف رسائل اور کتب تصانیف کی ہیں۔ اور اس دَور میں بھی علمائے حق کو ان کی گمراہیوں کا سدّباب کرنا چاہیئے جس طرح بھی ممکن ہو۔ چاہے تقریراً ہو یا تحریراً بلکہ علمائے اہلِ حق پر واجب ہے کہ اُن پر دلائل قائم کریں۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اہلِ ھواء پر دلائل قائم کرنا یہ بدعتِ واجبہ ہے۔ ولفظہٗ ھٰذا فقد تکون ای البدعۃ واجبۃ کنصب الادلۃ لردّ علی اھلِ الفرق الضالۃ۔۔۔اھ۔[1073]

لہٰذا اس فقیر نے اہلِ ھواء کی گمراہیوں کو دیکھتے ہوئے اُن پر دلائل قائم کیے ہیں۔ اللہ رب العزت ان دلائل کے ذریعے مسلمانوں کو نفع وہدایت پہنچائے۔ آمین بجاہ النبی الأمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
وماتوفیقی الا باللہ۔

[1073] (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۴ مطلب البدعۃ علی خمسۃ اقسام)

آیاتِ قرآنیہ سے تبرکات کا ثبوت

پہلی دلیل: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ }(البقرہ:۲۴۸)

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی ں نے فرمایا: کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں سکون (کا سامان) ہوگا۔ تمہارے ربّ کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون، اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے۔ بے شک اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم مؤمن ہو۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال أصحاب الأخبار: ان اللہ تعالیٰ أنزل علیٰ آدم علیہ السلام تابوت فیه صور الانبیآء من أولادہ فتوارثه أولاد آدم الیٰ أن وصل الیٰ یعقوب ثم بقی فی أیدی بنی اسرائیل فکانو اذا اختلفوا فی شیء تکلّم وحکم بینهم واذا حضروا القتال قدموہ أیدیهم یستفتحون به علیٰ عدوّهم۔[1074]

ترجمہ: "مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ایک تابوت نازل فرمایا جس میں سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔ وہ تابوت اولادِ آدم میں وراثتاً منتقل ہوتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا، پھر یہ بنی اسرائیل کے قبضے میں رہا۔ اور جب ان کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو یہ تابوت کلام کرتا اور فیصلہ سناتا اور جب وہ کسی جنگ کے لئے جاتے تو اپنے آگے اس تابوت کو رکھتے جس کے ذریعے وہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتے۔"

[1074](رازی، التفسیر الکبیر، ج۶ ص ۱۴۹)

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک زر اندوز صندوق تھا۔ جس کا طول تین ہاتھ اور عرض دو ہاتھ تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔ اور انکے مساکن و مکانات کی تصاویر تھیں۔ آخر میں حضور سیّد عالم ﷺ کے دولت سرائے کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی۔ کہ حضور ﷺ بحالت نماز قیام میں ہیں۔ اور گرد آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصاویر کو دیکھا۔ یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ اس میں تورات بھی رکھتے تھے اور اپنا مخصوص سامان بھی۔ چنانچہ اس صندوق میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء آپ کے کپڑے اور آپکی نعلین شریفین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کا عصاء اور تھوڑا سا مَنّ جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا، یہ سب اس میں موجود تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے تھے۔ اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو سکون رہتا تھا۔ آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متوارث ہوتا چلا آیا۔ جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اسے سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے دشمنوں کے مقابلے میں اس کی برکت سے فتح پاتے۔ جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اور ان کی بد عملی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قوم "عمالقہ" کو مسلط فرمادیا۔

قوم عمالقہ ان سے تابوت چھین کر لے گئی۔ اور اس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اور اس کی بے حرمتی کی۔ ان گستاخیوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کے امراض اور مصائب میں مبتلا کر دیا انکی پانچ بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ جب انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ تابوت کی

اہانت انکی بربادی اور ہلاکت کا باعث ہے تو انہوں نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیل کو ہانک دیا اور فرشتے اس تابوت کو بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس لائے۔ اس تابوت کا آنا ہی بنی اسرائیل کے لئے طالوت کی بادشاہت کی نشانی قرار دیا گیا۔ بنی اسرائیل یہ دیکھ کر اس کی بادشاہی کے مقرّ ہوئے اور فوراً جہاد کیلئے تیار ہو گئے۔ کیونکہ تابوت پاکر انہیں اپنی فتح کا یقین ہو گیا۔ طالوت نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار افراد منتخب کئے، جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے۔[1075]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقیل کان صندوقاً لِلتّوراۃ فکانوا اذا حضر القتال قدموہ بین ایدیھم یستفتحون بہ علٰی عدوّھم فاذا سار التّابوت ساروا واذا وقف وقفوا۔[1076]

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ وہ صندوق توریت کیلئے تھا۔ بنی اسرائیل جب لڑائی میں جاتے تو اس صندوق کو اپنے آگے رکھتے تھے۔ اس کی برکت سے دشمنوں پر فتح پاتے۔ جب صندوق چلتا تو یہ بھی آگے بڑھتے اور جب صندوق رک جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے۔

"فِیۡهِ سَکِیۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ" کے تحت لکھتے ہیں:

انّ فیہ خاصیۃ انّ تسکن قلوبکم بحضورہ اخرج ابن اسحاق و ابن جریر عن وھب بن منبہ انّہ کان موسیٰ علیہ السّلام اذا قاتل قدمہ فتسکن نفوس بنی اسرائیل و لا یفرّون۔[1077]

ترجمہ: اس میں خاصیت ہے کہ اس کے آنے سے تمہارے دلوں کو تسکین آجائیگی۔ ابن اسحٰق رحمہ اللہ اور ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن منبہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ

[1075] (تفسیر خزائن العرفان ص ۷۴، تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۷۲)

[1076] (تفسیر مظھری ص ۳۴۸)

[1077] (مظھری ج ۱ ص ۳۴۹)

السلام جہاد میں جاتے تو اسے اپنے آگے رکھتے تھے۔ اس سے بنی اسرائیل جنگ پر جمے رہتے اور بھاگتے نہیں تھے۔

اس تابوت میں کیا تھا؟

وکان فیه لوحان من التّوراة ورصاص الالواح الّتی تکسرت وعصاء موسیٰ ونعلاه وعمامةهارون وعصاهوقفیز من المَنّ کان ینزل علٰی بنی اسرائیل۔[1078]

ترجمہ: اس صندوق میں دو تختیاں توریت کی اور شکستہ ٹکڑے ان الواح کے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور نعلین مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف اور عصاء اور مَنّ جو بنی اسرائیل پر اترتا تھا اور اس کا قفیز تھا۔

تبرکاتِ صالحین باعث رحمت وبرکت ہیں اور سکونِ قلب کا سبب ہیں

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

قُلتُ وَلا شَکَّ ان بذکر اللہ تعالیٰ ورؤیة آثار الصالحین من الانبیآء واتّباعهم تطمئنّ القلوب وتذهب عنها وساوس الشیطان۔[1079]

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے آثار و تبرکات کی زیارت سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

وبقیة ممّا ترک اٰل موسیٰ واٰل هارون هی رصاص من الالواح وثیاب موسیٰ وعمامة هارون وطشت من ذهب کان تغسل به قلوب الانبیآء۔

[1078] (مظهری ج ۱ ص ۳۴۹)

[1079] (مظهری ج ۱ ص ۳۴۹)

یعنی تابوت میں الواح کے ٹکڑے اور موسیٰ علیہ السلام کے پارچہ جات اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب دھوئے جاتے تھے۔[1080]

علامہ ابی عبد اللہ محمد بن احمد انصاری القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن، جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے، میں فرماتے ہیں:

روی ان الملائکۃ جاءت بہ تحملہ و کان یوشع بن نون قد جعلہ فی البریہ فروی انھم رؤ والتابوت فی الھواء حتّٰی نزل بینھم۔

یعنی "روایت ہے کہ ملائکہ اسے اٹھا کر لائے اور یوشع بن نون علیہ السلام نے اسے جنگل میں رکھا۔ اور روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے اس صندوق کو ہوا میں دیکھا یہاں تک کہ ان کے درمیان اترا۔"[1081]

علامہ قرطبی کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ فرشتے اسے اٹھا کر لائے جیسا کہ خود قرآن عزیز نے "تحملہ الملٰئکۃ" فرمایا۔ اور ہوا میں یہ ظاہر ہوا اور پھر ان کے درمیان نازل ہوا۔

"سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" کے تحت لکھتے ہیں:

ان التّابوت کان سبب سکون قلوبھم فاینما کانوا سکنوا الیہ ولم یفرّوا من التّابوت اذا کان معھم فی الحرب۔[1082]

ترجمہ: بیشک تابوت ان کے دلوں کے سکون کا سبب تھا۔ جہاں کہیں ہوتے اسی کے ساتھ رہتے اور تابوت چھوڑ کر نہ بھاگتے۔ جب تک کہ وہ تابوت جنگ میں ان کے ساتھ ہوتا۔

[1080] (روح المعانی جز ثانی ص ۱۶۹)
[1081] (تفسیر قرطبی ج۳ ص ۲۴۸)
[1082] (قرطبی ج۳ ص ۲۴۹)

اس تابوت میں کیا تھا؟ یہی علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فقیل عصاء موسیٰ و عصاء ھارون و رصاص الالواح لانها انکسرت حین القاها موسیٰ، قاله ابن عباس رضی اللہ عنهما زاد عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیه القواة وقال ابو صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیه البقعة عصاء موسیٰ علیه السلام و ثیابه و ثیاب ھارون علیه السلام و لوحان من التّوراة۔[1083]

ترجمہ: پس کہا گیا ہے کہ (اس صندوق میں) موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ہارون علیہ السلام کا عصاء اور الواح کے چند ٹکڑے (اسلئے) کہ موسیٰ علیہ السلام سے ٹوٹ گئی تھیں۔ اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔ اس پر زیادہ کیا عکرمہ نے اور ابو صالح نے کہا بقعہ موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ان کے کپڑے اور ہارون علیہ السلام کے کپڑے اور توریت کی الواح تھیں۔[1084]

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صندوق شمشاد کی لکڑی سے بنا ہوا تھا، اور اس پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ یہ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا، اس تابوت کی عظمت بنی اسرائیل کے نزدیک مشہور و معروف تھی، وہ اس کو گم کر چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کے مندرجات کو مبہم رکھا ہے اور اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ اس صندوق میں کیا تھا، اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے، ہم اس صندوق کے متعلق اس چیز کو اختصار سے بیان کریں گے جس کو مفسرین اور مؤرخین نے بیان کیا ہے، مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا گیا تھا، اس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے گھروں کی تصویریں تھیں

[1083](قرطبی ج۳ص ۲۵۰)

[1084](اسی کی مثل عبارات تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۱۶، معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۱۵، روح البیان ج ۱ ص ۳۸۵، جمل ص ۱۲۴، مدارک ج ۱ ص ۱۹۹، بیان القرآن ص ۸۳، معارف القرآن حاشیة القرآن علامہ عثمانی ص ۴۸، تفسیر نعیمی ص ۶۳۲، ضیاء القرآن وغیرھم تفاسیر میں موجود ھیں)

اور آخری گھر سیدنا محمد ﷺ کا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ تابوت حضرت شیث علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس رہا، پھر ان کے بیٹے قیدار کے پاس، پھر ان سے ان کے عم زاد اولاد اسحاق نے اس میں تنازع کیا، اور یہ کہا: اس نور کے سوا تم سے نبوت لے لی گئی ہے، انہوں نے تابوت نہ دیا، اور ایک دن اس کو کھولنے کی کوشش کی تو ان سے نہیں کھلا، پھر آسمان سے ایک منادی نے ان کو ندا کی کہ نبی کے سوا اس کو کوئی نہیں کھول سکتا، تم یہ اپنے عمّ زاد یعقوب علیہ السلام کو دے دو، سو انہوں نے اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اپنے عمّ زاد حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دیا، پھر یہ تابوت بنی اسرائیل میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا، انہوں نے اس میں توریت کو رکھا اور اپنی بعض دوسری چیزیں رکھیں، پھر یہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں منتقل ہوتا ہوا حضرت شمویل تک پہنچا۔[1085]

مفتی اعظم سرحد حضرت علامہ مولانا مفتی شائستہ گل قادری نور اللہ مرقدہ اپنی کتاب "المقاصد السنیه" میں صفحہ ۲۰۵ پر لکھتے ہیں: "حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے حالات ابتر ہوتے چلے گئے، اکثریت بت پرستی و سرکشی میں مبتلا ہو گئی، یہاں تک کہ ان پر عمالقہ مسلط ہو گئے (جو قوم جالوت سے مشہور تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے شمویل علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی، بنی اسرائیل نے کہا کہ اگر آپ نبی علیہ السلام ہیں تو ہم پر ایک بادشاہ مقرر کیجئے تاکہ ہم قوم عمالقہ سے جہاد کریں کیونکہ انہوں نے ہمیں اپنے وطن سے نکالا، ہماری اولاد کو قتل کیا، حضرت شمویل علیہ السلام نے ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، ان کے تقرر پر بنی اسرائیل سیخ پا ہوئے اور حضرت شمویل

[1085] (البحر المحیط ج ا ص ۵۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علیہ السلام سے کہا کہ یہ تو ایک غریب آدمی ہے نیز سلطنت تو یہود بن یعقوب کی اولاد میں چلی آرہی ہے، یہ شخص نہ تو امیر ہے اور نہ یہود بن یعقوب کی اولاد میں سے ہے، تو یہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے ۔اب بنی اسرائیل حضرت شمویل علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ اگر یہ ہمارا بادشاہ ہے تو ہمیں اسکی بادشاہت کی کوئی نشانی دیجیے۔

آیت کا ترجمہ: ”اوران کے نبی (حضرتِ شمویل علیہ السلام) نے فرمایا اسکی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا، اس میں تمہارے لئے رب کی جانب سے دلوں کا چین (اطمینان) ہے، اور (اس میں) موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کے ترکہ میں سے کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں۔ فرشتے اسے اٹھالائیں گے“۔

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جس کی لمبائی تین ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ تھی۔ اس میں مختلف انواع و اقسام کے تبرکات موجود تھے۔ نیز اس میں توریت شریف کے الواح کا کچھ حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین شریفین، اور آپ علیہ السلام کے کپڑے آپ علیہ السلام کا عصا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف اور کچھ منّ (منّ و سلویٰ جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا) ،یہ تبرکات موجود تھے۔ موسیٰ علیہ السلام جنگوں کے مواقع پر اسی تابوت کو آگے رکھتے، جس سے بنی اسرائیل کو اطمینان اور دشمنوں پر اس کی برکت سے فتح حاصل ہوتی، نیز جب بنی اسرائیل کو کوئی مشکل پیش آتی تو انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام کے تبرکات سے بھرے ہوئے اس صندوق کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کی مشکل حل فرماتا۔[1086]

[1086] (خازن۔ ومعالم ج ا مدارک ج ا جلالین وغیرھم۔ بحوالہ المقاصد السنیہ ص ۲۰۵ تا ۲۰۶)

مولانا عبد الماجد دریا آبادی تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں:

"التابوت۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوتِ سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملّی اور قومی ورثہ تھا۔ اس میں تورات کا اصلی نسخہ مع تبرکاتِ انبیاء علیہم السلام محفوظ تھا۔ بنی اسرائیل اس کو انتہائی بابرکت و مقدس سمجھتے تھے۔ سفر و حضر، جنگ و امن ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسبِ ذیل تھی: طول دو فٹ چھ انچ، عرض ایک فٹ چھ انچ، بلندی ایک فٹ چھ انچ"۔

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے، مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین کر لے گئے تھے، اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بد طالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لئے نہایت درجہ بے تاب و مضطرب تھے۔

طالوت کے دور میں یہ تابوت واپس آجانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (متوفی ۹۳۳ قبل مسیح) تک رہا، اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اسے بھی رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا، یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔"[1087]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں لکھا ہے:" (اور جب ان لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی ان کی من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی ہم مشاہدہ کرلیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جاوے، اس وقت) ان سے ان کے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (بدوں تمہارے

[1087] (تفسیر ماجدی، ج ۱ ص ۴۵۹)

لائے ہوئے) آجاوے گا جس میں تسکین (اور برکت) کی چیز ہے۔ تمہارے ربّ کی طرف سے (یعنی تورات اور تورات کا من جانب اللہ ہونا ظاہر ہے) اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ غرض) اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے۔ اس (طرح سے صندوق کے آجانے) میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے۔ اگر تم یقین لانے والے ہو۔ اس صندوق میں تبرکات تھے۔"

مزید حاشیہ میں لکھا ہے:

قولہ تعالیٰ "یَاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ"، اس میں اصل ہے آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔[1088]

نجوم القرآن ص ۷۵ میں لکھا ہے: "تابوت کا آنا اللہ تعالیٰ کے نبی شمویل علیہ السلام کا معجزہ تھا اور طالوت کی کرامت تھی کہ ان کے پاس خرق عادت تابوت آگیا۔ تابوت کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آرہا تھا جس میں کئی انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات تھے، جو ان لوگوں کے دلوں کا چین بنے۔

"وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسیٰ وَاٰلُ هَارُوْنَ" (اور اس میں کچھ بقایا چیزیں ہیں جو چھوڑ گئے معزز موسیٰ اور معزز ہارون)۔ اس تابوت میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی چھوڑی ہوئی چیزیں تھیں۔ آسمانوں سے تورات کی جو تختیاں نازل ہوئی تھیں ان کے ٹکڑے تھے، موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور آپ علیہ السلام کے کپڑے تھے اور ہارون علیہ السلام کی نعلین تھیں۔ اور ان پر جو ربّ تعالیٰ کی طرف سے منّ نازل ہوتا رہا اس میں سے کچھ اس تابوت میں تھا۔[1089]

[1088] (تھانوی، بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۵)

[1089] (از کبیر و قرطبی)

نیز صفحہ ۸۷ پر لکھتے ہیں: اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے ناخن، بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھا کرتے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور نبی کریم ﷺ کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب و کامران کرتا ہے۔[1090]

حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب **"عجائب القرآن مع غرائب القرآن"** میں تابوت کی تفصیل درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"... (۱) معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی خداوند قدوس کے دربار میں بڑی عزت و عظمت ہے اور ان کے ذریعہ مخلوقِ خدا کو بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ دیکھ لو! صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں آپ کا عصاء اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ صندق اس قدر مقبول اور مکرم و معظم ہو گیا کہ فرشتوں نے اس کو اپنے نورانی کندھوں پر اٹھا کر حضرت شمویل علیہ السلام کے دربار نبوت میں پہنچایا اور خداوند قدوس نے قرآن مجید میں اس بات کی شہادت دی کہ **"فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُم"** یعنی اس صندوق میں تمہارے ربّ کی طرف سے سکینہ یعنی مؤمنوں کے قلوب کا اطمینان اور ان کی روحوں کی تسکین کا سامان تھا۔ مطلب یہ کہ اس پر رحمتِ الٰہی کے انوار و برکات کا نزول اور اس پر رحمتوں کی بارش ہوا کرتی تھی تو معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات جہاں اور جس جگہ بھی ہوں گے ضرور ان پر رحمت خداوندی کا

[1090] (ضیاء القران، بحوالہ نجوم الفرقان فی تفسیر القرآن ص ۸۷ تا ۸۷)

نزول ہو گا اور اس پر نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں سے مؤمنین کو سکونِ قلب اور اطمینان روح کے فیوض و برکات ملتے رہیں گے۔

(۲) جس صندوق میں اللہ والوں کے لباس و عصا اور جوتیاں ہوں جب اس صندوق پر اطمینان کا سکینہ اور انوار و برکات کا خزینہ خدا کی طرف سے اترنا قرآن سے ثابت ہے تو بھلا جن قبور میں ان بزرگوں کے پورا اجسام رکھے ہوں، کیا ان قبروں پر رحمت و برکت اور سکینہ و اطمینان نہیں اترے گا؟ ہر عاقل انسان جس کو خداوند عالم نے بصارت کے ساتھ ساتھ ایمانی بصیرت بھی عطا فرمائی ہے، وہ ضرور اس بات پر ایمان لائے گا کہ جب بزرگوں کے لباس اور ان کی جوتیوں پر سکینہ رحمت نازل ہوتا ہے تو ان بزرگوں کی قبور پر بھی رحمتِ خداوندی کا خزینہ ضرور نازل ہو گا اور جب بزرگوں کی قبروں پر رحمتوں کی بارش ہوتی ہے تو جو مسلمان ان مقدس قبروں کے پاس حاضر ہو گا اس پر بھی بارشِ انوارِ رحمت کے چند قطرات برس ہی جائیں گے کیونکہ جو موسلا دھار بارش میں کھڑا ہو گا ضرور اس کا کپڑا اور بدن بھیگے گا، جو دریا میں غوطہ لگائے گا تو ضرور اس کا بدن پانی سے تر ہو گا۔ جو عطر کی دکان پر بیٹھے گا ضرور اس کو خوشبو نصیب ہو گی تو ثابت ہو گیا کہ جو بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیں گے، ضرور وہ فیوض و برکات کی دولتوں سے مالا مال ہوں گے اور ضرور ان پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہو گا جس سے ان کے مصائب و آلام دور ہوں گے اور دین و دنیا کے فوائد و منافع حاصل ہوں گے۔

(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ بزرگوں کے تبرکات یا ان کی قبروں کی اہانت و بے ادبی کریں گے وہ ضرور قہرِ قہّار اور غضبِ جبّار میں گرفتار ہوں گے، کیونکہ قوم عمالقہ جنہوں نے اس صندوق کی بے ادبی کی تھی، ان پر ایسا قہرِ الٰہی کا پہاڑ ٹوٹا کہ وہ بلاؤں کے ہجوم سے بلبلا اٹھے اور کافر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اس بات کو مان لیا کہ ہم پر بلاؤں اور وباؤں کا حملہ اسی صندوق کی بے ادبی کی وجہ سے

ہوا ہے۔ چنانچہ اسی لئے ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو بیل گاڑی پر لاد کر بنی اسرائیل کی بستی میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگ غضب الٰہی کی بلاؤں کے نیچے قہر سے نجات پالیں۔

(۴) جب اس صندوق کی برکت سے بنی اسرائیل کو جہاد میں فتح مبین ملتی تھی تو ضرور بزرگوں کی قبروں سے بھی مؤمنین کی مشکلات دفع ہوں گی اور مرادیں پوری ہوں گی، کیونکہ ظاہر ہے کہ بزرگوں کے لباس سے کہیں زیادہ اثرِ رحمت بزرگوں کے بدن میں ہو گا۔

(۵) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قوم سرکشی اور عصیان کے طوفان میں پڑ کر اللہ عزو جل اور رسول ﷺ کی نافرمان ہو جاتی ہے، اس قوم کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں چنانچہ آپ نے پڑھ لیا کہ جب بنی اسرائیل سرکش ہو کر خدا کے نافرمان ہو گئے اور قسم قسم کی بدکاریوں میں پڑ کر گناہوں کا بھوت ان کے سروں پر عفریت بن کر سوار ہو گیا تو ان کے جرموں کی نحوستوں نے انہیں یہ برا دن دکھایا کہ صندوق و سکینہ ان کے پاس سے قوم عمالقہ کے کفار اٹھا لے گئے اور بنی اسرائیل کئی برسوں تک اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہو گئے۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم) [1091]

قارئین کرام! ان عبارات سے جو جلیل القدر مفسرین نے آیات کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرمائی ہیں، یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ:

(۱) بزرگان دین کے تبرکات انکے وصال کے بعد دافع البلاء اور باعث اطمینان قلب ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جن ذوات قدسیہ کے تبرکات میں اتنی برکت و فوائد ہیں، ان کی اپنی عظمت و احترام میں کتنے بے شمار منافع ہوں گے۔ نیز ان کی تعظیم و تکریم ضروری ہے۔

(۲) انکی توہین گمراہوں کا طریقہ ہے اور بربادی و تباہی کا باعث ہے۔

[1091] (عجائب القرآن مع غرائب القرآن، ص ۳۹-۴۷)

(۳) تبرکات کے وسیلہ وبرکت سے دشمنوں پر فتح ونصرت حاصل ہوتی ہے۔

میں سیّد احمد علی شاہ سیفی ترمذی کہتاہوں کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ ہمارے پاس بھی حضور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا موئے مبارک موجود ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھرانے پر عظیم انعامات نازل فرمائے ہیں۔

دوسری دلیل از قرآن

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًا ﴾ وَأْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَا أَنْ تُفَنِّدُوْنَ ﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴾ فَلَمَّا اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ط قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (یوسف ۱۳)

ترجمہ: "لے جاؤ میرا یہ پیراہن پس ڈالو اسے میرے باپ کے چہرہ پر وہ بینا ہو جائیں گے اور (جاکر) لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا۔ (تو ادھر کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا کہ میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہاہوں۔ اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔ گھر والوں نے کہا بخدا! (باباجی) آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔ پس جب آپہنچا خوشخبری سنانے والا (اور) اس نے ڈالا وہ پیراہن آپ علیہ السلام کے چہرہ پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے آپ نے (فرط مسرت سے) کہا (دیکھو) میں نہیں کہتا تھا تمہیں کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ (کے جتانے) سے جو تم نہیں جانتے۔"

اب ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر قرآن ضیاء الامت حضرت علامہ پیر سید محمد کرم شاہ الازہری بھیروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر ضیاء القرآن میں فرماتے ہیں: جو قمیص آپ نے اس وقت زیب تن فرمائی تھی وہ اتار کر دی اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی

آنکھوں پر جا کر رکھو۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے وہ قمیص بھیجی تھی۔ جسے زلیخا نے پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا تھا۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ هو القميص الذى كان عليه حينئذٍ كماهو الظاهر۔[1092]

اس دفعہ جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی باذنِ الٰہی مہر خاموشی توڑی اور فرمانے لگے اگر تم مجھے نادان، اور مخبوط الحواس نہ کہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے.... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابھی قافلہ آٹھ دن کی مسافت پر تھا کہ آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی۔ آپ کے سارے بیٹے تو مصر گئے ہوئے تھے، گھر میں بہو بیٹیاں یا پوتے پوتیاں تھیں۔ انہوں نے کہا باباجی! رہنے بھی دو آپ کو تو ہر وقت یوسف علیہ السلام کے خواب ہی آتے رہتے ہیں۔ جس خوشبو کا آپ ذکر کر رہے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ تو اس محبت اور وارفتگی کا کرشمہ ہے۔

جب قافلہ قریب پہنچا تو ایک قاصد بھیجنے کی تجویز ہوئی تا کہ آپ کو جلد از جلد خوشخبری سنائی جائے۔ چنانچہ یہودا نے کہا اس روز یوسف علیہ السلام کی قمیص خون سے لت پت کر کے میں ہی لے گیا تھا۔ اب یہ قمیص بھی مجھے دو کہ میں جا کر پہلے آپ کو یہ مژدۂ جانفزاء سناؤں، شاید میری پہلی غلطی کی تلافی ہو جائے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ قمیص لے جانے والا شمعون تھا۔ الغرض ان میں سے ایک بھائی قمیص لیکر پہلے پہنچ گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مل جانے کی خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ان کی قمیص آپ کی آنکھوں پر رکھ دی۔ قمیص کے رکھنے کی دیر تھی کہ اس کی برکت سے آپ علیہ السلام کی بینائی واپس آگئی۔ ”فعاد بصيرًا ابعدما كان عمٰى“۔

[1092](روح المعانی)

بعض ظاہر پرستوں کو یہاں بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ کہ کپڑے کی قمیص کو آخر بینائی کے ساتھ کیا تعلق! اگر یہ بات کسی روایت یا حدیث میں ہوتی تو بیک جنبشِ قلم اس حدیث کو غلط، ضعیف، موضوع وغیرہ کہہ کر جان چھڑا لیتے۔ لیکن یہ بات قرآن نے خود بیان کی ہے اس کو غلط کہیں تو کیونکر اس لئے یہاں تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ نابینا نہیں ہوگئے تھے۔ بلکہ محض ضعفِ بصر کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا جب فرزند دلبند کی بازیابی کی خوشخبری سنی تو فرطِ مسرت سے خون میں جوش پیدا ہوا اور بینائی قوی ہوگئی۔ لیکن یہ حضرات "فَارْتَدَّ بَصِيْرًا" (آپ پھر بینا ہوگئے) کے قرآنی کلمات کا ترجمہ کیا کریں گے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ قمیص دوسری قمیصوں کی طرح کپڑے کی بنی ہوئی تھی۔ لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم کو چھونے کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ جس خدا نے مختلف ادویہ میں حیرت انگیز تاثیرات رکھ دی ہیں اس قادرِ مطلق کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ اس نے اپنے بندے کی عزت افزائی کیلئے اس کی قمیص کو حضرت یعقوبؑ کے بینا ہونے کا سبب بنا دیا ہو۔ فالظاهر ان عوده بصيرًا بالقاء القميص علىٰ وجهه ليس الا من خرق العادة وليس الخارق بدعاً في هٰذه القصة۔ یعنی "ظاہر قرآن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بینا ہونا بطور خرق عادت تھا۔"[1093]

جب سب آگئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھا میرے ربّ نے مجھ پر کتنا کرم فرمایا۔ کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بچھڑا ہوا یوسف علیہ السلام ضرور ملائے گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور ہم پھر اکٹھے ہونگے۔ (من حياة يوسف وان الله يجمع بيننا۔[1094]

[1093] (روح المعانی)
[1094] (مظھری)

حضرت یوسف علیہ السلام گم گشتہ کی بازیابی کی خبریں سن کر آپ نے بعینہٖ وہی لفظ کہے جو ہجر و فراق کے انتہائی دردناک لمحوں میں کہتے تھے: و اعلم من اللہ مالا تعلمون} یہ آیات صاف بتارہی ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا تھا۔ صرف قبل از وقت افشاء راز کی اجازت نہ تھی۔[1095]

بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

عن مجاھد امرہ جبرائیل ان یرسل الیہ قمیصہ و کان ذالک القمیص قمیص ابراھیم علیہ السلام و ذالک انہ جرد ثیابہ و القی فی النار عریاناً۔ فاتاہ جبرائیل بقمیص من حریر الجنۃ فالبسہ ایاہ فکان ذلک عند ابراھیم علیہ السلام۔ فلما مات ورثہ اسحاق فلما مات ورثہ یعقوب فلما شبّ یوسف جعل یعقوب ذالک القمیص فی قصبۃ و شدّ راسھا و علقھا فی عنقہٖ۔ لما کان یخاف علیہ من العین و کان لا یفارقہ۔ فلما القی فی البئر عریاناً جآءہ جبرئیل علیہ السلام و علی یوسف علیہ السلام ذلک التعویذ۔ فاخرج القمیص منہ و البسہ ایاہ۔ ففی ھٰذا الوقت جاء جبرئیل علیہ السلام و قال ارسل ذالک القمیص۔[1096]

ترجمہ: ”مجاہد نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو (منجانب اللہ) پیغام دیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنا کرتہ بھیج دیں اور یہ کرتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص مبارک تھی۔ جب آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو کپڑے اتار لئے گئے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جنّت سے ریشمی کرتہ لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا۔ پھر یہ کرتہ آپ علیہ السلام کے پاس رہا۔ جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت اسحٰق علیہ السلام اس

[1095] (تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۴۵۷)

[1096] (مظھری، ج۵ ص ۱۹۸ اور تقریباً اس کے قریب قریب عبارات مندرجہ ذیل تفاسیر میں ھیں۔ تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۲۵۸، جمل ص ۴۸۰، جلالین ص ۱۹۸، صاوی علی الجلالین ج ۱ ص ۲۴۰)

کے وارث بنے۔ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کاوصال ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس کے وارث ہوئے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہ کرتہ ایک نلکی میں سربند کرکے بطور تعویذ حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا تاکہ آپ علیہ السلام نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ ہر وقت وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں رہتا تھا۔ جب آپ کے کپڑے اتار کر کنویں میں ڈالا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تعویذ کھولا اور اس سے قمیص نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنادی۔ پھر اسی کرتہ کے متعلق جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہاکہ یہ قمیص اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیج دیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس سے شبہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ قمیص جنّتی تھی اور اسی مظہری میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ قال الضحاک کان ذالک القمیص من نسیج الجنة یعنی ضحاک نے کہا کہ وہ قمیص جنّت کے ریشم کی تھی۔[1097]

تو معلوم ہوا کہ جنّتی قمیص ہونے کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی نہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص ہونے کے سبب اور برکت سے بینائی واپس آئی۔

اس کا جواب علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

قلت و اذا ثبت بکشف المجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان حسن یوسف و وجودہ کان من جنس الاشیاء الموجودۃفی الجنہ فحینئذٍ لا حاجۃالی ثبوت کون قمیصہ من نسیج الجنۃ و لا

[1097](تفسیر مظھری ج۵ ص ۱۹۸)

جل ذالک کان یعافی بہ المبتلی بل یکفی فی ذالک کون قمیص ملبوساً لیوسف فان وجود یوسف کان من جنس اشیاء الجنۃ واللہ اعلم۔[1098]

ترجمہ: میں کہتا ہوں حضرت مجدّد رضی اللہ تعالیٰ عنہکے کشف سے جب یہ امر ثابت ہو گیا۔ حسنِ یوسف دنیوی اشیاء سے نہ تھا بلکہ آپ کا حسن اور وجود جنت کی اشیاء کی جنس سے تھا تو اب کوئی ضرورت نہیں کہ ہم قمیص کو جنت سے آیا ہوا مانیں بلکہ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ قمیص حضرت یوسف علیہ السلام کا پہنا ہوا تھا اور وجودِ یوسف علیہ السلام خود جنّت کی چیزوں کی جنس سے تھا۔ واللہ اعلم۔

پھر یہ کہ قرآن حکیم نے اس کی اضافت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کی ہے: اذھبوا بقمیصی ھٰذا۔ یعنی یہ میری قمیص لے جاؤ۔ قمیص کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قمیص آپ کی تھی۔

اسی مقام پر علامہ قاضی صاحب فرماتے ہیں:

انی لاجد ریح یوسف فیہ دلیل علیٰ ان ریح الجنۃ کان من یوسف نفسہ لامن قمیص یوسف ولا یقال ریح قمیص یوسف۔ یعنی "ریح یوسف" فرمایا، اس میں دلیل ہے کہ جنت کی خوشبو حضرت یوسف علیہ السلام کے وجودِ مقدس کی خوشبو تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو نہ تھی۔ "ریح قمیص یوسف" نہیں فرمایا۔[1099]

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص وجود یوسف کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینا ہونے کا سبب بنی۔

[1098](مظھری ج۵ ص ۱۹۹)

[1099](مظھری ج۵ ص ۱۹۹)

چنانچہ صاحب روح المعانی بھی یہی فرماتے ہیں:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ: هو القميص الذی کان علیه حینئذٍ کما هو الظاهر۔[1100]

ترجمہ: وہ قمیص وہی تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود مقدس پر تھی اور یہی ظاہر ہے۔

اسی روح المعانی میں ہے:

انه علیه السّلام اخذه فشمه ثم وضعه علٰی بصره فارتدّ بصیرًا و الظاهر انه ارید بالوجه کله وقد جرت العادة انه متی وجد الانسان شیئًا یعتقد فیه البرکته مسح به وجهه۔[1101]

ترجمہ: جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو لے کر سونگھا پھر اسے اپنی آنکھوں پر رکھا تو بینائی لوٹ آئی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ وجہ سے تمام چہرہ مراد لیا گیا ہے۔ اور عادت جاری ہے کہ جب انسان ایسی چیز پائے جس کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اس میں برکت ہے تو اسے اپنے چہرے پر ملتا ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے بیان القران میں لکھا ہے: حضرت یعقوب علیہ السلام کا اس کرتے کے ڈالنے سے بینا ہو جانا بطور معجزہ تھا اور قمیص علی الاصح کوئی خاص نہ تھا یہی معمولی ملبوس تھا۔[1102]

[1100](روح المعانی ج ۱۳ ص ۵۲)
[1101](معارف القرآن، ج ۵ ص ۱۳۴)
[1102](بیان القرآن ج ۱ ص ۴۹۴)

شاہ عبد القادر دہلوی فرماتے ہیں: ہر مرض کی اللہ تعالیٰ کے ہاں دوا ہے، آنکھیں گئیں تھیں ایک شخص کے فراق میں، اسی کے بدن کی چیز ملنے سے چنگی ہو گئیں، یہ کرامت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی۔[1103]

مسلک دیوبند مفتی محمد شفیع نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے: "اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اور ان کا وجود جنت ہی کی ایک چیز تھی۔ اس لئے ان کے جسم سے متصل ہونے والے کرتے میں یہ خاصیت ہو سکتی ہے۔"[1104]

اس کے بعد کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں: "حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب بشارت دینے والا قمیصِ یوسف لے کر پہنچا تو یعقوب علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس کو کچھ انعام دیں مگر حالات ساز گار نہ تھے اس لئے عذر کیا کہ سات روز سے ہمارے گھر میں روٹی نہیں پکی۔ اس لئے مادی انعام تو نہیں دے سکتا مگر یہ دعاء دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم پر سکرات موت کو آسان کر دے۔" قرطبی نے فرمایا کہ یہ دعاء ان کیلئے بہتر انعام تھا"۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوش خبری دینے والے کو انعام دینا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر جب ان پر عتاب ہوا اور بعد میں توبہ قبول کی گئی تو جو شخص قبول توبہ کی بشارت لایا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا جوڑا کپڑوں کا اتار کر اسے پہنا دیا۔

[1103](موضح القرآن ج ۱ ص ۳۲۲)

[1104](معارف القرآن، ج۵ ص ۱۴۲)

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوشی کے موقع پر اظہار مسرت کے لئے دوستوں وغیرہ کو کھانے کی دعوت دینا بھی سنت ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب سورہ بقرہ پڑھ کر ختم کی تو خوشی میں اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا۔ [1105]

اسی آیت کے تحت ابو الاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے:

اس سے انبیاء علیہم السلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر مصر سے چلا ہے اور ادھر سیکڑوں میل کے فاصلے پر حضرت یعقوب علیہ السلام اس کی مہک کو پالیتے ہیں۔ [1106]

پیراہن یوسف رضی اللہ عنہ کے متعلق علّامہ اسماعیل حقّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اَمَّا قَوْلُهُ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاِنَّ نَمْرُوْد الْجَبَّار لَمَّا اَلْقٰى اِبْرَاهِيْمَ فِىْ النَّارِ نَزَّلَ اللهُ جِبْرَئِيْلَ بِقَمِيْصٍ مِّنَ الْجَنَّةِ وَ طَنْفَسَةٍ مِّنَ الْجَنَّةِ فَاَلْبَسَهُ الْقَمِيْصَ وَ اَقْعَدَهُ عَلٰى الطَّنْفَسَةِ وَ قَعَدَ مَعَهُ يُحَدِّثُهُ فَكَسَا اِبْرَاهِيْمُ ذَالِكَ الْقَمِيْصَ اِسْحَاقَ فَكَسَاهُ اِسْحَاقُ يَعْقُوْبَ وَ كَسَاهُ يَعْقُوْبُ يُوْسُفَ فَجَعَلَهُ فِىْ قصبة مِنْ فِضَّةٍ وَ عَلَّقَهَا اَىْ لِلْحِفْظِ مِنَ الْعَيْنِ وَ غَيْرِهَا۔ وَ فِىْ التِّبْيَانِ مخافة مِنْ اِخْوَتِهٖ عَلَيْهِ فَاُلْقِىَ فِى الْحُبِّ وَ الْقَمِيْصُ فِىْ عُنُقِهٖ وَ كَانَ فِيْهِ رِيْحُ الْجَنَّةِ لَا يَقَعُ عَلَى مُبْتَلِىْ اَوْ سَقِيْمٍ اِلَّا صَحَّ وَ عَوْفِىَ۔۔ الخ وَ مِنْ هٰذَا السِّرِ اَرْبَابُ الْقُلُوْبِ مِنَ الْمَشَائِخِ يَلْبِسُوْنَ الْمُرِيْدِيْنَ خِرَقَهُمْ اِلٰى اَرْوَاحِ الْمُرِيْدِيْنَ فَيَذْهَبُ عَنْهُمُ الْعُمْىُ الَّذِىْ حَصَلَ مِنْ حُبِّ الدُّنْيَا وَ التَّصَرُّفُ فِيْهَا۔ [1107]

ترجمہ: نمرود جابر و ظالم نے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام کو جنّت سے ایک قمیص اور ایک قالین دے کر بھیجا تو حضرت جبرائیل نے حضرت ابرہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو وہ قمیص پہنادی اور دونوں قالین پر بیٹھ کر محو گفتگو رہے۔ کہ

[1105] (معارف القرآن ج۵ ص ۱۳۴)
[1106] (تفہیم القرآن ج۲ ص ۴۲۸)
[1107] (تفسیر روح البیان ج۴ ص ۳۱۵-۳۱۴)

اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت اسحق علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنا دی۔ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام کو اور حضرت یعقوب نے حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک چاندی کی تختی میں نظر بد اور آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے پہنا دی۔ صاحب تبیان نے لکھا ہے کہ بھائیوں کے خوف سے یہ قمیص پہنائی تو جب بھائیوں نے ان کو کنوئیں میں ڈالا تو کرتہ انکے گلے میں تھا۔ اور اس میں جنّت کی خوشبو تھی۔ کسی بیمار یا مصیبت زدہ شخص پر ڈالا جاتا تو فوراً صحت یاب ہو جاتا۔ اہل دل مشائخ نے اسی کو اپنے مریدین کے لئے خرقہ خلافت اور دستاربندی کی اصل اور مآخذ ٹھرایا تاکہ انکی برکتیں اس طریقہ سے ان کے مریدین کو حاصل ہوں۔ جس سے ان کی دنیاوی کدورتیں اور حُبِّ مال دور ہوں۔

خرقہ خلافت کو وہابی عبث اور بدعت اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس کے رد میں صاحبِ روح البیان نے لکھا ہے: یقول الفقیر ھذا من سنۃ المشائخ قدس اللہ اسرارھم فانھم لبسوا الخرقہ والبسوھا تبرکاً وتیمناً وھم قد فعلوا ذٰلک بالھام من اللہ تعالیٰ واشارۃ فلیس لاحد ان یدعی انہ من الزیادات والقبیحۃ۔

ترجمہ: فقیر کہتا ہے کہ یہ مشائخ قدست اسرارہم کا طریقہ ہے کہ وہ خرقہ پہنتے اور پہناتے تھے۔ اس سے تبرک وتیمّن مطلوب ہوتی ہے اور انہیں منجانب اللہ الہام ہوتا ہے۔ اس پر کسی کو لائق نہیں کہ وہ اسے بدعت قبیحہ یا زیادۃ فی الدین سے تعبیر کرے۔

حکایت وہابی کُش:

صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ میں نے بلدہ قونیہ میں حضرت الشیخ صدرالدین قدس سرہ کے مزار اقدس کے قریب کتب خانے کے حجرے میں ایک مبارک کپڑے کی زیارت کی ہے۔ جسے نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ صاحب مزار کو اللہ تعالیٰ نے

بہشت سے پوشاک بھجوائی تھی اس کپڑے مبارک کو پانی کے ایک تھال میں دھو کر مریضوں کو پلایا جاتا ہے۔ میں نے بھی اس مبارک پانی کو اس نیت سے پی لیا کہ میری ظاہری باطنی بیماریاں دور ہو جائیں۔ و الحمدللہ علی ذالک۔[1108]

تیسری دلیل از قرآن

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ} (سورۃ بنی اسرائیل پ ۱۵)

ترجمہ: وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجد حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد ونواح کو ہم نے بابرکت بنادیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سفر معراج کے ضمن میں مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کا ذکر فرمایا تو مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ اس کی وجہ فضیلت بھی بتائی کہ اس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں۔ ائمہ تفسیر نے بابرکت ماحول کی وجہ بیت المقدس کے ارد گرد پھلدار درخت اور جاری نہروں کے علاوہ زمانہ موسوی سے اس مسجد کو مہبطِ وحی اور مسکن انبیاء علیہم السلام کے طور پر بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک بڑی وجہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں جو فلسطین اور بالخصوص القدس شریف کی سرزمین میں موجود ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

قیل بالثّمار و بمجاری الانھار و قیل بمن دفن حولہ من الانبیاء و الصالحین۔

[1108] (فیوض الرحمان اردو ترجمہ روح البیان، پ ۱۳، ص ۱۰۹)

یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے ارد گرد کو پھلوں اور نہروں کی وجہ سے بابرکت بنایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے ارد گرد انبیاء علیہم السلام اور صالحین دفن ہیں اس وجہ سے یہ بابرکت ہے۔[1109]

اہل ظواہر کا قاضی شوکانی لکھتا ہے:

بالثّمار والانهار والأنبياء والصالحين فقد بارك الله سبحانه حول المسجد الاقصى ببركات الدّنيا والآخرة۔[1110]

یعنی پھلوں، نہروں، انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی وجہ سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کے ماحول کو دنیاو آخرت کی برکتوں سے مالامال فرمایا۔

آیتِ کریمہ کی مذکورہ تفسیر سے ثابت ہوا کہ ائمہ تفسیر نے مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کے ماحول کو درج ذیل وجوہات کی بناپر بابرکت قرار دیا ہے:

۱) پھلدار درختوں اور نہروں کا پایا جانا۔

۲) مسکنِ انبیاء علیہم السلام اور مسجد اقصیٰ کا کثیر انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہونا۔

۳) مسجد اقصیٰ کے ارد گرد مزاراتِ انبیاء علیہم السلام کی موجودگی۔

علامہ قرطبی اور قاضی شوکانی کے قول کے مطابق بابرکت ہونے کی بڑی وجہ مزاراتِ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ یہی درست بات ہے کیونکہ لذیذ پھلوں اور خوش ذائقہ پانی کی نہروں کا وجود بھی انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کے باعث ہے۔

[1109] (قرطبی، الجامع الاحکام القرآن ج ۱۰، ص ۲۱۲)

[1110] (شوکانی، فتح القدیر، ج ۳ ص ۲۰۶)

نصِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام وصالحین رحمہم اللہ کی وجہ سے کسی جگہ کا بابرکت ہونا اور لوگوں کا تبرکاً اس مقدس مقام کی زیارت کے لئے جانا نہ صرف جائز بلکہ امر مستحسن ہے۔ پس حضور تاجدارِ کائنات سیدنا محمد مصطفی ﷺ کا مدفن ہونے کا اعزاز جس خطۂ زمین کو نصیب ہوا وہ پوری کائنات سے بڑھ کر بابرکت و باسعادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ سے لے کر آج تک جمہورِ اُمّت روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کو دنیا ومافیھا سے بڑھ کر عزیز سمجھتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کی وجہ سے مسجدِ اقصیٰ کا ارد گرد بابرکت ہونے کی مزید تائید حضرت مجاہد کے اس قول سے ہوتی ہے:

سماہ مبارکاً لأنہ مقر الأنبیاء ومھبط الملائکۃ والوحی۔

"مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کو بابرکت اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی قرار گاہ اور نزولِ ملائکہ ووحی کا مقام ہے۔"[1111]

اس امر میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ نصِ قرآنی کے مطابق بیت المقدس کا گرد ونواح بابرکت ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ بابرکت کیوں ہے؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر نے جو بھی وجہ بیان کی اس میں نمایاں چیز نسبتِ انبیاء علیہم السلام ہے۔ اگر وہاں نزولِ ملائکہ ہے تو وہ بھی نبیوں کی وجہ سے ہے۔ اگر مزاراتِ انبیاء وصالحین ہیں تو ان کی نسبت بھی ان سے ہے حتیٰ کہ اگر عبادت گاہ مبارک ہے تو وہ بھی نبیوں کی نسبت کی وجہ سے ہے۔

امام نسفی لکھتے ہیں:

یرید برکات الدین والدنیا لانہ متعبد الانبیاء علیھم السلام ومھبط الوحی۔[1112]

[1111](بغوی، معالم التنزیل ج۳ ص ۹۲، ثناء اللہ، تفسیر المظھری ج۵ ص ۳۹۹، ابن جوزی، زاد المسیر ۵:۵)

[1112](نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل ۲:۲۷۸، آلوسی، روح المعانی ۱۵:۱۱، زمخشری، الکشاف ۲:۲۰۶)

ترجمہ: اس سے مراد دین و دنیا کی برکتیں ہیں اس لئے مسجد اقصیٰ انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ اور مقامِ نزول وحی الٰہی ہے۔

چوتھی دلیل از قرآن

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (الاعراف ۱۳۷:۷)

ترجمہ: اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء ۷۱:۲۱)

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم ں کو اور لوط ں کو (جو آپ کے بھتیجے یعنی آپ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) بچا کر (عراق سے) اس سرزمین (شام) کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہاں والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

خطۂ شام کو سرزمینِ انبیاء و صالحین کہا جاتا ہے۔ ائمہ تفسیر نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں جس خطہ زمین کو برکت سے نوازنے کا بیان ہے وہ شام ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

وحقّت أن تكون كذلك فهي مبعث الأنبياء صلاة الله عليهم ومهبط الوحي۔[1113]

ترجمہ: اور درست بات یہ ہے کہ ایسا ہی ہے کیونکہ یہ سرزمین انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور نزول وحی کا خطہ ہے۔

[1113] (رازی، التفسیر الکبیر، ۲۴:۱۵۷)

زمخشری نے لکھا ہے:

وبركاته الواصلة الى العالمين أنّ أكثر الأنبياء عليهم السلام بعثوا فيه فانتشرت فى العالمين شرائعهم وآثارهم الدينية وهى البركات الحقيقة۔[1114]

امام نسفی نے لکھا ہے:

أى أرض الشام بركتها أن اكثر الأنبياء منها فانتشرت فى العالمين آثارهم الدينية۔[1115]

ترجمہ: یعنی سرزمینِ شام کی طرف اور اس سرزمین کی برکتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کی بعثت یہاں ہوئی اور پھر ان کے دینی آثار دنیا میں پھیلے۔

خطۂ شام کے مبارک ہونے کی ایک وجہ مفسرین نے یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ خطہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مرکز رہا ہے۔ لہٰذا ان کے مبارک قدموں کی وجہ سے یہ خطہ زمین برکت والا ہو گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی شام کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں انبیاء وصالحین کی سرزمین ہے اس لئے مبارک ہے۔

حضرت ابنِ حوالہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سَيَصِيْرُ الْأَمْرُ اِلَى أَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً۔ جُنْدٌ بِالشَّامِ وَ جُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَ جُنْدٌ بِالْعِرَاقِ۔ قَالَ ابْنُ حَوَالَةَ: خِرْلِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ، فَقَالَ: عَلَيْكَ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا خِيْرَةُ اللهِ مِنْ أَرْضِهِ يَجْتَبِى اِلَيْهَا خِيْرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ فَأَمَّا اِذْ اَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ بِيَمِيْنِكُمْ وَ اسْقُوْا مِنْ غُدُرِكُمْ فَاِنَّ اللهَ تَوَكَّلَ لِيْ بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ۔

یعنی "عنقریب ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب تمہارے لشکر الگ الگ ہو جائیں گے۔ ایک لشکر شام میں ہو گا تو ایک یمن میں اور ایک عراق میں۔ ابن حوالہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اگر میں

[1114](زمخشری، تفسیر الکشاف ۳:۱۲۷)

[1115](نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل ۳:۸۶)

اس وقت کو پاؤں تو فرمایئے کس لشکر میں جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم سرزمینِ شام کو (سکونت کے لئے) اختیار کرنا کیونکہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہترین زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قطعہ ارضی میں اپنے بہترین بندوں کو چن کر اکٹھا فرمائے گا۔ اگر تجھے یہ منظور نہ ہو تو پھر یمن کو اختیار کر اور اپنے حوضوں سے پانی پلاتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ملک شام کی اور اہل شام کی کفالت فرمائی ہے۔"[1116]

فضیلتِ شام کے بارے میں کتبِ احادیث میں متعدد احادیثِ مبارکہ موجود ہیں۔ فضیلتِ شام کے حوالہ سے متذکرہ بالا نصِ قرآنی حدیثِ مبارکہ اور ائمہ تفسیر کی آراء سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ ربّ العزت نے خود ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے مقامِ ہجرت ملکِ شام کو بابرکت بنایا اور پھر امت کو فتنوں کے دور میں اس مبارک سرزمین میں حسبِ استطاعت تبرکاً سکونت اختیار کرنے کی ترغیب بھی فرمائی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ زمین تو ساری اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی پوری دنیا کا خالق و مالک حقیقی ہے، پھر اس قادر و قیّوم ذاتِ وحدہ لاشریک نے زمین کے ایک ٹکڑے کو مبارک کیوں قرار دیا۔ اس سے یہی بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق کوئی مقام یا ہستی مبارک ہو اور اگر ایک بندہ مؤمن خالق کائنات کی طرف سے عطا کردہ برکت کی وجہ سے اس سے تبرک اختیار کرے تو یہ صحیح اور درست امر ہے، اسے خلافِ شرع اور منافیِ توحید قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پانچویں دلیل از قرآن

قَالَ فَمَا خَطْبُکَ یٰسَامِرِیُّ} قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ} (سورة طٰهٰ: پ ١٦، ع ١٣)

[1116] (أبو داؤد السنن، کتاب الجهاد باب فی سکنی الشام، ۴:۳، رقم: ۲۴۸۳)

ترجمہ: "(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا اے سامری اس (فتنہ انگیزی) سے تیری کیا غرض تھی۔ اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز کو جو لوگوں نے نہ دیکھی۔ پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشانِ قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میرے نفس نے یہ بات۔"

جسٹس شریعت کورٹ حضرت پیر کرم شاہ صاحب سجادہ نشین بھیرہ شریف اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تمام قدیم مفسرین اس آیت کی توضیح پر متفق ہیں کہ سامری نے عرض کی کہ میں نے ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گھوڑی پر سوار ہیں۔ وہ گھوڑی جہاں قدم رکھتی ہے خشک گھاس سرسبز ہو جاتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اس گھوڑی کی خاک قدم میں حیات بخش اثر ہے، میں نے وہاں سے ایک مٹھی بھری اور حفاظت سے اپنے پاس رکھ لی۔ اب جب آپ علیہ السلام طور پر گئے اور آپ علیہ السلام کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو مجھے یہ سوجھی کہ زیورات کو گلا کر ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بنایا اور اس میں یہ مٹی ڈال دی جس سے اس میں زندگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور اس سے آواز نکلنے لگی۔[1117]

تفسیر جلالین میں ہے:

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ اَثَرِ حَافِرِ فرس الرسول جبرئیل۔[1118]

ترجمہ: میں نے مٹھی بھر خاک جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان قدم سے لے لی۔

[1117] (تفسیر ضیاء القرآن، ج ۲ ص ۱۳۲)

[1118] (جلالین ج ۱ ص ۲۶۲)

تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے:

من اثر الرسول ای وعرفه بسابق الالفة فلما جآء جبرئیل لیطلب موسیٰ الی المیقات لاخذ التوراة کان راکبا علی فرس کلما وضعت حافرها علیٰ شیء اخضر فعرف السامری ان للتراب الذی تضع الفرس حافرها علیه شانا۔[1119]

ترجمہ: سامری سابقہ معرفت کی بنا پر پہچانتا تھا۔ جب حضرت جرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میقات پر توریت لینے کیلئے بلانے آئے تھے تو وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت جرائیل علیہ السلام کا گھوڑا جہاں قدم رکھتا تھا وہ چیز سرسبز ہو جاتی تھی۔ اس وقت سامری سمجھ گیا کہ یہ خاک جہاں جرائیل علیہ السلام کا گھوڑا قدم رکھتا ہے خاص اثر رکھتی ہے۔

اس کی مثل عبارت تفسیر جمل ج۳ص۱۰۹ میں ہے:

بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

من اثر الرسول ای من اثر فرس جبرئیل علیه السّلام فنبذتها ای القیتها فی فم عجل وقال بعضهم انما خاد لکون التراب ماخوذًا من حافر فرس جبرئیل۔[1120]

علامہ محقق اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ) کے تحت لکھتے ہیں:

وَقَدْ کَانَ رَأیٰ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ جَآئَ رَاکِبُ فرس وَکَانَ کُلَّمَا وَضَعَ الْفَرْسُ یَدَیْهِ اَوْ رِجْلَیْهِ عَلَی الطَّرِیْقِ الیبس یَخْرُجُ مِنْ تَحْتِهٖ النَّبَاتُ فِیْ الْحَالِ فَعَرَفَ اِنَّ لَهٗ شَاْنًا فَاَخَذَ مِنْ موطئه حُفْنَة۔ وَفِیْ الْکَبِیْرِ راٰه یوم فَلَقَ الْبَحْرُ حِیْنَ تَقَدَّمَ خَیْلُ فِرْعَوْنَ رَاکِبًا عَلٰی رمکة وَدَخَلَ الْبَحْرَ۔ وفی غیره حِیْنَ ذَهَبَ بِهٖ اِلَی الطُّوْرِ۔ وَفِیْ جَلَالَیْنِ قَالَ مُوْسٰی وَمَا ذَالِکَ قَالَ رَأَیْتُ جِبْرِیْلَ عَلٰی فَرْسِ الْحَیَاةِ فَاُلْقِیَ فِیْ نَفْسِیْ اَنْ اَقْبِضَ مِنْ اَثْرِهَا فَمَا اَلْقَیْتُهٗ عَلٰی شَیْئِیٍ اِلَّا صَارَ لَهٗ رُوْحٌ وَلَحْمٌ وَدَمٌ فَحِیْنَ رَأَیْتُ قَوْمَکَ سَأَلُوْکَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ اِلٰهًا زَیَّنَتْ لِیْ نَفْسِیْ ذَالِکَ فَذَالِکَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی

[1119] (الصاوی علی الجلالین ج۳ص ۶۳، مطبوعه دار الفکر، ج ۲ ص ۸۶ مکتبه غوثیه، ج۴)

[1120] (مظهری ج۶ ص ۱۶۰)

(فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ) اَیْ تُرْبَةُ مُؤْطِیئ فرس الملک الذی اَرْسَلَ اِلَیْکَ وَ الْمُرَادَ فَرْسُ الْحَیَاۃِ لِجِبْرِیْلَ وَ لَمْ یَقُلْ جِبْرَیْلَ اَوْ رُوْحُ الْقُدُسَ لِاَنَّہُ لَمْ یَعْرِفْ اَنَّہُ جِبْرِیْلَ وَ الْقَبْضَةَ المرۃ مِنَ الْقَبْضِ وَ ھُوَ الْاَخَذ بِجَمِیْعِ الْکَفِّ اطلقتِ علی الْمَقْبُوْض مرۃً (فَنَبَذْتُھَا) اَلنَّبْذُ القاء الشَّیْئِ وَ طَرَحَہُ لِقِلَّةِ الْاَعْتَدَادِ بِہ اَیْ طَرَحْتُھَا فِی الْحُلِیِ ای المذابَۃُ اَوفِیْ فَمِّ الْعِجلِ فَکَانَ مَا کَان۔ وَ فِی الْعَرَائِسِ قَبض السَّامِرِی مِنْ اثر فرسہٖ قبضۃ لِاَنَّہُ سَمِعَ مِنْ مُّوسٰی تَأْثِیْرُ الْقُدْسِیِّیْنَ فِیْ اِشْبَاحِ الاکوان فنثرھا عَلَی العِجلِ الذھبی فَجَعَلَ الحق لَھَا اَکْسِیْرًا مِن نور فِعْلِہٖ وَ لذا حیی۔[1121]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے ارشاد (بَصَرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِہٖ) کے تحت لکھتے ہیں کہ سامری نے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام جس سواری پر سوار ہیں وہ جہاں قدم رکھتی ہے تو وہاں سوکھی گھاس سبز ہو جاتی ہے۔ اس سے میں نے سمجھا کہ اس کی کوئی تاثیر ضرور ہوگی۔ اس لئے اس کے قدموں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ تفسیر الکبیر میں ہے کہ سامری نے اس وقت دیکھا جب موسیٰ علیہ السلام دریا کو عبور کر گئے۔ اس کے بعد فرعون کی باری تھی تو فرعون کے گھوڑے کے آگے جبرئیل علیہ السلام گھوڑی لائے اور دریا میں داخل ہو گئے (اس کے جانے سے فرعون کا گھوڑا فرعون کے قابو میں نہ رہا اور وہ دریا میں کودا۔ اس سے فرعون اور اس کی تمام قوم ڈوب کر مر گئی)۔ دوسری تفسیر میں ہے کہ سامری نے یہ کیفیت دیکھی جب جبرئیل علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی جانب لے گئے اور جلالین شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کو فرس الحیاۃ پر دیکھا تو میرے دل میں خیال گزرا کہ میں اس کے پاؤں سے مٹی کی مٹھی اٹھالوں۔ چنانچہ میں نے جب بھی اس مٹھی میں سے کچھ مٹی کو جس شے پر بھی ڈالا تو اس پر گوشت پیدا ہو گیا اور اس کو روح مل گئی۔ میں نے جب بنی اسرائیل کو دیکھا کہ وہ آپ سے معبود بنانے کی استدعا کر چکے ہیں تو میں نے آپ کی عدم موجودگی میں ان کے لئے بچھڑا تیار کر کے ان کو

[1121] (روح البیان ج۵ ص ۴۲۰-۴۲۱)

پرستش کی دعوت دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے: فَقَبَضۡتُ قَبۡضَۃً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلُ تو میں نے رسول کے قدموں کے نیچے سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی۔ یعنی اس فرشتے کی گھوڑی کے قدموں کے نیچے سے جو آپ کے پاس پیغامِ الٰہی لاتا ہے اس سے فرس الحیاۃ مراد ہے جو جبرئیل علیہ السلام کی سواری کے لئے دی گئی تھی۔ اور یہاں نہ جبرئیل کہا اور نہ روح القدس، اس لئے کہ وہ جبرئیل علیہ السلام سے متعارف نہ تھا۔ قبضۃ ایک بار مٹھی بھر لینا بمعنی کسی شے کی ایک بار مٹھی بھرنا کبھی قبضۃ بمعنی مقبوض بھی ہوتا ہے۔ فنبذ تہا: النبذ بمعنے کسی شے کو غیر معتبر سمجھ کر نیچے پھینکنا۔ میں نے اس مٹی کو پگھلے ہوئے زیورات یا بناوٹی بچھڑے کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر یوں ہی ہو گیا جیسا کہ آپ اب دیکھ رہے ہیں۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے کہ سامری نے جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی مٹھی بھر لی تھی۔ کیونکہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سنا تھا کہ فرشتوں (قدسیوں) کی تاثیر دنیا کی چیزوں میں عجیب زندگی پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا سامری نے سونے کے بچھڑے میں وہی مٹی ڈال دی۔ چنانچہ اس نورانی فعل سے اللہ تعالیٰ نے اکثیر کا اثر پیدا فرمایا جس سے بچھڑا زندہ ہو گیا۔

"اس آیت کے تحت مولوی شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے: "سامری نے کہا مجھ کو ایک ایسی چیز دکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ (جبرائیل علیہ السلام) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ یہ شاید اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا اس حالت میں جبرائیل علیہ السلام دونوں جماعتوں کے درمیان ہو گئے تا کہ ایک کو دوسرے سے نہ ملنے دیں۔

بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے پاؤں یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی وہی اب سونے کے بچھڑے میں ڈال دی کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاکِ پامیں یقیناً کوئی تاثیر ہو گی۔"[1122]

مسلک دیوبند کے مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے: "پھر جب بنی اسرائیل کے جمع کئے زیورات سے اس نے بچھڑے کی ہیئت بنالی تو اپنے گمان کے مطابق کہ اس مٹی میں آثار حیات ہیں جس چیز میں ڈالی جائیگی اس میں زندگی پیدا ہو جائیگی۔ اس نے یہ مٹی بچھڑے کے اندر ڈالدی بقدرت خداوندی اس میں حیات کے اثرات ہو گئے اور بولنے لگا۔"[1123]

رہا یہ سوال کہ یہ عجیب و غریب معاملہ ایک باطل پرست کے ہاتھ کس طرح ظہور پذیر ہو سکتا ہے، اس کے متعلق سب سے بہتر جواب شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعبیر ہے کہ جب ایک باطل کو دوسرے حق کے ساتھ ملایا جائے تو اس امتزاج سے ایک کرشمہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس ترکیب کا خاصہ اور اس کا حقیقی مزاج کہلاتا ہے۔

چھٹی دلیل از قرآن

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ فِیۡہِ اٰیٰتٌ م بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ (اٰل عمران ۹۶)

ترجمہ: "بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکّہ میں ہے، بڑا برکت والا ہدایت کا سر چشمہ ہے۔ سب جہانوں کے لئے اس میں روشن نشانیاں ہیں۔"

[1122] (حاشیۃ القرآن ج ۱ ص ۱۵۵)
[1123] (معارف القرآن ص ۱۴۴)

آیت کریمہ میں جن روشن نشانیوں کا بیان فرمایا گیا ہے، ان میں ایک روشن نشانی وہ مقدس پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر معمار حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی دیواریں چنیں اور اس پتھر پر آپ علیہ السلام کے نقوشِ پا ثبت ہیں۔ اسے مقامِ ابراہیم بھی کہتے ہیں۔

امام ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں اس آیت کی تشریح میں برکت اور تبرک کے تصوّر کو یوں واضح کیا ہے:

وقوله مباركاً يعنى أنه ثابت الخير والبركة، لان البركة هي ثبوت الخير ونموه وتزيده والبرك هو الثبوت يقال برك بركاً وبروكا اِذ ثبت على حاله۔[1124]

ترجمہ: "اور اللہ عزوجل کا مبارکاً فرمانا اس معنیٰ میں ہے کہ وہ گھر خیر و برکت والا ہے، کیونکہ کسی چیز میں خیر و بھلائی کا پایا جانا اور اس کی نشو و نما اور اس میں اضافہ ہو جانے کا نام برکت ہے۔ برکت سے مراد جم کر بیٹھنا ہے برک، برکاً اور بروکا اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اپنی جگہ جم کر بیٹھے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: [وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّى] یعنی ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز بناؤ۔

تفسیر مظہری میں لکھا ہے:

ولاهل الاعتبار ھٰھنا استنباط وهو ان فی كل مكان مكث فيه رجل من اهل الله تعالیٰ حينا من الدهر ينزل هناك بركات من السماء وسكينة تجذب القلوب الى الله تعالیٰ ويتضاعف هناك اجر الحسنات وكذا وزر السيئات والله اعلم۔[1125]

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ہر ادا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے جان حقیر پتھر جسے حضرت خلیل علیہ السلام کے پاؤں سے چھو جانے کا شرف حاصل ہوا

[1124] (جصاص احکام القرآن ج ۲ ص ۳۰۳)

[1125] (تفسیر مظھری، ج ۱ ص ۱۲۸)

وہ قدرت کی نگاہ میں اتنا عزیز اور ذیشان ہے کہ امت مصطفوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو حکم دیا جارہا ہے کہ اسے اپنی جائے نماز بنالیں۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْفَضِیْلَۃُ الثَّانِیَۃُ بِھٰذَا الْبَیْتِ مَقَامُ اِبْرَاھِیْم وَھُوَ الْحَجْرُ الَّذِیْ وَضَعَ اِبْرَاھِیْمُ قَدَمَہٗ علیہ فجعل اللہ ماتحت قدم ابراھیم عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنْ ذَالِکَ الْحَجَرِ۔ دُوْنَ سَائِرِ اَجْزَئِہٖ کَالطِّیْنِ حَتّٰی غَاصَ فِیْہِ قَدَمُ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السلام، وھذا مما لا یقدر علیہ الا اللّٰہُ وَلَا یُظْھِرُ اِلَّا عَلَی الْاَنْبِیَآئِ ثُمَّ لَمَّا رَفَعَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَدَمَہٗ عَنْہُ خَلَقَ فِیْہِ الصَّلَابَۃُ الْحَجرِیَّۃَ مَرَّۃً اُخْرٰی ثُمَّ اَنَّہٗ تَعَالٰی اَبْقٰی ذَالِکَ الْحَجرَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِمرَارِ وَالدَّوَامِ فَھٰذِہٖ اَنْوَاعٌ مِنَ الْاٰیَاتِ الْعَجِیْبَۃِ وَالْمُعْجِزَاتِ الْبَاھِرَۃِ اَظْھَرَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ ذَالِکَ الْحَجرِ۔[1126]

ترجمہ: کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہیم ہے۔ اور یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہوگیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں دھنس گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ اور معجزاتِ انبیاء میں سے ہے۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر جیسی سختی پیدا کردی کہ وہ نشانِ قدم محفوظ رہ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لئے باقی رکھا تو یہ انواع واقسام کے عجیب وغریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے ہیں۔

[1126](تفسیر کبیر ج۸، ص ۱۵۵)

اسی طرح ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معجزات میں سے ہے کہ آپ پتھر پر اپنا قدم مبارک رکھتے تو وہ پتھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قدموں کے نیچے آکر نرم ہو جاتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا مَشٰی عَلَی الصَّخْرَۃِ غَاصَتْ قَدَمَاہُ فِیْہِ۔[1127]

ترجمہ: "جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پتھر کی چٹان پر چلتے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاؤں مبارک کے نشان ان پر لگ جاتے تھے۔" یعنی دھنس جاتے تھے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری فرماتے ہیں:

اِنَّہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کَانَ فِیْ بَعْضِ الْاَحْیَانِ اِذَا مَشٰی غَاصَ قَدَمُہٗ فِیْ الْحِجَارَۃِ بِحَیْثُ بَقِیَ ذَالِکَ اِلَی الْاٰنَ وَارْتَسَمَ فِیْھَا مِثَالُہٗ بَعَیْنِہٖ وَالنَّاسُ یَتَبَرَّکُ بِہٖ وَتَزَرُوْہُ وَتَعْظِیْمُہٗ کَمَا فِیْ الْقُدْسِ وَنَقَلَ مِنْہُ فِیْ مِصْرٍ فِیْ اَمَاکِنِ مُتَعَدِّدَۃٍ حَتّٰی قِیْلَ اِنَّ السُّلْطَانَ قَاتْبِیَانِیْ اِشْتَرَاہُ بِعِشْرِیْنَ اَلْفِ دِیْنَارٍ وَاَوْصٰی بِجَعْلِہٖ عِنْدَ قَبْرِیْ وَھُوَ مَوْجُوْدٌ اِلَی الْاٰنَ۔

ترجمہ: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب کبھی ننگے پاؤں پتھر پر چلتے تو پتھر آپ کے مبارک قدموں کے نیچے نرم ہو جاتے اور ان میں بعینہٖ نشانِ قدم پڑ جاتا۔ چنانچہ ان پتھروں کو تبرکاً محفوظ کر لیا گیا جو اب بھی موجود ہیں۔ بیت المقدس اور مصر میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں اور لوگ ان کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سلطان قاتبیانی نے بیس ہزار دینار سے ایک پتھر خریدا تھا اور وصیّت کی تھی کہ اسے میری قبر کے پاس نصب کیا جائے۔ چنانچہ وصیّت کے مطابق وہ اب بھی وہاں موجود ہے۔

حدیثِ مبارکہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان حضور نبی اکرم علیہ السلام کے نشانِ قدوم سے گہری مماثلت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس متبرک و مقدس پتھر پر یہ نشان دیکھ کر قریشِ مکّہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا یہ قدموں کے نشان محمد

[1127] (زرقانی ج۴، ص۱۹۷، بیھقی)

بن عبد اللہ (ﷺ) کے ہیں؟ اس بات کی تصدیق ہونے پر وہ اس سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب آپ ﷺ نے ابھی اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا لیکن یہودیوں کے بعض علماء نے مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پر کچھ ایسی نشانیاں دیکھیں کہ وہ لوگ ان سے برکت حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ ان کو کتب ساویہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ خاتم الانبیاء ہوں گے۔

ساتویں دلیل از قرآن

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً۔ (سبا:۱۸)

ترجمہ: اور ہم نے ان باشندوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی، (یمن سے شام تک) نمایاں (اور) متصل بستیاں آباد کر دی تھیں۔

آٹھویں دلیل از قرآن

يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ۔ (النور:۳۵)

یعنی "روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا۔"

مبارک درخت: قرآن مجید میں مبارک درخت سے مراد "زیتون" کا درخت ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد یہ سب سے پہلا درخت ہے جو زمین پر اگا اور سب سے پہلے جہاں اگا وہ کوہ طور ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلام ہوئے۔ زیتون کے درخت کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض عالموں نے فرمایا ہے کہ تین ہزار برس تک یہ درخت باقی رہتا ہے۔[1128]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زیتون میں بہت سے فوائد اور منفعتیں ہیں۔ اس کے تیل سے چراغ جلایا جاتا ہے اور یہ بطور سالن کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی سر

[1128] (صاوی ج۳ ص ۹۵)

اور بدن پر مالش بھی کرتے ہیں اور یہ چمڑے کی دباغت میں بھی کام آتا ہے اور اس سے آگ بھی جلاتے ہیں اور اس کا کوئی جزو بھی بیکار نہیں۔ یہاں تک کہ اس کی راکھ سے ریشم دھوکر صاف کیا جاتا ہے اور یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے مکانوں اور مقدس زمین میں اگتا ہے اور اس کے لئے ستر انبیاء نے برکت کی دعا مانگی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی مقدس دعاؤں سے بھی یہ درخت سرفراز ہوا ہے۔[1129]

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک درخت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۔ (المؤمنون: ۱)

"اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ طور سینا سے نکلتا ہے لے کر اگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن"۔[1130]

احادیث نبویہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم سے تبرکات کا ثبوت

اگرچہ صاحبِ روح البیان کے دور میں وہابی، وہابی مزاج دیوبندی، مودودی، پنج پیری قسم کے لوگ نہیں تھے، لیکن ابنِ تیمیہ جو مذکورہ پارٹیوں کا "گرو" ہے، اس کے تاثرات موجود تھے اس لئے صاحبِ روح البیان کو تبرکات کے فوائد پر چند دلائل دینے پڑے، چنانچہ فرمایا:

دلیل اول: ویدل علیه قوله ں ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء کما یتاذی الحی بجار السوء۔

یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ صالحین کے درمیان مردوں کو دفن کرو اس لئے کہ میت برے ہمسایہ سے ایذاء پاتی ہے، جیسے زندہ انسان زندہ ہمسایہ سے۔

[1129] (صاوی ج۳ ص ۱۱۵)

[1130] (عجائب القرآن مع غرائب القرآن ص ۲۵۰-۲۴۹)

اس حدیث سے صاحب روح البیان کا مقصد یہ ہے کہ مردہ کتنا ہی بد کردار کیوں نہ تھا، لیکن اسے نیک بخت لوگوں کے قرب سے فائدہ حاصل ہو گا ایسے ہی تبرکات کی برکات کا حال ہے، کہ ان کے قرب اور توسل سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

سوال ازوہابیہ دیوبندیہ:

یہاں ایک اعتراض پیدا کر کے صاحبِ روح البیان نے گویا وہابیہ کی طرف سے لکھا کہ وہ جو مروی ہے کہ ارضِ مقدسہ کسی کو مقدس نہیں بنادیتی بلکہ بندے کو اپنے اعمال مقدس بناتے ہیں۔

جواب:

اس روایت میں اعمال صالحہ کی ترغیب مقصود ہے یا تبرکات کے فوائد و منافع اور ان کے برکات کے علم سے پہلے کی روایت ہے ورنہ روایات مندرجہ ذیل غلط ہوتی ہیں حالانکہ روایات ذیل صحیح اور مستند ہیں۔

دلیل دوم اور حکایت مع روایت: مروی ہے عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفیان بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ الہذلی کو قتل کر کے حضور ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ حضور ﷺ نے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا عصا مبارک عطا فرما کر فرمایا کہ اسی کے سہارے بہشت میں جانا۔ جب حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ وہی عصا مبارک اس کے کفن کے اندر جسم سے ملا کر تبرک کے طور پر رکھ دینا چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔

حضور ﷺ سے صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال حضرت معمر بن عبد اللہ حجام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مونڈے تو آپ ﷺ نے آدھے بال مبارک حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائے اور آدھے باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو

ایک ایک دو دو عنایت فرمائے۔اس روایت سے ثابت ہوا کہ تبرک سے فیوض وبرکات کا عقیدہ رکھنا اور تبرکات تقسیم کرنا سنتِ رسول اکرم ﷺ اور سنتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عقیدہ اور تبرکات: جیسے ہی حضور ﷺ نے اپنے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ: **فکانوا یتبرکون بھا وینصرون ماداموا حاملین لھا۔** یعنی حضور ﷺ کے بال مبارک سے برکات حاصل کرتے جب تک اپنے ساتھ رکھتے۔[1131]

دلیل چہارم:

اسرارِ محمدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب روح البیان نے ہم اہلسنت کو مواد بہم پہنچایا۔ **کما قال: ولذاقال فی الاسرار المحمدیہ لو وضع شعر رسول اللہ ﷺ وعصاہ او سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاص ببرکات تلک الذخیرہ من العذاب. (ایضاً)** یعنی: اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر حضور ﷺ کے بال مبارک یا عصا مبارک یا آپ ﷺ کی چھڑی مبارک کسی مجرم کی قبر پر رکھی جائے تو وہ مجرم انہی مبارک اشیاء کی برکت سے نجات پا جائے گا۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بال مبارک کی برکت

دلیل الاحسان میں لکھا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن قبرستان گئے، اور ایک قبر دیکھی جس میں سے فریاد کی آواز آرہی تھی کہ: ہمارے دائیں بھی آگ ہے، ہمارے بائیں بھی آگ ہے، ہمارے نیچے بھی آگ ہے، اوپر بھی آگ ہے، اور بہت سخت عذاب میں مبتلا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس آدمی پر رحم آگیا۔ میں نے سو رکعات نفل نماز ادا کی اور پورا

[1131](روح البیان ج۳، ص ۴۷۹، تحت ھذاالآیۃ "وَلَاتُصَلِّ عَلٰیٓ اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا" سورۃ التوبۃ)

قرآن مجید ختم کیااور ثواب اس مردہ کو بخش دیا۔ پھر غور کیا تو وہ اسی طرح عذاب میں مبتلا تھا، کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ میں بہت حیران ہوا کہ عجیب میت ہے۔ سو رکعات نفل اور قرآن مجید کے ختم سے بھی عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہوئی۔ لہٰذا میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آیا۔ نبی کریم ﷺ اس وقت اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اس وقت (دوپہر) آپ کیسے آگئے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ، میں قبرستان گیا تھا۔ میں نے ایک قبر دیکھی جس میں میت بہت سخت عذاب میں مبتلا تھی۔ مجھے اس پر رحم آگیا، سو میں نے سو رکعات نفل نماز ادا کی اور پورا قرآن پاک ختم کیا، لیکن وہ اسی طرح عذاب میں مبتلا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تو عجیب میت ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ اٹھ گئے اور فرمایا کہ مجھے اس قبر تک لے چلو۔ نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں قبرستان پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یہ قبر ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام مبارک نے دیکھا کہ وہ میت بہت خوش ہے۔ فرمایا: اے علی (رضی اللہ عنہ)! آپ رضی اللہ عنہ سے سہو ہو گیا (بھول گئے)، یہ تو بہت خوش ہے، ہو سکتا ہے دوسری قبر ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی قربان یہی قبر ہے، میں نے اس پر نشانی بھی رکھی ہے۔ اس دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ! اللہ پاک آپ پر سلام بھیجتا ہے اور بعد از سلام فرماتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سہو نہیں ہوا (نہیں بھولے)، یہ وہی قبر ہے۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں وضو کر رہے تھے اور اپنے داڑھی مبارک میں کنگھی کر رہے تھے۔ ان کی داڑھی مبارک

سے ایک بال نکلا اور ہوا نے اٹھا کر اس قبرستان میں پہنچا دیا۔ اس قبرستان میں ستر ہزار مردگان تھے۔ سب عذاب کے مستحق تھے۔ اللہ ربّ العزّت نے بال کی برکت سے سب کو بخش دیا۔[1132]

سبحان اللہ! یہ ہے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بال مبارک کی برکت۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ابو بکر صدیق سن کر "رضی اللہ عنہ" پڑھیں۔ اور ہزار لعنتیں اس پر جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرے۔

دلیل پنجم:

اور فرمایا: وان کان فی دار انسان او بلادہ لا یصیب سکانھا بلاء ببر کتہ وان لم یشعروا بہ. (ایضاً) یعنی جس گھر یا شہر میں بال مبارک ہوں تو وہ گھر اور شہر بلاء سے محفوظ رہیں گے اگرچہ انہیں اس کا علم بھی نہ ہو۔

دلیل ششم:

ومن ھذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بھا وکتابۃ القران علی القراطیس والوضع فی ایدی الموتی. (ایضاً) یعنی اسی قبیل سے زمزم شریف کا پانی یا اس سے کفن تر کردہ اسی طرح کعبہ کا غلاف اور اس کا کفن بنانا یا قرآنی آیت لکھ کر مردہ کے ہاتھ میں دینا۔

جیسے ہم اہلسنت کفنی لکھتے اور عہد نامہ وغیرہ میت کے ہاتھ میں دیتے اور قبر پر آذان دیتے اور قبر میں سورۃ ملک وغیرہ پڑھتے اور قبر کے قریب قرآن پڑھاتے ہیں۔

[1132] (دلیل الاحسان ص ۸)

صاحبِ روح البیان کا اپنا مشاہدہ:

صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے خزانوں بالخصوص آل عثمان کے خزانہ میں بعض ایسے تبرکات ہوتے ہیں جن کے فیوض وبرکات سے بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً آل عثمان کے خزانہ میں حضور ﷺ کا جبّہ مبارک اور دیگر بہت بڑے تبرکات ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آلِ عثمان کو ان سے فیوض وبرکات اور انہیں وسیلہ بنانے کی توفیق نصیب نہیں حالانکہ ان کے ہاں نبوی لواء مبارک بھی ہے لیکن ان کے ملک میں مصائب و آفات وبلیلات کی بھرمار ہے۔ صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ انہیں اس کی سزا ملی ہے اس لئے کہ آلِ عثمان نے ان تبرکات کی عزت واحترام نہ کیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مکّہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے متعلق صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ان میں طاعون کا داخلہ بند ہے لیکن جب ان کے مکینوں نے غلط کاری اور جرائم ومعاصی کا ارتکاب کیا تو سزا کے طور ان پر طاعون مسلط کردیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض ارشاداتِ نبوی ﷺ کے خلاف ہوجانا محض سزا یا تنبیہہ کے طور ہوتا ہے ورنہ اسی طرح ہونا ضروری ہے جس طرح حضور ﷺ فرماگئے۔[1133]

حدیث شریف: حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور ﷺ کا جبّہ مبارک تھا۔

[1133] (فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان، پارہ ۱۰، ص ۳۱۸-۳۱۶، المقاصد السنیہ، مفتی اعظم سرحد مفتی شائستہ گل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۲۱۲)

فقالت ھذہ جبة رسول اللہ ﷺ فاخرجت الی جبة طیالسة کسروانیة دیباج وفرجیھا مکفوفین بالدیباج فقالت ھذہٖ کانت عند عائشة حتّٰی قبضت فلما قبضت قبضتھا وکان النبی یلبسھا فنحن نغسلھا للمرضی لنستشفی بھا۔[1134]

فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبّہ مبارک ہے انہوں نے ایک اونی جبّہ مبارک کسروانی ساخت کا نکالا اور اس کی پلیٹ ریشمی تھی، اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا۔ اور فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبّہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا۔ نبی کریم ﷺ اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفاء چاہتے ہیں۔

امام اجل ابو زکریّا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وفی ھذا الحدیث دلیل علی استحباب التبرّک بآثار الصّالحین وثیابھم.

یعنی ”اس حدیث میں دلیل ہے کہ صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔[1135]

نمودن وے جُبّہ را محض از برائے اظہار تبرک وتیمّن بود نہ برائے بیان جوازِ لباس۔[1136]

”اس جبہ کا دکھانا محض برکت کے اظہار کے لئے تھا، بیان جواز لباس کے لئے نہ تھا۔“

1134 (مسلم شریف ج۲ ص ۱۹۰، ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۶۵، مشکوۃ شریف ص ۳۷۴، شفاء ج ۱ ص ۲۸۶، حجة اللہ علی العٰلمین ص ۴۳۱، کشف الغمة عن جمیع الامّة ص ۱۹۵)

1135 (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹۱)

1136 (اشعة اللمعات، ج۳ ص ۵۴۰)

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی زیارت کرنا، ان کا لباس دھو کر بیماروں کو پلانا سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے، ان میں شفاء ہے۔[1137]

حدیث شریف: صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو جانثار صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ تھے، نے عرض کیا **اعطنی قمیصک اکفنه فیه و صلِ علیه و استغفر له فاعطاه النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قمیصه**. یعنی مجھے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائیں تا کہ اس سے میں کفناؤں اور ان پر نماز پڑھیں اور دعائے مغفرت فرمایئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی قمیص عطا فرمادی۔[1138]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا عرض کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اس سچے صحابی کی دلجوئی کے لئے ان کے منافق باپ کو اپنی قمیص عطا فرمانا، تبرک کے ثبوت کے لئے اصل ہے، علامہ اسماعیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت سے یہی استنباط کیا ہے اور امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے شرح بخاری میں اسے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: **و استنبط منه الاسماعیلی جواز طلب آثار أهل الخیر منهم للتبرک بها و ان کان السائل غنیاً**. یعنی علامہ اسماعیلی نے اس روایت سے صالحین سے ان کے آثار کو برائے تبرک طلب کرنے کا جواز اخذ کیا ہے، خواہ مانگنے والا مالدار کیوں نہ ہو۔[1139]

[1137] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۹۸، ج ۲)
[1138] (بخاری شریف کتاب الجنائز باب الکفن فی القمیص، ص ۴۲۷)
[1139] (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳:۱۳۹)

ابن عدی محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ سنان بن طلق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اپنی قمیص مبارک کا ایک ٹکڑا دے دیجیے، میں اس کو بطور تبرک اپنے پاس رکھوں گا۔ محمد بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے باپ نے کہا حضور ﷺ کی قمیص مبارک کا وہ ٹکڑا اباً عن جدٍ میرے ہاتھ آیا۔ **یغسلھا للمریض یستشفیٰ بھا**[1140] یعنی یہ قمیص کا مبارک ٹکڑا مریضوں کو دھو کر پلایا جاتا ہے اور اس کی برکت سے شفا حاصل کی جاتی ہے۔

حضور ﷺ کا جبہ مبارک:

سراج العاشقین حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک جبہ مبارک کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان تک ضرور پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جبہ مبارک ان تک پہنچایا۔ اس روایت پر تقریباً سب علماء اور صوفیاء کا اتفاق ہے۔

حدیث شریف: کتبِ صحاح میں سے سنن ابی داؤد و دیگر کتبِ احادیث میں مسواک دھونے کے حوالہ سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

کان نبی اللہ ﷺ یستاک فیعطنی السواک لأغسله فأبدأ به فأستاک ثم اغسله وأدفعه الیه۔[1141]

ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ مسواک کیا کرتے تھے سو آپ ﷺ مجھے مسواک دھونے کے لئے عنایت فرماتے تو میں دھونے سے پہلے اس سے تبرکاً مسواک کرتی، پھر اسے دھو کر آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتی۔

[1140] (خصائص کبریٰ ج ا ص ۱۱۲)

[1141] (ابو داؤد، کتاب الطهارت، باب غسل السواک، ج ا ص ۱۴، رقم ۵۲، بیهقی السنن الکبریٰ ص ۳۹، ج ا رقم ۱۶۸)

اس روایت میں بھی تبرک کا واضح ثبوت ہے۔ شارحینِ حدیث نے مذکورہ روایت کی شرح میں لکھاہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہّرہ امّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل حصولِ برکت کے لئے تھا۔ ولٰکن الوھابیۃ قوم لا یعلمون۔

علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فأبدا بہ ای باستعمالہ فی فمی قبل الغسلِ لیصل برکۃ رسول اللہ ﷺ الیّ و الحدیث فی ثبوت تبرّک بآثارِ الصّالحین۔[1142]

"فأبدا بہ" کا معنی یہ ہے کہ میں دھونے سے پہلے اسے استعمال کرتی تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی برکت مجھے حاصل ہو۔ اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔

حدیث شریف: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ چادر میں نے اپنے ہاتھوں سے بُنی ہے۔ آپ ﷺ کے لئے لائی ہوں۔ آپ ﷺ نے قبول فرمائی اور پھر تہبند کے طور پر باندھ کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ پھر صحابہ میں سے ایک نے کہا کیا اچھی چادر ہے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ چادر مجھے پہنا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا اور پھر کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب واپس آئے تو چادر لپٹی ہوئی آپ ﷺ کے پاس تھی پھر اس سائل کے حوالے کر دی۔ فقال لہ القوم ما احسنت سألتھا ایّاہ و قد عرفت انہ لا یرد سائلاً فقال الرّجل و اللہ ما سألتھا الّا لتکون کفنی یوم اموت قال سھل فکانت کفنہ۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے کہا تو نے چادر کا سوال کر کے اچھا نہیں کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں نے اس لئے سوال کیا کہ میرے مرنے کے بعد

[1142] (عظیم آباد عون المعبود، ص ۵۲، ج ۱)

یہ چادر (جو آپ ﷺ کے جسم اطہر سے مس ہو چکی ہے) میرا کفن بنے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی چادر اس کا کفن بنی۔ [1143]

اس حدیث کے تحت امام المحدثین علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری فرماتے ہیں:

فیہ التبرک بآثار الصالحین قال اصحابنا لا یندب ان یعد لنفسہ کفنا الا ان یکون من اثر ذی صلاح فحسن اعدادہ کماھنا۔ [1144]

ترجمہ: ''اس میں نیکوں کے آثار سے تبرک کا ثبوت ملتا ہے، ہمارے اصحاب نے فرمایا کسی شخص کے لئے اپنے لئے کفن تیار کر رکھنا جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ صالحین کے آثار والا کفن ہو تو اس کا تیار کر رکھنا جائز ہے جیسا کہ یہاں ہے۔''

حدیث شریف: حضرت عبد العزیز بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو حضور سید عالم ﷺ ان کی قبر میں اترے اور لحد میں لیٹے اور پھر دعاء فرمائی:

''اللہ الّذی یحیی ویمیت وھو حی لا یموت اغفر لامی فاطمۃ بنت اسد واوسع علیھا مدخلھا بحق نبیّک والانبیآء الذین من قبلی فانک ارحم الرّاحمین''۔

''اللہ وہ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اسے موت نہیں، اے اللہ میری ماں فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی بخشش فرما۔ اور ان پر ان کی قبر کشادہ فرما، اپنے نبی (ﷺ) کے طفیل، اور مجھ سے قبل جو انبیاء کرام (علیہم السلام) گزر چکے ان کے طفیل، یقیناً تو سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔''

[1143] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۶۵ ایضاً ج ۱ ص ۱۷۰، سنن ابن ماجہ ص ۲۶۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۹۷)

[1144] (ارشاد الساری شرح بخاری ج ۲ ص ۳۲۴)

ثم نزع قمیصہ عن جسدہ وامرھم ان تکفن فیہ فقیل یا رسول اللہ ﷺ رئیناک صنعت شیئین نزعک قمیصک تمعلک فی لحدھا فقال اما القمیص فارید ان لا تمسّھا النّار ابداً ان شاءاللہ تعالیٰ وامّا تمعلی فی لحدھا فاردت ان یوسع قبرھا، رواہ الطبرانی بسند رجالہ رجال الصحیح وابن حبان والحاکم وابو نعیم والدیلمی بسند حسن۔

یعنی ”پھر آپ ﷺ نے اپنا کرتا اتارا اور بطور کفن پہنانے کا حکم دیا۔ آپ اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے دو چیزیں آپ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھیں، اپنی قمیص مبارک بطور کفن عطا فرمائی اور اس کی قبر میں لیٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قمیص بطور کفن اس لئے پہنائی میں چاہتا ہوں کہ انہیں کبھی آگ نہ چھوئے ان شاء اللہ تعالیٰ اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اس کی قبر اس پر کشادہ ہو جائے۔ [1145]

اس حدیث شریف کے تحت علامہ عبد الغنی ھمارہ فضل الذاکرین میں لکھتے ہیں:

یدل علی جواز التبرک بقبرہ ﷺ والتمسح بہ اضطجاعہ فی قبر فاطمۃ بنت اسد ورفع اللہ عنھا عذاب القبر تمسکہ فی القبر فقبرھا صار روضۃ وبرکۃ ورحمۃ بسبب نزولہ۔

یعنی ”اس میں دلیل ہے حضور سید عالم ﷺ کے مزار پر انوار سے تبرک حاصل کرنے اور مس کرنے کا۔ حضور ﷺ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی قبر شریف میں لیٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تنگیٔ قبر کو دور فرمایا، آپ ﷺ کے قبر میں اترنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو جنّت کا باغ اور برکت اور رحمت بنا دیا۔“

پھر فرماتے ہیں:

اذا جاز التبرک والتمسح بیدی النبیّ ﷺ وببصاقہٖ وبشعرہٖ وبالماء الذی وضع یدہ الشّریف فیہ ولم یکن ذالک شرکاً ولا عبادۃ لہ ﷺ جاز التبرک بقبرہٖ الشریف الذی

[1145] (وفاء الوفاء الجزء الثانی، ابن عساکر، فضل الذاکرین والرد علی المنکرین، ص ۱۳)

حوی جسدہ الشریف لانہ تبرک باثارہ، ایّھا المبتدعون ھل تقولون ان الصّحابۃ الکرام رضی اللہ عنھم اشرکوا بفعلھم ھذا و اقرھم رسول اللہ ﷺ علیٰ شرکھم ام انتم مخطئون۔

"جب حضور ﷺ کے دست پاک سے مسح کرنا بطور تبرک جائز ہے اور آپ ﷺ کے لعاب دہن مبارک، اور بال مبارک اور اس پانی سے جس میں آپ ﷺ نے دست پاک رکھا تبرک حاصل کرنا جائز ہے، اور یہ عمل نہ شرک ہے اور نہ حضور سید عالم ﷺ کی (معاذاللہ) عبادت ہے، تو آپ ﷺ کے مزار پر انوار سے جس میں آپ ﷺ کا جسد مبارک ہے، تبرک حاصل کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ہے۔"

تو اے بدعتیو! کیا کہتے ہو اس بارے میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اس فعل کے سبب (معاذاللہ) کیا مشرک ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے شرک کی تصدیق فرمائی، یا تم گمراہی پر ہو؟

حدیث شریف: وضو کے غسالہ سے تبرک

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو مکہ کے ابطح مقام میں چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا:

و رأیت بلالاً اخذ وضوء رسول اللہ ﷺ و رأیت النّاس یبتدرون ذالک الوضوء فمن اصاب منہ شیئًا تمسّح بہٖ و من لم یصب منہ اخذ من بلل ید صاحبہ۔

ترجمہ: اور میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے وضو کا پانی لیا۔ اور لوگوں کو دیکھا کہ اس پانی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ جس نے اس میں سے کچھ پالیا اسے اپنے چہرے پر مل لیا اور جس نے نہ پایا اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری لے لی۔[1146]

[1146] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۷۱، مسلم شریف ج ۱ ص ۱۹۶، نسائی ج ۱ ص ۱۳، مشکوۃ ص ۷۴)

امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فجعل الناس يتمسحون بوضوئه استنبط منه التبرك لما يلامس اجساد الصالحين۔[1147]

ترجمہ: تو لوگ آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو ملنے لگے۔ اس حدیث سے استنباط کیا گیا ہے کہ جو چیز صالحین کے اجسام سے مس کرے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہیئے۔

امام اجل ابو زکریا نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

فخرج بلال بوضوئه فمن نائل بعد ذالک و ناضح تبرکاً باٰثاره ﷺ و قد جاء مبيّنًا فی الحديث الاٰخر فرأيت النّاس ياخذون من فضل وضوئه۔ فيه التّبرک باٰثار الصّالحين واستعمال فضل طهورهم و طعامهم و شرابهم و لباسهم۔[1148]

ترجمہ: "حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وضو کے پانی کو لے کر نکلے تو کوئی اسے لیتا اور کوئی اسے ملتا تھا۔ آپ کے آثار کے حصول کے لئے، اور دوسری حدیث میں واضح طور پر ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لیتے تھے تو اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان کے بچے ہوئے پانی، کھانے پینے کی چیز اور لباس سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔"

اسی حدیث کی شرح میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب فرماتے ہیں: "یعنی حضور ﷺ نے ایک خیمہ میں وضو کا غسالہ ایک لگن میں گرایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہ لگن کا پانی باہر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لائے تا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے برکت حاصل کریں۔

[1147] (ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۸۱)
[1148] (نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس غسالہ شریف پر ٹوٹ پڑے۔ اسے حاصل کرنے اور برکت لینے کے لئے۔ کیونکہ وہ پانی حضور ﷺ کے اعضاء سے لگ کر نورانی بھی ہو گیا اور نور گر بھی۔ جیسے پھول سے لگی ہوئی ہَوا دماغ مہکا دیتی ہے، اسی طرح حضور ﷺ کے جسم اطہر سے لگا ہوا پانی روح و ایمان کو مہکا دیتا ہے۔

مرقات میں اسی جگہ ہے کہ حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی فصدلی اور خون بجائے پھینکنے کے پی لیا۔ خیال رہے ہمارے وضو کا فضلہ پینے کے قابل نہیں کہ وہ ہمارے گناہ لے کر نکلتا ہے۔ حضور ﷺ کا غسالہ متبرک ہے کیونکہ وہ نور لے کر نکلا ہے۔ بعض مرید اپنے مشائخ کا پس خوردہ اور جھوٹا پانی تعظیم سے استعمال کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔"[1149]

حدیث شریف: حضرت طلق ابن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَرَجْنَا وَفْدًا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّ بِأَرْضِنَا بِيعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ. فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وتمضمض ثمّ صبه فِي إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ: اخْرُجُوا فَإِذَا أَتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوا بِيعَتَكُمْ وَانْضَحُوا مَكَانَهَا بِهَذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوهَا مَسْجِدًا قُلْنَا: إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَرَّ شَدِيدٌ وَالْمَاءَ يُنْشَفُ فَقَالَ: مُدُّوهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طِيبًا۔[1150]

ترجمہ: ہم وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور ہم نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ ہماری زمین میں ہمارا گرجا ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کے وضو کا غسالہ مانگا تو آپ ﷺ نے پانی منگایا، وضو فرمایا اور کلّی کی پھر یہ پانی ایک برتن میں انڈیل دیا۔ اور ہمیں حکم فرمایا کہ جاؤ جب اپنے

[1149](مراۃ شرح مشکوۃ شریف ج ۲ ص ۳)

[1150](مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۶۹، نسائی ج ا ص ۱۱۴)

وطن پہنچو تو اپنا گرجا توڑ ڈالو، اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دو اور اسے مسجد بنالو ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر دور ہے، اور گرمی سخت ہے، پانی سوکھ جائے گا۔ فرمایا اسے اور پانی سے بڑھاتے رہو، اس سے برکت ہی بڑھے گی۔

علامہ ملّا علی قاری مکّی حنفی مرقات میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

فیه التبرک بفضله ﷺ و نقله الی البلاد نظیر ماء زمزم...و یو خذ من ذالک ان فضلة وارثیه من العلمآء و الصلحآء کذالک۔

یعنی اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے بچے ہوئے پانی سے تبرّک حاصل کرنا اور اس کو دوسرے ملکوں میں پہنچانا آبِ زمزم کی طرح جائز ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے وارثین علماء و صلحاء کے بچے ہوئے پانی سے یہی برتاؤ جائز ہے۔

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "دریں حدیث استحباب تبرک است بہ بقیہ آب وضوئے و پس ماندۂ آں حضرت (ﷺ) و نقل آں بلاد و مواضع بعیدہ مانند آب زمزم و آں حضرت (ﷺ) چوں در مدینہ می بود آب زمزم را از حاکم مکہ می طلبید و تبرک می ساخت و فضلہ وارثانِ او کہ علماء و صلحاء اند و تبرک بآثار و انوار ایشاں ہم بریں قیاس است"۔[1151]

ترجمہ: "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی اور پس خوردہ سے تبرک حاصل کرنا اور اس کو دور دراز ممالک میں منتقل کرنا آبِ زمزم کی طرح جائز ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب مدینہ میں تھے تو مکہ کے حاکم سے آبِ زمزم طلب فرمایا اور تبرک حاصل کیا آپ کے وارثین علماء و صلحاء کے آثار و تبرکات و انوار کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔"

[1151] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۳۴۱)

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جس چیز کو حضور ﷺ کے جسد مبارک سے مس نصیب ہو جائے وہ تبرک بن جاتی ہے۔ لہٰذا خاک مدینہ تبرّک بھی ہے، شفا بھی۔ دوسرے یہ کہ سرور کائنات ﷺ کا غسالہ معنوی نجاستوں کو بھی دور کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جس مسجد میں مختار کل ختم رسل ﷺ کے تبرکات ہوں وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔ بعض مسجدوں میں سید الانبیاء ﷺ کے بال مبارک رکھے ہیں، ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ چوتھے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات اور شہروں میں لے جانا یا بھیجنا سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ بعض لوگ عرسوں کا لنگر دور دور بھیجتے ہیں، اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ مرقات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ امیرِ مکّہ سے آب زمزم منگایا کرتے تھے۔ اب بھی آب زمزم ملک ملک بھیجا جاتا ہے۔ پانچویں یہ کہ تبرک سے جو چیز مل جائے وہ بھی تبرک بن جاتی ہے۔ چھٹے یہ کہ مسلمان کفار کا عبادت خانہ گرا نہیں سکتے۔ لیکن اگر کفار مسلمان ہو کر خود ہی اپنا عبادت خانہ گرا کر وہاں مسجد بنالیں تو جائز ہے"۔[1152]

عاشقِ رسول ﷺ شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھا فرمایا ہے:

بچا جو تلوؤں کا ان کا دھووَن — بنا وہ جنّت کا رنگ و روغن
جنھوں نے پائی دولہا کی اُترَن — وہ پھول گل زار نور کے تھے
جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن — لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کیا کریں نصیب میں تو — یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

[1152] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۴۴۲)

حدیث شریف: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ اذا صلى الغداة جآء خدم المدينة بانيتهم فيها الماء فما يؤتى بانآءٍ الّا غمس يده فيه وربما جآئه في الغداة البارد ة فيغمس يده فيها۔[1153]

ترجمہ: "جب حضور ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے بچے اپنے برتنوں میں پانی لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ ﷺ ہر ایک برتن میں اپنا دست پاک ڈبو دیتے، بعض وقت سردی ہوتی تب بھی آپ ﷺ اسی طرح دست پاک ڈبو دیتے۔"

امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فيه التبرک بآثار الصّالحين وبيان ما كانت الصّحابة عليه من التبرک بآثاره ﷺ وتبركهم بادخال يده الكريمة في الآنية۔

ترجمہ: "اس میں صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنا ہے اور بیان ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا اور برتنوں میں حضور اکرم ﷺ کے دست پاک کے داخل کرنے سے برکت حاصل کرنے کا۔"

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فرو دمی بُرد آں حضرت دست مبارک خود رادراں آوندہائے آب و متبرک میگردانید آں را برائے ایشاں شفاء و برکت شود مر ایشاں را"۔[1154]

ترجمہ: آں حضرت ﷺ اپنا دست مبارک پانی کے برتنوں میں ڈبوتے اور اسے برکت والا بناتے ان کے لئے تاکہ (لوگ) اس سے شفاء اور برکت حاصل کریں۔

[1153] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶، مشکوٰۃ ۵۱۹)

[1154] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۹۶)

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: یہ پانی اہل مدینہ اپنے بیماروں کو شفاء کیلئے پلاتے تھے، اس میں بیان ہوا حضور ﷺ کے اخلاق حمیدہ کا، اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات سے شفاء حاصل کرنا جائز ہے بلکہ سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز میں بزرگوں کا ہاتھ لگ جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ قرآن میں ہے: "وجعلنی مبارکاً اینما کنت"۔

حدیث شریف: عروہ بن مسعود ایمان لانے سے قبل قریش مکہ کی طرف سے قاصد بن کر حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ کے دربارِ مقدس کا آنکھوں دیکھا حال قریش کے سامنے اس طرح بیان کیا:

فقال ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک وفدت علی قیصر و کسریٰ والنّجاشی واللہ ان رأیت ملکًا قطّ یعظّمۃ اصحابہ ما یعظّم اصحاب محمّدٍ محمّدًا واللہ ان تنخّم نخامۃ الاّ وقعت فی کفّ رجلٍ منھم فدلک بھا وجھہ وجلدہ واذا امرھم ابتدروا امرہ واذا توضّأ کادُوا یقتتلون علیٰ وضوئہٖ واذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ ومایحدون الیہ النّظر تعظیمًا لہ۔[1155]

ترجمہ: اے قوم! خدا کی قسم بے شک میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، خدا کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا کہ محمد ﷺ کے اصحاب محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جب وہ لعاب دہن اور ناک کی رطوبت پھینکتے تو وہ ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ جس کو وہ اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے۔ اور جب وہ انکو حکم دیتے ہیں تو وہ سب رضی اللہ عنہم تعمیل کے لئے دوڑتے ہیں۔ اور جب وہ (ﷺ) وضو کرتے ہیں تو (صحابہ رضی

[1155] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹، شفاء شریف ج ۲ ص ۳۷)

اللہ تعالیٰ عنہم) ان کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لئے یوں گرتے پڑتے ہیں کہ گویا لڑ پڑیں گے۔اور جب وہ (ﷺ) کلام کرتے ہیں تو سب کے سب (رضی اللہ عنہم) خاموش ہو جاتے ہیں اور تعظیماً ان کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔"

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نبی پاک ﷺ کے لعاب دہن اور وضو کے مستعمل پانی کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے سرور کائنات ﷺ کے ارد گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پروانوں کی طرح جمع ہو جاتے تھے۔اور تبرکات کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لیجانے میں جلدی کرتے تھے۔اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ امام الانبیاء ﷺ کے جسم اطہر سے لگا ہوا پانی آب حیات سے کم نہیں، بلکہ یہ بدرجہا بہتر ہے:

جس کے تلووں کا دھون ہے آب حیات ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی ﷺ

حدیث شریف: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک کیلئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو نمازیں جمع کر کے پڑھی جاتی تھیں۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھیں، یہاں تک کہ دوسرے دن بھی نماز کو موٴخر کیا پھر حضور ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب وعشاء کو ایک ساتھ ادا کیا۔ پھر فرمایا ان شاء اللہ کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچو گے۔ تمہارے پہنچتے پہنچتے چاشت کا وقت ہو جائے گا۔ تم میں سے وہاں جو شخص (پہلے) پہنچ جائے تو اس چشمے کو مس نہ کرے۔

جب لشکر اصحاب رضی اللہ عنہم وہاں پہنچا تو دو آدمی پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے۔اور چشمے سے قطرہ قطرہ پانی نکال رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے پوچھا کہ تم نے اس چشمے کا

پانی استعمال کیا ہے۔ انہوں نے جواب میں کہاہاں! آپ ﷺ نے ان دونوں پر خفگی کا اظہار کیا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے چلوؤں سے اس چشمے کا پانی ایک برتن میں جمع کیا۔

قال وغسل رسول اللہ ﷺ فیه یدیه ووجهه ثم اعاده فیها فجرتِ العین بمأءٍ منهمرًا او قال عزیز شکّ ابو علی ایّما قال فاستقا النّاس ثمّ قال یوشک یا معاذ ان طالت بک حیاة ان تریٰ ماءُ هاهنا قد ملیٔ حناناً۔

"حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور سید عالم ﷺ نے اس سے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے اور پھر وہ پانی اس چشمہ میں ڈال دیا۔ چشمے سے بے تحاشا پانی ابل کر نکلنا شروع ہو گیا۔ سب لوگوں نے پیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم اس علاقے کو باغوں سے بھرا ہوا پاؤ گے۔"[1156]

چنانچہ ایسا ہی ہوا، آج کا تبوک باغوں سے بھرا ہے۔ سفر نامہ ارض القرآن روئیدادِ سفر سید ابو الاعلی مودودی میں ہے: اس کے بعد مسجد کے قریب ہی ہم ایک چشمے پر آئے جس کے گرد وسیع منڈیر بنی ہوئی ہے۔ لیکن وہ خشک پڑا ہے۔

شیخ صالح نے بتایا کہ یہی وہ چشمہ ہے جس کے متعلق صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابھی تبوک کے راستے پر تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: کہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے۔ (اور پھر مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا) شیخ صالح نے بتایا کہ یہ چشمہ دو سال پہلے تک مسلسل پونے چودہ سو سال ابلتا رہا۔ بعد میں نشیبی علاقوں میں جب ٹیوب ویل کھودے گئے تو اس چشمے کا پانی ان ٹیوب ویلوں کی طرف منتقل ہو گیا، تقریباً پچیس ٹیوب ویل ہو جانے کے بعد اب یہ چشمہ خشک ہو گیا ہے۔ اس کے بعد شیخ صالح ہمیں

[1156] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۶، خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۳)

ایک ٹیوب ویل کی طرف بھی لے گئے۔ جہاں ہم نے دیکھا چار انچ کا ایک پائپ لگا ہوا ہے اور کسی مشین کے بغیر اس سے پانی پورے زور سے نکل رہا ہے۔ قریب قریب کے دوسرے ٹیوب ویلز بھی ہمیں دکھائے گئے۔

یہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معجزے ہی کی برکت ہے کہ آج تبوک میں اس کثرت سے پانی موجود ہے کہ مدینہ اور خیبر کے سوا ہمیں اتنا پانی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تبوک کا پانی ان دونوں جگہوں سے بھی زیادہ ہے۔ اس پانی سے فائدہ اٹھا کر اب تبوک میں ہر طرف باغ لگائے جارہے ہیں۔ اور نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیشین گوئی کے مطابق تبوک کا علاقہ باغوں سے بھرا ہوا ہے اور دن بہ دن بھرتا جارہا ہے۔[1157]

حدیث شریف: براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ چودہ سو صحابہ حدیبیہ کے دن تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ہم نے اس سے پانی کھینچا مگر اس میں ایک قطرہ نہ پایا۔

فبلغ النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتاها فجلس علٰی شفیرها ثم دعانا بأناءٍ من مّآءٍ فتوضاء ثمّ مضمض ودعا ثمّ صبّه فیها ثمّ قال دعوها ساعة فاروو اانفسهم ورکابهم حتّٰی ارتحلوا۔[1158]

ترجمہ: یہ خبر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پہنچی، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لائے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے ایک برتن میں پانی طلب فرمایا پھر وضو کیا اور کلی کی اور دعاء مانگی پھر یہ پانی کنویں میں انڈیل دیا۔ پھر فرمایا اسے ایک ساعت رہنے دو۔ تا کہ بھر جائے پھر سیراب کیا لوگوں نے اپنے آپ کو اور اپنی سواریوں کو یہاں تک کہ وہاں سے کوچ کیا۔

[1157] (سفر نامہ ارض القرآن، ص ۲۶۲-۲۶۱)
[1158] (مشکوۃ شریف ص ۵۳۲، بخاری شریف)

معلوم ہوا کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے وضو کا مستعمل پانی باعث برکت ہے جس سے کنویں کا پانی ابلنے لگا اور چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خود پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لوگ حدیبیہ میں شدّتِ پیاس سے پریشان تھے۔ حضور سید عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے سامنے ایک برتن میں پانی تھا۔ جس سے آپ نے وضو کیا۔ پھر لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہمارے پاس پانی نہیں کہ پیئیں اور وضو کریں سوائے اس برتن کے۔

فوضع النبیّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم یده فی الرّکوة فجعل المآء یفور بین اصابعهٖ کامثال العیون قال فشربنا و توضّأنا قیل لجابرٍ صکم کنتم قال لو کنّا مائة الفٍ لکفانا کنّا خمس عشر مائة۔[1159]

ترجمہ: پس حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنا دست پاک اس برتن میں رکھ دیا۔ تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا تم کتنے تھے؟ فرمایا ہم لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی تھا۔ مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔

دوسری روایت میں اس طرح الفاظ ہیں:

فجاءُو ا بِاناءٍ فیه مآءٌ قلیل فادخل یده فی الاناء ثم قال حیّ علی الطّھور المبارک و البرکة من اللہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھ دیا پھر فرمایا آؤ طیّب و طاہر اور برکت والے پانی کی طرف اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

[1159] (مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۲)

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فشربنا و توضّأنا ای جمیعنا فطوبیٰ لھم من طھارۃ الظّاھر و الباطن من ذالک المآء الّذی ھو افضل من جنس المآء۔[1160]

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں ہم نے پیا اور وضو کیا یعنی ہم سب نے پیا اور وضو کیا۔ خوشخبری اور بشارت ان کے لئے طہارت ظاہری اور باطنی کی اس پانی سے جو افضل ہے عام پانی کی جنس سے۔(کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا)

حدیث شریف میں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے جاری ہونے والے پانی کو طیب طاہر اور برکت والا فرمایا ہے۔ گویا یہ بات خود رسالت ماب ﷺ کی زبانِ اقدس سے ثابت ہوگئی کہ صالحین کے اجساد و اجسام سے مس ہونے والی چیز طیّب و طاہر اور برکت و شفاء والی بن جاتی ہے۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مار کر پانی جاری فرمایا اور ہمارے آقا ﷺ نے اپنی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمائے۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر　　　ندیاں پنج آبِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

(مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (میں خندق کے دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے چپکے سے سرگوشی میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم نے اپنی بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جَو پیسا ہے۔ حضور ﷺ آپ اور آپ کے ساتھ چھوٹی سی جماعت تشریف لائیں۔ نبی ﷺ نے اعلان فرمادیا: اے خندق والو! جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانا تیار کیا ہے، چلو!

[1160](حاشیہ مشکوۃ ص ۵۳۲)

فقال رسول اللہ ﷺ لا تنزلنّ برمتکم ولا تخبزن عجینکم حتّٰی اجیئ وجآئنا فاخرجت له عجینًا فبصق فیه وبارک ثمّ عمد الیٰ برمتنا فبصق وبارک ثمّ قال ادّعی خابزة فلتخبز معک واقدحی من برمتکم ولا تنزلوا ھا وھم الفٌ فأقسم باللہ لا کلوا حتّٰی ترکوہ وان عجینا لتخبز کما ھو۔

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا ہنڈیا کو چولھے سے نہ اتارنا اور آٹے کی روٹیاں نہ پکانا۔ جب تک کہ میں نہ آجاؤں۔ حضور ﷺ جب تشریف لے آئے تو میری بیوی آٹا لے کر حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے لعاب دہن اس میں ڈالا اور برکت کی دعاء فرمائی۔ پھر آپ ﷺ دیگ کے پاس آئے اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت دی۔ پھر فرمایا روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے اور ہانڈی سے شوربہ نہ نکالو اور دیگ اس سے نہ اتارو۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک ہزار تھے۔ خدا کی قسم ان سب نے کھایا اور باقی چھوڑ دیا۔ ہماری دیگ اسی طرح جوش مار رہی تھی اور روٹیاں اسی طرح موجود تھیں۔[1161]

شیخ محقق شاہ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

ایں ہمہ از برکات سید السادات ومنبع البرکات بود صلی اللہ علیہ وسلم کہ زمین وآسمان وظاہر وباطن از برکات ونعم وے پرست وتصور باید کرد کہ چہ ذوق وسرور ازیں سور دلہائے اہل حضور حاصل شدہ باشد شادماں دلے خوشا باطنی کہ برکت آں رحمۃ للعالمین ادروے راہ باید۔[1162]

یعنی "یہ سب سید السّادات اور برکت کے منبع و مخزن کی برکتوں سے ہے کہ زمین و آسمان اور ظاہر و باطن انکی برکتوں اور نعمتوں کے پروردہ اور خدمت گار ہیں۔ تصور کرنا چاہیئے کہ اس دعوت

[1161](مشکوٰۃ ص ۵۳۲، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۶۷)

[1162](اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۴۹)

میں کتنا ذوق اور لطف و سرور حاصل ہوا ہو گا ان کے دلوں میں جو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، کیا اچھے دل تھے اور خوش نصیب وہ باطن کہ جنہوں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی برکتوں سے راہ پائی۔"

اس کے بعد شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنا چشم دید واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

یکبار ایں فقیر در بازار یکہ در مسعی است از ترہ فروشے می شنود کہ باترہ ہائے خود آب می افشاند و می گوید۔ **یابرکۃ النبیّ تعالیٰ وانزلی ثمّ لاترتحلی**۔ اے برکت نبی (ﷺ)! بیا و بہ منزل من فرود آئی پس ازاں ہر گز کوچ مکن۔ **اللّٰھمّ صلّ وسلّم وزد وبارک وکرّم علیٰ سیّدنا ومولٰنا وبرکتنا محمّدٍ وّ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔**

ابیات

ز مہجوری برآمد جان عالم	ترحم یا نبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی	ز محروماں چرا فارغ نشینی

ترجمہ: "ایک بار یہ فقیر ایک بازار سے کہ مدینہ منوّرہ میں ہے، ایک سبزی فروش کو کہتے ہوئے سنا جو اپنی سبزی پر پانی چھڑک رہا تھا اور کہہ رہا تھا "اے برکتِ نبی ﷺ، آ میرے گھر میں اتر اور پھر ہر گز نہ جا" اے اللہ درود و سلام بھیج اور برکتوں میں زیادتی فرما اور کرم فرما ہمارے آقا و مولا اور ہماری برکت سیدنا محمد ﷺ اور ان کی آل و اصحاب سب پر۔[1163]

آپ کی جدائی میں عالم کی جان نکلی جارہی ہے — رحم فرمایئے اے اللہ کے نبی ﷺ رحم فرمایئے

[1163] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۴۹)

کیا آپ جہانوں کی رحمت نہیں ہیں؟ پھر ہم محروموں سے کیوں فارغ ہو کر بیٹھ رہے ہیں

حدیث شریف:

عن کبشۃ قالت دخل علیّ رسول اللہ ﷺ فشرب من فی قربۃ معلّقۃ قائمًا فقمت الیٰ فیھا فقطعتہ رواہ التّرمذی وابن ماجۃ وقال التّرمذی ھٰذا حدیث حسنٌ غریب صحیحٌ۔[1164]

ترجمہ: حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس حضور ﷺ تشریف لائے تو لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے کھڑے پانی پیا۔ میں مشکیزے کے دہانے کی طرف اٹھی اور اسے میں نے کاٹ لیا۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

”فقطعتہ ای فم القربۃ وحفظتہ فی بیتی واتّخذتہ شفاء للتّبرک بہ لوصول فم النبیّ صلّی اللہ علیہ وسّلم الیہ ویحتمل ان یّکون قطعھا لہ لعدم الابتذال ویؤیّدہ ماروی التّرمذی عن امّ سلیم بمعناہ“۔

یعنی میں نے مشکیزے کا منہ کاٹ لیا اور اپنے گھر میں حفاظت سے رکھ دیا اور اس سے شفاء حاصل کرنے کے لئے کہ حضور ﷺ کا دہن مبارک اس سے لگا ہے۔[1165]

تقریباً یہی عبارت اشعۃ اللمعات ج۳ ص۵۲۷، حاشیہ ترمذی ج۲ ص۱۱ اور مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج۶ ص۷۹ میں موجود ہے۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لئے کاٹا ہو کہ کسی اور کا منہ اسے لگنے سے بے ادبی نہ ہو۔ ترمذی نے ام سلیم کا یہی واقعہ نقل کیا ہے۔

[1164](مشکوٰۃ ص ۳۷۱، ترمذی ج ۲ ص ۱۱، ابن ماجہ ص ۲۵۳)

[1165](حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۷۱)

حدیث شریف: حضرت عاصم احول رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیالہ دیکھا جو عریض وعمدہ اور چوب نضا (شمشاد یا عود) کا بنا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے چاندی کے تاروں سے جوڑا ہوا تھا۔

قال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقد سقیت رسول اللہ ﷺ فی ھٰذا القدح اکثر من کذا وکذا قال وقال ابن سیرین انّہ کان فیہ حلقہ من حدید فاراد انس ان یجعل مکانھا حلقۃ من ذھب او فضّۃٍ فقال لہ ابو طلحۃ صلا تغیرن شیئًا صنعہ رسول اللہ ﷺ فترکہ۔[1166]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کو بارہا پانی پلایا، بقول ابن سیرین اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنائیں مگر ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہوا سے تبدیل نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر انہوں نے ویسا ہی رہنے دیا۔

نوٹ: یہ پیالہ نضر بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا اور اس پیالہ سے پانی بھی پیا۔[1167]

شفاء شریف میں امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"حدثنا القاضی ابو علی عن شیخہٖ ابی القاسم بن المأمون قال کانت عندنا قصعۃٌ من النّبیّ ﷺ فکنّا نجعل فیھا المآء للمرضٰی فیستشفون بھا"۔[1168]

[1166] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۴۲، مسلم، بخاری ایضاً ج ۱ ص ۴۳۸، شمائل ترمذی ص ۱۴۸، مشکوۃ ص ۳۷۲)
[1167] (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۲۸، شرح شمائل ترمذی للبیجوری، خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ۱۴۸)
[1168] (شفاء شریف ج ۱ ص ۲۷۷)

ترجمہ: قاضی ابو علی اپنے شیخ ابو القاسم بن مامون سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا ہم اس میں بغرض شفاء بیماروں کو پانی پلاتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تبرکات کا محفوظ ہونا

حدیث شریف: قَالَ سَهْلٌ: فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ حَتَّى جَلَسَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ، ثُمَّ قَالَ: «اسْقِنَا» لِسَهْلٍ، قَالَ: فَأَخْرَجْتُ لَهُمْ هَذَا الْقَدَحَ، فَأَسْقَيْتُهُمْ فِيهِ، قَالَ أَبُو حَازِمٍ: فَأَخْرَجَ لَنَا سَهْلٌ ذَلِکَ الْقَدَحَ فَشَرِبْنَا فِيهِ، قَالَ: ثُمَّ اسْتَوْهَبَهُ بَعْدَ ذَلِکَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ۔[1169]

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک روز حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سقیفہ بنی ساعدہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پیالہ میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور ہم نے اس میں پانی پیا۔ اس پیالے کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مانگ کر لے لیا۔

حضرت امام نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

یعنی القدح الّذی شرب منه النبیّ ﷺ ھٰذا فیه التبرّک بآثار النبیّ ﷺ و ما مسّه او لبسه او کان مسّه فیه سببٌ وھٰذا نحوما اجمعوا علیه واطبق السّلف والخلف علیه من

[1169] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹)

التبرّک بالصّلوۃ فی مصلّٰی رسول اللہ ﷺ فی الرّوضۃ الکریمۃ و دخول الغار الّذی دخل رسول اللہ ﷺ وغیر ذالک و من ھٰذا عطاء رسول اللہ ﷺ ابا طلحۃ شعرہ لیقسمہ بین النّاس و اعطاءہ ﷺ حقوہ لتکفن فیہ بنتہ و جعلہ الجریدتین علی القبرین و جمعت بنت ملحان عرقہ ﷺ و تمسّحوا بوضوئہ ﷺ و دلکوا وجوھھم بنخامتہ ﷺ و اشباہ ھٰذا کثیرۃٌ مشھورۃٌ فی الصّحیح و کلّ ذالک واضح لا شکّ فیہ۔[1170]

یعنی وہ پیالہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے پیا اس میں تبرک حاصل کرنا ہے، نبی پاک ﷺ کے آثار سے اور ہر اس چیز سے جسے آپ ﷺ نے مس کیا ہو یا پہنا ہو۔ اور مس کرنے کا سبب اس طرح ہے اور اجماع ہے تبرک حاصل کرنے پر۔ اور عمل رہا ہے اس پر سلف اور خلف حضور سید عالم ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھ کر تبرک حاصل کرنے پر حضور ﷺ کے روضہ مکرم کے قریب اور اس غار میں داخل ہو کر جس میں رسول کریم ﷺ داخل ہوئے اور اس کے علاوہ بہت سے آثار ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بال مبارک عطا فرمائے تاکہ وہ انہیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تقسیم کر دیں اور انہیں حقوہ (ازار) عطا فرمایا تاکہ اس میں اپنی بیٹی کو کفن دیں اور دو قبروں پر آپ ﷺ نے دو تر شاخیں رکھیں اور جمع کیا بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو چہروں پر مل لیتے تھے اور آپ ﷺ کے لعاب دہن کو چہروں پر ملتے۔ اس کی مثل بہت سی مشہور اور صحیح روایات ہیں، سب کی سب واضح ہیں اور ان میں کوئی شک نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرتے تھے اور ان تبرکات و آثار کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے پاس محفوظ کر لیا

[1170] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۶۹)

تھا۔ نیز ان تبرکات سے اپنے مریضوں کے لئے برکت و شفاء حاصل کرتے تھے۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ خود سرور کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صحابہ کرام کو برکت کے حصول کے لئے اپنے بال مبارک عطا فرماتے تھے۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی چادر مبارک

حدیث شریف: عن ابی بردۃ قال اخرجت الینا عائشۃ کساء و ازارًا غلیظًا فقالت قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی ھٰذین۔

ترجمہ: حضرت ابی بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک کملی اور ایک موٹا تہبند نکال کر دکھایا اور فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔[1171]

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ سرور کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تبرکات لباس وغیرہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے ہاں محفوظ و موجود تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان تبرکات کی زیارت بھی کرائی جاتی تھی۔

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نعلین مبارک

حدیث شریف: عن عیسیٰ بن طھمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اخرج الینا انس نعلین جرداوین لھما قبالان فحدثنی ثابت البنانی بعد انس انّھما نعلان النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[1172]

حضرت عیسیٰ بن طہمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں دو پرانے نعلین نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔ حضرت

[1171] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۳۸، ایضاً ج ۲ ص ۵۱۸، مشکوٰۃ ص ۳۷۳)

[1172] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۳۸)

ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد مجھ سے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک ہیں۔

اس حدیث پاک سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے نعلین محفوظ تھے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی زیارت بھی کراتے تھے ان شاء اللہ نقشہ نعلین کے متعلق آئندہ مفصل ذکر آرہا ہے۔

آپ ﷺ کی تلوار مبارک

حدیث شریف: **عن علی بن الحسین حدثه انهم حین قدموا المدینة من عند یزید بن معاویة مقتل الحسین بن علی لقیه المسور بن مخرمه فقال له هل لک الیّ حاجة تامرنی بها فقلت له لا فقال له هل انت معطیّ سیف رسول الله ﷺ فانّی اخاف ان یغلبک القوم علیه ایماالله لئن اعطیتنیه لا یخلص الیه ابدا حتّٰی تبلغ نفسی۔**

ترجمہ: ”علی بن حسین (امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حدیث بیان کی کہ جب آپ سب حضرات حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے موقعہ پر یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہکے یہاں سے (رہائی پاکر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے ملاقات کی اور کہا اگر آپ کو کوئی ضرورت ہو تو مجھے حکم دیجئے۔(امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا) میں نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار عنایت فرمائیں گے؟ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کچھ لوگ اسے آپ سے چھین لیں گے اور خدا کی قسم اگر وہ تلوار آپ مجھے عنایت فرمادیں گے تو کوئی شخص بھی ،جب تک میری جان باقی ہے، چھین نہیں سکے گا۔[1173]

[1173] (بخاری شریف ج ا ص ۴۳۸)

حدیث شریف: حضرت عتبان ابن مالک انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری بصارت جاتی رہی:

فبعثت الیٰ رسول اللہ ﷺ انّی احبّ ان تاتینی تصلی فی منزلی فاتّخذہ مصلّٰی قال فاتی النّبیّ ﷺ و من شآء اللہ من اصحابہ فدخل و ھو یصلّی فی منزلی۔[1174]

ترجمہ: میں نے ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ قدم رنجہ فرمائیں اور میرے مکان میں نماز پڑھیں تا کہ آپ ﷺ کی جائے نماز کو مسجد مقرر کرلوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ چند اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تشریف لائے اور آپ ﷺ نے میرے مکان میں نماز پڑھی۔

شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فی ھٰذا الحدیث انواع من العلم تقدم کثیر منھا ففیہ التّبرک بآثار الصالحین و فیہ زیارۃ العلمآء و الفضلآء و الکبراء و اتباعھم و تبریکھم ایاھم۔[1175]

ترجمہ: اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں۔ جو پہلے بہت سی گزر چکی ہیں۔ اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا علماء، فضلاء اور بزرگوں کی زیارت کرنا، ان کی اتباع کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔

مسلم شریف ج ۱ ص ۲۳۳ پر بھی یہی روایت ہے، اس کے تحت امام نووی لکھتے ہیں:

فی ھٰذا الحدیث کثیرۃ منھا التبرک بالصّالحین و آثارھم و فی الصلوٰۃ فی المواضع الّتی صلوا بھا و طلب التبریک منھم۔[1176]

[1174](مسلم شریف ج ۱ ص ۴۶، ایضًا ج ۱ ص ۲۳۳، سنن ابن ماجہ ص ۵۵)

[1175](نووی ج ۱ ص ۴۷)

[1176](نووی ج ۱ ص ۲۳۳)

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں منجملہ ان کے صالحین اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان مقامات میں نماز پڑھنا جن میں انہوں نے نماز پڑھی اور ان سے تبرک حاصل کرنا۔

حدیث شریف: وروی ابن عمر واضعًا یده علیٰ مقعد النبیّ ﷺ من المنبر ثمّ وضعها علیٰ وجهه۔ [1177]

ترجمہ: روایت کی گئی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے منبر میں جو جگہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کی تھی، اسے ہاتھ سے مس کیا اور اس ہاتھ کو برکت کے لئے منہ پر پھیر لیا۔

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کی نسبت اور تعلق نبی پاک اسے ہو، وہ قابل تعظیم ہے:

ومن اعظامهٖ واکبارهٖ ﷺ اعظام جمیع اسبابه واکرام مشاهده وامکنته من مکة والمدینة ومعاهده ومامسّه ﷺ او عرف به۔

یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ کے تمام متعلقات اور آپ کے متعلق تمام مقامات مکّہ، مدینہ اور تمام ان چیزوں کی تعظیم کی جائے جن کو آپ نے مس کیا ہو یا جن کا تعلق آپ سے معروف ہو۔ [1178]

پھر فرماتے ہیں:

واوّل ارضٍ مسّ جلد المصطفیٰ ﷺ ترابها ان تعظّم عرصاتها وتنسّم نفحاتها وتقبّل ربوعها وجدراتها۔ [1179]

[1177] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳، ۵۴)
[1178] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳)
[1179] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۶)

ترجمہ: اوّل جس زمین کی مٹی کو حضور ﷺ کے جسم مقدس سے مس ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، لازم ہے کہ اس کے میدانوں کی بھی تعظیم کی جائے اور اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے درودیوار کو بوسہ دیا جائے۔

یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کے جسم اقدس سے مس ہونے والی اشیاء کا ادب حقیقت میں حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم اور باعث خیر وبرکت ہے۔

غرض یہ کہ حبیب اور حبیب کے مقامات، ملبوسات، تبرّکات کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو تیس درّے مارنے کا حکم دیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینہ منوّرہ کی مٹی خراب ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سرزمین میں افضل الخلائق آرام فرماہیں، تو کہتا ہے کہ اس سرزمین کی مٹی خراب ہے، تو اس لائق ہے کہ تیری گردن اڑا دی جائے۔[1180]

ولهٰذا كان مالک رحمة الله عليه لا يركب بالمدينة دابّةً وكان يقول استحي من الله ان اطأتربةفيها رسول الله ﷺ بحافر دابّةٍ۔[1181]

ترجمہ: اس لئے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منوّرہ میں کسی جانور پر سوار نہیں ہوئے تھے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ جس زمین میں اللہ کے رسول ﷺ آرام فرماہیں اسے اپنی سواری کی سموں سے روندوں۔"

[1180](شفاءشریف ص ۲۱۸)

[1181](شفاءشریف ج ۲ ص ۵۴)

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است   وے خنک شہرے کہ در وے دلبر است

(اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم   اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا

(مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حدیث شریف: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"غبار المدینۃ شفاءٌ من الجُذام"۔

یعنی مدینہ منورہ کا غبار جذام (کوڑھ) کے لئے شفاء ہے۔[1182]

وفاء الوفاء میں ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

والّذی نفسی بیدہٖ انّ فی غبارھا شفاءٌ من کلّ داءٍ۔

یعنی قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مدینہ کے غبار میں ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔[1183]

علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ مدینہ منورہ کی مٹی میں شفاء ہے لیکن منکر کو نفع نہیں دیتی۔[1184]

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "(مدینہ منورہ) کا جو گرد و غبار آپ ﷺ کے چہرہ انور پر پڑ جاتا تو اس کو صاف نہ فرماتے۔ اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں

[1182] (زرقانی علی المواہب، ج۸ ص ۳۳۶)

[1183] (وفاء الوفاء ج ا ص ۷۴)

[1184] (زرقانی علی المواہب ج۸ ص ۳۳۵)

کوئی اپنے چہرے اور سر کو گرد و غبار کی وجہ سے چھپاتا تو آپ ﷺ منع فرماتے اور فرماتے کہ خاک مدینہ میں شفاء ہے، جیسا کہ اس کے نام شافیہ سے ظاہر ہے۔[1185]

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

(اقبال)

مدینہ منورہ میں یہ برکتیں اور رحمتیں کیوں نہ ہوں جب کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذاتِ بابرکات جو سب سے بڑی نعمت اور برکت ہے یہیں تشریف فرماہے۔ اور پھر سرور کائنات ﷺ نے مدینہ منورہ میں برکت کے لئے خصوصیت سے دعاء فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس طرح دعاء فرمائی:

اللھمّ اجعل بالمدینۃ ضعفی ما بمکّۃ من البرکۃ، متفق علیہ۔

اے اللہ جو تو نے مکہ میں برکتیں رکھی ہیں، ان سے دوگنی برکتیں مدینہ میں نازل فرما۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض اخبار میں یہ ہے کہ بعض مخصوص جگہوں کی مٹی جنہیں (صعیب) اور (وادی بطحا) کہتے ہیں، ان امراض کے لئے خصوصیت رکھتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض اصحاب سے حکمًا فرمایا تھا کہ بخار کے مرض کا علاج اس پاک مٹی سے کرو۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں یہ بات منتقل ہوتی چلی آرہی ہے دواء کیلئے اس مٹی کو لے جانے

[1185](جذب القلوب اردو، ص ۲۱، ۲۲)

کے لئے بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ جو لوگ حرم کی مٹی کو لے جانے سے منع کرتے ہیں وہ بھی اس خاص مٹی کو اس عموم سے تخصیص کرتے ہیں:[1186]

خیرہ نہ کر سکا مجھ کو جلوۂ دانشِ فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

مدینہ منورہ کی مٹی کھانا

مولوی رشید احمد گنگوھی کے سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں: ”مولوی محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت نے صندوقچہ میں سے نکال کر مجھے عطاء فرمائی، کہ لو اس کو پھانک لو۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی املی مجھے کھلائی اور ایک دفعہ مدینۃ الرسول (ﷺ) کی مٹی عطاء فرمائی کہ لو اس کو کھالو، میں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا حرام ہے؟ آپ نے فرمایا ”میاں! وہ مٹی اور ہوگی۔“[1187]

مولوی عبید اللہ انور صاحب اپنا ذاتی مشاہدہ بیان فرماتے ہیں: ”مدینہ منورہ کی خاک شفاء سے ایک جہاں ہمیشہ فائدہ اٹھاتا آیا ہے میں نے خود بچپن میں اکثر مرتبہ عورتوں کی پیشانی پر، آنکھوں پر، ہاتھ اور مختلف اعضاء پر، خاک شفاء کا لیپ کرتے دیکھا اور ان خوش قسمت انسانوں سے سنا کہ بیسیوں ادویہ کے استعمال سے شفاء نہ ہوئی اور اللہ شفاء دینے پر آیا تو روضۂ اطہر کی خاک شفاء ہی انکی شفاء کا باعث بنی۔“

جب خاکِ مدینہ میں یہ نفع ہے۔ تو جس نبی کے صدقے یہ مقام ملا اس نبی کی ذات میں کتنا نفع ہوگا۔ (مؤلف)

[1186] (اقبال) (جذب القلوب اردو ص ۲۷)
[1187] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۴۸)

ترابِ مدینہ کا شرف و مجدّ

قدرتاً اس گنہگار کو کان پڑی یہ بات وہاں یاد آئی تو ایک عالم ربّانی سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مدینہ پاک کی ساری ہی چیزیں ہمارے لئے شفاء ہیں۔ اور ترابِ مدینہ اور زمین کا وہ حصہ بالخصوص جو وجود مسعود سے اقرب ہے۔ اور زمین کی اس قدر گہرائی کہ جہاں خوشبو اور رنگت دیگر اجزاء سے قدرے زیادہ معطر و منوّر ہے۔ یقیناً وہ ذرّاتِ ارضِ پاک مدینہ سے زیادہ شفاء یاب و جہاں تاب ہیں۔ یہ چیزیں عقیدت ادب، اور اطاعت کرنیوالوں کے لئے باور کرنا چنداں مشکل نہیں۔

ہمارے حضرت (عبید اللہ انور کے والد مولوی احمد علی لاہوری) کو حرمین شریفین کے ان خوش قسمت اغوات سے اکثر و بیشتر شرف ملاقات حاصل ہوتا۔ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ روضۂ اطہر کی جالی کے اندر قبر شریف پر جو غلاف خاص زیبِ تعویذ ہے، اس غلاف مکرم کی خاک پاک جو میسر آئی تو حضرت کو ایک آغا نے ہدیۃً پیش کیا۔ حضرت اقدس نے روضۂ رسول ا کی خاک مقدس جوش عقیدت میں اپنے سرمے میں شامل فرما کر زیب چشم فرمانا شروع کی خدا کا کرنا چند دنوں بعد دور و نزدیک کی نگاہ میں جو کمزوری تھی وہ قطعی طور پر دور ہو گئی۔ اور پھر وفات تک حضرت نے نزدیک اور دور کے چشمے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"[1188]

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء   تا بہ بینی ابتداء تا انتہاء

اور غیر اختیاری طور پر یہ شرف تمام حاضر مدفن شریف سالکان کرام رحمہ اللہ بروز وصال سیدنا و مرشدنا قطب عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاصل ہوا کیونکہ تیز ہوا چل رہی تھی اور مدفن مبارک کا خاک و غبار سالکین کے ابدان اور چشم میں آتے رہے۔ فالحمدللہ علی ذالک حمدا کثیرا۔

[1188] (ہفت روز 'خدام الدین" لاہور یکم ربیع الثانی، ۱۳۸۸ھ، ۲۹ جون ۱۹۶۸ء، جلد ۱۴، شمارہ ۸)

حدیث شریف: عباد بن عبد الصمد روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئے انہوں نے اپنی لونڈی سے فرمایا دستر خوان لے آؤ۔ ہم کھانا کھائیں گے۔ اس نے لا کر بچھا دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رومال بھی لے آؤ، وہ ایک رومال لے آئی، جو میلا تھا۔ فرمایا اس کو تنور میں ڈال دو۔ لونڈی نے تنور میں ڈال دیا جو آگ کے شعلے مار رہا تھا۔

فخرج ابیض کانّہ اللّبن فقلنا ما ھٰذا؟ قال ھٰذا مندیلٌ کان رسول اللہ ﷺ یمسح بہ وجھہ فاذا انسلخ صنعنا بہ ھٰکذا الانّ النّار لا تأکل شیئًا مرّ علٰی وجوہ الانبیآء۔[1189]

”نکالا تو ایسا سفید تھا جیسا دودھ ہم نے حیران ہو کر کہا یہ کیا بات ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ وہ رومال ہے جس سے حضور ﷺ اپنا چہرہ مبارک صاف کیا کرتے تھے۔ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اس کو اسی طرح کرتے ہیں کیونکہ جو چیز انبیاء کرام علیہم السلام کے چہروں کو مس ہو جائے آگ اسے نہیں جلاتی۔“

نبی پاک ﷺ کے لمس کی برکت سے وہ رومال جلنے سے محفوظ رہا۔ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رومال کو بطور تبرک اپنے ہاں محفوظ کیا ہوا تھا اور دوسروں کو اس کی زیارت کراتے اور اس کے کمال سے آگاہ فرماتے تھے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے دلِ ترسندہ از نارِ عذاب　　　با چنیں دست و دہن کن انتساب

یعنی اے دل اگر تجھے دوزخ کی آگ کا خوف ہے تو ان ہاتھوں اور لبوں سے وابستہ ہو جا۔

حدیث شریف: **عن حنظلۃ بن خذیم انّ النبیّ ﷺ مسح رأسہ بیدہ وقال لہ بورک فیک قال الزّیال فرأیت حنظلۃ یؤتی بالشّاۃ الوارم ضرعھا والبعیر والانسان بہ الوارم فیتفل**

[1189] (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۸۰)

فی یدہٖ ویمسح بصلعتہٖ ویقول بسم اللہ علیٰ اثر ید رسول اللہ ﷺ ویمسحہ ثمّ یمسح موضع الورم فیذھب الورم۔[1190]

حضرت حنظلہ بن خذیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا تم میں برکت دی گئی۔ حضرت زیال فرماتے ہیں اس کے بعد ان کی کیفیت یہ ہوئی کہ کسی بکرے کے تھنوں یا اونٹ یا انسان کے کسی مقام پر ورم ہو جاتا تو اس کو حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے آتے۔ اور وہ اپنے ہاتھ پر لعاب دہن ڈال کر اپنے سر پر ملتے اور فرماتے: "**بسم اللہ علی اثر ید رسول اللہ ﷺ**" پھر وہ ہاتھ ورم کی جگہ رکھ دیتے تو ورم فوراً اتر جاتا۔

حضور سید عالم ﷺ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن میں ان کے سر پر اپنا دستِ رحمت رکھا مگر آپ کے دستِ مبارک کی برکتیں ساری زندگی حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر میں موجود رہیں اور پھر یہ برکتیں بیماروں کی شفاء کا سبب بنیں۔

حدیث شریف: حضرت ابو عبد الرحمن اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ احمد بن فضلویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے غازی اور زاہد تھے اور بڑے تیر انداز تھے۔ ان کے پاس ایک کمان تھی جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

مامسست القوس بیدی الّا علٰی طھارۃٍ منذ بلغنی انّ النبیّ ﷺ اخذ القوس بیدہٖ۔[1191]

ترجمہ: "جب سے مجھے معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے اس کمان کو دست مبارک سے چھوا ہے۔ تو میں نے کبھی اس کو بے وضو ہاتھ نہیں لگایا۔"

[1190] (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۸۳)

[1191] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۴)

معلوم ہوا کہ جس چیز کو اللہ کے حبیب ﷺ سے تعلق ہو جاتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے جان سے زیادہ عزیز سمجھتے اور محفوظ رکھتے۔ نیز اس کی دل و جان سے تعظیم کرتے تھے۔

حدیث شریف: حضرت صفیہ بنت نجدہ فرماتی ہیں:

كان لابى محذورة قُصّةٌ فى مقدم رأسهٖ اذا قعدو ارسلها اصّبت الارض فقيل له الا تحلقها فقال لم اكن بالّذى احلقها و قدمسّها رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بيده۔[1192]

ترجمہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (موذن اہل مکہ) کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا گچھا تھا جب وہ بیٹھتے اور اسے کھولتے تو بال زمین سے لگ جاتے۔ کسی نے کہا ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے۔ تو فرمایا ان کو منڈوا نہیں سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک ان کو لگا ہوا ہے۔

حدیث شریف: حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

انّ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اتىٰ بقصعةٍ فاكل منها فضلت فضلةً فقال يجئُ رجلٌ من هٰذا الفج من اهل الجنة فتأكل هٰذا الفضلة فجاء عبدالله بن سلام فاكلها۔[1193]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیالہ حاضر کیا گیا۔ آپ انے اس سے کچھ کھایا اور کچھ بچا دیا پھر فرمایا، اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا جو بچا ہوا کھائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے اسے کھالیا۔

حضور اکرم ﷺ کا بچا ہوا کھانا، بابرکت اور باعث رحمت ہے۔ کیا خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہیں یہ کھانا نصیب ہوا۔

[1192](شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳)

[1193](خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۳۰)

بچے ہوئے کھانے میں برکت

حدیث شریف: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ اذا اتی بطعامٍ اکل منہ و بعث بفضلہٖ الیّ۔[1194]

ترجمہ: ”حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں کھانا آتا آپ ﷺ اس سے تناول فرماتے اور بچا ہوا کھانا میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔“

شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں:

قال العلمآء فی ھٰذا انّہ یستحبّ للاٰکل و الشّارب ان یّفضل ممّا یأکل و یشرب فضلۃ لیو اسی بھا لا سیما ان کان ممّن یّتبرّک بفضلہٖ۔

یعنی ”علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ کھانے اور پینے والے کیلئے مستحب ہے کہ کھانے پینے کی چیز میں سے کچھ بچاوے تاکہ وہ دوسروں کو بھی کچھ مل جائے بالخصوص اگر یہ شخص ایسا ہو کہ اس کے پس خوردہ کو تبرک سمجھا جاتا ہو۔“[1195]

اسی مسلم شریف میں دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

سأل عن موضع اصابعہٖ فیتبع موضع اصابعہٖ۔

یعنی آپ ﷺ کی انگلیوں کے بارے میں دریافت کیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کی جگہ کو تلاش کیا۔

فیہ التبرک بآثار الخیر فی الطّعام و غیرہ۔[1196]

اس سے ثابت ہوا کہ کھانے وغیرہ میں آثار خیر سے تبرک حاصل کرنا چاہیئے۔

[1194](مسلم شریف ج ۲ ص ۱۸۳، مشکوۃ شریف ص ۳۶۵)

[1195](نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۸۳)

[1196](نووی شریف ج ۱ ص ۱۸۳)

حدیث شریف: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے تھے تو ان کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے وہ حضور ﷺ کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتی تھیں۔ حضور ﷺ اس پر آرام فرماتے۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آتا تھا، تو وہ حضور ﷺ کا پسینہ جمع کر لیتی تھیں اور اسے اپنی خوشبو میں ڈال لیتی تھیں۔

فقال النبیّ ﷺ یا امّ سلیمٍ رضی اللہ عنہا ما ھٰذا قالت عرقک نجعلہ فی طیبنا وھو اطیب وفی روایۃٍ قالت یارسول اللہ ﷺ نرجو برکتہ لصبیاننا قال اصبت۔ متفق علیہ۔

یعنی "نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے امّ سلیم! یہ کیا ہے۔ عرض کیا حضور آپ ﷺ کا پسینہ مبارک ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ڈال لیتے ہیں۔ اور یہ بہترین خوشبو ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کی برکت سے اپنے بچوں کے لئے امید رکھتے ہیں۔ فرمایا تم نے ٹھیک کیا۔"[1197]

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"امید داریم برکت عرق ترا برائے خردان خود می مالیم آں را بر روہائے ایشاں و بدنہائے ایشاں تا ببرکتِ آں از ہمہ بلاہا محفوظ باشند گفت آنحضرت راست گفتی و خوب کردی"۔ [1198]

یعنی ہم آپ ﷺ کے پسینہ مبارک سے برکت کی امید رکھتے ہیں اپنے بچوں کے لئے اور اس پسینے کو بچوں کے چہروں اور بدنوں پر ملتے ہیں تاکہ اس کی برکت سے تمام مصیبتوں اور بلاؤں سے محفوظ رہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "امّ سلیم! تو نے سچ کہا اور بہت اچھا کیا۔"

[1197] (مشکوۃ شریف ص ۵۱۷، مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۷، بخاری شریف ج ۲ ص ۹۲۹، نسائی شریف ج ۲ ص ۳۰۱، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۲، شفاء شریف ج ۱ ص ۵۱)

[1198] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۸۸)

یہی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

"قال ما ھٰذا الّذی تصنعین یا امّ سلیمٍ قالت اجعل عرقک فی طیبی"۔

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے اے امّ سلیم؟ انہوں نے عرض کیا میں آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو اپنی خوشبو میں ملاتی ہوں۔[1199]

اس کی شرح میں امام الحافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فیہ استحباب التبرّک و التقرّب بآثار الصّالحین قیل لمّا حضرت انس بن مالک الوفاۃ اوصی ان یّجعل فی حنوطٍ من ذالک الطّیب۔

یعنی اس میں جواز ہے صالحین سے تقرب اور تبرک حاصل کرنے کا۔ کہتے ہیں جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو وصیّت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد اس خوشبو کو میری خوشبو میں ملا دینا۔[1200]

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے پسینہ مبارک سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ اپنے بچوں کے چہروں اور بدنوں پر بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے ملتے تھے۔ نیز آپ کا پسینہ مبارک ہر خوشبو سے بہترین خوشبو تھا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو پہچان لیتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ اذا مرّ فی طریقٍ من طرق المدینہ و جدوا منہ رائحۃ الطّیب و قالوا مرّ رسول اللہ ﷺ من ھٰذا الطّریق۔

[1199] (سنن نسائی ج ۲ ص ۳۰۱)

[1200] (حاشیہ نسائی ج ۲ ص ۳۰۱)

یعنی حضور ﷺ جب مدینہ منورہ کے راستوں میں کسی راستے سے گزرتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کی خوشبو پاتے اور کہتے حضور ﷺ اس راستے سے گزرے ہیں۔[1201]

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر غبار ادنیٰ سی یہ شناخت تیری رہگذر کی ہے

زنسیم جاں فزایت تن مردہ زندہ گردد ز کدام باغے اے گل کہ چنیں خوش است بویت

حدیث شریف: حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كان النبیّ صلى الله عليه وآله وسلم يستاك فيعطني السّواك لاغسله و ادفعه اليه۔

یعنی نبی کریم ﷺ مسواک کر کے مجھے دھونے کے لئے دیتے تھے، تو پہلے اس سے مسواک کر لیتی تھی اور پھر دھو کر آپ کو دیتی تھی۔[1202]

امام ملّا علی قاری فرماتے ہیں:

قال الطّیبی ای قبل الغسل استاک بہ تبرّ گا۔

یعنی "طیبی فرماتے ہیں یعنی دھونے سے پہلے تبرکاً مسواک کرتی تھی۔"[1203]

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت ہے:

"ازیں جا معلوم می شود کہ مسواک یکبار کردند و از دہن جدا ساختند بشویند تا بار دگر بکنند و تنبیہ است بر تبرک بآثار صالحین و تلذّذ بداں"۔[1204]

[1201](خصائص کبری ج ۱ ص ۶۷)
[1202](مشکوٰۃ شریف ص ۴۵)
[1203](حاشیہ مشکوۃ ص ۴۵)
[1204](اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۱۴)

اس سے معلوم ہوا مسواک ایک بار کرکے منہ سے جدا کرنے کے بعد دھونا اور دوسری بار کرنا اور اس میں تنبیہ ہے صالحین کے آثار سے تبرک اور لذت حاصل کرنے کی۔

حدیث شریف: **عن انس قال لقد رأیت رسول اللہ ﷺ و الحلّاق یحلقه و اطاف بهٖ اصحابه فمایریدون ان یّقع شعرةً الّا فی یدرجلٍ۔**

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حجّام آپ ﷺ کے سر مبارک کو مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھے تھے کہ جو بال گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔[1205]

مسلم شریف کی شرح نووی میں اس کے تحت ہے:

و فیه التبرّک بآثار الصّالحین و بیان ما کانت الصّحابة علیه من التبرّک بآثارهٖ ﷺ و تبرّکهم بادخال یدهٖ الکریمة فی الاٰنیة و تبرّکهم بشعرهٖ الکریم و اکرامهم ایّاه ان یّقع منه الّا فی یدرجلٍ سبق الیه۔[1206]

اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کا جواز ہے اور بیان ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے اور برتنوں میں آپ کے دست مبارک کے داخل کرنے سے برکت حاصل کرنے اور آپ کے مبارک بالوں سے برکت حاصل کرنے اور ان کی تعظیم کرنے کا بیان ہے۔ اور جو بال مبارک گرتا، اسے بڑھ کر کوئی نہ کوئی اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔

[1205] (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۶، شفاء شریف ج ۲ ص ۳۸، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

[1206] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶)

خود سرور کائنات ﷺ کا بال مبارک تقسیم کرانا

حدیث شریف: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ پر آئے اسے کنکر مارے پھر اپنے منیٰ کے خیمے میں تشریف لائے اور قربانی کا جانور ذبح کیا۔

ثم دعا بالحلّاق وناول الحلاق شقه الايمن فحلّقه ثمّ دعا ابا طلحة الانصاری فاعطاه ايّاه ثمّ ناول الشّق الايسر فقال احلق فحلقه فاعطاه اباطلحة فقال اقسمه بين النّاس متفق عليه۔

یعنی پھر آپ ﷺ نے مونڈنے والے کو بلایا اور اسے اپنی داہنی جانب پیش کی اس نے مونڈ دی۔ پھر ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا وہ بال انہیں عطا فرمادیئے۔ پھر بائیں جانب حالق کے سامنے پیش کی، فرمایا مونڈ دو اور اس نے مونڈ دی پھر وہ بال ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا انہیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔[1207]

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ خود اپنے بال مبارک تقسیم کراتے تھے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بطور تبرک محفوظ رہیں اور وہ اس سے شفاء و برکت حاصل کریں۔

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے　　　چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

(مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

[1207] (ترمذی ج ۱ ص ۱۸۱، مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۲، مسلم شریف ج ۱ ص ۴۲۱)

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"پس گفت قسمت کن ایں رامیانِ مردم پس بہر یکے رایکتارہ موئے و دوتارہ موئے نصیب رسیدہ گویا شاعر بایں قصہ اشارت کردہ است۔"[1208]

ترجمہ: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ان بالوں کو تقسیم کرو لوگوں میں، پس ایک ایک بال اور دو دو بال ہر ایک کے حصّہ میں آئے، گویا شاعر نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

مرا از زلف تو موئے بسند است | فضولی میکنم بوئے سند است

اسی طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ناخن مبارک تراشے اور حاضرین میں تقسیم فرمائے۔ یہ برکتیں امّت کے درمیان آج باقی ہیں کہ باعث ذکر و یاد کے لئے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وجود شریف کے اجزاء گویا ان کی طرف سے سند ہیں اور جو شاعر نے کہا اس سے یہی مراد ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح مسلم شریف اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

منها التبرّک بشعرہٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جواز اقتنائہٖ للتبرّک۔

یعنی "اس حدیث سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبارک بالوں سے برکت حاصل کرکے محفوظ کرنے کا جواز ہے۔"[1209]

[1208](اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۵۹،۳۵۸)
[1209](نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۲۱)

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی (العرف الشذی شرح ترمذی میں) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

اقسم بین النّاس ای للتبرّک وھذا یدلّ علیٰ اخذ التبرّکات وتبرّکاتہ علیہ السّلام کثیرۃٌ منھا البردۃ العبّاسیہ ھذا البردہ اعطی النّبیّ ﷺ کعب بن زھیر حین قرأ قصیدہ بانت سعاد فی حضرتہ علیہ السّلام واشتراھا العباسیّون۔

یعنی ''ان بالوں کو لوگوں میں تقسیم کر دو! یعنی تبرک کے لئے اور یہ حدیث پاک دلیل ہے تبرکات کے حاصل کرنے اور نبی کریم ﷺ کے تبرکات کثرت سے ہیں۔ ان میں عباسیوں کی وہ چادر جو حضور ﷺ نے کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔ جب اس نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں قصیدہ بانت سعاد پڑھا تھا، اس چادر مبارک کو عباسیوں نے خرید لیا تھا۔''

ردائے مبارک کا عطا کیا جانا اتنا بڑا اعزاز تھا کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دنیا جہاں کی ساری نعمتیں اس کے سامنے ہیچ تھیں۔ جب تک وہ حیات رہے، انہوں نے اس بردہ شریف کو سینے سے لگا کر رکھا اور تنگدستی کے باوجود کسی قیمت پر بھی اس کو جدا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس چادر مبارک کو دس ہزار درہم میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خریدنا چاہا، لیکن انہوں نے اس متاع عزیز کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عقبۃ المضرب نے یہ بردہ شریف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ باختلاف روایت بیس، تیس، یا چالیس ہزار درہم میں فروخت کر دی۔[1210]

[1210] (تبرکات نبوی اص ۴۰)

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اور انور شاہ کشمیری صاحب کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی امت میں آج تک آپ ﷺ کے تبرکات محفوظ ہیں۔ منکرین کا یہ کہہ کر مسلمانوں کو تبرکات کی زیارت سے روکنا کہ یہ تبرکات "جعلی" ہیں، یہ ایک قسم کا دھوکہ اور فریب ہے اور مسلمانوں کو ان برکات سے محروم کرنے کی نجدی سازش ہے۔ اگر بعض تبرکات منسوبی ہیں تو بعض دیگر منصوصی اور بعض دیگر ثابت بالسند والتواتر ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ان مبارک بالوں سے شفاء حاصل کرنا

حدیث شریف: حضرت عثمان ابن عبد اللہ ابن موہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے گھر والوں نے حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا پیالہ دے کر بھیجا اور جب کسی آدمی کو نظر بد یا کوئی شئ لاحق ہو جاتی تو ان کے پاس برتن میں پانی ڈال کر بھیجتے تھے تو:

فاخرجت من شعر رسول اللہ ﷺ و کانت تمسکہ فی جلجل من فضّةٍ فخضخضتہ لہ فشرب منہ قال فاطّلعت فی الجلجل فرأیت شعراتٍ حمراء رواہ البخاری۔[1211]

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کا بال مبارک نکالتیں ، انہوں نے حضور ﷺ کا بال چاندی کی ڈبیّ میں رکھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے لئے وہ بال ہلا دیتیں اس سے انہوں نے پیا، فرماتے ہیں میں نے ڈبیّ میں جھانکا تو چند سرخ بال مبارک تھے۔

علّامہ امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

والحاصل من مّعنی الحدیث انّہ کان عند امّ سلمۃ رضی اللہ عنہا شعرات من شعر النّبیّ ﷺ حمرٌ فی شیءٍ لیشبہ الجلجل و کان النّاس یستشفون بہا من المرض فتارۃ یجعلونہا فی

[1211] (بخاری ج ۲ ص ۸۷۵، مشکوٰۃ شریف ۳۹۱)

قدحٍ من مآءٍ ویشربونہ وتارۃً فی اجانۃ من المآء فیجعلون فی الّذی فیہ الجلجل الذی فیہ شعرہ الشریف۔

یعنی حاصل یہ ہے کہ حضور سید عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال مبارک حضرت امّ المؤمنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے جو سرخ رنگ کے تھے۔ جو (گھنگرو نما) کُپّی میں تھے۔ لوگ اس سے بیماروں کے لئے شفاء حاصل کرتے تھے۔ کبھی اس کو پانی کے پیالے میں رکھتے اور اس کو پیتے اور کبھی پانی کے برتن میں اس کُپّی کو رکھتے جس میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال مبارک تھے۔[1212]

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہمحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال شریف کو دافع البلاء باعث شفاء سمجھتے تھے، کہ انہیں پانی میں غسل دیکر شفاء حاصل کرنے کے لئے پیتے تھے۔ کیوں نہ ہو جب یوسف علیہ السلام کی قمیص دافع بلاء ہو سکتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم فرمارہاہے اذھبوا بقمیصی تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال شریف تو بدرجہ اولیٰ دافع بلاء ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال شریف کی زیارت کرنے جاتے تھے۔[1213]

صحابہ وتابعین کی کس قدر پاکیزہ مبارک سوچ تھی کہ مشکلات سے نجات، بیماری سے شفایابی کے لئے نسبتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (موئے مبارک شریف) سے فیض یاب ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے درجات بلند فرمائے کہ انہوں نے زلفوں والے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عقیدت و محبت کس قدر حکمت بھرے انداز سے عاشقین مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قلوب میں منتقل فرمادی تھی۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال مبارک صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس محفوظ تھے۔

[1212](حاشیہ البخاری ج ۲ ص ۸۷۸)

[1213](مرأۃ شرح مشکوۃ ج ۶ ص ۲۴۹)

حدیث شریف: **عن ابن سیرین قال قلت لعبیدة عندنا من شعر النبیّ ﷺ اصبنا من قبل انسٍ او من قبل اھل انسٍ فقال لان تکون عندی شعرة منه احبّ الیّ من الدّنیا و ما فیھا۔**

یعنی ”حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اہل انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملے ہیں، یہ سن کر حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔[1214]

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ موئے مبارک کا فیض منقطع نہیں ہوا بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا برکتوں کا نزول بڑھتا ہی چلا گیا۔

سب سے پہلا بال مبارک ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آیا

حدیث شریف: **عن انسٍ انّ رسول اللہ ﷺ لمّا حلق رأسه کان ابو طلحة اوّل من اخذ من شعرہ۔**

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے سر مبارک منڈوایا تو سب سے پہلے ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال لئے۔[1215]

[1214] (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۹)

[1215] (بخاری شریف، جلد اول، کتاب الوضو باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات ﷺ کے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس محفوظ تھے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے بال مبارک کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی برکت سے فتح و نصرت

حدیث شریف: سعید بن منصور اور ابن سعد و ابو یعلیٰ و حاکم و بیہقی اور ابو نعیم نے عبد الحمید بن جعفر سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے:

انّ خالد بن ولیدٍ فقد قلنسوة له یوم الیرموک فطلبها حتّٰی وجدها وقال اعتمر رسول اللہ ﷺ فحلق رأسه فابتدروا النّاس جوانب شعرہٖ فسبقتهم الٰی ناصیّةٍ فجعلتها فی هٰذه القلنسوة فلم اشهد قتالاً وهی معی الّا رزقت النّصر۔[1216]

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہوگئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تلاش کیا یہاں تک کہ اسے حاصل کر لیا۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کرنے کے بعد سر منڈایا تو لوگوں نے مختلف طرف کے بالوں کو حاصل کرنے میں جلدی کی اور میں ان کی پیشانی مبارک کی جانب کے بال مبارک حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کے بالوں کو میں نے اس ٹوپی میں محفوظ کر لیا۔ میں کسی جہاد میں نہیں حاضر ہوا مگر یہ ٹوپی میرے پاس رہی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر حالت اور ہر موقع پر مجھے فتح عطا فرمائی۔

اس حدیث میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی برکت سے فتح و نصرت حاصل کرنے کا بیان ہے، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا کامل یقین تھا کہ

[1216] (خصائص کبریٰ ج ا ص ۶۸)

حضور ﷺ کے بال مبارک باذن اللہ دافع البلاء اور فتح و نصرت کا ذریعہ ہیں۔ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے توسل کرتے تھے۔

حدیث شریف: حضرت امام قاضی عیاض نے شفاء شریف میں روایت درج فرمائی:

وكانت فی قلنسوة خالد بن وليد شعرات من شعره ﷺ فسقطت قلنسوته فی بعض حروبه فشدّ عليها شدّةً انكر عليه اصحاب النبیّ ﷺ لكثرةٍ من قتل فيها فقال لم افعلها بسبب القلنسوة بل لما تضمّنه من شعره ﷺ لئلّا اسلب بركتها وتقع فی ايدی المشركين۔[1217]

ترجمہ: "حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے مبارک بالوں میں سے کچھ بال تھے۔ کسی لڑائی میں ان کی ٹوپی گر گئی، انہوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے شدت سے تلاش کی، حضور ﷺ کے صحابہ نے ان کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس لئے کہ اس لڑائی میں کثرت سے لوگ شہید ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے محض ٹوپی کے لئے ایسا نہیں کیا، بلکہ حضور ﷺ کے بالوں کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ مبارک بال کافروں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔" اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار اہل ایمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تبرکات چھیننے میں حریص ہیں تاکہ مسلمان ان کی خیر وبرکات اور ان کے ذریعے نصر و فتح و حفاظت سے محروم رہیں۔ (معاذ اللہ) پس آجکل بعض لوگوں کا پرانے تبرکات کو لوگوں سے خریدنا اور اکٹھا کرنا اس سازش کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔

[1217] (عمدۃالقاری شرح بخاری ج۳ ص۳۷، شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳، ایضا ج ۱ ص ۲۷۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بال مبارک کے متعلق وصیت کرنا

حدیث شریف: حضرت ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ بنانی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے مبارک بالوں میں سے ایک بال ہے، جب میں فوت ہو جاؤں تو میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ وصیت کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔[1218]

صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم موئے مبارک شریف سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے ان کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بڑھ کر موئے مبارک کو اہمیت حاصل تھی۔

حدیث شریف: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی کہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1219]

حدیث شریف: شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: مروی ہے کہ حضور ﷺ کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ اس کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے۔ اور عرض کرتے کہ یہی تبرکات تو میرا سرمایہ ہیں اور فرماتے یہ اس ذات کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت و تکریم سے نوازا ہے۔ کمرہ کے اندر رکھے ہوئے تبارکات یہ تھے: چارپائی، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک

[1218] (اصابہ ترجمہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ)

[1219] (طبقات ابن سعد ج۵ ص ۳۰۰)

جوڑا موزہ، چکی اور ترکش جس میں چند تیر تھے۔ تکیہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کی چکنائی کا اثر تھا، ایک شخص کو سخت بیماری لاحق ہوئی جس سے اسے شفا نہیں مل رہی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں ذکر کیا گیا اور پھر آپ کی اجازت سے اس کی چکنائی میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکایا گیا جس سے وہ تندرست ہو گیا۔[1220]

حضور ﷺ کے بال کی بے ادبی کرنے والا جہنمی ہے

حدیث شریف: حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

سمعت رسول اللہ ﷺ وھو اخذ شعرۃً یقول من اذیٰ شعرۃً من شعری فالجنّۃ علیہ حرامٌ۔[1221]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ اپنا ایک بال مبارک اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے فرما رہے تھے جس نے میرے ایک بال کی بھی بے ادبی کی تو اس پر جنت حرام ہے۔

معلوم ہوا کہ جس نے حضور ﷺ کے مبارک بالوں کا ادب کیا وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہوا اور جس نے ذرہ برابر بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کیا وہ محروم رہا۔ ان کی بے ادبی حرمان و بدبختی کا سبب ہے۔

مولوی محمد زکریا سہارنپوری نے "فضائل درود شریف" میں علامہ سخاوی کی "القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع" سے نقل کیا ہے: "ابو حفص سمرقندی اپنی کتاب رونق المجالس میں لکھتے ہیں کہ بلخ میں ایک تاجر تھا جو بہت زیادہ مالدار تھا، اس کا انتقال ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے، لہٰذا میراث میں اس کا مال آدھا آدھا تقسیم ہو گیا۔ لیکن ترکہ میں تین بال بھی حضور اقدس ﷺ کے

[1220] (مدارج النبوۃ اردو، ج ۲ ص ۴۰۵)

[1221] (کنز العمال ج ۲ ص ۲۷۶، جامع صغیر ص ۴۵، البرھان فی خصائص حبیب الرحمن ا ص ۵۹)

موجود تھے، ایک ایک دونوں کے حصہ میں آیا۔ تیسرے بال کے متعلق بڑے بھائی نے کہا اس کو آدھا آدھا کر لیں۔ چھوٹے نے کہا ہر گز نہیں، خدا کی قسم حضور ﷺ کا موئے مبارک کاٹا نہیں جاسکتا۔ بڑے بھائی نے کہا کیا تو اس پر راضی ہے کہ تینوں بال تو لے لے اور یہ مال سارا کا سارا میرے حصے میں لگا دے۔ چھوٹا بھائی خوشی سے راضی ہو گیا۔ بڑے بھائی نے سارا مال لے لیا اور چھوٹے بھائی نے تینوں موئے مبارک لے لئے۔ وہ ان کو اپنی جیب میں رکھتا اور بار بار نکالتا ان کی زیارت کرتا اور درود شریف پڑھتا، تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ بڑے بھائی کا سارا مال ختم ہو گیا۔ اور چھوٹا بھائی بہت مالدار ہو گیا۔ جب اس چھوٹے بھائی کی وفات ہوئی تو صلحاء میں سے بعض نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو کوئی ضرورت ہو تو اس کی قبر کے قریب بیٹھ کر اللہ جلّ شانہ سے دعا کیا کرے۔[1222]

نزھۃ المجالس میں بھی یہ واقعہ مختصراً منقول ہے لیکن اتنا اس میں اضافہ ہے کہ بڑا بھائی جس نے سارا مال لے لیا تھا، بعد میں فقیر ہو گیا تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور حضور ﷺ سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا: او! محروم تو نے میرے بالوں میں بے رغبتی کی اور تیرے بھائی نے ان کو لے لیا۔ اور وہ جب ان کو دیکھتا ہے مجھ پر درود بھیجتا ہے، اللہ جلّ شانہ نے اس کو دنیا و آخرت میں سعید بنا دیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو آ کر چھوٹے بھائی کے خادموں میں داخل ہو گیا۔[1223]

[1222](بدیع)
[1223](فضائل درود ص ۹۴، ۹۳)

مقام عبرت:

موجودہ مروجہ تبلیغی جماعت جو کہ عقیدہ جبریہ اور تحریف آیات قرآن و حدیث اور ابطال شعب دین اور توہین علماء صوفیاء اور ترویج عقائد محمد ابن عبد الوہاب نجدی و دیگر خوارج میں مصروفِ عمل ہے۔ اور تبرکات سے انکار کرتے ہیں اور توسل و تصوف کے بھی منکر ہیں اور اپنے رئیس مولوی محمد زکریا دیوبندی کے اقوال مندرجہ در فضائل اعمال سے بھی منکر ہیں۔ اس واقعہ سے عبرت لیں۔

حضرت ابو العباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس موئے مبارک

امام الاولیاء سیدی داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت ابو العباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرو کے کھاتے پیتے خوشحال گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ باپ کے فوت ہونے پر آپ کو وراثت میں بہت زیادہ دولت ملی تھی۔ آپ کو پتہ چلا کہ فلاں کے پاس رحمتِ عالم ﷺ کے دو موئے مبارک ہیں۔ آپ نے وہ خرید لئے۔ ان موئے مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق عطا کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ولی بنالیا۔ پھر آپ نے یعنی خواجہ مہدی سیاری نے حضرت خواجہ ابو بکر واسطی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کی خدمت میں رہ کر وہ مقام پایا کہ اولیائے کرام کے ایک گروہ کے امام بن گئے اور پھر جب آپ کے وصال کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ یہ دونوں بال مبارک میرے منہ میں رکھ دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ان کا مزار مبارک مرو میں مشہور ہے۔ چنانچہ سرکار گنج بخش قدس سرہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں ''وامروز گور او بمرو ظاہر است مردماں بحاجت خواستن آنجا شوند ومہمات از آنجا طلبند و مجرب است'' یعنی ''مہدی سیاری کا مزار شریف مرو میں

مشہور ہے، لوگ وہاں اپنی حاجتیں لے کر جاتے ہیں اور وہاں جا کر اپنی مہمات (حاجتیں) طلب کرتے ہیں، ان کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں، اور یہ مجرب ہے۔"[1224]

شاہ ولی اللہ کا مرتبہ و مقام

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت اور حضور کی سنتوں پر عمل کو آپ نے اپنا وظیفہ بنالیا تھا۔ آپ کی ذات موئے مبارک کی زیارت کرنے والوں اور اس سعادت سے محروم یعنی دونوں ہی طبقوں کے نزدیک معتمد علیہ ہے۔ آپ دینِ اسلام کی خدمت میں اپنے شب و روز صرف کرتے رہے یہاں تک کہ آپ پر کرم نوازیوں کی بارشیں اس انداز میں ہوئیں کہ آپ علیہ الرحمۃ خود اپنی کتاب "حجۃاللہ البالغۃ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "رأیت الامامین الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما فی منام و انا یؤمئذٍ بمکّۃ کانّہما اعطیانی قلمًا وّ قالا ھٰذا قلم جدّنا رسول اللہ ﷺ"۔ یعنی "میں نے دونوں امام یعنی امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی زیارت خواب میں کی اور اس دن میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ انہوں نے مجھے ایک قلم عطا کیا اور فرمایا کہ یہ ہمارے نانا جان رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔"[1225]

اس عظیم الشان بشارت سے معلوم ہوا کہ حق کے پرچار کے لئے آپ کو منتخب کر لیا گیا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ "جب میرے والد ماجد نے آخری عمر میں تبرکات تقسیم کئے تو ایک بال مبارک مجھے بھی عنایت ہوا۔"

[1224] (کشف المحجوب ص ۱۴۳)

[1225] (حجۃاللہ البالغہ ص ۱۱، مطبوعہ بیروت)

حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے بال مبارک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پاس

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد شاہ عبد الرحیم نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھتے ہیں:

”حضرت والد صاحب فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھے بخار آگیا اور اس بیماری نے طول پکڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا اور مجھے نیند آگئی۔ غنودگی کے عالم میں حضرت شیخ عبد العزیز ظاہر ہوئے فرماتے تھے بیٹا! حضرت پیغمبر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تمہاری عیادت کے لئے تشریف لا رہے ہیں اور ممکن ہے آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس طرف سے تشریف لائیں اور تمہارے پاؤں اس طرف ہیں، تیری چارپائی کو اس طرف رکھنا چاہیئے کہ تیرے پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ مجھے افاقہ ہوا بات کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی، میں نے حاضرین کو اشارہ کیا انہوں نے میری چارپائی اس طرف پھیر دی، اسی وقت آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تشریف لائے اور فرمایا ”کیف حالک یا بنیّ“ (بیٹا! تیرا کیا حال ہے؟)، ان الفاظ کی حلاوت مجھ پر غالب آگئی عجیب وجد اور آہ و بکا کا مجھ سے ظہور ہوا، حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھے اس طرح گود میں لے لیا کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ریش مبارک میرے سر پر تھی، آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی قمیص مبارک تر ہو گئی آنسوؤں سے، آہستہ آہستہ اس وجد کو سکون آگیا۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا کہ عرصہ سے مجھے موئے مبارک کی آرزو تھی، کیسا عظیم کرم ہو اگر اس قسم کی کوئی چیز عنایت فرمائیں، آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس خیال سے واقف ہو گئے، ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موئے مبارک میرے ہاتھ میں پکڑا دیئے۔ میرے دل میں گزرا یہ دونوں بال بیداری میں میرے پاس رہیں گے، آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس خیال سے بھی واقف ہو گئے، فرمایا یہ دونوں بال اس عالم میں بھی باقی رہیں گے۔ پھر آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھے صحت کُلّی اور طویل زندگی کی بشارت دی۔ پھر مجھے افاقہ ہو گیا۔ میں نے چراغ طلب کیا، وہ دونوں بال میرے

ہاتھ میں نہیں تھے۔ میں غمگین ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کی جناب میں توجہ کی، مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور آنحضرت ﷺ متمثل ہوئے اور فرمایا میرے بیٹے! تجھے آگاہ ہونا چاہیئے کہ میں نے وہ دونوں بال احتیاط کے طور پر تمہارے تکیہ کے نیچے محفوظ کر دیئے ہیں۔ وہاں تو انہیں پالے گا۔ مجھے افاقہ ہوا تو میں نے انہیں وہاں سے لے کر عزت واحترام سے ایک جگہ حفاظت سے رکھ لیا۔ اس کے بعد بخار جاتا رہا۔[1226]

حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی خصوصیت

"ان موئے مبارک کے خواص میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ پہلے آپس میں گھتے ہوئے تھے۔ جب درود شریف پڑھا جاتا تو الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ منکرین میں سے تین اشخاص نے امتحان کرنا چاہا۔ میں اس بے ادبی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ جب مناظرہ نے طول کھینچا تو موئے مبارک دھوپ میں لے گئے، اسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا، حالانکہ دھوپ بڑی تیز تھی اور بادل کا موسم بھی قطعاً نہیں تھا، ان میں سے ایک شخص نے توبہ کی، دوسرے نے کہا یہ اتفاقیہ قصہ ہے۔ دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں نکالا، دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا، دوسرے نے بھی توبہ کرلی۔ تیسرے نے کہا یہ اتفاقیہ بات ہے، تیسری مرتبہ پھر دھوپ میں لے گئے، تیسری مرتبہ بھی بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا، تیسرے نے بھی توبہ کرلی"۔

ایک خصوصیت یہ تھی کہ ایک مرتبہ زیارت کے لئے باہر لایا، بہت بڑا مجمع تھا۔ ہر چند میں قفل میں چابی لگاتا تھا مگر وہ نہیں کھلتا تھا، کوشش کرتا مگر کامیاب نہ ہوتا تھا۔ میں اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا، معلوم ہوا کہ فلاں جنبی ہے۔ اس کی جنابت کی نحوست سے کامیاب نہیں ہو رہے ہیں۔ میں نے

[1226] (انفاس العارفین ص ۷۵، ۷۴)

عیب پوشی کرتے ہوئے تمام کو نیا غسل کرنے کے لئے کہا۔ جنبی اس مجمع سے نکل گیا۔ اس کے بعد آسانی سے کھل گیا۔ تو ہم نے زیارت کی۔[1227]

تبرکات کی تقسیم

"حضرت والد صاحب آخری عمر میں تبرکات تقسیم فرماتے تھے، ان دونوں بالوں میں سے ایک مجھے عنایت فرمایا، والحمدللہ ربّ العالمین"۔[1228]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حضور ﷺ کے موئے مبارک عطا فرمانے کا واقعہ اپنی کتاب "در ثمین" میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"الحدیث الخامس عشر۔ اخبرنی والدی انّہ کان مریضًا فرأی النبیّ ﷺ فی النّوم فقال کیف حالک یا بنیّ! ثمّ بشرہ بالشّفاء واعطاہ شعرتین من شعور لحیتہ فتعافی من المرض فی الحال وبقیت الشّعرتان عندہٗ فی الیقظۃ فأعطانی احدھما فھی عندی۔"

یعنی "میرے والد مبارک نے مجھے بتایا کہ جب وہ بیمار ہوئے تو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا میرے بیٹے تیرا کیا حال ہے اور ساتھ ہی صحت یابی کی خوشخبری دی اور دو موئے مبارک ریش کے عنایت فرمائے، میں اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔ صبح اٹھا تو دونوں موئے مبارک میرے پاس تھے۔ (میرے والد نے) ایک بال مجھے دے دیا جو ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔"[1229]

ا) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان عبارات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ سرور کائنات ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ بعد میں آنے والے غلاموں

[1227] (انفاس العارفین (اردو) ص ۷۵)
[1228] (انفاس العارفین (اردو) ص ۷۵)
[1229] (درثمین فی مبشّرات النبیّ الامین ص ۳۶)

کو بھی وقتاً فوقتاً اپنے تبرکات سے نوازا ہے۔جیسا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم کو نبی پاک ﷺ نے اپنے موئے مبارک خواب میں عنایت فرمائے، جو عالم بیداری میں بھی ان کے پاس موجود تھے۔

۲)یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حضور ﷺ کے تبرکات کی زیارت کرنے کرانے پر علماء امّت کا تعامل رہا ہے۔

۳)منکرین کے لئے حضور ﷺ کے مبارک بالوں سے معجزات کا ظہور ہوا اور بادل کے ٹکڑے نے ان پر سایہ کیا۔

۴)حضور سید عالم ﷺ حیات ہیں، آپ ﷺ کے جسم اطہر سے جدا ہونے والے مبارک بال بھی زندہ ہیں، کہ آپس میں گھتے ہوئے بالوں پر درود شریف پڑھا جاتا تو الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔

۵)جب درود شریف پڑھا جائے تو آپ ﷺ کے بال مبارک محسوس کرتے ہیں کہ درود شریف پڑھا جا رہا ہے۔تو خود نبی پاک ﷺ درود پڑھنے والے کے درود کیونکر محسوس نہیں فرماتے اور کیونکر نہیں سن سکتے؟

پیارے بھائیو! شیطان کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ صحابہ اور صالحین کے طریقے پر لوگ عمل پیرا ہو جائیں اور موئے مبارک شریف کی برکتیں حاصل کر لیں اور ویسے بھی شیطان کی عین آرزو و تمنا ہے کہ لوگوں کے قلوب عظمتِ مصطفی ﷺ سے خالی ہو جائیں، اس بدبخت کا کام ہی راہ راست سے دور کرنا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

الَّذِی یُوَسْوِسُ فِی صُدُوْرِ النَّاسِ (الناس ۵)

”جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔“

شیطان بد بخت وسوسہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کہاں سے آ گئے؟ کیا کسی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے اپنے مبارک بال تقسیم فرمائے ہوں یا حضور پر نور ﷺ کی رضا موئے مبارک شریف کے فیض کو پھیلانے میں ہے۔ مزید یہ کہ نعوذ باللہ بعض اوقات تو شیطان موئے مبارک شریف کی توہین اور بے ادبی پر ابھارنے کی کوشش کرتا ہے اور صریح گستاخی کرتا ہے جس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (الامان و الحفیظ) اور یہ سارے برے کام اور گستاخی و بے ادبی وہابی، نجدی، مودودی، رائیونڈی، پنج پیری، وغیرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بچنا ہم سب کیلئے ضروری ہے، اور ان کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی۔

حدیث شریف: ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں۔ غزوہ بدر میں حضرت زبیر نے عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں برچھی ماری تھی:

قال عروۃ فسألہ ایّاہ رسول اللہ فاعطاہ فلمّا قبض رسول اللہ ﷺ اخذھا ثمّ طلبھا ابو بکر فاعطاہ فلمّا قبض ابو بکر سألھا ایّاہ عمر فاعطاہ فلمّا قبض عمر اخذھا ثمّ طلبھا عثمان منہ فاعطاہ فلمّا قتل عثمان وقعت عند اٰل علیّ فطلبھا عبد اللہ بن زبیر فکانت عندہ حتّٰی قتل۔

یعنی "حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مستعار لے لی۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس لے لی پھر ان سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس برچھی کو مانگ لیا۔ اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مانگ لی، ان کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لیا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی آل کے پاس رہی،

پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے لے لیا اور وہ ان کے پاس رہی یہاں تک کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔"[1230]

(نوٹ): حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجاج نے ۷۳ھ میں شہید کیا۔

گویا برچھی تقریباً ستر یا اکہتر سال تک بطور تبرک محفوظ رکھی گئی۔ اس طرح کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بطور یادگار کے طلب فرمائی اور پھر حضور ﷺ کے چاروں خلفاء میں بطور تبرک منتقل ہوتی رہی۔ اس سے صالحین کی تلوار بطور تبرک رکھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حدیث شریف: حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی جس کے پائے ساگوان لکڑی کے تھے۔ حضور ﷺ اس چارپائی پر سویا کرتے تھے۔ جب وصال ہوا تو آپ ﷺ کو اس چارپائی پر رکھا گیا۔ حضور نبی پاک ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وصال کے بعد اسی پر رکھا گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی پر رکھا گیا، پھر لوگ بطور تبرک اپنے مردوں کو اس پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چارپائی بنو امیّہ کے عہد میں میراث عائشۃ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فروخت ہوئی، عبد اللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خرید لیا۔[1231]

یہ صالحین کی چارپائی بطور تبرک رکھنے کی دلیل ہے۔

[1230](بخاری شریف ج ۲ ص ۵۷۰)

[1231](زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن عماد ج ۳ ص ۳۸۲)

حدیث شریف: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر ہمارا گزر وادی حجر سے ہوا تو:

انّ النّاس نزلوا مع رسول اللہ ﷺ ارض ثمود الحجر واستقوا من بئرھا واعتجنوا بہٖ فامرھم رسول اللہ ﷺ ان یّھرقوا ما استقوا من بئرھا وان یّعلفوا الابل العجین وامرھم ان یّستقوا من بئر الّتی کان تردھا النّاقۃ۔[1232]

ترجمہ: لوگ وہاں اترے اور وہاں کے کنوؤں سے لوگوں نے پانی پیا اور اس کے ساتھ آٹا گوندھا تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ اس پانی کو انڈیل دو۔ اور ارض ثمود (وادی حجر) کے کنویں کا پانی نہ پیو اور جو آٹا اس پانی سے گوندھا ہے، اسے اونٹوں کے سامنے ڈال دو اور حکم فرمایا کہ اس کنویں سے پانی لو جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے دوسری روایت ہے جس میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

لمّا مرّ النّبیّ ﷺ بالحجر قال لاتدخلوا مساکن الّذین ظلموا انفسھم ان یّصیبکم ما اصابھم الّا ان تکونوا باکین ثمّ قنع رأسہ واسرع السیر حتّٰی جاز الوادی۔[1233]

جب نبی پاک ﷺ وادی حجر سے گزرے تو فرمایا کہ ان لوگوں کے مکانوں میں جب داخل ہو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تو روتے ہوئے داخل ہو، ایسا نہ ہو کہ وہی عذاب تم پر نازل ہو۔ پھر حضور ﷺ تیز چلے اور وادی کو طے فرمالیا۔

علّامہ ابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی مشہور زمانہ تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" تفسیر قرطبی میں یہی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کے ارشاد سے جہاں یہ

[1232] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۷۸)
[1233] (بخاری ج ۲ ص ۶۳۷)

پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے آثار و دیار کو ترک کرنا چاہیئے، تو اس میں انبیاء کرام اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے۔"

فیہ دلیل علی التبرّک بآثار الصّالحین و ان تقادمت اعصارھم و خفیت آثارھم۔[1234]

یعنی اس میں دلیل ہے آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کی اگرچہ ان کا زمانہ گزر چکا اور ان کے آثار پوشیدہ ہو گئے ہوں۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انّ اللہ لیصلح بصلاح الرّجل المسلم ولدہ و ولد ولدہ و اھل دویرہ و دویرات حولہ و لا یزالون فی حفظ اللہ ما دام فیھم۔[1235]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کی برکت سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے سب گھر والوں کو درست کرتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ خدا کی حفاظت و امان میں رہتے ہیں۔

دوسری روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک مرد صالح کی برکت سے اس کے پڑوس میں سو گھرانوں سے بلاء و عذاب کو دفع فرما دیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کرنے کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

و لو لا دفع اللہ النّاس بعضھم ببعضٍ لفسدت الارض۔

یعنی "اور اگر اللہ تعالیٰ (نیک) لوگوں کی وجہ سے دوسروں سے عذاب دفع نہ کرتا بلکہ ہر بدکاری کی سزا دیتا تو سب زمین خراب ہو جاتی"۔[1236]

[1234] (تفسیر قرطبی سورۃ الحجر)

[1235] (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۷)

[1236] (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۲)

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے ان دو احادیث کو علامہ ابن کثیر سے نقل کرنے کے بعد ان پر اس طرح تبصرہ کیا ہے: "امام التفسیر ابن کثیر نے دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد اگرچہ ان کی تضعیف کی ہے، لیکن اوّل تو فضائل اعمال بحسب تصریح جمہور محدثین حدیث ضعیف مقبول ہے۔ پھر تعددِ طرق سے اس کے ضعف کی مکافات بھی ہوگئی اور مضمون ان احادیث کا قرآن مجید کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔ خلاصہ یہ کہ دیندار اور نیک مسلمان کا وجود سب مسلمانوں کے لئے موجب برکات ہے، خواہ ظاہر میں اس سے نفع حاصل کریں یا نہ کریں۔"[1237]

قاضی زاہد دیوبندی نے اپنی کتاب "رحمتِ کائنات ﷺ" میں لکھا ہے: "اکابر علماء کرام اور اولیاء عظام نے اپنے کفنوں میں بزرگوں کے عطا کردہ کپڑے وغیرہ رکھنے کی وصیت فرمائی ہے۔ اس گناہ گار نے بھی قبر کی راحت کے لئے مندرجہ ذیل تبرکات رکھے ہوئے ہیں:

(۱) غلاف خانہ کعبہ کا ایک ٹکڑا، (۲) اندرون کعبہ کے غلاف کا ایک ٹکڑا۔ (۳) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چغہ مبارک کا ایک ٹکڑا جو آپ کے نواسے حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مورخہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ کو عطا فرمایا تھا۔ (۴) اپنے محبوب آقا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا عطا فرمودہ عربی عبا، (۵) احرام کی چادر، (۶) روضہ مطہرہ کے اندرونی سبز غلاف کا ٹکڑا۔"[1238]

مولوی قاسم نانوتوی بانی دیوبند بھی بزرگوں کے پڑوس میں دفن ہونا باعث برکت سمجھتا ہے:

"خان صاحب نے فرمایا کسی عامی نے حضرت نانوتوی سے پوچھا کہ حضرت یہ جو بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنّا کرتے ہیں، اس سے کیا فائدہ؟ جبکہ نہ کسی کی برائی کام آئے گی نہ کسی کی نیکی کسی

[1237] (کشکول از مفتی محمد شفیع، ص ۴۸-۴۷)
[1238] (قاضی زاھد دیوبندی، رحمت کائنات ص ۱۹۶)

کے کام آئے گی۔ یہ سائل بھرے مجمع میں حضرت کو پنکھا جھل رہا تھا اور پنکھا بہت بڑا تھا۔ حضرت نے فرمایا بھائی تم اس مجمع میں کس کو پنکھا جھل رہے ہو۔ اس نے عرض کیا آپ کو۔ فرمایا کہ ہوا اوروں کو بھی لگ رہی ہے۔ کہا جی ہاں! فرمایا یہ جواب ہے تمہارے سوال کا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جب رحمت اور مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو مقصود تو وہی بزرگ ہوتے ہیں، مگر حسب قرب و بعد پہنچتی ہیں سب آس پاس کو بھی"۔[1239]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: مقاصد حسنہ میں ایک روایت "ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین" نقل کر کے ایک راوی سلیمان بن موسیٰ کو مجروح کر کے کہا ہے: "ولکن لم یزل عمل السلف والخلف علیٰ ھٰذا او مایروی کون المقدسة لا تقدس احدًا انّما قدس المرء عمله فقد ینافیه" یعنی اور ظاہر ہے کہ اس پر سلف و خلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں خواہ کوئی خاص روایت ثابت نہ ہو۔ لان انتفاء الخاص لا یستلزم انتفاء العام۔[1240]

یہی مولوی اشرف علی تھانوی آیت معراج کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے: الّذی برکنا بطور مدح کے بڑھایا ہے اور اس سے خود اس مسجد کا مبارک ہونا بدرجۂ اولیٰ مفہوم ہو گیا کیونکہ جب اس کے آس پاس باوجود نہ ہونے مسجد کے برکت ہے تو خود اس میں تو ضرور برکت ہو گی۔ کیونکہ آس پاس دو قسم کی برکتیں ہیں۔ ایک دنیوی سو اس سے تو دینی برکت ضرور زیادہ ہے اور دوسری دینی کہ مدفن انبیاء ہے، سو دفن ہونا صرف تلبس جسم کا اور قبلہ ہونا جیسا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کا وہ قبلہ رہا ہے، تلبس روح کا ہے، یہ زیادہ موجب برکت ہو گا۔ خصوص جب وہاں ہی رہ کر

[1239](ارواح ثلاثہ ص ۲۸۳)
[1240](ارواح ثلاثہ ص ۲۸۴)

عبادت کریں کہ جسم کا تلبس بھی ہو جاوے گا کیونکہ وہ قبلہ ہونے کے ساتھ اکثر انبیاء کا معبد اور محل عبادت بھی رہا ہے۔ پس اس طرح اس مسجد مبارک کے مبارک تر ہونے پر دلالت ہو گئی۔[1241]

پھر مقامات متبرکہ کے متعلق لکھا ہے: "ان میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے راہ میں بعض مقامات متبرکہ میں نماز پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ مقامات شریفہ میں نماز پڑھنا موجب برکت ہے۔"[1242]

حدیث شریف: امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: **لعنۃاللّٰہ علی الیھود و النّصاریٰ اتّخذوا قبور انبیآئھم مساجدًا۔**[1243]

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

شارحینِ حدیث نے اس کے تحت فرمایا:

کانت الیھود و النّصاری یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانھم ویجعلونھا قبلۃ ویتوجھون فی الصلوۃ نحوھا فاتّخذوھا اوثانًا لعنھم و منع المسلمین عن مثل ذٰلک و نھاھم عنہ امّا من اتّخذ مسجدًا فی جوار صالحٍ او صلّی فی مقبرتہٖ و قصد بہ الاستظھار بروحہٖ او وصول اثر ما من آثار عبادتہٖ الیہ لا التعظیم لہ و التوجہ نحوہ فلا حرج علیہ انتھی کلام الطیبی رحمۃاللّٰہ تعالیٰ علیہ و المرقاۃ و اللمعات نحوہ۔[1244]

ترجمہ: یہود و نصاریٰ انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو ان کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کرتے تھے اور انہیں قبلہ بنا کر ان کی قبور کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ اور انہیں بت بنا کر پوجتے

[1241](نشر الطیب ص ۹۸-۹۷)

[1242](نشر الطیب ص ۹۲)

[1243](بخاری شریف ج ۲ ص ۸۲۵، مشکوٰۃ شریف ص ۶۹، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۰۱)

[1244](حاشیۃ البخاری ج ۲ ص ۸۲۵)

تھے۔اس لئے حضور ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ان کی مثل کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن جس شخص نے صالحین کے جوار میں مسجد بنائی، یا ان کے مقبرہ میں نماز پڑھی اور ان کی روحانیت کے استظہار کا ارادہ کیا اور اس اثر کو حاصل کرنے کے لئے جو صالحین کی عبادت کا ہے، اگر یہ تعظیم یہود و نصاریٰ کی مثل نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

”تبرکات کے لئے یہ سمجھا جائے کہ نیک لوگوں کے تبرکات کو کفن میں شریک کرنا بھی باعث مغفرت ہو سکتا ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ:”سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت کپڑا لے کر حاضر ہوئی اور یہ عرض کیا کہ اس کو جناب خود زیب تن فرماویں مگر ایک آدمی نے (اس یقین پر کہ سید دو عالم ﷺ کسی سائل کو نامراد نہیں فرماتے) آپ ﷺ سے وہ کرتہ مانگ لیا اور ساتھ ہی یہ عرض کیا کہ میں نے یہ کرتہ اس لئے مانگا ہے کہ یہ مبارک کرتہ میرا کفن ہو، چنانچہ وہ کرتہ اس سعادت مند کا کفن ہی ہوا۔“

یہ مبارک واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفن کے لئے کسی متبرک کپڑے کا محفوظ رکھنا اور اسے کفن میں شریک کرنا بہتر امر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا:

”وفیہ التبرک باثار الصالحین“۔[1245]

قال ابن عمر رضی اللہ عنہ فلبس الخاتم بعد النبی ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ والاظہر انہم لبسوھا احیانًا لاجل التبرک بہ۔[1246]

[1245] (فتح الباری ج۳ ص ۱۱۵)

[1246] (مرقات باب الخاتم ج۸، ص ۲۷۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ کے بعد آپ کی انگوٹھی مبارک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبرک کے لئے کبھی کبھی پہنا کرتے تھے۔

وکان عند معاویہ رضی اللہ عنہ ازار رسول اللہ ﷺ ورداءہٖ وقمیصہٖ وشیئٌ من شعرہ واظفارہ فقال کفنونی فی قمیصہ وادرجونی فی ردائہٖ وازرونی بازارہٖ واحشوا منخری وشعری ومواضع السجود من شعرہٖ واظفارہٖ وصلوا بینی وبین ارحم الراحمین۔[1247]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ازار، چادر اور قمیص مبارک تھی اور کچھ موئے مبارک اور ناخن مبارک تھے۔ کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی قمیص مبارک میں کفن دینا اور چادر مبارک میں لپیٹنا اور آپ ﷺ کی ازار مبارک اوڑھا دینا، اور میری ناک کے نتھنوں میں اور بالوں میں اور سجدہ کی جگہوں پر آپ ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن مبارک رکھ دینا، اور نماز جنازہ پڑھ کر مجھے ارحم الرّاحمین (اللہ تعالیٰ) کے سپرد کر دینا۔

اسی طرح روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت وصال یہ وصیت فرمائی "سید دو عالم ﷺ نے مجھ کو جو کُرتا عنایت فرمایا تھا وہ مجھے اس طرح پہنا دینا کہ میرے بدن کے ساتھ چمٹا رہے اور میرے پاس جو سید دو عالم ﷺ کے ناخن مبارک محفوظ ہیں ان کو پیس کر میری

[1247] (عمدة القاری، ج۴ ص ۱۷۰، ج۴ص ۱۷۴، ج۳ ص ۴۷، فیض الباری ج ۱ ص ۲۷۲، ج ۱ ص ۳۳۹، تاریخ ابن ھشام ج ۲ ص ۱۱۲، شفاء ج ۱ ص ۲۲۰، نسیم الریاض ج۳ ص ۱۴۶، شفاء ج ۲ ص ۴۰، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۴۳، مرقات ج ۱ ص ۲۱، فتح الملھم ج ۲ ص ۲۲۳، عالمگیری ص ۱۶۶، تذکرہ ج ۱ ص ۱۰۴۰، البدایۃ ج۴ ص ۳۰۰، البدایۃ ج ۱ ص ۳۹۹، البدایۃ ج ۲ ص ۲۷۳، البدایہ ج ۲ ص ۴۰، البدایۃ ج۶ ص ۱۵۸، البدایہ ج۶ ص ۳۳۴، فتوح الشام ج ۲ ص ۴۰۴، ج ۱ ص ۸۱، ج ۱ ص ۲۰۸، ج ۱ ص ۱۱۶، ج ۲ ص ۶۷، ج ۲ ص ۶۳، ج ۲ ص ۱۴۴، ج ۲ ص ۳۲)

دونوں آنکھوں اور منہ میں ڈال کر مجھے اس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو جو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔"[1248]

حکایاتِ صلحاء اور اقوالِ علماء سے تبرکات کا ثبوت

قرآن پاک کے روشن دلائل اور احادیث مبارکہ کی واضح براہین کے بعد بزرگان دین اور علمائے امت کے فرامین اور تعامل چند حکایات و فرمودات کی صورت میں ہدیۂ ناظرین ہے:

حضرت ابو الحسن خرقانی کا جبّہ اور فتح سومنات

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا مجھے کوئی یادگار عطا کیجئے۔ شیخ نے اپنا پیراہن عطا فرمایا۔ جب محمود واپس ہوا تو شیخ اس کی تعظیم کو اٹھے۔ سلطان نے کہا جس وقت میں آیا تھا آپ نے کچھ التفات نہ کی تھی اور اب تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔ فرمایا کہ تو بادشاہی کی رعونت اور امتحان کی نحوست لے کر آیا تھا اور اب انکساری و درویشی میں جاتا ہے۔ اس لئے میں پہلے تیری بادشاہی کے لئے نہیں اٹھا اور اب تیری درویشی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ غرض سلطان وہاں سے چلا گیا۔

جب سومنات پر چڑھائی کی اور شکست کھائی تو اضطراب کی حالت میں ایک گوشہ میں اترا، اور پیراہن شیخ کو ہاتھ میں لے کر اور پیشانی زمین پر رکھ کر یوں دعا کی:

"الٰہی بآبروئے ایں خرقہ مرا بریں کفار ظفر دہ کہ ہر چہ ازیں جا غنیمت بگیرم بہ درویشاں بدہم"۔

[1248](دلیل الفالحین ج ۲ ص ۵۲۰)(بحوالہ رحمتِ کائنات، ص ۱۹۶-۱۹۵)

"خدایا! اس خرقہ کی آبرو کے صدقہ مجھے ان کافروں پر فتح دے۔ میں یہاں سے جو غنیمت لوں گا درویشوں کو دے دوں گا۔" ناگاہ کفار کی طرف رعد و ظلمت ایسی نمودار ہوئی کہ انہوں نے ایک دوسرے کو تہہ تیغ کیا اور بہت سے پراگندہ ہوگئے۔ اس طرح لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اسی رات محمود نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ فرمارہے ہیں: "اے محمود! تو نے ہمارے خرقہ کی آبرو ضائع کردی اگر تو اس وقت خدا سے دعا کرتا کہ تمام کفار مسلمان ہوجائیں تو تمام مسلمان ہو جاتے۔"[1249]

حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بال مبارک

حضرت میر محمد نعمان سلمہ الرحمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میری لڑکی کی ایک انّا تھی لڑکی نے اسے کئی بار کہا کہ حضرت خواجہ کی مرید بن جاؤ مگر اس نے انکار کیا۔ ایک روز ہم نے ایک تقریب پر لڑکی کو انّا سمیت حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیر خوار لڑکی کو بغل میں لے کر نہایت شفقت کی۔ لڑکی نے حضرت کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک بال اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ لڑکی ہم سے یادگار لے رہی ہے۔

عجیب نظر بین تھی کہ ان ہی ایّام میں حضرت نے انتقال فرمایا اور وہ موئے مبارک بطور تبرک و یادگار باقی رہ گیا۔[1250]

مرا از زلف تو موئے بسند است — فضولی میکنم بوئے بسند است

[1249](تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۶۲، تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۵۰، تذکرۃ الاولیاء ص ۳۸۲)

[1250](تذکرہ مشائخ نقشبند ص ۱۷۷)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور جبّہ غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قیّومیّت کے دوسرے سال شاہ سکندر قادری جو شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے اور خلیفہ تھے، کیتھل سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقۂ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان کے سلسلہ میں بطور امانت چلا آتا تھا۔ آپ کے کندھے پر رکھ دیا آپ اس وقت یاروں کے ساتھ مراقبہ میں تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو شاہ صاحب کی طرف دیکھ کر تواضع سے معانقہ کیا۔ شاہ صاحب نے بیان کیا کہ مجھے معاملہ میں کئی دفعہ میرے دادا شاہ کمال نے حکم فرمایا کہ میرا خرقہ فلاں یعنی آپ کو پہنچا دو۔ اگرچہ ایسے متبرک خرقہ کو گھر سے نکال کر کسی کو دینا میرے لئے مشکل تھا لیکن جب مجھے تاکیدی حکم ملا میں نے ناچار تعمیل کی۔ حضرت اس خرقہ کو پہن کر حرم سرا میں تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد جو نکلے تو بعض محرمانِ اسرار سے کہا کہ اس خرقہ کو پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا۔ جب میں نے اسے پہنا تو حضرت شیخ الجن والانس سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور انکے تمام خلفاء شیخ کمال تک حاضر ہوئے۔ حضرت غوثِ ربّانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے دل کو اپنے تصرف میں کر لیا اور خاص نسبتوں کے انوار و اسرار سے منور کیا۔[1251]

ابتداء و توسط راہ سلوک میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بہت مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بعض زندہ اور بعض وفات شدہ) سے فیض پہنچا تھا۔ لیکن بالاخر ان سب مشائخ کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقام خاص بلند ہو گیا۔ بفضل اللہ تعالیٰ و کرم حبیبہ ﷺ، رہا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول (قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کلّ ولیّ اللہ) تو اس کا

[1251] (تذکرۃ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۰۴، از علامہ نور بخش صاحب توکّلی)

مطلب کمالات ولایت میں ان کے تصرفات ہیں۔ نہ کہ کمالاتِ نبوت میں کہ اپنے زمانے کے اولیاء سے برتری مراد ہے۔ زیادہ تفصیل کے لئے مکتوباتِ امام ربّانی، جلد ا، مکتوب ۲۹۳ کا مطالعہ کریں۔

مجدّد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جبّہ اور جامہ متبرک کے لئے التماس

مولانا محمد امین جو خواجہ دیونہ سورتی کے مریدوں میں سے تھے، مرض شدید میں مبتلا ہو گئے اور مدت تک بیمار رہے نہ دوا سے بیماری میں تخفیف ہوتی تھی نہ دعاء سے۔ حضرت شیخ (مجدد صاحب) کی شہرت سن کر انہوں نے ایک عریضہ خدمت شریف میں ارسال کیا اور دعائے صحت اور جامہ متبرک کے لئے التماس کی حضرت نے ترس کھا کر ایک عنایت نامہ مع پیراہن تبرک بھیجا اس عنایت نامہ میں مرض قلبی کے ازالہ کی تاکید فرما کر آپ نے یوں تحریر فرمایا: "دیگر آنکہ آپ ظاہر کے ضعف کے سبب سے اندیشہ نہ کریں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ضعف صحت وعافیت سے بدل جائیگا۔ فقیر کا دل اس طرف سے مطمئن ہے آپ نے فقیروں کا جامہ طلب کیا تھا پیراہن بھیج دیا گیا آپ اسے پہن کر نتائج وثمرات کے منتظر رہیں کیونکہ یہ بڑی برکت والا ہے۔"

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است　　　　وانکہ دیدش نقد خود مردانست[1252]

چنانچہ مولانا نے وہ پیراہن پہن لیا اور سالوں کی بیماری سے صحت پائی اور حاضر خدمت ہو کر زمرۂ مریدوں میں داخل ہوئے۔[1253]

[1252](مکتوبات دفتر اوّل مکتوب ص ۱۶۲، فارسی، مکتوبات اردو حصّہ سوم دفتر اوّل مکتوب ص ۱۶۲)
[1253](تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۲۱)

وضو کا پانی مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عنایت فرمایا

"وہ پانی جس سے ازالۂ حدث کیا گیا ہو، یا بہ نیت عبادت و ثواب وضو کے لئے استعمال کیا گیا ہو، لوگوں کے لئے اس پانی کا پینا جائز قرار نہ دیں، کیونکہ یہ پانی سیّدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نجاست غلیظہ کا حکم رکھتا ہے، اور فقہاء نے اس پانی کو پینا مکروہ کہا ہے۔ ہاں وضو سے بچے ہوئے پانی کو انہوں نے کہا ہے اگر عقیدت کے طور پر کوئی طلب کرے تو وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے دیں"۔

اس فقیر کو اس دفعہ دہلی میں یہ آزمائش پیش آگئی بعض دوستوں کو واقعہ دکھایا گیا کہ فقیر کے وضو کا مستعمل پانی پیئں ورنہ ضرر عظیم لاحق ہو گا۔ ہر چند اسے اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر تین بار اعضاء کو دھو لینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیت عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں، تو وہ مستعمل نہیں ہو گا، اس حیلہ سے بے نیت قربت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لئے دیا۔[1254]

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کا غلاف

علامہ بدر الدین سرہندی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت شیخ (مجدد قدس سرہ) اجمیر شریف روضہ شریف قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لے گئے تھے۔ بہت دیر تک اس بدر الاولیاء کے مزار پر

[1254](مکتوبات شریف اردو دفتر اوّل مکتوب ص ۲۹)

انوار پر مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو محرمانِ اسرار سے فرمایا کہ حضرت خواجہ نے بہت کچھ اعطاف اور الطاف فرمایا اور اپنے برکات خاصہ کی ضیافت کی اور سخنانِ اسرار کی گفتگو فرمائی اور ہم کو جو یہ کوشش تھی کہ لشکر سلطانی کی ہمراہی سے علیحدٗگی ہو جائے، آپ نے اس سے منع فرمایا اور اسکو رضائے حق پر تفویض کرنے کے لئے حکم دیا۔ اتنے میں مجاوران مرقد منور حضرت خواجہ قدس سرہ چادرِ غلاف شریف قبر شریف حضرت خواجہ کی، کہ ہر سال تازہ آپ کی مزار پر ڈالی جاتی ہے یا سلاطینِ وقت اس کو تبرکاً لے جاتے ہیں اور لعل و زمرد کی طرح صندوق میں کامل تعظیم کے ساتھ محفوظ رکھتے ہیں، بطور تحفہ آنجناب کے پاس لائے اور کہا کہ آپ سے بڑھ کر اس تبرک کا سزاوار اور کوئی نہیں ہے، آپ نے اس کو ادب کے ساتھ لے لیا۔ اور فرمایا کہ حضرت خواجہ کا یہ تبرک ہمارے کفن کے لئے رکھا جائے کہ اس وقت اس کے سوا حضرت خواجہ کے پاس اور کوئی لباس نہ تھا اس لئے اسے ہم کو عطا فرمایا۔[1255]

حضرت خواجہ قادر بخش جہاں خیلی اور تبرکات

میاں ہیرا ساکن غوث گڑھ بیان کرتا ہے: ایک مرتبہ حضرت خواجہ ہمارے گاؤں میں تشریف لائے، آپ کے ساتھ تیس چالیس درویش تھے، کئی آدمیوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعوت کی، جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واپس ہونے کے لئے تیار ہوئے تو رات کو میں تنگدستی کی وجہ سے بہت رویا، دل میں کہتا تھا کہ آج میرے پاس کچھ ہوتا تو میں بھی حضرت کی دعوت کرتا۔ صبح کو حضرت نے بلا کر مجھے فرمایا کہ تیرے گھر میں کچھ ہے بھی۔ عرض کیا حضور پانچ سیر آٹا ادھار لایا تھا، جس میں سے آدھا کھا لیا اور اڑھائی سیر باقی ہے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جا اسی کو پکا لے،

[1255] (حضرات القدس جلد دوم ص ۸۰، ۷۹)

میں نے عرض کیا حضرت! تیس چالیس آدمی ہیں، اڑھائی سیر سے کیا ہو گا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوبارہ فرمایا میں نے وہی جواب دیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تجھے اس سے کیا مطلب تم اسی کو پکالو حسب الارشاد میں نے اڑھائی سیر آٹے کی پتلی پتلی روٹیاں پکوائیں اور ماش کی دال تیار کروائی۔ جب حضرت مع خدّام غریب خانہ میں تشریف لائے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وضو کیا اور فرمایا تم بھی وضو کر لو، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی چادر مبارک دال روٹیوں پر ڈال دی۔ میں نے اس میں سے پہلے حضرت کے تمام درویشوں کو کھلایا۔ بعد ازاں اپنے متعلقین اور دیگر پیر بھائیوں کو کھلایا۔

فارغ ہو کر کپڑا جو اٹھایا تو اسی قدر روٹیاں موجود تھیں جتنی پکائی تھیں، بعد ازاں حضرت نے مجھے چادر اور اپنا کرتہ مبارک اتار کر دیا، فرمایا اسے اپنے پاس رکھنا، جب تک یہ تیرے گھر میں ہونگے، تجھے معاش کی تنگی نہ ہو گی۔ اس وقت میرے پاس صرف دو بیل گاڑی کے تھے، ان تبرکات کی برکت سے دو سال کے اندر تیس چالیس بیل اور پانچ چھ نوکر ہو گئے۔ پھر میں نے زمین بھی خریدی۔ لوگ مجھے ادب سے پکارنے لگے اور حکام وقت بھی عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ وہ تبرکات اب تک میرے گھر میں ہیں۔[1256]

شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جبّہ مبارک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد کے واقعات میں لکھتے ہیں:

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے اجمالاً بتایا گیا کہ آج تمہیں ایک نعمت ملے گی۔ میں سیر کیلئے نکلا۔ شہر کے ایک حصّے میں میرے دل نے گواہی دی کہ تیرا

[1256] (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۶۳)

مطلوب اس جگہ ہے۔ میں نے پوچھا یہاں کوئی درویش یا فاضل شخص ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں فلاں درویش اس جگہ رہتا ہے۔ میں اس کی ملاقات کیلئے گیا۔ اس نے کہا حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جبّہ مبارک مجھے تبرک ملا ہے اور آج رات مجھے حکم ہوا ہے کہ آج جو شخص تمہارے پاس آئے یہ تبرک اس کو دے دو۔ میں نے وہ جبّہ لے کر خدا کا شکر ادا کیا۔[1257]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد شاہ عبد الرحیم کی زبانی بیان فرماتے ہیں: ”فرماتے تھے ماہ رمضان میں ایک دن میں نے سخت مشقت کی جس کی وجہ سے مجھ پر سخت کمزوری طاری ہو گئی۔ قریب تھا کہ میں اس بنا پر افطار کر دیتا اور فضیلت صوم کے فوت ہونے کا مجھے بہت غم ہوا۔ اس اندوہ میں مجھے نیند آگئی میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ ﷺ نے بہت لذیذ اور خوشبو دار کھانا جسے ہندی میں زردہ پلاؤ کہتے ہیں، عنایت فرمایا میں نے سیر ہو کر کھایا پھر بہت ہی لطیف ٹھنڈا پانی عنایت فرمایا میں نے سیر ہو کر پیا۔ پھر میں بیدار ہو گیا، بھوک اور پیاس تمام زائل ہو چکی تھی اور سیر شکمی حاصل ہو گئی تھی میرے ہاتھوں میں ابھی تک زعفران کی خوشبو باقی تھی، بعض عقیدت مندوں نے اسے احتیاط سے دھو کر رکھ لیا اور برکت کے طور پر اس سے روزہ افطار کیا“۔[1258]

تبرک کے حصول پر دعوت کا اہتمام

یہی شاہ صاحب رحمہ اللہ، حضرت ابو القاسم اکبر آبادی کی کرامت کے ذیل میں فرماتے ہیں: ”ان کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ حرم شریف میں ایک شخص کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ٹوپی اپنے آباواجداد سے ملی تھی، اور وہاں اس کی وجہ سے بہت محترم و

[1257](انفاس العارفین ص ۷۰، ۶۹)

[1258](انفاس العارفین ص ۷۱، درثمین ص ۹۱)

مکرم تھا۔ ایک رات خواب میں اس نے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا فرماتے تھے کہ ٹوپی ابو القاسم اکبر آبادی کو دے دو اس شخص کے دل میں خیال گزرا کہ اس شخص کی تخصیص میں کوئی حکمت ہے، امتحان کے طور پر ایک قیمتی جبّہ اس کے ساتھ ملا دیا اور پوچھتے پچھاتے آپ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کی کہ یہ دونوں تبرک حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں انہوں نے مجھے خواب میں فرمایا کہ ان کو ابو القاسم اکبر آبادی کو دے دو۔ اور ان کو آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے قبول فرمایا اور بہت خوش ہوئے۔ اس شخص نے کہا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے، اس کے شکرانے میں کافی کھانا تیار کیجئے اور روساء شہر کی دعوت کیجئے۔ فرمایا کل آپ تشریف لائیں، اور جس شخص کو چاہیں مدعو کریں، میں کھانا کافی تیار کروں گا۔ علی الصباح وہ شخص رؤساء شہر کے ساتھ آیا اور کافی طعام تناول کیا اور فاتحہ پڑھی۔ دعوت کے بعد انہوں نے پوچھا کہ آپ متوکل آدمی ہیں اور ظاہری اسباب نہیں ہیں، اس قدر طعام کیسے تیار ہو گیا۔ فرمایا ہم نے جبّہ کو فروخت کر دیا اور ضروریات خرید لیں۔ وہ شخص چلایا کہ میں نے اس فقیر کو اہل سمجھا تھا مگر یہ تو فریبی نکلا اس نے ان تبرکات کی قدر نہیں پہچانی۔ فرمایا شور مت کرو۔ جو تبرک تھا، اس کو میں نے محفوظ کر لیا ہے۔ اور جو چیز تبرک نہیں تھی بلکہ امتحان تھی، اسے فروخت کر دیا ہے اور اس کی ضیافت اور شکرانے کا سامان خرید لیا ہے۔ وہ واقعہ سے آگاہ ہوا اور تمام اہل مجلس سے حقیقت حال بیان کی۔ تمام نے کہا الحمدللہ تبرک اس کے حقدار کو مل گیا۔"[1259]

[1259] (انفاس العارفین ص ۵۳، ۵۲)

عصاء کی برکت

ایک مرتبہ ڈاکوؤں نے ارادہ کیا کہ شیخ رفیع الدین محمد کے گھر کو لوٹ لیں۔ اس غرض کے لئے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو گئے اور ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ آمد و رفت کا راستہ معلوم کر کے آئے اور اہل خانہ کی حالت بھی دیکھ لے۔ وہ جاسوس جب ان کے گھر پہنچا تو اندھا ہو گیا اور ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ جس کی وجہ سے اہل خانہ جاگ گئے اور چراغ کی روشنی میں تمام حقیقت معلوم کر لی۔ شیخ نے طبعی مہربانی سے کہا اس سے کوئی تعرض نہ کرے اور اسے کہو کہ وہ چلا جائے۔ اس نے کہا کیسے جاؤں، کہ بصارت نہیں ہے اور نہ چلنے کے طاقت ہے۔ شیخ اس کے پاس آئے اور اپنے عصاء کو ان کی آنکھوں اور گھٹنوں پر لگایا، اس کی برکت سے اس نے اس مصیبت سے نجات پائی اور وہ اپنی جماعت سے جاملا۔"[1260]

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی اور تبرکات

مولوی رشید احمد گنگوہی کے سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا ہے "حضرت مولوی رشید احمد گنگوہی تبرکات کے نہایت قدردان تھے۔ حق تعالیٰ نے تبرکات بھی وہ عطا کئے تھے جن کا دوسری جگہ وجود نہ تھا۔ مقام ابراہیم علیہ السلام جس کی زیارت سے حرم محترم میں ہزارہا لوگ محروم رہتے ہیں، اگر زیارت ہوتی ہے تو عموماً رشوت دے کر جو کہ معصیت ہے۔ اس کا ٹکڑا آپ کے پاس تھا۔ جس کو خدام کی خواہش پر آپ صندوقچی سے نکالتے اور پانی میں ڈال کر پانی کو مجمع پر تقسیم کرادیا کرتے تھے۔ اس انمول تبرک کی آپ کو اس درجہ محبت اور قدر تھی کہ کبھی معتبر سے معتبر خادم کے بھی حوالہ نہیں کرتے فرمایا۔ جس وقت آپ اس کی زیارت کراتے تو مسرّت سے باغ باغ ہو جاتے

[1260] (انفاس العارفین ص ۲۶۲)

تھے۔ بمقتضائے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (الضحی ۱۱) آپ نے بارہا یہ الفاظ فرمائے کہ مجھے حق تعالیٰ نے وہ شیء عطا فرمائی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ آپ کے پاس بیت اللہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً کی مقدس چوکھٹ کا چھوٹا سا ایک ٹکڑا بھی تھا اس کی محبت اور قدر دانی بھی اس درجہ کی تھی بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔

"اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا عطا فرمایا ہوا جبّہ بھی آپ کے پاس تھا یہ بھی اسی تبرک کے صندوقچہ میں رہتا تھا۔ جس وقت آپ اس کو نکالتے تو اوّل خود دست مبارک میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگاتے اور پھر یکے بعد دیگرے دوسروں کو سر پر رکھنے کا موقع عطا فرماتے۔ اس وقت آپ پر خاص کیفیت ظاہر ہوتی، اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس کو کئی سال حضرت نے پہنا اور پھر مجھ کو خصوصیت کے ساتھ عطا فرمایا تھا۔ جو شخص لے کر آیا تھا، اس سے یوں کہلا کر بھیجا تھا کہ اس کو پہننا سو کبھی کبھی تعمیل ارشاد کو پہنا کرتا ہوں، تبرک ہے رکھ چھوڑا ہے۔"[1261]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے امداد المشتاق میں تحریر کیا کہ: "حضرت قدس سرہ کے ملبوس کو اتنا بابرکت سمجھنا شہادت عظمٰی ہے۔"[1262]

ناظرین کرام: غور فرمائیں مولوی رشید احمد گنگوہی کے پاس جو تبرکات تھے، مثلاً مقام ابراہیم علیہ السلام کا ٹکڑا اور بیت اللہ شریف کی چوکھٹ کا ٹکڑا، ان کے اصلی ہونے کی کیا دلیل تھی۔ اور پھر ان تبرکات کی زیارت کراتے ہوئے مولوی صاحب ایک خاص کیفیت پاتے اور باغ باغ ہو جایا کرتے تھے۔ بشمول حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے جبّہ کے ان تبرکات کو لے کر پہلے اپنی آنکھوں سے لگاتے اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے اوروں کو عطاء فرماتے۔ ایک طرف خود تبرکات کی زیارت کا

[1261](تذکرۃ الرشید ج۲ ص۱۶۷، ۱۶۸)
[1262](امدادالمشتاق ص۱۹۲)

اہتمام ہے اور دوسری طرف یہی حضرات اہل اللہ کے تبرکات کو جعلی بتا کر لوگوں کو ان کی زیارت سے منع کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں، مولوی اسماعیل دہلوی کا واقعہ مولوی اشرف علی تھانوی نے تحریر کیا ہے: ''خان صاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا اسماعیل صاحب شہید دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔ مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے۔ یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے یہ کہا کہ مولانا کیا کر رہے ہیں؟ اٹھیے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی تعظیم کیجئے۔ مولانا اس پر بھی نہ اٹھے۔ اس پر لوگوں کو اور اشتعال آیا اور انہوں نے سختی سے کہا۔ اس پر مولانا نے فرمایا اوّل تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں، پھر میں اس وقت بحیثیت نیابت رسول اللہ ﷺ فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں۔ لہٰذا میں نہیں اٹھ سکتا ہوں۔ اس جواب کو سن کر شور و شغف اور فساد تک نوبت پہنچی مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی تھے اس لئے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصّہ رہ گیا۔''[1263]

قبر میں تبرکات مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اور تبرکات کے متعلق گنگوہی سے استفسار

''حضرت مولانا اشرف تھانوی مدظلہ نے ایک بار دریافت کیا۔ حضرت قبر میں شجرہ رکھنا جائز ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا ہاں! مگر میت کے کفن میں نہ رکھے، طاق کھود کر رکھ دے۔ اس پر مولانا نے عرض کیا اس سے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کوئی مرید تھے انکے پاس شاہ صاحب کا جوتا تھا۔

[1263](ارواح ثلاثہ ص ۷۷)

انتقال کے وقت وصیت کی کہ یہ جوتے میری قبر میں رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ حسب وصیت رکھ دیئے گئے اس پر شاہ صاحب سے مولوی نذیر حسین وغیرہ نے استہزاءً کہا، کہیے جوتوں میں کتنا غلیظ لگا ہوا تھا اور کوئی پوچھتا کتنا کیچڑ تھا، اس پر شاہ صاحب نے فرمایا اگر یہ فعل ناجائز تھا تو ہمیں دلیل سے سمجھا دیتے، استہزاء اور تمسخر کی کیا حاجت تھی، سو اب تم لوگوں کے پاس بیٹھو۔ میں کبھی بھی نہیں بیٹھوں گا۔ اور دستور یہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد یہ لوگ مسجد میں بیٹھا کرتے تھے۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے کسی شاگرد نے "ضرب النّعال علی رؤس الجهال" رسالہ لکھا۔ اس میں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت کیا کہ تبرکات بزرگاں کو قبر میں لے جانا جائز ہے، اس رسالہ کو دیکھ کر منکرین ناکام ہوئے۔"[1264]

مفتی محمّد شفیع صاحب دیوبندی کے کفن میں تبرکات

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی وفات پر ماہنامہ "البلاغ" کا خصوصی نمبر شائع کیا گیا۔ ایک مضمون بعنوان "والد ماجد کے آخری شب و روز" میں مفتی صاحب کے صاحبزادہ ولی رازی صاحب لکھتے ہیں: "وصیت کے مطابق مسنون طریقہ سے کفن دیا گیا اور تبرکات کفن میں حسب ہدایت شامل کی گئیں۔"[1265]

قبر کی مٹی میں شفاء

مولوی اشرف علی تھانوی نے، مولوی محمد یعقوب کی کرامت ان کے صاحبزادے کی زبانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑا بخار کی کثرت ہوئی سو جو شخص مولانا کی قبر

[1264] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۹۰)

[1265] (ماهنامه, البلاغ خصوصی نمبر ص ۳۴۳)

سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے آرام آجاتا۔ بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم، کئی مرتبہ ڈلوا چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحب زادہ بہت تیز مزاج تھے) "آپ کی تو کرامت ہو گئی، اور ہماری مصیبت ہو گئی! یاد رکھو، کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے۔ ایسے ہی پڑے رہیو! لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔ بس اسی دن سے پھر آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔[1266]

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی　　　وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں ہے

مزارات اولیاء پر حاضری اور وہاں ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں کرنے والوں پر کفر و شرک کا فتویٰ لگانے والوں کا خود اپنے گھر میں کیا حال ہے کہ مزارات کی خاک کو شفاء سمجھ کر لوگ لے جاتے رہے اور شفا پاتے رہے۔

خانقاہ کا ادب و احترام

مولوی اشرف تھانوی مولوی رشید گنگوہی کی زبانی لکھتا ہے: "خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ جب ابتداً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ جنگل میں جاتا تھا، کہ شیخ کی جگہ ہے، حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔"[1267]

[1266] (ارواح ثلاثہ ص ۳۷۵، حکایت ص ۳۶۶)
[1267] (ارواح ثلاثہ ص ۳۴۹)

اللہ اکبر! بغداد شریف، اجمیر شریف، داتا دربار اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات اور وہاں کی خانقاہوں کا ادب شرک قرار پائے اور خود اپنی خانقاہوں کا اس درجہ ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھا جائے!

آستانہ کی خاک کونین کی بہار

مزید ملاحظہ فرمائیں: مولوی نجم الدین اصلاحی نے شیخ الاسلام نمبر میں لکھا ہے: ”اور بعض اہل اللہ کی زندگی میں ہم کو حسینی تابش اور مدنی جھلک بھی نظر آئی اور ہم نے اس ذات مجسم الصفات کو اللہ تعالیٰ کی دین سمجھ کر اس کے آستانے کی خاک کو اپنے لئے کونین کی بہار اور دنیا و مافیہا کا خلاصہ سمجھا اور اس راہ میں کھونا ہی اگر پانا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے دربار گہر بار سے محروم نہیں رہے۔“[1268]

مدینہ منورہ کا درخت

”مہمان خانہ کے صحن میں ایک درخت تھا جس میں نہایت خوشبودار زرد پھول لگتے تھے۔ صورت میں وہ بالکل ببول کے مشابہ تھا۔ (حضرت مولانا حسین احمد) وہ درخت مدینہ طیبہ سے لائے تھے اور بڑے شوق اور چاہت سے اس کے نیچے بیٹھتے تھے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس جنس کا درخت تھا جس کے نیچے وہ عظیم الشان بیعت ہوئی تھی جس کو اسلامی تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اب وہ درخت تو ختم ہو گیا لیکن شہر اور دارالعلوم میں اس نسل کے کئی اور درخت لگے ہوئے ہیں۔“

[1268] (شیخ الاسلام نمبر ص ۴۳، بحوالہ کون کے آنسو)

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اور تبرکات

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نشر الطیب میں قصیدہ بردہ شریف کے برکات میں لکھتے ہیں:

"عطر الوردہ میں قصیدہ بردہ کے برکات میں لکھا ہے کہ صاحب قصیدہ بردہ یعنی امام ابو عبد اللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بوصیری قدس سرّہ کو فالج ہو گیا تھا جس سے نصف بدن بیکار ہو گیا تھا۔ انہوں نے بالہامِ ربّانی یہ قصیدہ تصنیف کیا اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیر دیا، یہ فوراً اشفاء یاب ہو گئے اور یہ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ ایک درویش سے ملاقات ہوئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھے وہ قصیدہ سنا دیجئے جو آپ نے مدح نبوی ﷺ میں لکھا ہے۔ انہوں نے پوچھا کون سا قصیدہ، اس نے کہا جس کے اوّل میں یہ ہے:

"امن تذکر جیرانٍ بذی سلم"

ان کو تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔ اس درویش نے کہا واللہ میں نے اس وقت سنا جب کہ یہ حضور ﷺ کی خدمت میں پڑھا جارہا تھا اور آپ ﷺ خوش ہو رہے تھے، سو انہوں نے یہ قصیدہ اس درویش کو دے دیا اور اس قصّہ کی شہرت ہو گئی اور شدہ شدہ یہ خبر صاحب بہاؤالدین وزیر ملک ظاہر کو پہنچی، اس نے نقل کرایا اور اس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور انہوں نے بڑے بڑے آثار اس کے اپنے دنیوی و دینی امور میں دیکھے اور سعد الدین خارقی جو کہ توقیع نگار وزیر مذکور کا تھا، آشوب چشم میں مبتلا ہوا، یہاں تک کہ آنکھیں جاتی رہیں، کسی نے خواب میں کہا اور بیٹھے بیٹھے اس کو پڑھا فی الفور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفاء بخشی اور "رسالہ نیل الشفاء" مولفہ احقر میں حضور ﷺ کا نقشہ نعل شریف کے برکات و خواص مذکور ہیں۔ جب صرف

ان الفاظ میں جو کہ آپ ﷺ کے معنی اور مدح کی صورت و مثال ہیں اور پھر ان نقوش میں جو کہ ان الفاظ پر دال ہیں اور اس ملبوس میں جو کہ آپ ﷺ کے نعال اور پھر ان کے نقشوں میں جو کہ ان نعال کی تمثال ہیں، یہ دولتہائے لازوال اور نعمتہائے بے مثال ہیں سو خود آپ ﷺ کی ذات مجمع الکمالات اور اسمائے جامع البرکات سے توسّل کرنا اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا کیا کچھ نہ ہو گا۔

نامِ احمد ﷺ چوں چنیں یاری کند — تا کہ نورش چوں مددگاری کند

نامِ احمد چوں حصارِ شد حصین — تا چہ باشد ذاتِ آں روح الامین

مولوی ارسلان اختر میمن دیوبندی نے "تبرکات نبوی ﷺ" میں لکھا ہے:

"محمد بوصیری (۶۹۴-۶۰۸ھ) نے بھی اپنی بیماری کے دوران قصیدہ لکھا۔ خواب میں حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ ﷺ نے دست شفقت ان کے مفلوج جسم پر پھیرا اور ردائے مبارک عطا فرمائی۔ بنابریں بوصیری صحت یاب ہوگئے، اسے قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔ اس کے ۱۶۲ شعار ہیں۔"

نقشۂ نعلین شریفین سے توسّل و شفاء

مولوی اشرف علی تھانوی نے نبی پاک ﷺ کی نعلین شریفین کی مدح و توسل اور شفاء حاصل کرنے میں ایک رسالہ بنام "نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ ﷺ" تحریر کیا ہے۔ اس رسالہ میں مولوی صاحب نے لکھا ہے: "بعد الحمد والصلوۃ یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کے کثرت معاصی سے جو کچھ بلیّات صوریہ اور معنویہ ہے، ظاہر ہے اس کا علاج بجز اصلاح اعمال و توبہ و استغفار کے کچھ نہیں ہے مگر ہم لوگوں کے قلب و زباں کی جو کیفیت ہے معلوم ہے،

البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضور قلب بھی میسر آسکتا ہے اور امید قبول بھی قریب ہے۔ منجملہ ان وسائل کے بتجربۂ بزرگان دین نقشہ نعل مقدس حضور سرور دو عالم فخر آدم ﷺ نہایت قوی البرکت سریع الاثر پایا گیا ہے۔

اس لئے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی کہ **تمثال خیر النعال ﷺ صاحبہ فوق عدد الرمال۔** حسب روایت امام زین الدین عراقی محدث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسل سے اپنی حاجات و معروضات جناب باری تعالیٰ میں قبول کرائیں اس نقشہ شریف کے آثار و خواص و فضائل کو کون شمار میں لا سکتا ہے۔ مگر اس مقام پر نہایت اختصار کے ساتھ کتبِ معتبرہ علمائے محدثین و محققین سے چند برکات اور کچھ ابیات مشتمل بر ذوق و شوق نقل کئے جاتے ہیں جن کے پڑھنے سے حضور ﷺ کے ساتھ تعشق اور محبت پیدا ہو اور بوجہ غلبۂ محبت بلا تکلّف آپ کا اتباع نصیب ہو جو اصل مقصود اور سرمایۂ نجاتِ دنیوی اور اخروی ہے۔

طریق توسل

بہتر ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر وضو کر کے تہجد جس قدر ہو سکے پڑھے، اس کے بعد گیارہ بار درود شریف، گیارہ بار کلمہ طیّبہ، گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقشہ کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع تمام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الٰہی! میں جس مقدس پیغمبر ﷺ کے نقشۂ نعل شریف کو لیے ہوں ان کا ادنیٰ درجہ غلام ہوں۔ الٰہی! اس نسبتِ غلامی پر نظر فرما کر بہ برکت اس نعلین شریفین کے میری حاجت پوری فرمائیے۔

مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر سر سے اس کو اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بہ محبت بوسہ دے، اشعار ذوق و شوق بغرض از دیاد عشقِ محمّدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پڑھے ان شاء اللہ تعالیٰ عجیب کیفیت پائے گا۔

پھر اس کے بعد نعل شریف کے توسل سے کئی مریضوں کا شفاء یاب ہونا، اس کی برکت سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرف ہونا، جو شخص ان کو تبرکاً پاس رکھے، ظالموں کے ظلم سے اور حاسدوں کے حسد سے اور نظر بد سے محفوظ رہے گا وغیرہ وغیرہ۔"[1269]

ہو ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں — زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعان کا

ماہنامہ تحفظ، مئی ۲۰۱۱ء میں ابو سعید محمد نوید ضیاء المدنی لکھتے ہیں:

"کیا نقش نعلین پاک متبرک ہے؟

عشق کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ جس سے ہو جائے اس سے نسبت رکھنے والی ہر شے محبوب ہوتی ہے خواہ عشق حقیقی ہو یا مجازی۔ یہی وجہ ہے کہ سرور دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عشق و محبت کا دم بھرنے والے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نسبت رکھنے والے شہر مقدس، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رفقاء یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آل پاک اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنن سے محبت و وارفتگی رکھتے ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبارک قدموں سے لگنے والے پاپوش یعنی نعلین مبارک ان کے سروں کا تاج ہے۔

[1269] (نیل الشفاء بنعل المصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملحقہ زاد السعید ص ۶۳ تا ۶۶)

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جو سر پر رکھنے کو مل جائے نعلین پاک حضور ﷺ
تو پھر کہیں گے کہ تاجدار ہم بھی ہیں

(مولانا حسن رضا خان علیہ الرحمہ)

اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عرض گزار ہیں:

ذرے جھڑ کے تیری پیزاروں کے
تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

(حدائق بخشش)

جس طرح عشاق کو اپنے آقا ﷺ کے اظہار کا بس موقع ہی ملنا چاہیئے بعینہ اسی طرح مخالفین بھی ان پروانہ شمع رسالت پر ان کے عشق کے باعث اعتراض کرنے کا موقع ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ماہ ربیع الاول میں چونکہ مولود نبوت جوش و خروش سے منایا جاتا ہے اور مسلمان اپنے نبی ﷺ کے عشق کی خاطر نعلین پاک کا نقش اپنے سروں اور دلوں پر آویزاں کرتے ہیں۔

یہ منکرین کو رنج میں ڈالتا ہے ایسے ہی مواقع پر قرآن پاک کا کیا خوب ارشاد مسلمانوں سے ہے چنانچہ ارشاد خداوندی عزوجل ہے:

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ (آل عمران ۱۲۰)

ترجمہ: اگر تم (مسلمانوں) کو کوئی چھوٹی سی بھلائی بھی پہنچے تو انہیں (منافقین کو) بری لگتی ہے۔

معلوم چلا کہ مسلمانوں کو خوشی ملنے پر غم کرنا منافقین کا طریقہ ہے۔ یہ تو نقش و عکس کی بات ہے ہم صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ انہیں اس سے والہانہ کس قدر محبت و الفت تھی۔ آخر میں اس کی برکات و فوائد اور معاندین کے بے تکے اعتراضات کے جوابات بھی قلمبند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

امام احمد المقری التلمسانی علیہ الرحمہ اپنی تصنیف . میں تحریر فرماتے ہیں، محمد بن یحیی حضرت قاسم سے بیان کرتے ہیں:-جب نبی کریم ﷺ بیٹھتے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو جاتے اور آپ ﷺ کے نعلین مبارک پاؤں سے اتارتے اور اپنی آستین میں چھپا لیتے اور جب آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تو نعلین پہناتے اور آپ ﷺ کے ساتھ عصا پکڑ کر چلتے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ حجرہ مبارک میں داخل ہو جاتے۔[1270]

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحب النعلین کا لقب حاصل ہے۔ امام احمد مقری علیہ الرحمہ اسی صفحہ پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ایک جماعت جن میں ابن سعد بھی ہیں، نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کے کفش بردار اور دیگر اشیاء سنبھالنے اور اٹھانے والے تھے۔(صفحہ ۱۷۱)

"ضیاء النبی ﷺ"میں پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ جلد ۵ ص۵۸۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضور ﷺ کے پاپوش بردار تھے۔

مسند احمد ابو یعلی، ابن حبان اور مستدرک میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو معانی قرآن پر اس طرح جہاد کرے گا جس طرح میں نے اس کے نزول پر کیا ہے؟ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا وہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا کیا وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ فرمایا نہیں۔ اس کے بعد فرمایا یہ کام **خاصف النعل** ہی کریں گے۔[1271]

[1270] (فتح المتعال فی مدح النعال ص ۱۷۱)

[1271] (فتح المتعال فی مدح النعال مترجم ص ۳)

خاصف النعال یعنی جوتے گانٹھنے والے ، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے نعلین شریف گانٹھا کرتے تھے اس لئے یہ لقب ان کے حصہ میں آیا۔یوں تو خدمت اقدس میں عموماً صحابہ کرام حاضر رہتے تھے مگر حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت انس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاص نعلین شریفین کے خدمت گزار تھے یہ تو نعلین پاک کی اصل کے متعلق چند کلمات حوالہ قرطاس کئے۔اب چند سطور نعلین پاک کے نقش وعکس وشبیہ کے متعلق بھی تحریر کی جاتی ہیں۔

بڑے بڑے فضلاء نے نعلین شریفین کے نقش کی برکتوں کے بارے میں مستقل تالیفات کی ہیں۔ابو جعفر احمد بن عبد المجید جو کہ اپنے زمانہ کے بڑے نیک بزرگ گزرے ہیں، فرماتے ہیں: میں نے ایک طالب علم کو نعلین شریفین کا نقشہ دیا۔ایک دن وہ آیا اور اس نے بتایا کہ میں نے کل رات اس نقش کی برکت کو خود ملاحظہ کیا۔میری بیوی کو شدید درد ہوا۔ قریب تھا کہ وہ جان دے دیتی۔ میں نے اسی نعل شریف کا نقش اس جگہ رکھا جہاں درد ہو رہا تھا۔میں نے عرض کی اللھمّ ارنی برکۃ صاحب ھذا النعل یعنی یا اللہ مجھے اس نعل شریف والے کی برکتیں عطا فرما تو اسی وقت وہ تندرست ہو گئی۔

امام ابو اسحاق سلمی الاندلسی جو ابن الحاج کے نام سے معروف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ابو القاسم بن محمد نے فرمایا کہ اس کی برکت تجربات سے پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے جو شخص اس سے تبرک حاصل کرنے کے لئے اسے پکڑتا ہے، تو باغیوں کی بغاوت اور دشمنوں کے غلبہ پانے سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ عورت جسے زچگی کی تکلیف ہو، اگر وہ اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لے تو اس کی یہ تکلیف دور ہو جاتی ہے۔اور بچہ بفضلہ تعالیٰ آسانی سے ہو جاتا ہے۔

امام ابو بکر قرطبی علیہ الرحمہ نے اس کی تمثال کی برکات کے بارے میں پورا قصیدہ نقل کیا ہے۔اس کے تین اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

فضعھا علی اعلیٰ المفارق انھا — حقیقتھا تاج وصورتھا نعل
باخمص خیر الخلق حازت مزیة — علی التاج حتی باھت المفرق الرجل
شفاء لذی سقم رجاء لبآئس — امان لذی خوف کذا یحسب الفضل

ترجمہ: اس کو اپنے سر کی چوٹیوں پر رکھو۔ حقیقت میں یہ تاج سلطانی ہے۔ اگرچہ اس کی صورت جوتے کی سی ہے، یہ وہ نعل شریف ہے جسے خیر الخلق کے پاؤں کے تلوے کے ساتھ لگنے سے تاج پر بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔ یہاں تک کہ وہ پاؤں سروں پر فضیلت لے گئے۔ یہ بیماری کے لئے شفاء کا پیغام ہے۔مایوسی کے لئے امید کی کرن ہے۔خوفزدہ کے لئے امان کا پیغام ہے اور اسی طرح اس نعلین شریفین کے نقش کے فضائل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[1272]

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے فرمایا:

یا شبہ نعل المصطفی روحی الفداء — لمحلک الاسمی الشریف العالی

”اے نعل مصطفی ﷺ کی شبیہ میری روح تجھ پر قربان وفدا ہو تیرے اشرف واعلیٰ مرتبہ و مقام کے سبب۔“

شیخ فتح اللہ البیلونی الحلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

یا مثالا لنعل خیر البرایا — بک نستدفع العنا والبلایا
بک نرجو الشفا من کل داء — بک نستمنح الالٰہ العطایا
لک یا مثل نعلہ مثل ما کان — لھا من فضیلة ومزایا
وکفی شاھدا لذلک ما — یطھر للعین مبصرا فی المرایا

[1272] (ضیاء النبی ج۵ ص ۲۰۳، ۲۰۴، ضیاء القرآن پبلشرز لاہور)

ترجمہ: "اے افضل مخلوق کے نعل مبارک کی مثال! تیرے ذریعہ ہم تکلیفوں اور بلاؤں کو دور کرتے ہیں، تیرے واسطہ سے ہم ہر بیماری سے شفا کی امید رکھتے ہیں اور تیرے وسیلہ سے ہم معبود کے عطیات کو چاہتے ہیں۔ اے حضور ﷺ کے نعلین کی مثال تیری بھی وہی فضیلت اور خصوصیت ہے جو نعلین مبارک کو حاصل ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آنکھ آئینہ میں دیکھنے والے ہی کو دیکھتی ہے۔"

امام ابو الخیر محمد بن محمد الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یا طالبا تمثال نعل نبیه — ها قد وجدت الی اللقاء سبیلا

من یدعی الحب الصحیح فانه — یثبت علی ما یدعیه دلیلا

ترجمہ: اے اپنے نبی ﷺ کے نعل مبارک کی مثال کے طالب! آگاہ ہو جا، تو نے محبوب کی ملاقات کی راہ پالی ہے جو صحیح محبت کا دعوی کرتا ہے وہ اپنے دعوی کو دلیل سے ثابت کرتا ہے۔[1273]

"مجموعہ رسائل فضل رسول" میں لکھا ہے:

"محدث مغرب علامہ فاسی "مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات" میں لکھتے ہیں: پھر مؤلف (دلائل الخیرات) نے اپنے شیخ حضرت تاج الدین الفاکہانی کی موافقت و متابعت میں اسمائے مبارکہ کے بعد روضۂ مبارک اور قبور مقدسہ کی صفت بیان کی ہے، شیخ تاج الدین الفاکہانی نے اپنی کتاب الفجر المنیر میں قبور مقدسہ کی صفت میں ایک باب باندھا ہے۔

"اس کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص روضۂ مقدسہ کی زیارت پر قادر نہ ہو وہ اس کی مثال مبارک کی زیارت کرے اور شوق و جذبہ کے ساتھ اس کا دیدار کرے، لوگوں نے مثالِ نعل کو نعل مبارک کا قائم مقام بتایا ہے اور اس کی ایسی تعظیم و تکریم کی جیسی اصل نعل مبارک کی کی جاتی

[1273] (بحوالہ مجموعہ رسائل فضل رسول، ص ۲۲۰)

ہے اور اس کی مجرب برکتوں اور خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے اور اس کی شان میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔"[1274]

"خاتمہ: یارسول اللہ ﷺ میں مضطر و مضطرب ہوں آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں اور آپ ﷺ کے واسطہ سے اپنے رب کی جانب متوجہ ہوتا ہوں آپ ﷺ میری شفاعت فرمایئے میرے پاس دنیا کا مال نہیں ہے جس کو میں آپ ﷺ سے مناجات کے وقت پیش کروں، میں اس رسالہ کو پیش کرتا ہوں، جیسا کہ شیخ شرف الدین البوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قصیدۂ ہمزیہ کو پیش کیا اور اس قصیدہ کے آخر میں کہا تھا:

و ثنائی قدمته بین یدی نجوای اذلم یکن لدی ثراء

ترجمہ: جب میرے پاس مال و ثروت نہیں ہے تو میں اپنی مناجات کے وقت اپنی اسی نعت کو پیش کرتا ہوں۔

اس شعر کی شرح میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: علامہ بوصیری نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمان: يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اِذَا نَاجَيتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَينَ يَدَى نَجوٰكُمْ صَدَقَةً (المجادلة ۱۲)(اے ایمان والو! جب تم رسول سے کچھ خاص راز کی بات عرض کرو تو اپنی مناجات کے وقت صدقہ پیش کر دیا کرو)۔ کی تعمیل میں عرض کی کیونکہ اس آیت میں حکم وجوبی تھا پھر منسوخ ہو گیا لیکن وجوب کے نسخ سے اس کے استحباب کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے حضور ﷺ کی زیارت کا ارادہ رکھنے والے کے لئے مسنون ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت کے وقت صدقہ پیش کرے۔ شعر مذکور کو نظم کرنے والا استحباب کی بقاء کا اعتقاد رکھتا ہے تو انہوں نے عذر پیش کیا کہ ان کے پاس کوئی مال و دولت

[1274] (مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات: ص ۱۳۸ مطبع شرقیہ مصر ۱۲۹۸ھ)

نہیں جس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سوال کے وقت پیش کریں تو اپنی نعت کو صدقہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جو مال پر دلالت کرتی ہے۔"[1275]

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ القوی مدارج النبوت میں فرماتے ہیں کہ مواہب میں اس کا تجربہ لکھا ہے کہ مقام درد پر نعلین شریفین کا نقشہ رکھنے سے درد سے نجات ملتی ہے اور پاس رکھنے سے راہ میں لوٹ مار سے حفاظت ہوتی ہے اور شیطان کے مکر و فریب سے امان میں رہتا ہے اور حاسد کے شر و فساد سے محفوظ رہتا ہے۔ مسافت طے کرنے میں آسانی رہتی ہے، اس کی تعریف و مدح اور اس کے فضائل میں قصیدے لکھے گئے ہیں۔

امام احمد مقری تلمسانی نعلین مبارک کے برکات و فوائد کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ جس لشکر میں ہو، اس کو کبھی شکست نہ ہو جس قافلے میں ہو وہ قافلہ لوٹ مار سے محفوظ رہے، جس گھر میں ہو وہ گھر جلنے سے محفوظ رہے گا، جس سامان میں ہو وہ چوری ہونے سے محفوظ رہے گا۔ جس کشتی میں ہو وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی، جو کوئی صاحب نقش نعل سے کسی حاجت میں توسل کرے وہ حاجت پوری ہو اور ہر مشکل آسان ہو۔[1276]

نعلین پاک کی چند برکات ہم نے اکابر کی کتابوں سے نقل کیں، اس کے علاوہ بھی اس کی برکات بے شمار و بے حد ہیں جس نے مزید تفصیل دیکھنی ہو وہ علامہ مقری تلمسانی کی فتح المتعال فی مدح النعال اور علامہ عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمہ کے رسالے **غاية المقال فيما يتعلق بالنعال** میں دیکھے۔ یہ رسالہ ۱۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔[1277]

[1275] (مجموعہ رسائل فضل رسول، ص ۲۲۳، ۲۲۲)

[1276] (فتح المتعال فی مدح النعال مترجم ص ۲۴۷)

[1277] (مدارج النبوت، مترجم ج ۱ ص ۵۷۸، ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور)

منکرین اس کی روک تھام میں خوب زور لگاتے ہیں۔ ان کی طرف سے ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ تم تو تصاویر سے منع کرتے ہو اور دوسری طرف نعلین کی تصاویر بھی بناتے ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس تصویر کے بنانے کو حرام کیا گیا ہے وہ جاندار کی تصاویر ہیں، جبکہ نعلین میں جان کہاں؟ لہذا اس کا نقش بالکل جائز ہے۔ یہ اعتراض و جواب فتح المتعال سے نقل کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ علامہ احمد مقری تلمسانی علیہ الرحمہ کے دور میں بھی اس کے منکرین موجود تھے حالانکہ علامہ کی ولادت ۹۹۲ھ اور وفات ۱۰۴۱ھ ہے۔

دوسرا اعتراض ان کی طرف سے یہ ہے کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ اسی نعلین کا نقش ہے جو نبی کریم ﷺ استعمال فرمایا کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ مشرق کے پاس حضور اکرم ﷺ کے نعلین شریفین موجود تھے، کیونکہ یہ بنی ابن الحدید کے پاس اور پھر شام کے جامعہ اشرفیہ میں موجود ہیں۔ ابن رشید وغیرہ نے جب مشرق کا سفر کیا تو اس نے اس کی مثال بنوالی۔ اس کے علاوہ صدیوں سے ائمہ اپنی کتابوں میں اس کا نقش نقل کرتے آئے ہیں۔ جن میں علامہ ابن عساکر، ابن الحاج، ابن المرجل، امام عراقی، حافظ زین الدین، سراج الدین بلقینی، امام سخاوی، اور علامہ سیوطی علیہ الرحمہ شامل ہیں۔[1278]

تیسرا اعتراض ان کی طرف سے یہ ہے کہ جب تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ یہ اس اصل کا عکس و شبیہ ہے، تو اس قدر تعظیم کیوں کرتے ہو، تعظیم تو اصل کی ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک جو پڑھا ہوا نازل کیا گیا وہ تو کلام نفسی ہے اور جو کتابت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے، یہ

[1278](فتح المتعال ص ۱۹۲، ۱۹۵)

اس کا عکس و نقل ہے، پھر اس کی تعظیم بھی نہ کی جائے، حالانکہ اگر بطور تحقیر اس کو گندی جگہ پھینک دیا جائے تو آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

اس کے متعلق ان کا چوتھا اعتراض یہ ہے کہ نعل پاک لگے ہونے کی صورت میں آدمی ایسی گلیوں سے بھی گزرتا ہے جہاں گٹر کا گندا پانی کھڑا ہوتا ہے، اور گندے پانی کی نالیاں بھی ہوتی ہیں اور بیت الخلاء میں جانا پڑتا ہے، اس سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے لہذا یہ نہیں لگانا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو جاہلانہ اعتراض ہے کیونکہ ادب کا دارومدار دراصل عرف پر ہے، جسے لوگوں کا جم غفیر جو سلیم الطبع اور ذی فہم ہوں، ادب کہے وہ ادب ہے اور جسے بے ادبی کہے وہ بے ادبی ہے۔ نعل پاک کے نقش لگے ہونے کی صورت میں گلیوں سے گزرنے کو جبکہ اس میں نالیاں بھی ہوں کوئی بے ادبی نہیں کہے گا۔ ہاں جہاں تک بیت الخلاء کا تعلق ہے تو ضرور اسے اتار کر جانا چاہیئے یا اتار کر جیب میں ڈال لیں۔ ورنہ تو مساجد کے برابر گلیوں میں گٹروں اور نالیوں کا گندا پانی آہی جاتا ہے۔ اور بلکہ عین مسجد سے متصل فنائے مسجد میں باتھ روم بنائے جاتے ہیں تو کیا مساجد کی تعمیرات کا سلسلہ روک دیا جائے، لوگ قرآن پاک گھر کے لئے خرید کر بھی تو انہیں گلیوں سے لاتے ہیں جن کے متعلق تمہارا گندے ہونے کا قول ہے۔

یہ چند کلمات نعلین اقدس کی شان و برکات اور اس کے دفاع میں ہدیہ ناظرین کے لئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اس کے سبب ہماری بخشش کا ذریعہ بنائے۔ **آمین بجاہ النبی الامین** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

تاج والے بھیک مانگیں آپ کی نعلین کی ‏ ‏ ‏ ‏ تاجور کھاتے ہیں صدقہ آپ کی نعلین کا صلی اللہ علیہ وسلم

تبرکات کی زیارت کے وقت اکٹھا ہونا

”کہیں کہیں جُبّہ شریف یا موئے شریف پیغمبر ﷺ یا کسی اور بزرگ کا مشہور ہے۔ اس کی زیارت کے لئے یا تو اسی جگہ ہوتے ہیں یا ان لوگوں کو گھروں میں بلا کر زیارت کرتے ہیں اور زیارت کرنے والوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اوّل تو ہر جگہ ان تبرکات کی سند نہیں اور اگر سند بھی ہو تب بھی بہت خرابیاں ہیں بعض خرابیاں وہاں بیان کر دی ہیں جہاں شادی میں عورتوں کے جمع ہونے کا ذکر لکھا ہے، پھر شور و غل اور بے پردگی اور کہیں کہیں زیارت والوں کا گانا جس کو سب عورتیں سنتی ہیں یہ سب ہر شخص جانتا ہے کہ بری باتیں ہیں۔ ہاں اگر اکیلے میں زیارت کرے اور زیارت کے وقت کوئی خلافِ شرع بات نہ کرے تو درست ہے۔[1279]

تبرکات کی تقسیم

یہی مولوی اشرف علی تھانوی نے ارواح ثلاثہ میں مولوی مظفر حسین کاندھلوی کے حالات میں اس کے وصال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:”مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہوگئے اور محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۵ مئی یوم جمعہ ۱۸٦٦ء کو انتقال فرمایا. کرتہ پاجامہ، لنگی بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔ لنگی مریدین میں تقسیم کر دی گئی اور کرتہ اور پاجامہ صاحبزادوں کے پاس بھیج دیا گیا۔ جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کرایا گیا اور کرتہ موجود ہے۔[1280]

[1279] (بهشتی زیور حصه ششم ص ۴۰۰)
[1280] (ارواح ثلاثه ص ۲۴۴)

تبرکات مدینہ کی زیارت

مولوی حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دیوبند نے ''شہاب ثاقب'' میں تبرکات کی تعظیم کرنے اور ان سے شفاء برکت حاصل کرنے والے کو ہی اہل سنت اور تبرکات سے حسنِ عقیدت نہ رکھنے والوں کو ''خبیث وہابی'' قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: ''حضرت مولانا (رشید احمد گنگوہی) کے یہاں تبرکات میں حجرۂ مطہرہ کے غلاف کا سبز ٹکڑا بھی تھا بروز جمعہ کبھی کبھی حاضرین وخدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے تھے، تو صندوقچہ اپنے دست مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اوّل اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں پر لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے۔ اس امر کو ہزاروں نے ملاحظہ کیا ہو گا۔ بھلا یہ امر وہابیہ کے نزدیک بدعت و حرام نہیں تو کیا ہے۔''[1281]

''بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کئے۔ حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبول سے ممتاز فرمایا بعض غلبہ حضّار نے عرض بھی کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی، یورپ کا بنا ہوا ہے تاجر مدینہ میں لائے، وہاں سے دوسرے لوگ خرید کر لائے اس میں تو کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوئی۔ حضرت نے شبہ کو رد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا لگی ہے۔ اس وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی۔ الٰی ان قال... وہ چیزیں جن کو کفار نے دار الکفر میں اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو فقط اور محبوب کے دو پنج روزہ ہوا کھانے کی وجہ سے تبرک عظیم بن جاویں... آئیں دیکھیں تو

[1281] (الشہاب الثاقب ص ۵۲)

سہی کیا یہ حالت کسی خبیث وہابی کو نصیب ہوئی ہے کیا وہ ایسے عقائد اور خیالات رکھتے ہیں؟ ہر گز نہیں۔"[1282]

قارئین کرام: ان دونوں عبارات میں مولوی حسین احمد مدنی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے، بلکہ بڑے شد و مد سے لکھا ہے کہ:

(۱) تبرکات کی تعظیم وہابیہ کے نزدیک بدعت و حرام ہے

(۲) تبرکات کی تعظیم کسی خبیث وہابی کو نصیب نہیں ہوتی

آیئے! ذرا ایک نظر ان کے اکابر میں سے سب سے بڑے کی تحریر کو اس آئینے میں دیکھیں:

مولوی اسماعیل دہلوی اپنی مشہور کتاب (تقویۃ الایمان) جو حقیقت میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کی "کتاب التوحید" کا اردو ترجمہ اور خلاصہ ہے، میں تحریر کرتا ہے: "کسی کے مکان کو یا کسی کے تبرک کی تعظیم کرے الی ان قال.... یا ایسے مکان میں دور دور سے قصد کرکے جاوئے۔ یا وہاں روشنی کرے، غلاف ڈالے، چادر چڑھائے، ان کی قبر کو بوسہ دے، مور چھل جھلے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دے۔ ہاتھ باندھ کر التجا کرے، مراد مانگے، مجاور بن کر بیٹھ رہے، رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلے، وہاں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے اور اسی قسم کی باتیں کرے، سو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے، اس کو اشراک فی العبادت کہتے ہیں۔"[1283]

اسکی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعاء مانگنی، التجاء کرنی، اور دین و دنیا کی مرادیں مانگنی، ایک پتھر کو بوسہ دینا، اس کی دیوار سے اپنا منہ اور چھاتی ملنا، اس کا غلاف پکڑ کر دعا کرنی، اس کے ارد گرد

[1282] (الشہاب الثاقب ص ۵۳)
[1283] (تقویۃ الایمان ص ۳۷)

روشنی کرنا، فرش بچھانا، پانی پلانا، وضو غسل کا لوگوں کے لئے سامان درست کرنا، اس کے کنویں کے پانی کو تبرک سمجھ کر پینا، بدن پر ڈالنا، آپس میں بانٹنا، غائبوں کے واسطے لے جانا، رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلنا، اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھانس نہ اکھاڑنا، مویشی نہ چگانا، یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کیلئے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔[1284]

امام کا چبوترہ استاد اور پیروں کے بیٹھنے کی جگہ، کہ لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں، نذریں چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں، غرض یہ کہ یہ سب وثن ہیں۔[1285]

کسی قبر یا مکان کا طواف کرنا، اس کے گرد و پیش جنگل کا ادب کرنا، یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھانس نہ اکھاڑنا اور اسی قسم کے کام کرنے اور ان سے کچھ دین و دنیا کے فائدہ کی توقع رکھنا یہ سب شرک کی باتیں ہیں، ان سے بچنا چاہیئے کیونکہ یہ معاملہ خالق ہی سے کرنا چاہیئے۔ کسی مخلوق کی یہ شان نہیں کہ اس سے یہ معاملہ کیجیئے۔"[1286]

ناظرین کرام: یہ عبارات اپنے مفہوم میں واضح ہیں۔ مزید کسی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں ہے تاہم چند باتیں قابلِ غور ہیں:

(ا) ان عبارات میں کسی بزرگ کے جنگل کا ادب کرنا اور میدان اور کوئیں کا پانی بطور تبرک پینا شرک فی العبادات لکھا ہے۔ حالانکہ آپ سابقہ حوالہ جات پڑھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر اس چیز کا جس کی نسبت سرور کائنات ﷺ کی طرف ہوگئی حد درجہ تعظیم کرتے تھے۔ اور سلف صالحین نے ہر اس چیز کا ادب کرنے کا حکم دیا ہے۔

[1284] (تقویۃ الایمان ص ۳۷)

[1285] (تقویۃ الایمان ص ۸۵)

[1286] (تقویۃ الایمان ص ۸۰)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں:

"ومن اعظامہٖ و اکبارہٖ ﷺ اعظام جمیع اسبابہٖ و اکرام مشاھدہٖ و امکنتہ من مکۃ والمدینۃ ومعاھدہ وما لمسہ علیہ الصلوۃ والسلام او عرف بہٖ"۔[1287]

ترجمہ: "آپ ﷺ کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے تمام متعلقات اور آپ کے تمام مقامات مکہ، مدینہ اور تمام چیزوں کی تعظیم کی جائے، جن کو آپ ﷺ نے مس کیا ہو یا جن کا تعلق آپ ﷺ سے معروف ہو۔"

پھر امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"واوّل ارضٍ مسّ جلد المصطفٰی ترابھا ان تعظم عرصاتھا وتنسم نفحاتھا وتقبّل ربوعھا وجدارھا"۔

خوشا کز در گردِ راہ سیوت رسیدم　　　بدیدہ گرد از کویت کشیدیم

جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1288]

ترجمہ: "جس زمین کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جسم مقدس سے مس ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے لازم ہے کہ اس کے میدانوں کی تعظیم بھی کی جائے اور اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے در و دیوار کو بوسہ دیا جائے۔"

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں کسی جانور پر سوار نہیں ہوتے تھے، فرماتے تھے "مجھے حیاء آتی ہے کہ جس زمین میں اللہ کے رسول ﷺ آرام فرما ہیں، میں اسے اپنی سواری کے سموں سے روندوں۔"[1289]

[1287] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳)
[1288] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۶)
[1289] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۴)

شاہ جہان بادشاہ کے پوتے اور شہزادہ داراشکوہ کے بیٹے مرزا محمد اختر دہلوی نے ”تذکرۃ الاولیاء“ میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر رسول اللہ ﷺ کے جبہ مبارک کو چھت کے ساتھ معلق پایا تو اپنا سر اس کے نیچے جھکا دیا اور کافی دیر تک اسی حالت میں رہے کیونکہ فیوض وبرکات اور انوار و تجلیات کا فیضان بہت زیادہ تھا۔[1290]

کیا سلف صالحین کا یہ عمل شرک تھا؟

۲) پھر کہا کہ استاد اور پیروں کے بیٹھنے کی جگہ کا ادب کرنا یہ سب وثن ہے (العیاذ باللہ)۔

مشہور عالم اور بریلوی مکتبِ فکر علماء کے مقتداء جناب مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ نے اپنی کتاب ”بدر الانوار“ میں امام علامہ احمد بن محمد مصری مالکی معاصر شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب مستطاب ”فتح المتعال فی مدح خیر النّعال“ سے امام اجل خاتمہ المجتہدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی سبکی شافعی متوفی ۷۶۲ھ کا کلام نفیس تبرک بہ آثار امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی قدست اسرارہم میں سے نقل فرماتے ہیں:

”وهذا لفظه حكى جماعة من الشافعيه ان الشيخ العلامه تقى الدين اباالحسن عليا السبكى الشافعى لما تولى تدريس دار الحديث بالاشرفيه بالشام بعد وفات الامام النووى احدى من يتفخر به المسلمون خصوصًا الشافعيه أنشد لنفسه وفى دار الحديث لطيف معنى الى بسط لها ان امس بحر وجهى مكانا مسه قدم النواوى او اذا كان فى آثار من ذكر فما بالك بآثار من شرف جميع به۔

ترجمہ: ”اور یہ ہے ان کا ارشاد شافعیہ کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ تقی الدین سبکی امام نواوی کی وفات کے بعد شام کے دار الحدیث میں درس حدیث کے لئے مقرر کئے گئے۔ مسلمان بالخصوص

[1290] (تبرکات نبوی ا، مولوی ارسلان بن اختر میمن دیوبندی)

شافعیہ یہاں تدریس کو ایک عظیم الشان اعزاز سمجھتے تھے تو یہ اشعار امام سبکی نے کہے: دار الحدیث میں ایک لطیف خصوصیت ہے، اس کے بچھونوں کی طرف مائل ہوں، شاید میری جبین ناز کو اس مقام پر لگنا نصیب ہو، جہاں نووی کے قدم لگے ہوں۔ تو جب آثار علماء کا یہ حال ہے تو اس ذات کے آثار کا کیا حال ہو گا جن سے تمام کو شرف حاصل ہوا۔[1291]

۳) اس کے کنویں کا پانی تبرک سمجھ کر پینا۔

کیا یہ شرک ہے؟

خلاصۃ الوفاء ص ۴۶۴ ج ا اور وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۴۱۲ دار احیاء التراث العربی میں ہے:

و کذا الابار الّتی او تطھّر منھا و التبرّک بذالک۔

اور ایسے ہی ان کنوؤں کی زیارت کے لئے جانا اور ان کے پانی کو تبرک بنانا اور غائبوں کے لئے لے جانا احادیث سے ثابت ہے۔[1292]

اسی طرح مدینہ منورہ کے کنوؤں سے خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانی منگواتے اور اس سے برکت و شفاء حاصل کیا کرتے تھے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"حدیث میں ہے بئر بضاعۃ پر آنحضرت ﷺ تشریف لائے ایک ڈول طلب فرما کر وضو فرمایا۔ بقیہ پانی مع لعاب دہن مبارک کنویں میں ڈال دیا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو شخص بیمار ہوتا تھا، اس کو بضاعۃ کے پانی سے غسل دیتے تھے، اس کی برکت سے بیمار کو جلد شفاء حاصل

[1291] (بدر الانوار ص ۳۰، ۲۹)

[1292] (بحوالہ اطیب البیان ص ۲۰۱)

ہو جاتی تھی۔ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جو شخص بیمار ہو تا تھا اس کو تین دن بضاعۃ کے پانی سے غسل دیتے تھے تو وہ صحت پا جاتا تھا۔"[1293]

بہر کیف ایک طرف ان باتوں کو شرک قرار دیا جاتا ہے، دوسری جانب خود عمل کرتے نظر آتے ہیں یہ دورُخی پالیسی سمجھ میں نہیں آتی۔

نگاہِ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے وفا کے بھیس میں بیٹھا ہے کوئی بے وفا ہو کر

مولوی نور الدین دیوبندی اپنی کتاب **نور الوسیلۃ فی رد الوھابیۃ** میں تبرکات کے اثبات میں لکھا ہے:

"حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز زبدۃ المناسک ص ۵۶ میں فرماتے ہیں: اور جب مدینہ منورہ کو چلے تو کثرت درود شریف کی راہ میں بہت کرتا رہے، پھر جب درخت وہاں کے نظر پڑیں تو اور زیادہ کثرت کرے، جب عمارت وہاں کی نظر آوے تو درود پڑھ کر کہے **اللھمّ ھٰذا حرم نبیّک فاجعله وقایة الیّ من النّار و اماناً من العذاب و سوئِ الحساب** اور مستحب ہے کہ غسل کرے یا وضو اور کپڑا پاک صاف اچھا لباس پہنے اور نئے کپڑے ہوں تو بہتر اور خوشبو لگائے اور پہلے سے پیادہ ہولے اور خشوع اور خضوع جس قدر ہو سکے فروگذاشت نہ کرے اور عظمتِ مکان کا خیال کئے ہوئے درود شریف پڑھتا ہوا چلے، جب مدینہ منورہ میں داخل ہو، کہے **ربّ ادخلنی الخ** ادب حضورِ قلب دعا اور درود شریف بہت پڑھے، وہاں جابجا موقع قدم رسول اللہ ﷺ ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوتے تھے، فرماتے کہ مجھ کو حیا آتی ہے کہ سواری کے کھروں سے اس سرزمین کو پامال کروں کہ جس میں حبیب ﷺ چلے پھرے ہوں اور بعد تحیۃ المسجد

[1293] (جذب القلوب اردو ص ۱۶۳)

کے سجدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کے نصیب کی پھر روضہ کے پاس حاضر ہو با ادبِ تمام اور خشوع کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو اور دیوار کو ہاتھ نہ لگاوے کہ محل ادب اور ہیبت ہے اور حضرت ﷺ کو لحد شریف میں قبلہ کی طرف چہرۂ مبارک کئے ہوئے تصور کرے اور السلام علیکم یا رسول اللہ الخ اور بہت پکار کر نہ بولے، آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے انتہیٰ کلامہ الشریف"۔

اب اس عبارت میں یہ فکر کریں کہ کس قدر ادب اور ہیبت و تعظیم حضور سرور کائنات ﷺ کی لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے اور کس طرح لوگوں کو ہدایت آنحضرت ﷺ آپ کی مآثر کی تعظیم و تکریم فرماتے ہیں اور زیارت آنجناب باعث نجات از دوزخ وسوء حساب وغیرہ سمجھتے ہیں اس تمام عبارت میں مخالفت وہابیہ بات بات سے ظاہر ہے، نہ وہ اس قسم کی باتیں کہتے ہیں اور نہ ان کا عقیدہ ہے۔

مناجات وادب وتبرک روضۂ مبارک از جانب نانوتوی صاحب

جناب مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چند منزل اونٹ پر برابر سوار نہ ہوئے حالانکہ اونٹ ان کی سواری کا موجود تھا اور خالی رہا۔ پیر میں زخم پڑ گئے تھے کانٹے لگتے تھے۔ پتھروں نے ٹھکرا ٹھکرا کر حال دگرگوں پاؤں کا کر دیا تھا۔ تمام عمر کی محنت کا جوتا اس وجہ سے نہ پہنا کہ قبلہ مبارک سبز رنگ کا ہے، اگر کوئی ہدیہ لے آئے تو کسی دوسرے کو ہدیہ دے دیا ان کے احوال اگر اتباع سنت اور افعال غلبۂ محبت نبوی کے ذکر کئے جائیں تو دفتر بھی کافی نہ ہوں، ان اشعار سے عاقل اندازہ کر سکتا ہے:

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید یہ ہے　　کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں　　مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور ومار

جو یہ نصیب نہ ہوں اور کہاں نصیب میرے
کہ میں ہوں اور سگان حرم کی تیرے قطار

اڑا کے بعد میری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار

دے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مگر نسیم مدینہ ہی گر دیار بنا
کشاں کشاں مجھے لیجا جہاں ہے تیرا مزار

غرض نہیں مجھے اس سے بھی اب رہی لیکن
خدا اور تیری الفت سے میرا سینہ فگار

لگا وہ تیر غم عشق کا مرے دل میں
ہزار پارہ ہو خون دل میں ہو سرشار

لگے وہ آتش عشق اپنی جان میں جس کی
جلا دے وہ چرخ ستم گر کو ایک ہی جھونکار

صدائے صور قیامت ہو اپنا اک نالہ
بجائے برق ہو اپنی ہی آہ آتش بار

چھبے کچھ ایسی مرے نور خار غم دل میں
کہ چھوٹے آنکھوں کے رستہ سے ایک لہو کی فوار

یہ ناتواں ہوں غم عشق سے کہ جائے نکل
ذرا بھی جان کو اوپر کا سانس دے جو سہار

تمہارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا
کہ آنکھیں چشمۂ آبی ہوئیں درونِ غبار

یہ لاغری ہو کہ جان ضعیف کو دم نکل
نہ ہووے ساتھ اٹھانا بدن کا کچھ دشوار

حضرات! ان اشعار کے مضامین پر غور فرمائیں کہ کس قدر اخلاص و محبت و عقیدت بات بات سے ٹپکتی ہے، گویا کہ محبت خاتم المرسلین ﷺ میں چور چور ہیں۔ اس قدر منہمک ہیں کہ ماسوا خبر نہیں رگ و پے میں ان کا اخلاص سرایت کئے ہوئے ہے۔

فصل در تبرک کھجوریں مدینہ مبارکہ

"مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت و ادب سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حضار بارگاہ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم ادب سے ایسی طرح

تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور اثمار جنت ہاتھ آگئے ہیں۔ حالانکہ بصرہ، سندھ، وغیرہ کی کھجوریں ہمیشہ آتی رہتی تھی مگر ان کی وقعت اس سے زیادہ ہرگز نہ تھی کہ جملہ میووں میں سے یہ بھی ایک میوہ ہے۔ مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں نہایت حفاظت سے رکھتے تھے، لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود پھینکتے تھے۔ ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر نوش فرماتے، مثل چھالیوں کے کتروا کر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔[1294]

فصل در تبرک بخاکِ حجرۂ مبارک

"احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں بہ ہمرائی محمد صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلے ہی حاضری میں حضرت قدس اللہ سرہ نے دریافت فرمایا تھا کہ حجرہ شریف علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں۔ چونکہ وہ احقر کے پاس موجود تھی، اس لئے باادب ایستادہ پیشکش خدمت اقدس کیا، تو نہایت وقعت اور عظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعد عشاء خواب استراحت فرماتے وقت اتباعًا للسنّۃ اس سرمہ کو آخر عمر تک استعمال فرماتے رہے۔ اس قصہ سے عام خدام واقف ہیں۔[1295]

فصل در قصہ مجنوں سگ کوچہ لیلیٰ

"اگر قصہ مجنوں بنی عامر جیسا نہیں تو کیا ہے۔ اور اگر سگ کوچہ لیلیٰ پر فدا تھا تو یہ خاک کوچۂ اطہر مصطفوی ﷺ پر جان فدا، وہ اگر بوجہ غلبۂ محبت لیلیٰ بے اختیار تھا، یہ بوجہ عشق مصطفوی ﷺ بے قرار ہیں۔ کہاں ہیں یہ بد نصیباں جہاں، کہاں ہیں عیارانِ بے ایماں، آئیں آئیں دیکھیں تو

[1294](شہاب الثاقب)

[1295](شہاب الثاقب)

سہی کیا یہ حال کسی خبیث وہابی کو نصیب ہوا ہے، کیا وہ ایسے عقائد اور خیالات رکھتے ہیں؟ ہر گز نہیں خود احقر کا مشاہدہ ہے کہ تین دانے ان کھجوروں کے جو صحن خاص مسجد نبوی میں نصیب ہیں، اسی سال لا کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے، اس کی حضرت نے اس قدر وقعت فرمائی کہ نہایت اہتمام سے ان کے ستر سے کچھ زائد حصے فرما کر اپنے اقرباء و مخلصین و محبین میں تقسیم فرمائے اور اپنا بھی ان میں ایک حصہ قرار دیا۔ صاحبو! ہزاروں مدعین محبت سے احقر کو ملاقات کی نوبت آئی اور خاص کھجوریں ان کو دی گئیں، لیکن کسی کو اس اخلاص و عظمت کے ساتھ لیتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔[1296]

فصل در تبرک تیل زیتون حجرۂ مطہرہ

"حجرۂ مطہرہ نبویہ کا جلا ہوا زیتون کا تیل وہاں سے حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض مخلصین نے ارسال کیا تھا۔ حضرت نے باوجود نزاکت طبعی کے جس کی حالت عام لوگوں پر ظاہر ہے، اس کو پی ڈالا، حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے۔ ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے، طبائع کثیفہ بھی ایسے کام پر جرأت نہیں کر سکیں، چنانچہ مشاہدہ ہے اور جو اقدام کرتا ہے تو آنکھیں اور بھنویں چڑھا کر اور حیل و طرق استعمال کرکے۔ مگر واہ رے عاشقِ سید الرسل و شیدائے خاتم الانبیاء علیہم السلام باوجود اس نزاکت و نظافت کے پیشانی پر بل بھی نہیں پڑنے دیا گویا کہ نہایت خوشگوار لذیذ چیز نوش فرما رہے ہوں۔[1297]

[1296](شہاب الثاقب)

[1297](شہاب الثاقب)

فصل چالیس روز کے بعد جالی شریف میں اندرون حجرہ میں بچوں کو داخل کرنا

"خود احقر نے سوال کیا کہ بعد چالیس روز کے جالی شریف میں اندرون حجرۂ مطہرہ اہل مدینہ بچوں کو داخل کرتے ہیں اور خادم روضہ مطہرہ اس کو لے جا کر سامنے روضہ اقدس کے قبلہ کی طرف لٹا دیتا ہے اور دعا مانگتا ہے۔ یہ فعل کیسا ہے؟ تو آپ نے استحسان فرمایا اور پسند کیا۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ کیا وہابیہ خبیثہ ان افعال کو جائز کہتے ہیں کیا ان کو وہ شرک و کفر و بدعت وغیرہ نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے ہم نے اپنے بچوں کو بھی مدینہ منورہ میں بارہا حجرۂ مطہرۂ نبویہ میں داخل کیا ہے۔

فصل در بیان
امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب کا کعبہ شریف میں ایک پیر پر کھڑے ہو کر پورا قرآن ختم کرنا

"دریافت کیا کہ بعض کتب میں دیکھا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خانہ کعبہ شریف میں ایک شب داخل ہوئے اور تمام رات ایک پیر پر کھڑے ہو کر پورا قرآن شریف ختم فرمایا اور بعد میں یہ الفاظ فرمائے اللھمّ عرفتک و ما عبدتّک حقّ عبادتک پس اس کے ظاہری معنی پر انکار فرمایا کہ خداوند کریم جل و علیٰ شانہ کا مرتبہ تو نہایت اعلیٰ ہے۔ ہم بنی آدم تو حضرت محمد رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بھی معرفت حق معرفت نہیں کر سکتے حالانکہ ان کی ذات پاک سے ایک قسم کی مجانست و مقاربت محقق ہے۔ پس جناب عز شانہ کی معرفت حق معرفت کیسے ہو سکتی ہے، جب کہ خود سرور کائنات صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ما عرفتک حق معرفتک فرماتے ہیں۔ (حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی تاویل علماء سے کتب کے تراجم میں ذکر کی ہے)، اس جواب سے بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہرگز مولانا اور ان کے متبعین کا عقیدہ بہ نسبت حضرت سرور کائنات صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے وہ نہیں کہ جو وہابیہ خبیثہ رکھتے ہیں، ورنہ اس قول کے کیا معنی ہوں گے اور ان افعال کے جو کہ غایت اخلاص و محبت پر دال ہیں، کیا

صورت ہو گی۔ ہم پہلے عرض کر چکے کہ یہ جملہ حضرات ذات سرور کائنات ﷺ کو باوجود افضل الخلائق و خاتم النبیین ماننے کے آپ کو جملہ کمالات کے لئے اہل عالم کے واسطے واسطہ مانتے ہیں، یعنی جملہ کمالات خلائق علمی ہوں یا عملی، نبوت ہو یا رسالت، صدیقیت ہو یا شہادت، سخاوت یا شجاعت، علم ہو یا معرفت، فتوت ہو یا وقار وغیرہ وغیرہ سب کے ساتھ اولاً بالذات آپ کی ذات والاصفات جناب باری عز کل شانہ کی جانب سے متصف کی گئی اور آپ کے ذریعہ سے جملہ کائنات کو فیض پہنچا، جیسے کہ آفتاب کا نور قمر میں آیا اور قمر سے نور ہزاروں آئینوں میں بلکہ وجود جو کہ اصل جملہ کمالات کی ہے، اس کی نسبت بھی ان حضرات کا عقیدہ ہے۔ اس مضمون کو نہایت تفصیل سے آب حیات، قبلہ نماز، اجوبہ اربعین، تحذیر الناس، وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی واسطے براہین میں صاف تصریح کر دی گئی ہے کہ کمالاتِ روحیہ میں کوئی شخص حضرت کائنات ﷺ کے مماثل اور مقابل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کسی مسلمان کا یہ عقیدہ ہے۔ اور حقیقت کمالات تو کمالات روحی ہی ہیں۔ جیسا کہ حقیقت انسان روح ہے اور یہ جسم خاکی تو قالب اور غلافِ آدمی۔ مدار فضائل کا عقلاء کے نزدیک انہیں کمالات روحی پر ہے جسم پر نہیں پس باعتبار جسم اطہر کے اگرچہ آپ اولاد آدم اور بنی آدم ہیں، لیکن باعتبار روح کے آپ سب کے امام اور باپ ہیں، باوجود اس کے بہ نسبت حضرت اجملہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو کمالات جسمیہ میں بھی خلائق میں یکتائی تھی اور رہے چنانچہ قصیدہ نعتیہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بخوبی ظاہر ہے مگر اشتراک جسمی و نوعی بشری سے انکار بھی کسی طرح جائز نہیں، یہی عقیدہ محققین اہل سنت والجماعت کا ہے وہابیہ ان مضامین کے پاس بھی نہیں پھٹکتے ہیں، اعتقاد کجا۔"[1298]

[1298](شہاب الثاقب ص ۵۴)

فصل در تبرک وتوسل بمشائخ

”حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قصیدہ طویلہ بارہ توسل مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ تحریر فرمایا ہے جو کہ امداد السلوک کے اخیر میں و نیز دیگر رسائل کے ساتھ شائع ہو چکا ہے، اگر جملہ اشعار کو نقل کیا جائے تو طویل ہو جائے، اختصاراً چند شعر اخیر کے ذکر کرتا ہوں:

بحق مقتدائے مقتدیاں | حسن بصری امام پیشوایاں

بحق شیر یزداں شاہ مرداں | در علم لدنّی فیض رحماں

خلیج بحرِ رحمت ممبع فیض | جلی گاہِ یزداں مطلعِ فیض

علی ابن ابی طالب کہ خورشید | بنورِ خاک پائے اودر خشید

بحق آنکہ اوجان جہاں است | فدائے فوض اش ہفت آسمان ست

بحق آنکہ محبوبش گرفتی | برائے خویش مطلوبش گرفتی

پسندیدی زجملہ عالم آں را | بما گزاشتی باقی جہاں را

گذیدی از ہمہ گلہا تو اورا | نمود صرف اوہر زنگ و بودا

ہمہ نعمت بنام او نمودی | دو عالم را بکام او نمودی

بآں کہ رحمۃا لعلمین ست | بدر گاہت شفیع المذنبین ست

بحق سرور عالم محمد ﷺ | بحق برتر عالم محمد ﷺ

بذات پاک خود کاں اصل ہستی ست | ازو قایم بلندیہا و پستی ست

مثال او نہ مقدور جہاں ست | کہ کنہش بر تراز کون و مکان است
ولم از نقش باطل پاک فرما | براہ کو مرا چالاک فرما

الخ[1299]

فصل در استمداد و استغاثہ بیاد نداء پیر روشن ضمیر حضرت مولانا امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ذرا چہرے سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ ﷺ | مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ ﷺ
کروروئے منور سے میری آنکھوں کو نورانی | مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ ﷺ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ہو کر | ناخدا مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ ﷺ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں | بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ ﷺ

فصل استمداد و استغاثہ مولانا محمد قاسم صاحب

مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند اپنی مشہور کتاب قصائد میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر جواب دیا ہے کسوں کو تو نے بھی | تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار
کروڑوں جرم کے آگے یہ نام کا اسلام | کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار
بہت دنوں سے تمنا ہے کروں عرض حال | اگر ہو اپنا کسی طرح ترے در تک بار

[1299] (آہ شہاب الثاقب ص ۵۶)

مدد کر اے کرم احمدی کہ ترے سوا ‏ ‏ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا ‏ ‏ بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار[1300]

فصل در تبرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو صحاح ستہ میں ہے

ادھر مصنف نے تفصیل سے احادیث نقل کی ہیں جن میں سے اکثر پہلے نقل ہو چکی ہیں۔ بعض ادھر نقل کی جاتی ہیں:

تبرک بخاتم مبارک مثل خاتم سلیمان علیہما الصلوۃ والسلام

آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خاتم شریف جس میں تین سطریں یوں تھیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی۔ جب ان کی خلافت کو چھ برس ہو گئے تو ایک روز وہ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہاتھ میں سے کوئیں میں گر پڑی، تین دن تلاش کرتے رہے، کنویں کا تمام پانی نکالا گیا مگر نہ ملی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم گم ہو گئی تھی تو ان کی بادشاہت جاتی رہی تھی۔ یہی راز حضور ختم المرسلین کی خاتم گم ہونے میں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اس فتنہ کا آغاز ہوا جس کا انجام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر ہوا۔[1301]

تبرک بشمشیر مبارک کہ دراصل معجزہ ہے

جنگ احد میں حضرت عبد اللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی وہ ان کے ہاتھوں میں تلوار بن گئی۔ اس تلوار کو عرجون کہتے تھے۔ یہ بطور

[1300] (شہاب الثاقب صـ ۲۶ بحوالہ نور الوسیلہ)

[1301] (وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۱۲۱)

تبرک ان کے خاندان میں رہی یہاں تک کہ بفاتر کی کے ہاتھ جو معتصم باللہ بن ہارون الرشید کے امیروں میں سے تھا، بغداد میں دو سو دینار کو فروخت ہوئی۔[1302]

تبرک بہ منبرِ نبوی ﷺ

"آنحضرت ﷺ کے منبر شریف کے تین درجے تھے، حضور سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے۔ اور درمیانی درجہ پر اپنا پاؤں مبارک رکھتے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں بپاس ادب درمیانی درجے پہ کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو پاؤں سب سے نیچے درجے پر رکھتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی عہد خلافت میں سب سے نیچے درجہ پر کھڑے ہوتے اور بیٹھتے تو پاؤں زمین پر رکھتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے پہلے چھ سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کرتے رہے پھر رسول اللہ ﷺ کے جلوس کی جگہ پر چڑھے۔ (تاکہ آئندہ امت کو آسانی ہو)۔[1303]

مزید احادیث نقل کرنے کے بعد مصنف لکھتے ہیں: "امثلہ مذکور بالا کے مطالعہ کے بعد کسی مسلمان کو آنحضرت ﷺ کے آثار شریفہ سے تبرک کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اولیاء و علماء جو آنحضرت ﷺ کی برکات کے وارث اور ایرات برکات کے وارث ہیں ان کے آثار شریفہ میں بھی برکت ہوتی ہے، ان سے انکار کرنا حرمان و بدنصیبی کی علامت ہے زیادہ تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں"۔[1304]

[1302] (زرقانی علی المواھب جزء ثانی ص ۴۳)

[1303] (وفاء الوفاء جزء اول ص ۲۸۰)

[1304] (نور الوسیلۃ فی رد الوھابیۃ ص ۴۴ تا ۴۵)

مولوی حسین احمد مدنی کا خط ذریعۂ نجات ہے:

"مولوی احمد علی لاہوری نے ارشاد فرمایا: "میرے پاس حضرت مدنی کا ایک مکتوب ہے جو میرے لئے ذریعۂ نجات ہے"۔ یہ فرمانے کے بعد اک چوکھٹہ میں جڑا ہوا مکتوب لائے اور ایک تمہیدی تقریر فرمائی، کہ کامل وہ ہوتا ہے جو تحریر دیکھ کر ہی دل کے حالات معلوم کرلے، میں نے تقسیم ہند کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ ہم بہت دور ہوگئے ہیں، جس پر حضرت نے مجھے مکتوب تحریر فرمایا جسے میں ذخیرہ آخرت سمجھتا ہوں"۔[1305]

مدنی صاحب کی لاٹھی تبرک ہے

"چودھری صاحب مرحوم نے حضرت مدنی کی مستعمل لاٹھی کی فرمائش کی تھی، لاٹھی سے اسی طرف اشارہ ہے کہ بزرگوں کے تبرکات پر سلف صالحین کا عمل درآمد ہے۔"[1306]

مولوی حسین احمد مدنی کے کفن میں تبرکات

"حضرت کی خواہش کے مطابق اس تولیہ میں کہ جس میں حضرت نے آخری حج بیت اللہ کا احرام باندھا تھا، کفن کی قمیص بنائی گئی اور اس قمیص میں ان تبرکات کو، جو حضرت کو جان سے زیادہ عزیز تھے، قلب کی جانب پیوست کرکے کفنا دیا گیا۔"[1307]

یہ تو تھی علماء دیوبند کے نزدیک تبرکات کی تعظیم اور ان تبرکات کی زیارت کرنا اور دوسروں کو کرانا۔ خاکِ مدینہ کا سرمہ بنانا، اور کفن میں تبرکات رکھوانا، لگے ہاتھوں ان علماء کی طرف سے تبرکات کا بوسہ لینے کا کیا حکم ہے، ملاحظہ فرمالیجئے:

[1305](رسالہ خدام الدین ۲۲ فروری ۱۹۶۳، ص ۱۳)
[1306](مکتوبات شیخ، ج ۲، ص ۲۷۲)
[1307](شیخ الاسلام نمبر ص ۱۰۸، بحوالہ خون کے آنسو)

خانہ کعبہ ودیگر تبرکات کا بوسہ لینا

سوال: خانہ کعبہ کے غلاف یا دیگر تبرکات کو بوسہ دینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب:الجواب ومنه الصّدق والصّواب : جائز ہے: لعدم النهي و كون الاباحة اصلية كذاافتى العلامه الجنجوهي والعلامه التانوی"۔[1308]

ترجمہ: "تبرکات کو بوسہ دینا جائز ہے کیونکہ نہی وارد نہیں ہوئی۔ اور دوسری وجہ جواز یہ کہ اباحت اصل ہے اشیاء میں۔ جیسا کہ علامہ گنگوہی اور علامہ تھانوی نے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔"

معلوم نہیں یہی قانون واصول یہ حضرات دوسری جگہ کیوں فراموش کر دیتے ہیں۔ اہل سنت اذان سے قبل یا بعد درود شریف پڑھتے ہیں تو یہی بزرگ اس سے منع کرتے ہیں۔ اور بعض تو اسے شرک اور بدعت تک کہتے ہیں جب کہا جاتا ہے کہ منع کیلئے دلیل لایئے۔ کیا اس کے نہ کرنے کے لئے کوئی نہی وارد ہوئی ہے تو کوئی دلیل نہیں ہے۔ کاش کہ یہی اصول ہر مسئلہ میں ان حضرات کے پیش نظر رہتا۔

تبرکاً صالحین کی دست بوسی سے متعلق ائمہ اربعہ کی تصریحات

مذاہب اربعہ کے فقہاء ائمہ نے اولیاء اور صالحین کے ہاتھوں اور پاؤں کو برکت حاصل کرنے کی غرض سے چومنے کو جائز، مستحب اور مسنون قرار دیا ہے۔

[1308] (احسن الفتاویٰ ص ۵۲۶، از مفتی رشید احمد لدھیانوی محدث و مفتی دار العلوم کراچی)

اس پر درج ذیل اقوال فقہاء ملاحظہ فرمائیں:

احناف کا مؤقف:

۱)امام ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

رخّص السرخسی وبعض المتأخرین فی تقبیل ید العالم المتورع والزاهد علی وجه التبرک۔

ترجمہ: "امام سرخسی اور بعض متاخرین ائمہ نے حصولِ برکت کے لئے عالم، متقی اور زاہد شخص کے ہاتھوں کو چومنے کی رخصت دی ہے۔"[1309]

۲)علامہ علاء الدین حصکفی حنفی (۱۰۸۸ھ) رقمطراز ہیں:

لا بأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک۔

ترجمہ: "حصول برکت کی غرض سے عالم اور زاہد شخص کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"[1310]

مالکیہ کا مؤقف:

۳)علامہ ابنِ بطال بکری قرطبی نے تقبیلِ ید پر امام مالک کا فتویٰ بیان کیا ہے:

انما کرهها مالک اذا کانت علی وجه التکبر والتعظم، وأما اذا کانت علی وجه القربة الی الله لدینه أو لعلمه أو لشرفه فان ذلک جائز۔

[1309](ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۸ ص ۲۲۶)

[1310](حصکفی، الدر المختار، ج۶، ص ۳۸۳)

ترجمہ: ”اگر تکبر اور بڑائی کے پیشِ نظر کسی کا ہاتھ چوما جائے تو امام مالک نے اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہے لیکن اگر کسی شخص کے دین، علم اور شرف کے باعث اللہ رب العزت کے ہاں قربت چاہنے کی وجہ سے ہو تو جائز ہے“۔[1311]

شوافع کا مؤقف:

۴) شارح صحیح مسلم محیی الدین نووی شافعی (متوفی ٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

(الرابعة) يستحبّ تقبيل يد الرجل الصالح و الزاهد و العالم و نحوهم من أهل الآخرة۔

ترجمہ: ”(چوتھا مسئلہ) صالح، زاہد، عالم اور ان جیسے دیگر آخرت کی فکر رکھنے والے اشخاص کا ہاتھ چومنا مستحب ہے۔“[1312]

ويسنّ تقبيل يد الحيي الصالح و نحوه من الأمور الدينية كعلم و زهد۔

”امور دینیہ مثلاً زہد اور علم سے تعلق رکھنے والے زندہ صالح شخص کا ہاتھ چومنا سنت سے ثابت ہے۔“

٦) علّامہ شروانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں: قد تقرّر أنه يسنّ تقبيل يد الصالح بل و رجله۔

”یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ صالح شخص کے ہاتھ اور پاؤں کو چومنا مسنون عمل ہے۔“[1313]

[1311] (عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ١١، ص ٥٧)
[1312] (نووی، المجموع شرح المذهب ج ۴ ص ٦١٥)
[1313] (شروانی، حواشي الشرواني، ج ۴ ص ۸۴)

حنابلہ کا مؤقف:

۷)علامہ منصور بن یونس بن ادریس البھوتی حنبلی (متوفی ۱۰۵۱ھ) صالحین کے ہاتھوں کو چومنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

لا بأس بتقبيل الرأس واليد لأهل العلم والدين ونحوهم۔

"اہل علم ودین اوران جیسی دیگر شخصیات کا سر اور ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔[1314]

۸)اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے علامہ بہوتی آگے لکھتے ہیں:

يباح تقبيل اليد والرأس تديناً وإكرامًا واحترامًا مع أمن الشهوة۔

ترجمہ: "کسی کی دینداری، اکرام اور احترام کے سبب سر اور ہاتھ چومنا مباح ہے بشرطیکہ شہوتِ نفسانی سے محفوظ ہو۔"[1315]

مذاہب اربعہ کے اجل ائمہ کی درج بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ امتِ مسلمہ کے کسی صالح، متقی، پرہیز گار، زاہد، عالم اور دیندار شخص کے ہاتھ، پاؤں اور سر کو حصول برکت کے لئے چومنا مسنون، مستحب اور مباح ہے۔ کسی بھی شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے کو اس صورت مکروہ اور ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کے باعث غرور، تکبر، بڑائی اور نفسانی خواہشات کی رو میں بھٹکنے کا اندیشہ ہو لیکن اگر کوئی مرید یا شاگرد محض تبرک وادب کی نیت سے اپنے شیخ اور استاذ کا ہاتھ پیر چومتا ہے تو وہ جائز ہے۔

[1314](بھوتی، کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۲ ص ۱۵۶)

[1315](بھوتی، کشاف القناع عن متن الاقناع، ج ۲ ص ۱۵۷)

(۴) اجساد اولیاء سے منسوب اشیاء سے تبرک

۱) (امام شافعی کے تلمیذ) ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصر تشریف لائے تو انہوں نے مجھ سے کہا: میرا یہ خط سلامتی سے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک پہنچادو اور مجھے جواب لا کر دو۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں وہ خط لے کر بغداد پہنچا تو نماز فجر کے وقت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے میری ملاقات ہوئی پس جب وہ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو میں نے خط ان کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ یہ خط آپ کے بھائی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو مصر سے بھیجا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے کہا: کیا تو نے اسے پڑھا ہے؟ میں نے کہا: نہیں! انہوں نے مہر توڑ کر اسے پڑھا تو ان کی آنکھیں بھر آئیں، میں نے پوچھا: ابو عبد اللہ کیا ہوا، اس میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور نبی اکرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کی ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ہے کہ ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خط لکھو، اسے سلام لکھ کر کہو کہ تمہیں عنقریب آزمایا جائے گا اور تمہیں خلقِ قرآن (کے باطل عقیدہ) کی دعوت دی جائے گی سو تم اسے قبول نہ کرنا، اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے روز باعزت عالم دین کے طور پر اٹھائے گا۔

اس کے بعد ربیع بیان کرتے ہیں:

فقلت له: البشارة یا أبا عبداللہ، فخلع أحد قمیصه الذی یلی جلده فأعطانیه، فأخذت الجواب، فخرجت الی مصر وسلمته الی الشافعی۔ فقال: أیّ شئ الذی أعطاک۔ فقلت: قمیصه۔ فقال الشافعی: لیس نفجعک به، ولکن بلّه وادفع الی الماء لأتبرک به۔

”میں نے ان سے کہا: ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! مجھے بشارت اور خوشخبری میں کچھ دیجئے۔ انہوں نے اپنے جسم سے مس کردہ قمیص اتار کر مجھے عنایت کی، میں ان سے جواب لے کر مصر میں

امام شافعیرحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس حاضر ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: انہوں نے تمھیں کوئی چیز عطا کی ہے؟ میں نے کہا: اپنی قمیص، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ہم تمھیں اس کے بارے زیادہ تکلیف میں مبتلا نہیں کرتے (یعنی تم سے یہ قمیص نہیں لیتے)، مگر اتنا کر دو کہ اسے گیلا کر کے ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اس سے برکت حاصل کریں۔"[1316]

۲)امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) اپنے زمانہ کے اولیاء کے پاس تبرک کے لئے حاضر ہوئے، امام احمد بن عبد اللہ عجلی نے کوفہ کے ایک عبادت گزار محدّث عمرو بن قیس الملائی کوفی کے ترجمہ میں لکھا ہے: **كان سفيان يأتيه يسلّم عليه يتبرک به**۔"سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے پاس حاضر ہوتے، انہیں سلام کہتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔"[1317]

(۵) قبورِ اولیاء وصالحین سے تبرک

جمہور امتِ مسلمہ میں حصولِ برکت کا ایک ذریعہ قبورِ اولیاء و صالحین پر حاضری بھی رہا ہے۔ تاریخِ اسلام میں شاید ہی کوئی ایسی بابرکت ہستی گزری ہوگی جس کی قبر مبارک پر عامۃ الناس اور اکابرین امت نے حاضری نہ دی ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر اہل بیتِ نبوی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، صالحین، زاہدین، محدثین، اور اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبور پر حاضری امتِ مسلمہ کی تاریخ کا حصہ رہی ہے۔ سطورِ ذیل میں اسی حوالے سے دلیل کے طور پر چند صالحین کی قبور پر عامۃ الناس اور ائمہ کی حاضری کے واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

[1316](تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری: ج ۲ ص ۳۶)

[1317](عجلی، معفۃ الثقات: ج ۲ ص ۱۸۲)

۱) حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے تبرک

امام شمس الدین سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) حضور نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: **وجعل علی قبرہ قبة فھو یزار ویتبرک به۔** "ان کی قبر مبارک پر قبہ بنایا گیا، اس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔"[1318]

۲) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے تبرک

امام ابنِ عبد البر الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ معرکہ قسطنطنیہ میں آپ شریک جہاد ہوئے۔ دشمن کی سرحد کے قریب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑ گئے۔ مرض نے شدت اختیار کی تو وصیت فرمائی: **اذا أنامتّ فاحملونی، فاذا صاففتم العدو فادفنونی تحت أقدامکم۔** "جب میں فوت ہو جاؤں تو میری میت ساتھ اٹھا لینا، پھر جب دشمن کے سامنے صف آرا ہو جاؤ تو مجھے اپنے قدموں میں دفن کر دینا۔"[1319]

چنانچہ آپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے مجاہدینِ اسلام نے آپ کو قلعہ کے دامن میں دفن کر دیا اور دشمنوں کو متنبہ کیا کہ اگر اس جلیل القدر صحابیِ رسول ﷺ کی قبر کی بے حرمتی کی گئی تو بلادِ اسلامیہ میں ان کا کوئی بھی گرجہ محفوظ نہیں رہے گا۔ چنانچہ آپ کی قبر مبارک کا دشمن بھی احترام کرنے پر مجبور ہو گئے اور بہت جلد اس کے فیوض و برکات کا لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہاں کی جانے

[1318] (شمس الدین سخاوی، التحفة اللطیفه فی تاریخ المدینة الشریفة، ج ۱ ص ۳۰۷)

[1319] (ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب ج ۱ ص ۴۰۵-۴۰۴)

والی دعا قبول ہوتی ہے۔ علامہ ابن عبد البر مزید فرماتے ہیں: **وقبر أبی أیوب** قرب سورہا معلوم.... **یستسقون به، فیسقون**۔ "حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر قلعہ کی فصیل کے قریب ہے، سب کو معلوم ہے کہ وہاں پہنچ کر لوگ اس کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔"[1320]

حضرت مجاہد بن جبیر فرماتے ہیں:

کانوا اذا أمحلوا کشفوا عن قبرہ، فمطروا۔

"جب بھی قحط پڑ جائے تو (حصولِ برکت کے لئے) لوگ قبر کھول دیتے ہیں، تو بارش ہو جاتی ہے۔"[1321]

۳)امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) اور بہت سے ائمہ کی تحقیق کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب بغداد میں ہوتے تو حصولِ برکت کی غرض سے امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو حنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے مزار کی برکات میں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انّی لأتبرّک بأبی حنیفة، وأجیء الی قبرہ فی کلّ یوم۔ یعنی زائرًا۔ فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین، وجئت الی قبرہ، وسألت اللہ تعالٰی الحاجة عندہ، فما تبعد عنّی حتی تقضی۔

[1320] (ابن عبد البر، الاستیعاب، ج ۱ ص ۴۰۵)

[1321] (ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب ج ۴ ص ۶)

ترجمہ: "میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر پر زیارت کے لئے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور اس کے پاس (کھڑے ہو کر) حاجت بر آری کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ پس میں وہاں سے نہیں ہٹتا یہاں تک کہ (قبر کی برکت کے سبب) میری حاجت پوری ہو چکی ہوتی ہے۔"[1322]

(۴) امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے تبرک

امام موسیٰ بن جعفر کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۸۳ھ) کی قبر مبارک کے بارے میں ابو علی الخلال کہتے ہیں:

ما همّنی أمر فقصدت قبر موسی بن جعفر فتوسلت به الا سهل الله تعالیٰ لی ما أحب۔

"جب مجھے کوئی مشکل درپیش آتی تو میں امام موسیٰ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر جا کر ان کو وسیلہ بناتا تو جیسے میں چاہتا اللہ تعالیٰ ویسے ہی میرے لئے راستہ نکال دیتا۔"[1323]

امام المحدّثین شاہ عبد الحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) أشعۃ اللّمعات میں حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور کے حوالے سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا درج ذیل قول نقل کرتے ہیں:

"حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبرِ انور قبولیتِ دعا کے لئے تریاقِ مجرّب ہے۔"[1324]

[1322] ((۱) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱ ص ۱۲۳، (۲) ابن حجر ہیتمی، الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ص ۹۴، (۳) ابن عابدین شامی، رد المحتار علی الدرر المختار، ج ۱ ص ۴۱، (۴) زاہد الکوثری، مقالات الکوثری: ص ۳۸۱)

[1323] (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۰)

[1324] (عبد الحق محدّث دہلوی، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲ ص ۹۲۳)

۵)امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضابن موسیٰ کی قبر سے تبرک

مشہور محدّث امام ابنِ حبان (م ۳۵۴ھ) حضرت امام علی رضا بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد زرته مراراً كثيرة، وما حلّت بی شدّة فی وقت مقامی بطوس، وزرت قبر علی بن موسى الرضا صلوات الله على جده وعليه، ودعوت الله تعالىٰ ازالتها عنّى الا استجيب لی، وزالت عنّی تلک الشدّة وهذا شیء جرّبته مراراً فوجدته كذلک، أماتناالله على محبة المصطفیٰ ﷺ وأهل بيته صلی الله وسلم عليه وعليهم أجمعين۔[1325]

ترجمہ: ''میں نے ان کے مزار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے، شہر طوس میں قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، اللہ تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول ہوئی، اور مشکل دور ہوگئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بارہا آزمایا تو اسی طرح پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت پر موت نصیب فرمائے۔'' (آمین)

۶)سید المحدّثین امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے امیر المؤمنین فی الحدیث اور سید المحدّثین امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۲۵۶ھ) کی قبر مبارک سے تبرک کا ایک واقعہ درج کیا ہے:

ابو الفتح نصر بن حسن السکتی سمرقندی نے بیان کیا کہ ایک بار سمرقند میں کچھ سالوں سے بارش نہ ہوئی تو لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی، پس انہوں نے کئی بار نمازِ استسقاء ادا کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ اسی

[1325] (ابن أبی حاتم رازی، کتاب الثقات ج۸ ص ۴۵۷ رقم ۱۴۴۱۱)

اثناء میں ان کے پاس ایک صالح شخص جو "صلاح" کے نام سے معروف تھا، سمرقند کے قاضی کے پاس گیا اور اس سے کہا میں آپ سے اپنی ایک رائے اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

قاضی نے کہا: وہ کیا ہے؟

اس نے کہا:

أری أن تخرج ویخرج الناس معک الی قبر الامام محمد بن اسماعیل البخاری، وقبرہ بخرتنک، ونستسقی عندہ فعسی اللہ أن یسقینا۔ قال: فقال القاضی: نعم، ما رأی۔ فخرج القاضی والناس معہ، واستسقی القاضی بالناس، وبکی الناس عند القبر وتشفعوا بصاحبہ۔ فأرسل اللہ تعالیٰ السماء بماء عظیم عزیر، أقام الناس من أجلہ بخرتنک سبعة أیام أو نحوھا لا یستطیع أحد الوصول الی سمرقند من کثرة المطر وغزارتہ، وبین خرتنک وسمرقند نحو ثلاثة أمیال۔

"میری رائے یہ ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں کو امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر حاضری دینی چاہیئے، ان کی قبر خرتنک میں واقع ہے، ہمیں قبر کے پاس جاکر بارش طلب کرنی چاہیئے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب کردے۔ قاضی نے کہا آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔ پس قاضی اور اس کے ساتھ تمام لوگ وہاں جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ قاضی نے لوگوں کے ساتھ مل کر بارش کے لئے دعا کی اور لوگ قبر کے پاس رونے لگے اور اللہ تعالیٰ کے حضور صاحبِ قبر کی سفارش کرنے لگے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اسی وقت (اپنے صالح بندہ کی برکت کے سبب) وافر پانی کے ساتھ بادلوں کو بھیج دیا، تمام لوگ تقریباً سات دن تک خرتنک میں رکے رہے، ان میں سے کسی ایک میں بھی کثیر بارش کی وجہ سے سمرقند پہنچنے کی ہمت نہ تھی، حالانکہ خرتنک اور سمرقند کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔"[1326]

[1326] (ذھبی، سیر أعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۶۹)

۷)امام ابراہیم بن اسحاق حربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر سے تبرک

علامہ ابنِ جوزی اولیاء کرام کی سوانح پر اپنی کتاب صفۃ الصفوۃ میں امام ابراہیم بن اسحق حربی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقبرہ ظاھر یتبرّک بہ النّاس۔

"اور ان کی قبر (اپنے فیوض وبرکات کے اعتبار سے) ظاہر ہے۔لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔"[1327]

۸)حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار اکابر صوفیہ و محدثین میں ہوتا ہے۔ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں آپ کی ذات مرجعٔ اہل علم تھی۔ آپ مشہور بزرگ اور ولی کامل حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

کان من المشائخ الکبار، مجاب الدعوۃ، یستشفی بقبرہ، یقول البغدادیون: قبر معروف تریاق مجرّب۔[1328]

"آپ بزرگ ترین مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی دعا قبول ہوتی تھی۔ آج بھی آپ کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر شفایابی کی دعا کی جاتی ہے۔اہلِ بغداد کہتے ہیں: حضرت معروف کرخی کی قبر مجرّب اکسیر ہے۔"

[1327] (ابن جوزی، صفۃالصفوۃ، ج۲ ص ۲۶۶)

[1328] ((۱)قشیری، الرسالۃ القشیرۃ ص ۴۱، (۲)خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۲ ، (۳) ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ ج۲ ص ۲۱۴)

حضرت معروف کرخی کی قبر مبارک کے بارے میں عبد الرحمن بن محمد الزاہری فرماتے ہیں:

قبر معروف الكرخي مجرّب لقضاء الحوائج, ويقال: انّه من قرأ عنده مائة مرّة : قل هو الله احد، و سأل الله تعالىٰ ما يريد، قضى الله له حاجته۔

”قضائے حاجات کے لئے حضرت معروف کرخی کی قبر مجرّب ہے، کہا جاتا ہے کہ جو شخص اس کے پاس سو مرتبہ اخلاص (قل هو الله احد) پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جو چاہے طلب کرے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے۔[1329]

۹) حضرت علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن محمد بن بشار کی قبر سے تبرک

علامہ محمد بن ابو یعلی حنبلی (متوفی ۵۲۱ھ) ”طبقات الحنابلۃ“ میں صوفی زاہد علی بن محمد بن بشار کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ جب ان کا وصال ہوا تو:

دفن بالعقبة قريبًا من النجمي، و قبره الآن ظاهر يتبرك الناس بزيارته۔

”انہیں نجمی کے قریب گھاٹی میں دفن کیا گیا، اب وہاں انکی قبر مشہور و معروف ہے، لوگ اس کی زیارت سے برکت حاصل کرتے ہیں۔“[1330]

۱۰) حضرت ابو الحسن علی بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

علامہ محمد بن ابو یعلی حنبلی ہی ایک اور فقیہ زاہد ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الرحمن بغدادی کے ترجمہ میں درج کرتے ہیں:

مات بآمد سنة سبع أو ثمان و ستين و أربع مائة، و قبره هناك، يقصد و يتبرك به۔[1331]

[1329] (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱ ص ۱۲۳)

[1330] (طبقات الحنابلة، ج ۲ ص ۶۳)

[1331] (أبن أبي يعلى حنبلى، طبقات الحنابلة ج ۲ ص ۲۳۴)

ترجمہ: "آپ کا ۴۶۷ھ / ۴۶۸ھ میں آمد کے مقام پر وصال ہوا، یہیں آپ کی قبر ہے جس کا قصد کیا جاتا ہے اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔"

۱۱) حافظِ حدیث عبد الغنی مقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

علامہ ابنِ نقطہ حنبلی (م ۶۲۹ھ) نے حافظِ حدیث عبد الغنی بن عبد الواحد مقدسی کے ترجمہ میں درج کیا ہے:

بلغنا أنه توفی بمصر فی ربیع الأول من سنة ستمائة فی یوم الاثنین الرابع والعشرین من الشهر، وقبره بالقرافة یتبرک به۔

"ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ پیر کے روز ربیع الاوّل کے مہینہ ۶۲۴ھ میں مصر میں ان کا وصال ہوا، ان کی قبر قرافہ میں واقع ہے، جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔"[1332]

۱۲) حضرت عثمان بن موسیٰ طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے تبرک

امام ابنِ رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ) حضرت عثمان بن موسیٰ طائی کے تعارف میں لکھتے ہیں:

ویقال: ان الدعاء یستجاب عند قبره۔[1333]

"کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔"

معتبر کتب سے درج بالا تحقیقات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور محدثین کبار کی قبور متبرکہ پر حاضری دینا، زیارت کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنا عام مسلمانوں اور اکابرینِ امت کا طریقہ رہا ہے۔ جلیل القدر محدثین، فقہاء اور صالحین اپنے زمانہ کے اور ماقبل زمانہ کے اکابر شیوخ و صوفیاء کی قبور پر حصول برکت کے لئے اور حل مشکلات کے لئے

[1332] (ابن نقطہ، التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید، ج ۱ ص ۳۷۰)

[1333] (ابن رجب، ذیل طبقات الحنابلۃ ج ۴ ص ۲۸۷)

حاضر ہونے کو اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔ عامۃ الناس اور اکابر ان بابرکت قبور کو مستجاب الدعاء ٹھہراتے تھے اور وہاں پہنچ کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ان کی برکت کے سبب سے بارش، شفایابی، اور دیگر مشکلات کا حل طلب کرتے تھے۔

سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ وہ ائمہ جو امت کے لئے اصولِ دین مرتب کرتے رہے ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ وہ صالحین کی قبور سے حصولِ برکت کو سعادت سمجھتے تھے۔ صاف ظاہر ہے اگر اس عمل میں ذرا بھر بھی شرک وبدعت کا شائبہ ہوتا تو یہ ہر گز اس پر کاربند نہ ہوتے۔

(٦) قبورِ اولیاء اور صالحین سے تبرک پر ائمہ کے اقوال

قبورِ صالحین سے تبرک کو اطراف واکناف کے علماء کی طرف سے جواز کی سند حاصل ہے۔

اس پر چند ائمہ کرام کے درج ذیل اقوال ہیں:

۱) اس حدیث کے تحت ابن عبد البر نے شرح مؤطا التمہید میں لکھا ہے:

وفي هذا الحديث دليل على التبرّك بمواضع الأنبياء والصّالحين ومقامهم ومساكنهم۔

”اس حدیث میں انبیاء اور صالحین کے رہنے والی جگہوں، مقامات اور ان کی رہائش گاہوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔“[1334]

[1334](ابن عبدالبر، التمهيد ج ۱۳، ص ۶۶)

(۱)امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول:

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالی (م۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین میں آداب السفر کے ضمن میں فرماتے ہیں:

ویدخل فی جملته زیارة قبور الأنبیاء علیهم السلام، وزیارة قبور الصحابة والتابعین وسائر العلماء والأولیاء، وکل من یتبرک بمشاهدته فی حیاته یتبرک بزیارته بعد وفاته۔

"سفر کی دوسری قسم میں انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ، تابعین، اور دیگر علماء و اولیاء کے مزارات کی زیارت بھی داخل ہے۔ ہر وہ شخص کہ جس کی زندگی میں زیارت سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے، وفات کے بعد بھی اس کی زیارت سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے۔"[1335]

۲)امام ابن الحاج فاسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

امام ابن الحاج فاسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م۷۳۷ھ) نے اپنی کتاب المدخل میں مزاراتِ اولیاء سے برکت حاصل کرنے پر لکھا ہے:

وما زال النّاس من العلماء والأکابر کابرًا عن کابر مشرقًا ومغربًا یتبرّکون بزیارة قبورهم ویجدون برکة ذلک حسًا ومعنی۔

"مشرق و مغرب کے علماء اور اکابر مزاراتِ اولیاء کی زیارت سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں اور حسی اور معنوی طور پر اس کی برکت پاتے رہے ہیں۔"[1336]

[1335](غزالی، احیاء علوم الدین، ص۲۴۷:۲)
[1336](ابن الحاج، المدخل، ج۱ ص۲۴۹)

۳)امام ابو عبد اللہ بن نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

امام ابن الحاج الفاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ابو عبد اللہ بن نعمان کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اولیاء کرام کی قبروں کے پاس برکت کی غرض سے دعا کرنا اور ان کو وسیلہ بنانا ہمارے علماء محققین، ائمہ دین کا معمول ہے۔

امام ابو عبد اللہ بن نعمان فرماتے ہیں:

تحقق لذوی البصائر و الاعتبار أن زیارۃ قبور الصالحین محبوبۃ لأجل التبرّک مع الاعتبار فانّ برکۃالصّالحین جاریۃ بعد مماتھم کما کانت فی حیاتھم و الدعاء عند قبور الصّالحین و التشفّع بھم معمول بہ عند علمائنا المحققین من أئمۃ الدّین۔

"ارباب بصیرت و اعتبار کے نزدیک ثابت ہے کہ اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت برکت اور عبرت حاصل کرنے کے لئے محبوب عمل ہے، کیونکہ اولیائے کرام کی برکت ان کی (ظاہری) زندگی کی طرح وصال کے بعد بھی جاری ہے، اولیائے کرام کی قبروں کے پاس دعا کرنا اور ان کو وسیلہ بنانا ہمارے علماء محققین، ائمہ دین کا معمول ہے۔"[1337]

۴)علامہ ابنِ جزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

علامہ ابنِ جزی الکلبی المالکی (م ۷۴۱ھ) نے انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور سے برکت حاصل کرنے پر لکھا ہے:

و من المواضع التی ینبغی قصدھا تبرکاً قبر اسماعیل علیہ السلام و أمہ ھاجرۃ و ھما فی الحجر، و قبر آدم علیہ السلام فی جبل أبی قبیس، و الغار المذکور فی القرآن و ھو فی جبل أبی

[1337](ابن الحاج، المدخل ج ۱ ص ۲۴۹)

ثور، و الغار الذی فی جبل حراء حیث ابتداء نزول الوحی علی رسول اللہ ﷺ و زیارۃ قبور من بمکۃ و المدینۃ من الصحابۃ و التابعین و الأئمۃ۔

"وہ مقامات جن سے برکت حاصل کرنے کے لئے جانا چاہیئے ان میں مقام حجر میں واقع حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کی قبور ہیں، جبلِ ابی قبیس پر حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے، قرآن میں مذکور غارِ جبلِ ابی ثور پر واقع ہے، وہ غار جہاں حضور نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء ہوئی وہ جبلِ حراء میں واقع ہے، اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ کی قبور مشہور زیارت گاہیں ہیں۔"[1338]

۵) علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زیارتِ قبور کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے قبورِ اولیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

و أما الأولیاء فانھم متفاوتون فی القرب من اللہ تعالیٰ، و نفع الزائرین بحسب معارفھم و أسرارھم۔[1339]

ترجمہ: "اولیاء کو اللہ ربّ العزت کے ہاں قرب کے لحاظ سے مختلف مقام حاصل ہوتے ہیں، (اس وجہ سے) زائرین کو (اُن کی قبور کی زیارت کے وقت) اُن کے معارف اور اسرار کے حسبِ حال نفع حاصل ہوتا ہے۔"

[1338] (ابن جزی، القوانین الفقھیۃ ج ۱ ص ۹۶)
[1339] (ابن عابدین، حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲ ص ۲۴۲)

۶)علامہ سلیمان بن عمر البجیرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

علامہ سلیمان بن عمر بن محمد البجیرمی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م۱۲۲۱ھ) قبورِ صالحین سے تبرک پر لکھتے ہیں:

ان قصد بتقبیل أضرحتهم أو أعتابهم التبرک لم یکره۔

"اگر اولیاء کی قبور یا ان کے دروازوں کی چوکھٹ کو بطور تبرک چوما جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔"[1340]

۷)علامہ عبد الحمید شروانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

علامہ عبد الحمید شروانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م۱۳۰۱ھ) نے قبور اولیاء سے تبرک پر تحریر کیا ہے: ان قصد بتقبیل أضرحتهم التبرک لم یکره۔"اولیاء کی قبور کو حصولِ برکت کے لئے چومنا مکروہ نہیں۔"[1341]

حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی نوّر اللہ مرقدہ"جآء الحق"میں لکھتے ہیں: تبرکات کا چومنا جائز ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے: وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ (بقرۃ ۵۸)

یعنی "اے بنی اسرائیل، تم بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں!"۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے، اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی۔ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک

[1340](بجیرمی، حاشیۃ البجیرمی علی شرح منهج الطلاب، ج ۱ ص ۴۹۶-۴۹۵)

[1341](شروانی، حواشی الشروانی علی تحفۃ المنهاج بشرح المنهاج، ج۳ ص ۱۷۵)

مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں اور والدین و مشائخ کے مزارات کو تبرکاً چومنا جائز ہے۔ اس کا منکر پکّا وہابی ہے، اس بارے میں بہت دلائل موجود ہیں۔ ہم بعض ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:"اولیاء کرام کے مزارات پر مانگی گئی دعا مستجاب ہوتی ہے: اہل اللہ کے نزدیک چند شرائط کی ادائیگی کے ساتھ اولیاء اللہ کے مزارات پر دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے اور وہ شرائط صرف اللہ والے جانتے ہیں۔ اللّٰھم افض علینا من برکات الصّالحین، اے اللہ ہمارے اوپر نیک لوگوں کی برکات نازل فرما۔"[1342]

"وفی صحبۃ الاخیار و الصّلحآء شرف عظیم و سعادۃ عظمیٰ"۔

در صحبت نیکان و صالحین شرف عظیم و نیک بختی بزرگ است۔[1343]

"وجرب استجابۃ الدّعآء عند قبور الانبیاء و قبور الصّالحین" تجربہ شدہ است اجابت دعاء را بہ نزد قبور انبیاء علیھم السلام و قبور صالحین۔[1344]

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

وللدعاء اماکن یظن فیھا الاجابۃ مثلا عند رؤیۃ الکعبۃ وعلیٰ الصّفا والمروۃ وغیرھا وجرّب استجابۃ الدعاء عند قبور الصّالحین بشروطٍ معروفۃٍ عند اھلھا اللھمّ افض علینا ببرکات الصالحین۔[1345]

[1342] (فیوض الرّحمن ترجمہ روح البیان پارہ ۲، ص ۱۱۷)

[1343] (تفسیر روح البیان ج ۲، ص ۳۸۸)

[1344] (تفسیر روح البیان ج ۱، ص ۲۹۹، ج ۲ ص ۲۳۰، حصن حصین ص ۸۵)

[1345] (ص ۲۰۳، ج ۱، کذافی قطب الارشاد ص ۴۲، بحوالہ اعلام المؤمنین ص ۵۰)

صاحبِ عین العلم نے فرمایا ہے:

"ویتبرّک بزیارۃ الاحیآء والاموات"۔[1346]

ترجمہ: تبرک جوئیدہ شود بہ زیارۃ زندہ گان از مسلمانان نیک و مردہ گان صالحین۔

شیخ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب روضۃ الطالبین میں درباب تعظیم نبی کریم ﷺ میں فرماتے ہیں:

"وفضلاته طاهرةٌ على الاصح يتبرّك بها"۔

فضلات یعنی پس انگندہ نبی کریم ﷺ پاک است بر صحیح روایت طلب شفاء و برکت جستہ میشود بر آن۔[1347]

روح البیان میں ہے:

وببركات الاولياء يأتى المطر من السماء ويخرج النبات من الارض وبدعائهم يندفع البلاء عن الخلق وان حياتهم ومماتهم سواء فانهم ماتوا عن وجود اوصاف وجودهم بالاختيار قبل الموة بالاضطرار احياء على كل حال ولذا قيل:

مشو بمرگ زامدادِ اہل دل نومید

کہ خوابِ مردمِ آگاہ عین بیداریست۔[1348]

علامہ انورشاہ کشمیری نے فیض الباری میں لکھا ہے:

حكاية: لما كان من سنة المبشر أن يعطى له شيئاً، كسى كعب ثوبيه، من كان بشره بقبول توبته، ومن هذا الباب ماجرى بين الشافعي، وأحمد، فان الشافعي سافر من الحجاز

[1346](عین العلم ص ۷۷، منحۃ الخالق ج ۲ ص ۱۹۵)

[1347](روضۃ الطالبین ص ۱۱۴)

[1348](روح البیان ج ۳، ص ۴۸۱، بحوالہ اعلام المؤمنین ص ۵۳)

مرتین: مرۃ الی محمد بن الحسن، و مرۃ الی ألامام أحمد، فلما قفل الی مصر رأی رؤیا أن النبی ﷺ یقول: بشر أحمد علی بلوی تصیبه، فقال لأصحابه: من یقوم منکم بهذا الأمر؟ قال له المزنی، و هو خال الطحاوی: أنا، فلما بلغ أحمد، بشره به، بکی، و قال: لعل النبی ﷺ استشعر بی ضعفاً و خشوعاً ثم نزع قمیصه، و أعطاه، فلما رجع المزنی الی الشافعی، و قص علیه أمره سأله أنه هل أعطاه شیئاً؟ قال: نعم، هذا قمیصه، فقال له الشافعی انی لا أجهدک الیوم، و لا أقول: أن تسمحنی بقمیصه و لکن أرجو منک أن تبله فی الماء، ثم تعصره، فتعطینی عصارته، ففعله، فلما جاءه بالماء المطلوب شرب بعضه، و مسح ببعضه، فهذا شأن الأئمة، و هداۃ الدین، فیما بینهم رحمهم اللہ تعالیٰ۔[1349]

ترجمہ حکایت: جب یہ معلوم ہوا کہ بشارت دینے والے کو کچھ دینا سنّت ہے تو حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو چادریں اس کو دے دیں جس نے قبول توبہ کی بشارت دی تھی۔ اسی سلسلے کی کڑی وہ ہے جو امام شافعیرحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان جاری ہوئی تھی، وہ یہ کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو مرتبہ حجاز سے سفر فرمایا۔ ایک مرتبہ محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اور دوسری مرتبہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصر واپس آئے تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: احمد کو مصیبت پہنچنے کی بشارت دو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا: یہ خبر کون پہنچائے گا؟ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو امام طحاوی کے ماموں تھے: میں یہ کام کروں گا۔ جب امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس پہنچے اور خبر دی تو وہ رونے لگے۔ اور فرمایا: شاید رسول اللہ ﷺ نے مجھ میں کمزوری اور خشوع دیکھا ہے۔ پھر اپنی قمیص اتاری اور بشارت دینے والے کو دی۔ جب امام مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس

[1349](فیض الباری، ج۴، ص۱۲۷)

واپس گئے اور سارا واقعہ سنایا تو امام شافعیرحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا: کیا آپ کو کچھ عنایت فرمایا؟ کہا ہاں یہ قمیص دی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا آج میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گا اور نہ یہ کہوں گا کہ یہ قمیص مجھے دے دو۔ لیکن آپ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ آپ اس قمیص کو پانی میں بھگو کر نچوڑ دو اور مجھے وہ پانی دے دو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا، جب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس وہ مطلوبہ پانی لایا گیا تو کچھ پانی پی لیا اور کچھ پانی بدن پر مل لیا۔ یہ آئمہ کرام کی شان ہے جو دین کے ہادی ہیں، رحمھم اللہ تعالیٰ۔

البلاغ میں لکھا ہے:

"حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحب سے حاصل کی تھی، مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی ٹوپی جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی، مجھے عنایت فرمائی، میں نے وہ ٹوپی پانی میں بھگوئی، صبح وہ پانی پی گیا، اس پانی کی برکت سے دماغ ایسا روشن اور ذہن ایسا تیز ہو گیا کہ کوئی مشکل نہ رہی، اساتذہ کی ٹوپیاں اچھالنے والے اور مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کی اسکیمیں کرنے والے طلبہ اس پر غور کریں کہ استاذ کی عظمت کرنے والوں نے کیا دولت حاصل کی اور پھر انہوں نے دنیا کو کیسا فیض پہنچایا۔[1350]

مولوی نذیر حسین دہلوی نے عبد المنان وزیر آبادی کو اپنی دستار اتار کر دے دی اور فرمایا عبد الجبار کرتا لے گیا ہے، تم دستار لے جاؤ۔[1351]

[1350] ("جامعہ دارالعلوم کراچی کا ترجمان، البلاغ"، ص ۴۳، ربیع الثانی مارچ ۲۰۱۱ء)

[1351] (عبدالمنان ص ۱۶)

یہی بات دوسری جگہ لکھ کر (منیر سلفی نے) کہا ہے:

آپ نے وصیت کر دی تھی کہ میری تجہیز و تکفین کے وقت کفن کے نیچے یہ دستار لپیٹ دی جائے۔ ایضاً صفحہ ۹۰۔ پھر لکھا ہے تبرک لپیٹ دیا گیا۔ ایضاً ص ۹۷۔

مولوی عبد اللہ روپڑی نے لکھا ہے کہ تبرک بآثار الصالحین سے کسی کو انکار نہیں۔[1352]

مولوی یحییٰ گوندلوی نے تبرکات نبوی ﷺ کے عنوان کے تحت تمام انبیاء کرام خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے جسم کے ہر عضو کو متبرک مانا ہے۔[1353]

مولوی وحید الزمان نے لکھا ہے:

صالحین کے آثار سے برکت لینا درست ہے۔[1354]

مولوی منظور نعمانی دیوبندی نے لکھا ہے: اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور نفع کی امید ہے۔[1355]

مولوی شبیر عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے: تبرک بآثار صالحین جائز ہے۔[1356]

مولوی محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کی نانی کے بارے میں لکھا ہے:

جس وقت انتقال ہوا ان کپڑوں میں کہ جن میں پاخانہ لگ گیا تھا، عجیب و غریب مہک تھی کہ آج تک کسی نے ایسی خوشبو نہیں سونگھی۔[1357]

[1352] (فتاویٰ اهلحدیث ج ۱ ص ۳۴۷)

[1353] (عقیدہ مسلم، ص ۲۹۷)

[1354] (تیسیر الباری ج ۱ ص ۳۳۷، ج ۷ ص ۵۹۷، صحیح مسلم مترجم ج ۶ ص ۳۷)

[1355] (معارف الحدیث ج ۳ ص ۴۷۰)

[1356] (فضل الباری ج ۲ ص ۲۸۲)

[1357] (حاشیہ تذکرۃ المشائخ دیوبند، ص ۱۹۶ از مفتی عزیز الرحمان)

مزید لکھا ہے: پوتڑے نکالے گئے جو بچے کو دیئے جاتے تھے تو ان میں بدبو کی جگہ خوشبو اور ایسی نرالی مہک پھوٹتی تھی کہ ایک دوسرے کو سنگھاتا اور ہر مرد اور عورت تعجب کرتا تھا۔ چنانچہ بغیر دھلوائے ان کو تبرک بنا کر رکھ دیا گیا۔[1358]

دیکھئے کہ دوسروں کو بزرگوں کے صاف اور شفاف تبرکات کا طعنہ دینے والے پاخانے کو تبرک بنا رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

اکثر اہل محبت کا یہی معمول ہے کہ تبرکات کو حتی الامکان بعینہ محفوظ رکھتے ہیں اور اسی کو ادب سمجھتے ہیں یہ حدیث اس کی مؤید ہے۔[1359]

مزید لکھا ہے: ان بزرگوں کے آثار و تبرکات اس مبارک جگہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔[1360]

مزید لکھا ہے: نقش نعلین پاک بھی برکات کا ذریعہ ہے۔[1361]

مولوی رشید گنگوہی کے بارے میں لکھا ہے:

مقام ابراہیم کا ٹکڑا آپ (گنگوہی) کے پاس تھا جس کو خدام کی خواہش پر آپ صندوقچی سے نکالتے اور پانی میں ڈال کر نکال لیتے اور پانی کو مجمع پر تقسیم کرا دیا کرتے تھے۔[1362]

دیوبندی حضرات برکت و شفا کے لئے یعقوب نانوتوی کی قبر کی مٹی لے جاتے اور آرام پاتے۔[1363]

[1358](تذکرۃ الخلیل ص ۹۷،۹۶)

[1359](التکشف ص ۲۱۶)

[1360](جمال الاولیاء ص ۹۵)

[1361](نشر الطیب ص ۳۸۵)

[1362](تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۶۷)

[1363](ارواح ثلاثہ ص ۲۹۰، آپ بیتی ص ۹۸۲)

مولوی زکریا سہارنپوری نے رائے پوری اور مدنی صاحب کے متعلق لکھا ہے:

آپ دونوں کی جوتیوں کی خاک اپنے سر پر ڈالنا باعث نجات اور فخر اور موجب عزت سمجھتا ہوں۔[1364]

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا ہے: واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پاؤں کو دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے۔[1365]

الفضل ما شھدت بہ الاعداء مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تعصب، ہٹ دھرمی اور جہالت کا کوئی علاج نہیں۔

مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی لکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے آثار و تبرّکات کی تعظیم و تکریم کرنا دینی اور دنیاوی حاجتوں میں ان کا وسیلہ پیش کرنا، ان کی زیارت کو مرادوں کے حاصل ہونے اور بلاؤں کے دور ہونے کا ذریعہ سمجھنا، پانی وغیرہ جو چیزیں ان سے متعلق ہیں، ان میں برکت و شفاء کا اعتقاد رکھنا، تبرّکاتِ نبوی ﷺ کی زیارت کے وقت درود شریف پڑھنا، ان کی کسی قسم کی بے ادبی سے مصیبت کا نازل ہونا، یہ تمام چیزیں قرآن و حدیث آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و سیرت سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بخوبی ثابت ہے خواہ یہ تبرکات اصلی ہوں یا مثالی ہوں اور تبرکات اصلیہ بھی عام ہیں۔ چاہے وہ سند سے ثابت ہو یا فقط مشہور و منسوب اور محتمل فیہ ہوں۔ اسی طرح تبرکات مثالیہ بھی عام ہیں، خواہ وہ مصنوعی ہوں جیسے وہ چیزیں جن کو صلحاء و اتقیاء علماء کرام و مشائخ عظام نے

[1364] (آپ بیتی ص ۴۵۹)

[1365] (تذکرۃ الرشید ج ا ص ۱۱۳) (بحوالہ "اختلاف ختم ہوسکتاھے از ترجمان اھلسنت" علامہ ابو الحقائق مولانا غلام مرتضیٰ ساقی مجددی زیدمجدہ، ص ۲۵ تا ۲۸)

نیک نیتی کے ساتھ استخراج فرمایا ہو اور اسے مستحسن جانا ہو اور امورِ خیر اس پر مرتّب ہوتے ہوں۔ نہ کہ وہ چیزیں جن کو فاسقوں اور اہل بدعت و ضلال نے ایجاد کیا ہو اور اس پر شر اور برائیاں مرتب ہوتی ہوں۔ خواہ وہ تبرکات مثالیہ غیر مصنوعی ہو یعنی وہ چیزیں جو بزرگوں اور ان کے تبرکات شریفہ سے صور تاً صفتاً لفظاً یا کسی بھی قسم کی مشابہت یا مشارکت رکھتے ہوں اور تعظیم و تکریم کے افعال بھی عام ہیں خواہ وہ تعظیم کی کیفیت مخصوص طور پر شارع علیہ السلام سے ثابت ہو یا سلف صالحین اولیائے کاملین رحمہم اللہ اجمعین سے منقول ہو۔ بشرط یہ کہ وہ تعظیم ممنوعات شرعیہ اور اہل فسق کا مخصوص شعار نہ ہو۔

تبرکات اصلیہ کے بیان میں اللہ تعالیٰ حضرت طالوت کا واقعہ بیان فرماتا ہے۔ ”طالوت کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس میں تمہارے ربّ کی جانب سے سکینہ ہو گا اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جن کو اولاد موسیٰ و اولادِ ھارون علیہم السلام نے چھوڑا۔ اس صندوق کو فرشتے اٹھالائیں گے۔“

معتبر تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس تابوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے نعلین مبارک تھے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور کچھ من تھا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا۔ وہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس تھا اور وہ جنگوں میں اس کے باعث فتح و کامیابی پاتے تھے۔ جب بنی اسرائیل نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط فرمادیا۔ اور وہ یہ تابوت بنی اسرائیل سے چھین کر لے گئے۔ اور جس وقت عمالقہ نے اس کی بے ادبی کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر مصیبتوں اور بلاؤں کو مسلط فرمادیا۔ بنی اسرائیل کی ایک عورت ان میں تھی، اس نے ان سے کہا یہ بلائیں تابوت کی بے ادبی کرنے کے سبب آئی ہیں، تم اس کو بنی اسرائیل کے پاس پہنچا

دو۔ انہوں نے اس تابوت کو بیل گاڑی پر سوار کر کے روانہ کر دیا۔ فرشتوں نے اس کو حضرت طالوت کے پاس پہنچا دیا۔

علامہ بغوی معالم التنزیل میں فرماتے ہیں:

"تابوت کا قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ایک تابوت نازل فرمایا جس میں انبیاء کرام علیہ السلام کی تصویریں تھیں۔ وہ شمشاد کی لکڑی کا تھا۔ اس کی لمبائی تین گز اور چوڑائی تین گز تھی۔ وہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات تک آپ علیہ السلام کے پاس رہا، پھر وہ شیث علیہ السلام کے پاس پہنچا، پھر اولاد آدم میں وراثتاً منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تابوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا پھر وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس رہا کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس۔ یہاں تک کہ وہ تابوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں تورات اور اپنا کچھ سامان رکھتے تھے۔ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک ان کے پاس رہا۔ پھر بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام اسے ایک دوسرے سے پاتے رہے۔[1366]

امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مما ترک ال موسیٰ و ال ھارون کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس تابوت میں توریت کی دو تختیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور آپکے نعلین مبارک تھے۔ حضرت ھارون علیہ السلام کا عمامہ اور عصاء اور ایک قفیز من تھا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ اور وہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس رہا۔ جب بنی اسرائیل کے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو ان کے نبی علیہ السلام اس کے ذریعہ فیصلہ فرماتے۔ اور جب بنی اسرائیل جنگ میں جاتے تو اس تابوت کو

[1366] (معالم التنزیل امام بغوی ج ۱ ص ۲۲۹، دار المعرفت بیروت، بحوالہ مجموعہ رسائل فضل رسول ص ۲۹۹)

اپنے ساتھ رکھتے اور اس کے وسیلہ سے اپنے دشمن پر فتح طلب کرتے تھے اور جب بنی اسرائیل میں نافرمانی اور فساد شروع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط فرمادیا۔ یہ قوم ان سے تابوت پر غالب آگئی (یعنی تابوت اپنے ساتھ لے گئی)۔ عمالقہ نے اس تابوت کو بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب انہوں نے دوسرے دن صبح کی تو تابوت بت کے اوپر تھا اور بت اس کے نیچے۔ پھر انہوں نے تابوت کو لے کر بت کے اوپر کسی جگہ رکھ دیا تو بت کے دونوں ہاتھ پیر کٹ گئے اور تمام بت سر نگو ہو گئے۔ عمالقہ نے اس تابوت کو بت کدہ سے نکال کر اپنے شہر کے کسی گوشہ میں رکھ دیا تو وہاں کے لوگوں کی گردنوں میں بیماری پیدا ہوئی اور ان کی بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔ تب انہوں نے اس تابوت کو شہر سے نکال کر جنگل میں دفن کر دیا۔ اب جو شخص وہاں بول و براز کے لئے جاتا تو اسے فالج یا بواسیر کی بیماری ہو جاتی۔ تو یہ لوگ بڑے حیران ہوئے۔ تو ایک عورت نے جو بنی اسرائیل سے تھی، ان سے کہا کہ جب تک یہ تابوت تمہارے درمیان رہے گا، تم ناپسندیدہ چیزیں دیکھتے رہو گے۔ اس تابوت کو اپنے پاس سے دور کر دو تو اس عورت کے مشورہ سے ایک گاڑی لائے، اور اس پر تابوت رکھا پھر اس گاڑی کو دو بیلوں پر باندھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بیلوں پر چار فرشتوں کو مقرر فرمادیا۔ فرشتے ان دونوں بیلوں کو چلانے لگے اور بیل چلنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بیل بنی اسرائیل کی زمین پر ٹھہر گئے اور انہوں نے اس تابوت کو اس زمین پر رکھ دیا جہاں بنی اسرائیل کے کھیت تھے۔"[1367]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی (البقرۃ ۱۲۵)

ترجمہ: "مقام ابراہیم (علیہ السلام) کو مصلیٰ بناؤ۔"

[1367](معالم التنزیل امام بغوی ج ا ص ۲۳۰ دار المعرفۃ بیروت)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز گاہ بناؤ۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ) وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا تھا۔ تو آپ کے دونوں قدم مبارک کا نشان اس پر نقش ہو گیا۔ خانہ کعبہ کے طواف کے بعد دو رکعات تحیۃ الطواف اس پتھر کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی نداء دی تھی۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد اس پتھر کے نزدیک کھڑا ہونا اور خدا کی عبادت بجالانا گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے حاضر ہونا اور ان کے حضور میں خدا کی عبادت بجالانا ہے۔[1368]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الصَّفَاوَالْمَرْوَۃَمِن شَعَآئِرِ اللّٰہِ (البقرۃ ۱۵۸)

ترجمہ: "بے شک صفا اور مروۃ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی درج بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"صرف حضرت ہاجرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی برکت کے باعث صفا اور مروہ کو شعائر اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے کہ ان دونوں پر شکوہ پہاڑیوں کے درمیان حق سبحانہ وتعالیٰ کی معیت خاصہ ان ہی کی حق میں جلوہ گر ہوئی اور اللہ نے ان ہی دو پہاڑیوں کے درمیان ان کی مشکل حل فرمائی۔ پھر ان دونوں پہاڑیوں کا شعائر اللہ ہونا جو ہر ذاتی کے مرتبہ میں ہو گیا۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ارشاد فرمایا:

وَّقُولُوا حِطَّۃٌ نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطٰیٰکُمْ (البقرۃ ۵۸)

[1368] (تفسیر فتح العزیز سورۃ بقرۃ زیر آیت مذکور)

ترجمہ: ”تم کہو: ہمیں معاف کر دے، ہم تمہاری مغفرت کر دیں گے۔“

اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بعض متبرک مقامات پر نعمت پروردگار اور رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ یا بعض اہل صلاح کے قدیم خاندانوں میں یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے دست حق پرست پر توبہ کرنا اور ان کی طاعت بجالانا جلدی قبولیت اور اچھے نتائج کا سبب ہوتی ہے۔ اس کے باعث ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حکایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز آنحضرت ﷺ کے ساتھ رات کے وقت کسی غزوہ یا سفر میں جارہے تھے۔ جب ہمارا گزر اس پہاڑی کے پیچھے سے ہوا جس کو لوگ دار الحنظل کہتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑی اس دروازہ کی طرح ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ دروازہ میں سر جھکائے ہوئے داخل ہو۔ اور یہ کہو ”بخش دے“ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔“

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سورہ قدر کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”اس سورۃ کے مضمون سے معلوم ہوا کہ عبادات و طاعات کو نیک اوقات، مبارک مقامات اور صالحین کی موجودگی کی وجہ سے ثواب وبرکات وانوار کے سلسلہ میں ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔“

شفاء شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت کابس بن ربیعہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ادب کے ساتھ ان سے پیش آتے اور ان کو اپنے تخت پر بٹھاتے۔ کیونکہ آپ حضور ﷺ سے صورتاً مشابہت رکھتے تھے۔[1369]

[1369](شفاء شریف جلد ۲ ص ۵۷، الباب الثالث فی تعظیم امرہ: فصل و من اعظامہ)

عموماً کلام میں مستعمل الفاظ، برکت، برکات، تبرک، مبارک وغیرہ سب ایک ہی مادہ "برک" سے بنے ہیں۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ برکت کا معنی ہے "کسی چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خیر کا ثابت ہونا۔"

سب سے بابرکت ذات قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِی بِیَدِہِ الْمُلْکُ (الملک ۱)

برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں حکومت ہے۔

قرآن وبرکت: وَ ھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنزَلْنٰہُ (الانبیاء ۵۰)

یہ برکت والا ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام بھی مبارک ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے:

وَّ جَعَلَنِی مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ (مریم ۳۱)

یعنی میں جہاں کہیں بھی ہوں اللہ نے مجھے بابرکت بنایا ہے۔

وَ بٰرَکْنَا عَلَیْہِ وَعَلٰی اِسْحٰقَ (الصافات ۱۱۳)

یعنی ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں۔

بعض مقامات بھی مبارک ہیں "بٰرَکْنَا فِیھَا" یعنی اور علاقہ شام میں ہم نے برکت رکھی ہے۔

آثار و تبرکات کی شرعی حیثیت

تبرکات کی اہمیت پر قرآن و حدیث اور اقوال انبیاء کے ناقابل تردید ثبوت:

آثار انبیاء کے اثبات پر قرآنی شواہد:

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِینَ (۹۶) فِیهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیمَ (آل عمران ۹۷)

”بے شک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہاں کو راہ دکھاتا، اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے کعبہ بنایا، ان کے قدم پاک کا نشان اس پتھر پر نقش ہو گیا۔“

ابراھیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان: تفسیر کبیر میں ہے: کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہیم ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کا قدم مبارک اس میں نقش ہو گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ و معجزہ انبیاء ہے۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے قدم اٹھایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشان قدم محفوظ ہو جائے۔ پھر اسے حق سبحانہ نے مدتہا مدت باقی رکھا۔ تو یہ اقسام اقسام کے عجیب و غریب معجزے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

اسی ایک پتھر کو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں بیان فرمایا۔ اس لئے کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام کا نشان قدم ہو جانا، ایک۔ اور ان کے قدموں کا گٹوں تک اس میں پیر جانا، دو۔ اور پتھر کا ایک ٹکڑا نرم ہو جانا باقی کا اپنے حال پر رہنا، تین۔ اور معجزات انبیاء سابقین علیہم السلام میں اس معجزہ کا باقی رکھنا، چار۔ اور باوجود کثرت اعداء ہزاروں برس اس کا محفوظ رہنا، پانچ۔ یہ ہر ایک بجائے خود ایک آیت معجزہ ہے۔

مولیٰ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (البقرہ ۲۴۸)

بنی اسرائیل کے نبی شمویل علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے، اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔ فرشتے اسے اٹھا کر لائیں بے شک اس میں تمہارے لئے عظیم نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

نبی علیہ السلام کے آثار و تبرکات شریفہ کی تعظیم مسلمان کا فرض عظیم ہے۔ تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے، جس کی برکت سے بنی اسرائیل ہمیشہ کافروں پر فتح پاتے رہے۔ اس میں کیا تھا: "وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ" اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات سے کچھ بقیہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ وغیرہ۔

متروکات نبی ﷺ

سیرت پاک کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں متروکات نبی ﷺ کی سب سے زیادہ مستند فہرست حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سید المرسلین" کے صفحہ ۸۰ میں لکھی ہے۔

ذیل میں ہم اس کی نقل پیش کرتے ہیں:

وصال کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ چیزیں چھوڑیں:

۱)دو یمنی چادریں، ایک یمانی ازار بند، دو عدد صحاری کپڑے، ایک صحاری اور ایک صحولی قمیص، ایک یمنی جبّہ، ایک منقش چادر، تین یا چار عدد چھوٹی دیوار والی ٹوپیاں، ایک رنگ دار لحاف۔

۲)آنحضرت ﷺ کے پاس چمڑے کا ایک تھیلا بھی تھا جس میں آئینہ، کنگھی، سرمہ دان اور مسواک رکھا کرتے تھے۔

۳)سرور عالم ﷺ کا بچھونا چمڑے کا تھا، اس میں روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے۔

۴)آنحضرت ﷺ کے پاس ایک پیالہ تھا، جس پر مضبوطی کے لئے تین جگہ چاندی کے پترے لگے ہوئے تھے، کانچ کا ایک برتن حناوغیرہ کے استعمال کے لئے تھا، جب حضور ﷺ اپنے سر مبارک میں حرارت محسوس کرتے تو حنا استعمال فرماتے تھے۔

۵)آپ ﷺ کے پاس بلور کا ایک پیالہ، ایک ڈول غسل کے لئے، ایک اور بڑا پیالہ اور ایک پتھر کا برتن بھی تھا۔

۶)صدقہ فطر ناپنے کے لئے ایک پیمانہ بھی تھا۔ اس پیمانہ کا وزن 58.5 تولہ تھا۔

۷)چاندی کی انگشتری بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تھی۔اس میں نگینہ بھی چاندی کا تھا اور اس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ ایک روایت ہے کہ یہ انگشتری لوہے کی تھی اور نگینے کو چاندی کے ٹانکے سے جوڑا گیا تھا۔

۸)شاہ نجاشی نے دو جوڑے موزے آنحضرت ﷺ کی خدمت پاک میں ہدیۃً بھیجے اور آپ ﷺ نے انہیں استعمال فرمایا۔

۹) آنحضرت ﷺ کے کمبل اور عمامہ (جس کو سحاب کہا جاتا ہے) کا رنگ سیاہ تھا۔

۱۰)عام استعمال کے کپڑوں کے علاوہ کپڑے حضور ﷺ کے پاس ایسے بھی تھے جنہیں خاص طور پر جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے۔

۱۱)ایک رومال بھی تھا جس کو وضو کے بعد استعمال فرماتے تھے۔

دوسری کتابوں کی بعض روایات کے مطابق آپ کے کچھ ہتھیار مثلاً زرہ، کمانیں، تیر اور ڈھال وغیرہ جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تھیں وہ بھی ترکے میں شامل تھیں۔ایک چارپائی اور بستر کا بھی ذکر ملتا ہے، یہ ترکہ اس شاہ عرب و عجم کا تھا، جس کی ایک جنبش نگاہ پر لوگ اپنی جان قربان کرنے کو دنیا جہاں کی سب سے بڑی دولت سمجھتے تھے اور جس کی فیاضی و سخاوت کی نظیر آج تک کوئی پیش نہ کر سکا۔

ان متروکات کا (Disposal) کیا ہوا اس کے متعلق زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔اور یوں بھی نبی کا ترکہ عوام الناس کی ملکیت ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں چند چیزوں کے مسجد نبوی ﷺ میں کسی جگہ دفن کر دینے کی روایت ملتی ہے اور یہ دفن بھی آپ ﷺ کے وصال کے بہت بعد کی بات ہے۔

ایک نہایت قوی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ایک تلوار، ایک نیزہ، ایک زرہ، ایک خود، ایک سفید رنگ کا خچر، ایک گھوڑا جس کا نام دلدل تھا اور ایک سانڈنی جس کا نام عضبا تھا، اپنے متروکات میں چھوڑا ہے۔ جبکہ لونڈی غلام آپ نے اپنے وصال سے پہلے آزاد کر دیئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ سے خلفائے راشدین تک کے تبرکات

۵۷۶ھ میں سلطان ناصر الدین نے مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں ایک گنبد بنانے کا حکم دیا تاکہ آنحضرت ﷺ کے متروکات کو محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ متروکات نبوی میں سے جو میسر ہوئی اس میں رکھی گئیں، ان میں سے ایک اونی چادر اور ایک سوتی چادر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھیں۔

یہ چادریں وہ ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ایک طیالسی جبہ تھا جس کی کفوں پر ریشم لگا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اسے وقتاً فوقتاً پہنا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس کا ایک حصہ پانی میں بھگو کر یہ پانی مریض کو پلایا جاتا تھا اور وہ صحت مند ہو جاتا تھا۔ اور محفوظات بھی اس میں رکھی گئیں جیسے خانہ کعبہ کی چادر اور جانماز اور جھنڈے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محفوظات وغیرہ ان میں سے کچھ آستانہ (ترکی) کے عجائب گھر میں بھیج دی گئیں۔

آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے کہ جس چیز کو کسی طرح آپ ﷺ سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا، صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ دین رضی اللہ عنہم اجمعین ہمیشہ اس کی تعظیم و حرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے۔ اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں۔ بلکہ جو چیز حضور ﷺ کے نام پاک سے مشہور ہو

اس کی تعظیم شعائر دین میں سے ہے۔شفا شریف، مواہب لدنیہ اور مدارج شریف وغیرہ میں ہے:

من اعظامه ﷺ اعظام جمیع اسبابه و مالمسه او عرف به یعنی رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جن کو نبی ﷺ سے کچھ علاقہ ہو اور جسے نبی ﷺ نے چھوا ہو یا جو حضور ﷺ کے نام پاک سے مشہور ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کا ایک جزء یہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور ﷺ سے کچھ علاقہ ہو، حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو، حضور ﷺ نے اسے چھوا ہو یا حضور ﷺ کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو، ان سب کی تعظیم کی جائے۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے۔ کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے ایسا شدید حملہ فرمایا جس پر اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تعجب کیا اس لئے کہ اس شدید و سخت حملہ میں بہت مسلمان کام آئے۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مبادا اس کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگیں۔

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر اطہر سید عالم ﷺ میں جو جگہ جلوس اقدس ﷺ کی تھی اسے ہاتھ سے مس کر کے وہ ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیتے۔

حضور ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کے آثار سے تبرک کا حصول

میرے بھائیو! اس بات میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بڑی بابرکت ہے۔ ربّ تعالیٰ نے ان میں ایسی برکت رکھی ہے جو ان ہی کے ساتھ خاص ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات کو بخوبی جانتے تھے۔ جیسا کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ: ''نبی ﷺ اپنے آخری مرض الوفات میں اپنے

آپ پر معوذات سے دم فرمایا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ بوجھل ہو گئی تو میں وہ معوذات پڑھتی اور آپ ﷺ کے ہاتھ پکڑ کر ان کے جسم پر پھیرتی بسبب ان کی برکت کے۔"

تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے باخبر تھیں اور ان کے اپنے ہاتھ سے ہی ان کے جسم مبارک پر مسح کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس عمل کی توثیق فرمائی۔ یہ نہیں فرمایا کہ تیرے اور میرے ہاتھ میں کوئی فرق نہیں۔

اور یہ برکت عظیمہ آپ ﷺ کا ہی خاصہ تھی۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے اذن و امر سے ہی حاجت مند کو فیض یاب کرتی تھی۔

آپ ﷺ کے تبرکات کی اہمیت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں

صحیح بخاری شریف "کتاب اللباس" میں عیسیٰ بن طہمان سے روایت ہے:

قال اخرج الینا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعلین لھا قبالان فقال ثابت البنانی ھذا نعل النبی ﷺ یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔ ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کی نعل مقدس ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آثار مصطفی ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ان کو وہ جگہ دکھائیں جس پر نبی اکرم ﷺ نے بوسہ دیا تھا۔ انہوں نے ناف کے بارے میں بتایا تو اس جگہ کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آثار و ذریت مصطفوی ﷺ سے برکت حاصل کرنے کے لئے بوسہ دیا۔

ریشم سے زیادہ نازک ہاتھ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے کبھی کوئی ریشم رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم نہیں چھوا۔ اور نہ کوئی خوشبو حضور ﷺ کے بدن مبارک سے زیادہ خوشبودار سونگھی۔" اسی طرح بیان کرتے کرتے فرط محبت سے اتنے بے قرار ہوئے کہ گریہ طاری ہو گیا اور زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے۔

حضور ﷺ سے منسوب مشکیزہ: کبشہ صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ میں کھڑی ہوئی اور بعد میں اس دہانہ مشک کو کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا۔

مبارک کھجوریں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ چند کھجوریں حضور ﷺ نے ان کو دم کر کے دی تھیں، جنہیں انہوں نے ایک توشہ دان میں رکھ لیا تھا اور ان میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ ان میں سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ ان کے پاس سے کہیں گم ہو گیا۔ جس کا انہیں بہت صدمہ ہوا۔

وہ اکثر کہتے تھے کہ لوگوں کو ایک غم ہی ہے (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا) اور مجھے آج دو غم ہیں توشہ دان کے کھوئے جانے کا غم اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا غم۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس برکت نبی ﷺ کے فوت ہو جانے کا غم تھا جو اُن کھجوروں میں تھی۔

عشاق کی یہی حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی ذرا ذرا سی چیز پر جان دیتے ہیں۔

عشاق کو اس حب منزل محبوب کی بنا پر جنت کی بھی تمنا اسی طمع و اشتیاق میں ہو گی کہ وہاں جنت میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ جنت میں گو راحت ان شاء اللہ ملے گی مگر عشاق کو جنت کی اصل تمنا اور آرزو زیادہ اسی لئے ہوتی ہے کہ وہاں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت ہو گی۔ تو گو یا جنت میں بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات بابرکت ہی مقصود ہو گی۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال مبارک:

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک سو اونٹ کی قربانی ادا فرمائی۔ ۶۳ اونٹ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود اپنے دست اطہر سے ذبح کئے اور ۳۷ کی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قربانی کی۔ قربانی سے فارغ ہو کر سر مبارک معمر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منڈوایا۔ فرط محبت سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے کچھ مبارک بال عنایت فرمائے اور باقی ماندہ بال حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پیالہ مبارک:

حضرت خداش بن ابی خداش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا استعمالی پیالہ شریف تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کبھی حضرت خداش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ پیالہ منگواتے اور اس میں آب زمزم رکھ کر پیتے، پھر اپنے چہرے پر اس پانی کے چھینٹے مارتے۔

حضور ﷺ کے نعلین مبارک:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود آپ کے پاس سرکار اقدس ﷺ کے نعلین مقدس اور پیالہ شریف کی گراں بہا دولتیں موجود تھیں۔

حضور ﷺ کا جبہ مبارک:

سراج العاشقین حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک جبہ مبارک کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان تک ضرور پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جبہ مبارک ان تک پہنچایا۔ اس روایت پر تقریباً سب علماء اور صوفیاء کا اتفاق ہے۔

شاہ جہان بادشاہ کے پوتے اور شہزادہ دارا شکوہ کے بیٹے مرزا محمد اختر دہلوی نے "تذکرۃ الاولیاء" میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور جبہ مبارک کو چھت کے ساتھ معلق پایا تو اپنا سر اس کے نیچے جھکا دیا اور کافی دیر تک اسی حالت میں رہے کیونکہ فیوض وبرکات اور انوار و تجلیات کا فیضان بہت زیادہ تھا۔

حضور ﷺ کے ناخن مبارک:

خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی یہ مشاہداتی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ناخن مبارک ترشوا کر غلاموں کو عطا فرمائے۔

لحاف نبوی ﷺ:

سیدنا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ لحاف اور تہبند سنبھال کر رکھا تھا جس میں سرکار دو عالم ﷺ کا وصال شریف ہوا۔

چادر نبوی ﷺ:

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے ہاں آئیں، وہ ایک خوبصورت نقش دار چادر لائی تھیں۔ وہ کہنے لگیں کیا آپ ﷺ اسے پہننا پسند فرمائیں گے ؟ تو وہ آپ ﷺ نے لے لی اور آپ کے قبول کرنے کے انداز سے محسوس ہوتا تھا گویا آپ ﷺ کو اس کی ضرورت تھی اور پھر آپ ﷺ نے اسے اوڑھ بھی لیا۔ ایک صحابی نے دیکھا اور کہنے لگے حضرت یہ تو بہت خوبصورت ہے ! آپ ﷺ یہ مجھے عنایت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لے لو۔ جب نبی کریم ﷺ مجلس سے تشریف لے گئے تو ساتھیوں نے اس صحابی کو ملامت کی اور کہنے لگے کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ جبکہ تم نے دیکھا بھی آپ ﷺ کے انداز سے لگ رہا تھا کہ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت ہے اور پھر بھی تو نے وہ مانگ لی۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ جب بھی آپ ﷺ سے کوئی شے مانگی جائے آپ ﷺ انکار نہیں فرماتے۔ وہ کہنے لگا دراصل جب آپ ﷺ نے اسے پہن لیا تو اس کے بابرکت ہونے کے خیال سے میں نے مانگ لیا شاید یہ میرا کفن بن سکے۔[1370]

حضور ﷺ کا پسینہ مبارک:

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے ہاں آرام فرماتے۔ اور بعض اوقات وہ اپنے گھر پر بھی نہ ہوتیں۔ ایک موقعہ پر آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور بستر پر سوگئے۔ انہیں خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ آپ کے گھر میں بستر پر آرام فرمارہے ہیں۔ وہ آئیں اور دیکھا کہ آپ ﷺ کو پسینہ آرہاہے اور چمڑے کے بستر کے ایک حصہ پر پسینے کے قطرے جمع ہو

[1370] (صحیح بخاری)

گئے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک ڈبہ سالے آئیں اور اس میں آپ ﷺ کے پسینے کے قطرات جمع کرنے لگیں۔ اس کیفیت میں آپ ﷺ اٹھے اور پوچھا ام سلیم کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ جناب ان مبارک قطرات میں ہم اپنے بچوں کے لئے برکت کے امیدوار ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا درست ہے۔

اور آپ ﷺ وہاں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو نیند آجاتی تو وہ آپ ﷺ کا پسینہ مبارک اور گرے ہوئے بال جمع کر کے شیشی میں ڈال لیتیں اور پھر دوسری خوشبوؤں میں ملا لیتی تھیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں اپنی خوشبو میں ملا لیتی ہوں۔

وضو کا بچا ہوا مبارک پانی:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کے وضو کا پانی لے کر نکلے تو کوئی اس پانی کو لے رہا ہے کوئی دوسرے سے تری حاصل کر کے مل رہا ہے۔

شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرمایا:

" فيه التبرک بأثار الصالحين واستعمال فضل طهورهم وطعامهم وشرابهم ولباسهم۔"

یعنی اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے اور ان کے وضو و غسل سے بچے ہوئے پانی اور ان کے کھانے، پینے اور لباس کے بقیہ کے استعمال کے سلسلہ میں دلیل ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جناب سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ مجھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور کہا حضور! میرا یہ بھانجا بیمار ہے۔ آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور میں نے

آپ ﷺ کے وضو والے پانی سے تھوڑا سا پیا۔ پھر میں آپ ﷺ کی کمر کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور آپ کی پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت بھی دیکھی جو کجاوے بٹن یا گرہ کی مانند تھی۔

اسی سلسلہ میں صلح حدیبیہ کے واقعہ میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ روایت لائے ہیں کہ قریش مکہ کا نمائندہ عروہ اصحاب رسول ﷺ کو نہایت غور سے دیکھتا رہا۔ وہ کہتا ہے کہ جو نہی آپ ﷺ تھوکتے تو وہ تھوک بجائے زمین کے کسی صحابی کے ہاتھوں پر پہنچتی اور وہ اسے اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا اگر وہ کوئی حکم دیتے تو سب فوراً بڑھ چڑھ کر اس کی تعمیل کرتے۔ اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اس پانی پر ان کی خوب کھینچا تانی ہوتی اور جب آپ ﷺ بولتے تو آپ کے سامنے وہ آوازیں پست کر لیتے اور عظمت و تکریم کے باعث آپ ﷺ سے نظریں نہ ملاتے تھے۔

سرخ رنگ کے بال مبارک:

ایک اور روایت میں مالک بن اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہمیں عثمان بن عبد اللہ بن موھب نے بیان کیا کہ میرے گھر والوں نے مجھے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پانی کا پیالہ دے کر بھیجا۔

اسماعیل نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اپنی تین انگلیاں بند کر لیں یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ پیالہ چھوٹا سا تھا۔ یا اس میں پانی تھوڑا سا تھا اس میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بال رکھا ہوا تھا تو جسے نظر لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں اپنا پانی کا برتن بھیج دیتا۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے اس ڈبیہ میں دیکھا تو سرخ رنگ کے چند بال دکھائی دیئے۔ [1371]

[1371] (صحیح بخاری)

آپ ﷺ نے کس طرف سے کھانا کھایا؟

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: اکل منہ و بعث بفضلہ الیّ یعنی ایک موقع پر آپ ﷺ نے کھانا کھایا اور بقیہ میری جانب بھیج دیا۔ مسلم شریف میں حدیث ہے: سأل عن موضع اصابعہ فتتبّع موضع اصابعہ۔ یعنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے یہ دریافت فرماتے کہ سرکار ﷺ نے کہاں انگلیاں رکھ کر تناول فرمایا پھر خاص اسی جگہ سے اٹھاتے۔

شرح حدیث:

اس حدیث کے تحت شرح مسلم میں ہے:

فیہ التبرک بأثار الخیر فی الطعام۔

یعنی اس میں کھانے وغیرہ میں بزرگ ہستی سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔

شرح مسلم شریف میں عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

انی احب تاتینی وتصلی فی منزلی فاتخذہ مصلیٰ یعنی میری خواہش ہے کہ آپ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اسے جائے نماز بنالوں۔

امام ابوزکریا نووی (ولادت ۶۳۱ھ وفات ۶۷۷ھ) اس حدیث کے تحت اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

فی ھذا الحدیث انواع من العلم۔ ففیہ التبرک بأثار الصالحین وفیہ زیارۃ العلماء والفضلاء والکبر اتباعھم وتبریکھم ایاھم۔

یعنی اس حدیث سے چند چیزوں کا علم ہوا۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ صالحین کے آثار سے برکت حاصل کی جائے۔ اسی طرح اس سے اہل علم و فضل اور بزرگان کا اپنے معتقدین کی ملاقات کے لئے جانا اور انہیں اپنی برکتوں سے نوازنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

فی حدیث عتبان هذا فوائد کثیره، منها التبرک بالصالحین وآثارهم والصلوٰة فی المواضع التبرک صلوا بها وطلب التبرک منهم۔

یعنی حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بہت فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: صالحین سے برکت حاصل کرنا، ان کے آثار سے برکت لینا، جن مقامات پر انہوں نے نماز ادا کی ہو وہیں نماز ادا کرنا، ان سے یہ خود درخواست کرنا کہ ہمیں اپنی برکتوں سے نوازیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان النبی ﷺ دعا بالحلاق وناول الحالق شقة الایمن فحلقه ثم دعا ابا طلحة الانصاری فاعطاه ایاه ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقه فاعطاه ابا طلحة فقال اقسمه بین الناس۔

یعنی نبی کریم ﷺ نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال منڈوانے کا حکم فرمایا۔ پھر ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر وہ سب بال انہیں عطا فرما دیئے۔ پھر بائیں جانب کے بالوں کو منڈوانے کا حکم فرمایا اور وہ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیئے کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور ﷺ کے موئے مبارک

عمرہ جعرانہ میں سر اقدس کے حلق کے بعد موئے مبارک تقسیم ہوئے، حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس کے شاہد اور اس دولت عظمیٰ سے شرف یاب ہیں۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داہنی جانب کے سارے موئے مبارک عطا فرما کر بائیں جانب کے موئے مبارک تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔[1372]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے نامور سپہ سالار تھے۔ فتح و نصرت نے جن کے قدم ہمیشہ چومے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے چند موئے مبارک اپنی ٹوپی کے اندر سی لئے تھے اور انہیں اس بات کا پختہ یقین تھا کہ ان موئے مبارک کی برکت سے انہیں اللہ پاک ہمیشہ فتح سے نوازے گا۔ اس لئے بے دھڑک لاکھوں کے لشکر سے ٹکرا جایا کرتے تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ انہیں کبھی کسی جنگ میں شکست نہیں ہوئی۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے "شفا" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ رومیوں کے خلاف ایک جنگ میں انکے سر سے ٹوپی گر پڑی جس میں حضور ﷺ کے موئے مبارک موجود تھے۔ تو اس کے لئے انہوں نے غنیم پر ایسا سخت حملہ کیا جو ان کے ساتھیوں کو غیر معمولی معلوم ہوا۔ کیونکہ اس حملہ میں بہت سے آدمی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

جنگ کے بعد ساتھیوں نے جب یہ دریافت کیا کہ اس سے پیشتر آپ نے کبھی اس قدر سخت حملہ نہ کیا تھا پھر آج کیا وجہ ہوئی کہ آپ نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ

[1372] (رواہ الشیخین)

میں نے حملہ ٹوپی کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضور ﷺ کے موئے مبارک تھے ان کی وجہ سے کیا تھا۔ مبادا ان کی برکت سے محروم رہ جاؤں اور یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ تک پہنچ جائیں۔

فائدہ: ان تفصیلات سے اندازہ کیجئے کہ عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آثار کریمہ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عام مسلمانوں کو کس قدر والہانہ وابستگی تھی، کس قدر انس تھا، شغف تھا، احترام تھا؟ جب سرکار سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا یہ احترام آپ ﷺ کے وصال کے بعد تھا تو خود حیات طیبہ میں کس قدر شیفتگی رہی ہو گی؟ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ وضو فرماتے تو آپ ﷺ کے غسالہ وضو کے حاصل کرنے میں بے پناہ سبقت کی جاتی۔

نتیجہ احادیث تبرکات:

امام ابوزکریا نووی، علامہ عینی، امام ابن حجر عسقلانی، امام احمد بن محمد قسطلانی، ملا علی قاری اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بلند پایہ مستند ائمہ حدیث ان روایات سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں: وفیہ التبرک بأثار الصالحین واستعمال فضل طہورہم وطعامہم وشرابہم ولباسہم۔ یعنی اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے اور ان کے وضو و غسل سے بچے ہوئے پانی اور ان کے کھانے پینے اور لباس کے بقیہ کے استعمال کے سلسلہ میں دلیل ہے۔

موئے مبارک سے شفا:

اور یہ نتیجہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرز عمل سے ماخوذ ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مریضوں کو اور نظر لگے ہوئے انسان کو موئے مبارک جس شیشی میں رکھا

ہوا تھا، اس شیشی کو پانی سے بھر کر وہ موئے مبارک میں ڈبو کر دے دیتیں جس سے اسے شفا ہو جاتی۔[1373]

فائدہ:

الغرض یہ صحیح احادیث اور دیگر روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اور جو چیز آپ ﷺ کے جسمِ اقدس سے الگ ہوئی ہو از قسم بال، پسینہ لباس، یا آپ کے مستعملہ برتن وغیرہ ان میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے برکت ڈالی ہے جس سے شفاء حاصل کی جاتی تھی اور ان سے دینی و اخروی فائدہ کی توقع کی جاتی تھی اور اس خیر و برکت کا دینے والا "رب السمٰوٰت والارض" ہی ہے۔

آثار تبرکات سے برکت کا حصول: حضرت عبد اللہ بن عمر و انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے کہ وہ آثار مصطفی ﷺ سے تبرک حاصل کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی نماز کی جگہوں کا قصد کیا کرتے تھے اور ان راستوں کو ڈھونڈتے جن راستوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیارے محبوب ﷺ کے مبارک قدم لگے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے پیالے میں بطور تبرک پانی پیتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آپ ﷺ کا پیالہ تھا۔

حضور ﷺ کا لباس مبارک:

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آپ ﷺ کا لباس تھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک جماعت جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، کے پاس نبی

[1373] (بخاری کتاب الباس)

کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے موئے مبارک تھے حتیٰ کہ انہوں نے وصیت کی کہ یہ بال مبارک ان کے ساتھ ان کی قبر میں تبرکاً دفن کر دیئے جائیں اور وہ ان بالوں کے ساتھ تبرک اور توسل حاصل کرتے تھے۔

وضو سے بچے ہوئے پانی کو جسم پر ملنا:

حضرت عبد الرحمن بن ابی قرادرضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وضو فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وضو والے پانی کو اپنے جسم پر ملنے لگے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ وہ بولے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت میں ہے۔ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا جسے یہ بات پسند ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس سے محبت کریں تو اس پر لازم ہے کہ جب بات کرے تو سچ بولے، امانت دی جائے تو ادا کر دے اور اپنے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرے۔

فائدہ: شیخ صاحب اس حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہے، اس کی کئی سندیں اور شواہد ہیں جو معجم طبرانی وغیرہ میں وارد ہیں۔ امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الترغیب والترہیب ج۳ ص۲٦ میں اس پر حسن کا حکم لگایا ہے۔ اور یہ کہ میں نے اسے ''الصحیحہ'' میں (۲۹۹۸) درج کیا ہے۔[1374]

ایسے ہی یہ روایات جناب محمد رشید رضا کے خیال کی بھی تردید کرتی ہیں۔ انہوں نے کتاب الاعتصام کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام کی یہ کیفیت کہ انہوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وضو اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تھوک سے تبرک لیا، حدیبیہ کے موقع کے علاوہ کہیں اور ثابت نہیں۔

[1374] (التوسل و انواعہ و احکامہ)

واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رسول اللہ ﷺ سے تبرک حاصل کرنا کسی غزوہ سے مخصوص نہیں رہا جیسا کہ گزر چکا اور کسی سے انکار بھی وارد نہیں ہے۔

زینب بنت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور تہبندِ نبوی ﷺ :

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے غسل و کفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا تہبند ہمارے پاس بھیج دیا کہ اس کو زینب بنت رسول کے کفن کے نیچے پہنادو۔ حضرت شیخ عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ صالحین اور بزرگوں کے آثار و ملبوسات سے برکت لینے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ موت کے بعد ان کو کفن میں رکھ دیا جائے مگر قرآن مجید اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا احترام جاتا رہتا ہے اور بدن گل کر نجس ہو جاتا ہے تو یہ نجاست ان کو بھی لگے گی جو ان کتابوں کی سخت توہین اور بے ادبی ہے۔

منبر نبوی ﷺ:

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ منبرِ نبوی ﷺ پر نشست گاہ نبوی ﷺ سے مس کر کے اپنی پیشانی کو ملتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ملبوس نبی ﷺ سے مس کی گئی ہو، اس میں برکت ہوتی ہے۔

یہاں تک تو عہدِ صحابہ کی گفتگو تھی اب عہد تابعین کا بھی جائزہ لیتے چلیں کہ حضرات تابعین کیسی وابستگی رکھتے تھے، آثار کریمہ کے ساتھ۔

مجدد اوّل خلیفہ راشد سید التابعین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذباتِ عقیدت بارے میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

حضورِ اکرم ﷺ کے متروکات و تبرکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیں جنہیں انہوں نے ایک کمرہ میں احترام کے ساتھ محفوظ کر رکھا تھا اور ہر روز ایک بار ان تبرکات کی زیارت کیا کرتے تھے۔ سادات و اشراف میں سے جب کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو اسے بھی آپ ان کی زیارت کراتے اور عرض کرتے کہ یہی تبرکات تو میرا سرمایہ ہیں اور فرماتے یہ اس ذات کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت و تکریم سے نوازا ہے۔

کمرہ کے اندر رکھے ہوئے تبرکات یہ تھے: چارپائی، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک جوڑا موزہ، چکی اور ترکش جس میں چند تیر تھے۔ تکیہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کی چکنائی کا اثر تھا، ایک شخص کو سخت بیماری لاحق ہوئی جس سے اسے شفا نہیں مل رہی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں ذکر کیا گیا اور پھر آپ کی اجازت سے اس کی چکنائی میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکایا گیا جس سے وہ تندرست ہو گیا۔[1375]

اس سے یہ بات روشن ہو گئی کہ آثار کریمہ کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عقیدت، طرز سلف کا آئینہ دار ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس کے دل میں بھی عشق و وفا اور وابستگی بارگاہ رسالت ﷺ کی شمع ہو گی وہ یقیناً ان نقوش محبت کو آنکھوں سے لگائے گا۔ سر پہ رکھے گا اور دل میں جگہ دینا اپنی سعادت تصور کرے گا۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاک اور طاہر قلوب

[1375](مدارج النبوۃ)

اور شفاف ذہن و دماغ انہی تصوراتِ عشق اور ایسے ہی جذبات عقیدت سے لبریز رہا کرتے تھے۔ انہیں توبس نسبتوں کی تلاش ہوتی تھی سند اور دلیل کی نہیں۔

جستجو جائے نماز نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم :

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نماز، قیام اور گزر میں اس جگہ کی تلاش و جستجو فرماتے جہاں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نماز ادا فرمائی ہو یا تشریف رکھی ہو۔ ایک بار سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھا جہاں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف فرماتے تھے، پھر وہ ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۴ھ فیوض الحرمین، ص ۲۰ میں لکھتے ہیں:

من اراد ان یحصل ماللملاء السافل من الملائکۃ فلا سبیل الیٰ ذالک الا الاعتصام بالطہارات والحلول بالمساجد القدیمیہ التی صلی فیہا جماعات من الاولیاء۔

یعنی جو یہ ارادہ کرے کہ اسے فرشتوں کے طبقہ زیریں کی برکت حاصل ہو تو اس کا راستہ یہ ہے کہ طہارتوں کی خوب پابندی کرے اور ان پرانی مساجد میں داخل ہوتا رہے جن میں اولیاء کی کچھ جماعتیں نماز ادا کر چکی ہوں۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دندان مبارک:

دارمی و ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے شمائل میں اور بیہقی و طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اوسط میں اور ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول

اللہ ﷺ کے سامنے کے دونوں دانت کشادہ تھے۔ دوران کلام ان کے درمیان سے نور نکلتا محسوس ہوتا۔

طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابی قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اور میری ماں اور خالہ نے حضور ﷺ سے بیعت کی۔ جب ہم لوٹ رہے تھے تو میری ماں اور خالہ نے کہا: "اے بیٹے! ہم نے حضور ﷺ سے بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا، آپ نظافت جسم، لطافتِ لباس سے آراستہ اور شیریں گفتار ہیں۔ باتیں کرتے وقت دہن مبارک سے گویا نور نکلتا ہے۔"

چادر نبوی ﷺ :

امام بخاری سہل بن سعد رحمہا اللہ تعالیٰ سے روای ہیں، ایک دفعہ ایک عورت نے خدمت اقدس میں چادر بطور ہدیہ پیش کی۔ ایک صحابی جو اس وقت موجود تھے کہنے لگے کیا اچھی چادر ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی چادر انہیں عطا کر دی۔ لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو حضور ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ سرکار ﷺ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے، تم نے سوال کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: رجوت برکتها حين يلبسها النبی ﷺ لی الکفن۔ "میں نے چادر اس لئے لی کہ اس میں کفنایا جاؤں اور برکت سے بخشا جاؤں۔"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے ملبوسات اور استعمال شدہ اشیاء کو متبرک جانتے تھے اور ان سے شفا اور برکت کی امید رکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی استعمال شدہ اشیاء کو متبرک سمجھنا، ان سے برکت کی امید رکھنا جائز ہے۔ بدعت یا شرک نہیں ہے بلکہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو

بعد از غسل آپ ﷺ نے اپنا تہبند مبارک دیا اور فرمایا: اشعرنہا ایاہا یعنی ان کے کفن کے ساتھ میرا تہبند بھی ملا دو۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مسلم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا تہبند مبارک کیوں عطا فرمایا: "والحکمة فی اشعارھا بہ تبریکھا۔" یعنی اشعار میں حکمت یہ تھی کہ ان کے کفن میں برکت ہو جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خود حضور ﷺ بھی اپنی استعمال شدہ اشیاء کو برکت ورحمت تصور فرماتے تھے۔

چادر مبارک کی عجیب برکت:

حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ مثنوی میں اس حدیث کو نقل فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ آج بہت تیز بارش آئی۔ آپ ﷺ قبرستان میں تشریف فرما تھے، مگر آپ ﷺ کے کپڑے نہیں بھیگے۔ فرمایا: عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے۔ عرض کی آپ ﷺ کی تہبند شریف۔ فرمایا:

تفت بہر آں نمودا ے پاک جیب ــــــ نیست ایں باران ایں ابر شمار
چشم پاک را خدا باران غیب ــــــ ہست باران دیگر و دیگر شمار

یعنی اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! میرے تہبند شریف کی برکت سے تمہیں یہ نظر آ گیا، یہ پانی نہ تھا، یہ تو انوار و برکات الٰہیہ کی بارش تھی، جو مجھ پر برس رہی تھی۔ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس بارش کا بادل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔

یعنی یہ بارش تمہیں اس لئے نظر آ گئی کہ تمہارے سر پر میرا تہبند مبارک ہے۔ اسی کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے حجاب اٹھ گئے، اور تم نے انوار الٰہی کا مشاہدہ کر لیا۔ ورنہ یہ ہر کسی کو نظر نہیں

آتے۔ سبحان اللہ الغرض وہ پیراہن یوسف علیہ السلام ہے اور یہ حضور سرور عالم ﷺ کے ملبوسات اور آپ ﷺ کے استعمال شدہ اشیاء کے برکات و حسنات ہیں۔ بغور پڑھئے، ایمان تازہ کیجئے اور سوچئے کہ اللہ کے برگزیدہ بندے کیسی کیسی نعمتوں کے مالک ہیں۔

آپ ﷺ کا پرچم مبارک:

حضرت عبد اللہ بن بریدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے والد گرامی حضرت بریدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا پرچم (عَلَم) سیاہ رنگ کا تھا اور آپ ﷺ کا لواء یعنی چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔

حضرت یونس بن عبید مولیٰ محمد بن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ مجھے محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ آنحضرت ﷺ کے علم مبارک کے متعلق ان سے دریافت کروں کہ وہ کیسا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ سیاہ رنگ کا تھا اور سیاہ کمبل سے تیار کیا گیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا علم مبارک سیاہ تھا اور آپ کا پرچم سفید رنگت والا تھا جس پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا عَلم مبارک عقاب کہلاتا تھا اور اسے اس لقب سے پکارا جاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کی کنگھی، سرمہ اور آئینہ مبارک:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سفر و حضر میں ان پانچ چیزوں کو نظر انداز نہیں فرمایا کرتے تھے: آئینہ، سرمہ دانی، کنگھی، تیل اور مسواک۔

حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ سفر کا ارادہ فرمایا کرتے تھے تو میں یہ چیزیں تیار کر کے حضور ﷺ کے سامان میں رکھواتی: خوشبو دار تیل، کنگھی، آئینہ، قینچی، سرمہ دانی اور مسواک۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت بستر پر استراحت فرماتے تو اس سے پہلے مسواک کرتے، وضو فرماتے، اور بالوں میں کنگھی کرتے۔ حضور ﷺ کی کنگھی ہاتھی کے دانت کی تھی جس سے حضور ﷺ بالوں کو درست کیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کی کنگھی مبارک:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے حجرے میں جھانک کر دیکھا، حضور ﷺ کے دست مبارک میں کنگھی تھی جس سے آپ ﷺ اپنے سر مبارک کو کھجلا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر مجھے پتہ چلتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں اس کنگھی سے تیری آنکھوں کو ضرب لگاتا، تم نہیں جانتے کہ شریعت میں کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اذن طلب کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تم اہل خانہ کو اپنی آمد سے خبردار کرنے سے پہلے نہ دیکھو۔

حضور ﷺ کا سرمہ مبارک:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس کالا سرمہ تھا۔ آپ ﷺ اپنے بستر پر آرام فرماتے تو دونوں آنکھوں میں تین تین بار سلائیاں ڈالتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن مبارک:

موجودہ مصحف کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سوائے مطری کے کسی نے نہیں کی اور مطری کے بعد جنہوں نے مسجد کے درمیانی گنبد کا آتشزدگی کے موقعہ پر محفوظ رہنا ذکر نہیں کیا ہے، انہوں نے بھی اس مصحف کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مقام النبی کے سامنے ایک بڑا صندوق ہے، اور مقام النبی اور حجرہ کے درمیان ایک بڑی رحل ہے جس پر ایک بڑا مصحف ایک غلاف میں بند ہے اور اس پر قفل لگا ہوا ہے۔ یہ ان چاروں مصاحف میں سے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شہروں کی طرف بھیجے تھے۔

یہ مصحف جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے اس مصحف کے مطابق ہے جو ابن نجار نے ذکر کیا ہے جو مصر سے بھیجا گیا تھا اور ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نہیں کی۔ حالانکہ ابن نجار رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر ممالک میں ارسال کئے تھے۔ ہاں یہ نہیں کہا کہ یہ وہی مصحف ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر ان کی گود میں تھا۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ مصحف جو شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقعہ پر ان کی گود میں تھا وہ ان کے بیٹے خالد کے پاس تھا۔ پھر اس کی اولاد کے پاس رہا، پھر نسلاً بعد نسل انکی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ ملک شام کے بعض مشائخ نے مجھے بتایا کہ اب وہ طوس کے علاقہ میں ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہاہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مصحف پہلی کتابت کے مطابق لکھنا چاہیئے جو لوگوں نے نئی کتابت ایجاد کی ہے اس کے مطابق نہیں لکھنا چاہیئے، نیز انہوں نے کہاہے کہ مصحف عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو غائب ہے اس کی کسی کو خبر نہیں۔"

حضرت ابو عبیدہ قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قرآن کے متعلق لکھاہے کہ: "میں نے ایک مصحف دیکھا ہے جسے امام مصحف عثمان کہتے ہیں، یہ بعض امراء کے خزانے سے برآمد ہوا تھا۔ یہ وہی مصحف ہے جو شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہکے موقع پر ان کی گود میں تھا۔ اور میں نے ان کے خون کے آثار اس میں کئی جگہوں پر دیکھے۔ لیکن ابو جعفر نحاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو رد کیاہے اور حوالہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو اوپر بیان ہو چکاہے، ذکر کیاہے۔"

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ منصف مزاج لوگوں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کو ٹھکرا دیاہے، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں غائب ہونے کا لفظ ہے جو اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ مصحف کلیۃً معدوم ہے اور اس کا پایا جانانا ممکن ہے۔ کیونکہ غائب چیز کے متعلق یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ کسی وقت ظاہر ہو گی۔

ختم بخاری شریف کی برکت:

اور میں نے مغرب میں حافظ الصالح ابی عبد اللہ محمد بن صعد التلسمانی الانصاری کی تصنیف "روض النسرین فی مناقب الاربعۃ المتاخرین" دیکھی۔ حافظ العرب ابو القاسم العبدوسی الفاسی تیونس تشریف لائے اور یہاں تشریف لانے کے بعد استسقاء کے دن انہوں نے پوری بخاری شریف پڑھ دی۔ صبح سے شروع کی اور ظہر یا عصر کے بعد ختم کر دی۔ اور فارس کے لوگوں کی یہ عادت بن چکی ہے کہ تکالیف و مہمات کے وقت وہ بخاری شریف کا ختم کرواتے ہیں اور یہ دفع شر و مصائب کے لئے مجرب ہے۔

مسجد اقصیٰ میں موجود تبرکات نبوی ﷺ:

بقول مقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسجد اقصیٰ کے حرم شریف کے وسط میں چبوترہ اٹھا ہوا ہے جس کے چاروں طرف کافی چوڑی سیڑھیاں ہیں۔ چبوترے پر چار گنبد بنے ہوئے ہیں ان میں قبۃ السلسلہ، قبۃ المعراج اور قبۃ النبی کچھ زیادہ بڑے نہیں ہیں، جو سنگ مرمر کے ستونوں پر بغیر دیواروں کے قائم ہیں۔ بقول ابن فقیہ قبۃ الصخرہ کے مشرقی جانب قبۃ السلسلہ بیس ستونوں پر کھڑا ہے۔ اس کے سامنے مشرق ہی کی طرف حضرت خضر علیہ السلام کا مقام عبادت ہے۔ اس کے سامنے مشرق ہی کی طرف حضرت خضر علیہ السلام کا مقام عبادت ہے۔ اس کے شمالی رخ پر قبۃ النبی اور مقام جبرائیل علیہ السلام ہیں اور چٹان کے برابر قبۃ المعراج ہے۔

یہ قبہ زیادہ پائیدار اور مستحکم نہ تھا اس لئے بار بار زلزلوں سے متاثر ہوتا رہا اور تعمیر ہوتا رہا۔ اس چبوترے کے دوسرے قبوں یعنی قبۃ النبی، المعراج اور قبہ جبرائیل کے بارے میں امام ابن عبد ربہ

رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھاہے: یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضور ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اس مقام کے اوپر وہ جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے انبیائے سابقین علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ کے پیچھے جنوبی سمت گیارہ سیڑھیاں اتر کر ایک غار میں داخل ہوتے ہیں جسے مغارۃ الارواح کہتے ہیں۔ اس غار میں مختلف انبیاء کی جائے عبادت کو محاربوں سے مخصوص کیا گیاہے (یہاں محراب بمعنی چبوترہ ہے) اس کے شمالی حصے میں مقام خضر علیہ السلام اور جنوبی کونے میں مقام داؤد علیہ السلام ہے۔ یہاں ایک مقام کے بارے میں جسے مقام النبی کہا جاتا ہے، روایت ہے کہ حضور ﷺ نے یہاں نوافل ادا کئے تھے۔ اسی غار میں موئے مبارک اور نقش پائے مبارک بھی جو اس غار کے جنوبی مغربی کونے میں ایک الماری میں محفوظ ہیں۔ اس الماری کے سامنے ایک صندوق میں حضور ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عَلم مبارک بھی محفوظ کر لئے گئے ہیں، اس غار میں پچاس ساٹھ آدمی سما سکتے ہیں۔[1376]

نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب حضور اکرم ﷺ مجلس میں تشریف فرما ہو جاتے تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے دونوں مبارک قدموں سے نعلین شریفین کو اتار لیتے اور انہیں اپنی قمیص کی آستین میں رکھ لیتے۔ جب حضور ﷺ اٹھ کر جانے لگتے تو حضرت عبد اللہ خود حضور ﷺ کو یہ پہناتے اور عصا لے کر حضور ﷺ کے آگے آگے چلتے یہاں تک کہ نبی مکرم ﷺ اپنے حجرہ شریف میں نزولِ اجلال فرماتے۔[1377]

[1376](بشکریہ اسلامی انسائکلوپیڈیا)

[1377](بحوالہ "تبرکاتِ نبوی کا تصویری البم"، مصنفہ مولوی ارسلان بن اختر میمن)

بزرگوں کا نذرانہ پر دعا پڑھنا اور تبرکاً باقی طعام میں ملانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرمایا آپ نے کہ میں نبی ﷺ کے پاس کھجوریں لایا۔ پھر میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں کہ ان میں برکت کرے، تو آپ ﷺ نے ان تمام کو جمع کیا، پھر ان میں برکت کے لئے دعا فرمائی، تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ان کو اٹھالے اور ان کو اپنے اس توشہ دان میں ڈال دے۔ جب تو اس سے کچھ لینے کا ارادہ کرے تو اپنے ہاتھ کو اس میں ڈال پھر اس کو لے لے، اور اس توشہ دان کو بکھیرنا نہیں، تو میں نے اس کھجور سے فی سبیل اللہ کئی اونٹ کے لدے لے لئے اور ہم اس سے کھاتے بھی اور کھلاتے بھی تھے اور میرا اصل ذخیرہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن ختم ہوا۔[1378]

اس حدیث مبارک سے تین امور کا سمجھنا ضروری ہے:

(۱) بزرگوں کے دربار میں نذرانہ لے جانا (۲) جب اس میں کچھ پڑھ دیتے ہیں تو تبرک بن جاتا ہے

(۳) اس کو تبرکاً باقی اشیاء میں ملایا جائے تو برکت ہوتی ہے، بدعت نہیں، شرک نہیں، حرام نہیں۔

کیوں جناب وہابی صاحب ہم اگر ختم پڑھے ہوئے تھوڑے کھانے کو تبرکاً باقی تمام کھانے میں ملائیں تو تم سیخ پا ہو جاتے ہو۔ اب بتاؤ، تو اب تو ایسے کرنا مصطفیٰ ﷺ کی سنت ثابت ہو گیا۔ امید ہے کہ اب تم بھی اسے سنت سمجھ کر عمل کرو گے۔[1379]

[1378](ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۴)
[1379](مقیاس حنفیت ص ۴۹۴)

مولود کے ساتھ نذرانہ پیش کرنا

ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر بچہ پیدا ہوا، فرماتی ہیں: تو مجھے ابو طلحہ نے کہا اسے اٹھا لے حتی کہ وہ نبی ﷺ کے پاس لے آئے اور بچے کے ساتھ اس نے کھجوریں بھیجیں تو بچے کو نبی ﷺ نے لے لیا پھر فرمایا اس کے ساتھ کوئی شیء ہے انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں کھجوریں ہیں، تو ان کھجوروں کو نبی ﷺ نے لے لیا۔ پھر آگے مذکور ہے کہ ان کھجوروں سے نبی ﷺ نے ذرا سی کھجور چبا کر بچے کے منہ میں ڈالی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا۔ یہ بچہ عبد اللہ بن ابی طلحہ نبی ﷺ کی دعاء سے ہی پیدا ہوا تھا۔ **(اللھمّ بارک لھما فولدت)** آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو بچہ پیدا ہوا۔[1380]

اس حدیث مبارک سے سات مسائل ثابت ہوئے:

(۱) پیر رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین و پیغمبر علیہم السلام اولیاء اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین کی دعاء سے اللہ تعالیٰ کا اولاد عطا کرنا۔

(۲) جو بچہ بزرگوں رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعینکی دعاء سے پیدا ہوا اس کو ان کے پاس بھیجنا۔

(۳) بچے کے ساتھ میوہ جات کا نذرانہ بھیجنا۔

(۴) بچے کو بابرکت بنانے کے واسطے اہل اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعینکا بچے کو گود میں اٹھانا۔

(۵) بچے کو اہل اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعینکا خود گھٹی دینا۔

(۶) اہل اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعینکا خوشی سے نذرانہ طلب کرنا اور قبول فرمانا۔

(۷) اہل اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین کا بچے کے لئے نام تجویز فرمانا۔

[1380](مسلم شریف ج ۲ ص ۲۰۹)

تبرکات کی تعظیم:

تبرکات کی تعظیم ہم پر لازم ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام رحمہم اللہ کے اجسام اطہار سے تعلق رکھنے والی چیز واجب الاحترام و متبرک ہو جاتی ہے۔ اور بنیادی طور پر اسلام نے ان بزرگان کرام کے آثار و تبرکات کی اہمیت اسی لئے تسلیم کی ہے۔ اور پھر مسلمانوں کو ان کی تعظیم و تکریم اس لئے کرنے کا حکم دیا ہے کہ یہ تمام چیزیں بالآخر خدا کی یاد اور اس کے قرب کے ذرائع ہیں۔ اور یہ تبرکات اسلام میں ایک اہم مقام بھی رکھتے ہیں۔ اور ان تبرکات کی تعظیم کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ تو عین توحید ہے۔ اور خالق کائنات کی عظمتِ شان کی معرفت کا زینہ ہے۔ اور حضور انور علیہ الصلوۃ والسلام کے اور آپ کے امت میں جو بزرگان دین ہیں ان کے تبرکات بھی ابھی تک موجود ہیں اور اس سے انکار کرنا اس طرح ہے۔ جس طرح بعض لوگ احادیث نبویہ کا انکار کرتے ہیں۔

ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں روایت کرکے لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر انور سرور اطہر ﷺ کے موضوع جلوس اقدس کو مس کر کے اپنے چہرے سے لگایا۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں فرمایا ہے:"نافع نے کہا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور ﷺ کے روضہ اطہر کو سلام کرتے ہوئے سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد دیکھا ہے۔ آپ قبر پر تشریف لاتے اور کہتے نبی کریم ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام ہو، پھر واپس چلے جاتے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ منبر پر حضور ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ کو مس کر کے اپنے چہرے پر لگاتے تھے۔ اور ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے کہ جب مسجد خالی ہو جاتی تو صحابہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کنگرے کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوتے جو قبر انور پر ہے۔ پھر قبلہ رو ہو کر دعا مانگتے ہیں۔"

اسی شفا شریف میں یہ بھی ہے: "آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے طریقوں میں سے آپ کے تمام متعلقات و مقامات، مکہ و مدینہ اور ہر چیز کی تعظیم ہے جس کو حضور ﷺ نے چھوا ہو یا اس کا تعلق آپ ﷺ سے معروف ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہو اس کا وہ شرف بعد انتہائے مماست بھی باقی رہتا ہے۔ اس کی توہین اس معظم کی توہین مانی جاتی ہے۔ مثلاً تاج سلطان کو زمین پر ڈالنا صرف اس وقت اہانت سلطان نہ ہو گا جب کہ وہ اس کے سر پر رکھا ہو بلکہ جدا ہونے کی حالت میں بھی ہر عاقل کے نزدیک یہی حکم ہے اور بے شک تعظیم منسوب بلحاظ نسبت تعظیم نسبت منسوب الیہ ہے۔ خالق کائنات نے فرمایا کہ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲) (اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا، تو یہ دلوں کی پرہیز گاری کے باعث ہے)۔ بلکہ نظر ایمانی سے مس و لمس کی بھی تخصیص نہیں جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت ہے، وہ واجب التعظیم و مورث محبت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (البقرۃ ۲۴۸)

ترجمہ: بنی اسرائیل کے نبی (شمویل علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسیٰ و ہارون

(علیہما السلام) کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں فرشتے اسے اٹھا کر لائیں، بے شک یہ تمہارے لئے عظیم نشانی ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے کہ وہ تبرکات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے نعلین مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہ ان کی تبرکات تھیں۔ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے۔

مسلم شریف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک ادنی جبہ کسروانی ساخت کا نکالا جس کی پلیٹ ریشمی تھی، اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا۔ اور کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اسے پہنا کرتے تھے۔ فنحن نغسلها للمرضى نستشفی بها۔ (مسلم) تو ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت عثمان بن عبد اللہ بن مواہب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال دخلت على امّ سلمة فاخرجت الينا شعراً من شعر النبى صلى الله عليه وآلہ وسلم مخضوباً۔

"میں ام المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی، اس پر خضاب کا اثر تھا۔"[1381]

[1381](بخاری)

امام اجل ابو زکریا نووی شرح مسلم میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ انی احب ان تاتینی و تصلی فی منزلی فاتخذہ مصلی فرماتے ہیں:

فی هذاالحدیث انواع من العلم وفیه التبرک بآثارالصالحین وفیه زیارة العلماء والصلحاءوالکبراءواتباعهم وتبریکهم۔[1382]

یعنی اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں۔اس سے صالحین کے اثار سے تبرک حاصل کرنا علماء و صلحاء کی زیارت کرنا، ان کی اتباع کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

فی حدیث عتبان هذا فوائد کثیرة منها التبرک بالصالحین واثارهم والصلاة فی المواضع التی صلوابهاوطلب التبریک منهم۔[1383]

عتبان کی اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں منجملہ صالحین اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ان مقامات میں نماز پڑھنا جن میں انہوں نے پڑھی ہو اور ان سے طلب تبرک کرنا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کے لکھتے ہیں:

فخرج بلال بوضوئه فمن نائل وناضح تبرکا باثارہ ﷺ وقد جاء مبینا فی الحدیث الآخر فرئیت الناس یاخذون من فضل وضوئه ففیه التبرک بآثار الصالحین واستعمال فضل طهورهم وطعامهم وشرابهم ولباسهم۔[1384]

بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وضو کا پانی لے کر نکلے تو کوئی اسے لیتا تھا اور کوئی ملتا تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آثار سے تبرک کے واسطے، دوسری حدیث میں واضح یہ بات آئی ہے کہ

[1382] (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷)
[1383] (نووی ج ۱ ص ۲۳۳)
[1384] (نووی ج ۱ ص ۱۹۶)

میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ وضو کا زائد پانی لے لیتے تو اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان کے بچے ہوئے پانی کھانے پینے کی چیزوں اور لباس سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔

امام احمد بن محمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

فجعل الناس یتمسحون بوضوئه استنبط منه التبرک لما مس اجساد الصالحین۔

یعنی لوگ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وضو کا پانی ملنے لگے، اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ جو چیز بھی نیکوں کے اجسام سے مس ہو جائے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہئیے۔[1385]

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

دراین حدیث استحباب تبرک است بہ بقیہ آب وضو و پس ماند آن حضرت ونقل آں ببلاد و مواضع بعیدہ مانند آب زمزم وآنحضرت چوں در مدینہ می بود آب زمزم رااز حاکم مکہ می طلبیہ وتبرک می ساخت وفضلہ وارثان او کہ علماء وصلحا اند وتبرک باثار و انتوار ایشان ہم برین قیاس است۔[1386]

یعنی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وضو سے بچے ہوئے پانی خوردہ سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے اور اس کو دور دراز ممالک میں منتقل آب زمزم کی طرح کرنا جائز ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب مدینے میں تھے تو مکہ کے حاکم سے آب زمزم منگایا اور اس سے تبرک حاصل کیا۔ آپ کے وارثین علماء وصلحاء کے آثار و تبرکات کا اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔

[1385] (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج ۱ ص ۳۸۱)
[1386] (اشعت اللمعات، ج ۱ ص ۱۷۱)

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:

اما تقبل الاماکن الشریفة علی قصد التبرک فھو حسنٌ محمودٌ۔

"جو شریف آستانے ہیں ان کو چومنا تبرک کی وجہ سے اچھا ہے۔"

پیر کرم شاہ فاضل جامعہ ازہر تفسیر ضیاء القرآن میں لکھتے ہیں:

"وہ اشیا جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور ﷺ کے ناخن، بال مبارک، تبرک کے طور پر پاس رکھتے تھے۔"[1387]

چونکہ بزرگان کرام کی قبور سے لوگ تبرک حاصل کرتے ہیں اور اس تبرک کو حاصل کرنے کے لئے جب بزرگان کرام کی قبر پر جاتے ہیں تو کبھی کبھی بارش بھی ہوتی ہے اور گرمیوں میں دھوپ بھی ہوتی ہے، اس لئے زائرین کی سہولت کے لئے کہ وہ وہاں پر تلاوت کریں، دعا مانگیں اور تبرک حاصل کریں اور ان کو وسیلہ بنائیں تو اس لئے بزرگان کرام کی قبروں پر گنبد بنائے جاتے ہیں۔ اب گنبدوں کے ساتھ بغض و عناد رکھنا انبیاء و اولیاء کے ساتھ بغض و عناد رکھنا ہے۔ اللہ ربّ العزت ہمیں اپنے انبیاءؑ اور اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ بغض و عناد سے بچائے۔ آمین۔

اسی طرح احادیث مبارکہ کی کتب میں بہت سارے ایسے دلائل موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور ﷺ مبارک نے امت کو تبرک کی تعلیم دی ہے۔ بلکہ محدثین نے ان کے لئے الگ الگ باب رکھ دیئے ہیں جیسے کہ باب استحبابِ تحنیکِ المولودِ عند ولادتہٖ وحملہٖ الی صالحٍ یحنکہ مسلم شریف، ج ۲ ص ۲۰۸۔ تحنیک کسے کہتے؟ تحنیک کی تعریف: جب بچے کی پیدائش ہو جائے تو اس بچے کو اللہ جلّ شانہ کے کسی نیک بندے کے پاس لے جانا، پھر وہ اللہ کے ولی

[1387] (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۷۲)

اس بچے کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالتے ہیں، اس سے یہ امید ہوتی ہے کہ اس کی برکت سے ان شاء اللہ وہ نیک بن جائے گا۔

حدیث:

حدثنا عبدالاعلی بن حماد قال نا حماد بن سَلَمَة عن ثابت البُنَانی عن انس بن مالک قال ذهبت بعبدالله بن ابی طلحة الانصاری الی رسول الله ﷺ حین ولد ورسول الله ﷺ فی عَبَاءة یَهْنِأُ بعیرا له فقال هل معک تَمْرٌ فقلت نعم فناولته تمرات فالقاهن فی فیه فلاکهن ثم فغرفا الصبی فمَجّه فی فیه فجعل الصبیُّ یتلمظه قال رسول الله ﷺ حُبُّ الانصار التَّمَر وسَمّاه عبدالله۔[1388]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ پیدا ہوئے تو میں ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت رسول اللہ ﷺ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اپنے اونٹ کو روغن مل رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں؟ میں نے کہا ہاں! پھر میں نے کچھ کھجوریں آپ ﷺ کو پیش کیں، آپ ﷺ نے وہ کھجوریں اپنے منہ میں ڈال کر چبائیں، پھر آپ ﷺ نے بچہ کا منہ کھول کر اسے بچہ کے منہ میں ڈال دیا، اور بچہ اس کو چوسنے لگا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انصار کو کھجوروں سے محبت ہے، اور اس بچہ کا نام عبد اللہ رکھا۔

اس کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اتفق العلماء علی استحباب تحنیک المولود عند ولادته بتمر فان تعذر فما فی معناه او قریب منه من الحلو فیمضغ المحنک التمرة حتی تصیر مائعة بحیث تبتلع ثم یفتح فم

[1388] (مسلم شریف، ج ۲ ص ۲۰۸ رقم ۵۶۹۷)

المولود ویضعها فیه لیدخل شيء منها جوفه ویستحب ان یکون المحنک من الصالحین وممن یتبرک به رجلا کان او امراۃ فان لم یکن حاضرا عند المولود حمل الیه۔

تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کے منہ میں میٹھی چیز ڈالنا، کھجور ڈالنا، مستحب فعل ہے۔ اگر کھجور نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز دے دی جائے اس طریقہ سے کہ اس کو منہ میں چبایا جائے تاکہ نرم ہو جائے پھر اس کے بعد بچہ کے منہ میں ڈال دیا جائے۔ اور مستحب یہ ہے کہ محنک صالحین میں سے ہو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ اگر نیک صالحین قریب نہ ہوں تو ان کے پاس لے جانا بھی سنت ہے۔

اس حدیث کے فوائد یہ ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے منہ میں گھٹی دی جائے، اور یہ فعل بالاجماع سنت ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ صالح مرد یا عورت سے گھٹی دلوانی چاہیئے، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آثارِ صالحین سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ کھجور کی گھٹی دینا مستحب ہے اور کھجور کے علاوہ کسی اور چیز کی گھٹی دینا بھی جائز ہے، پانچواں فائدہ یہ ہے کہ چادر پہننا جائز ہے، چھٹا فائدہ تواضع ہے، اور بڑے آدمی کا اپنے کام میں مشغول رہنا مروّت کے منافی نہیں ہے، ساتواں فائدہ یہ ہے کہ عبد اللہ نام رکھنا مستحب ہے، آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ بچہ کا نام رکھنے کا معاملہ کسی عالم یا صالح شخص کے سپرد کر دینا چاہیئے، اور نواں فائدہ یہ ہے کہ بچہ کی ولادت کے دن ہی اس کا نام رکھنا چاہیئے۔

اسی طرح تحنیک المولود کے بارے میں لگاتار ۹ (نو) احادیث مبارکہ نقل کی گئی ہیں۔

اس میں سے ایک حدیث مبارکہ ہم مختصراً نقل کرتے ہیں:

حدّثنا الحکم بن موسیٰ ابو صالح حدّثنا شعیب (یعنی ابن اسحٰق) اخبرنی هشام بن عروة حدّثنی عروة بن الزّبیر و فاطمة بنت المنذر بن الزّبیر انّهما قالا خرجت اسمآء بنت ابی بکرٍ حین هاجرت و هی حبلی بعبد الله بن الزّبیر فقدمت قبآءً فنفست بعبد الله بقبآء ثم خرجت حین نفست الی رسول الله ﷺ لیحنّکه فاخذه رسول الله ﷺ منها فوضعه فی حجره ثم

دعا بتمرة قال قالت عآشة فمكثنا ساعة نلتمسها قبل ان نجدها فبضغها ثم بصقها فی فيه فان اوّل شیء دخل بطنه لريق رسول الله ﷺ ثم قالت اسمآء ثمّ مسحه و صلّی عليه و سمّاه عبدالله ثم جآء وهو ابن سبع سنين او ثمانٍ ليبايع رسول الله ﷺ و امره بذٰلک الزّبير فتبسّم رسول الله ﷺ حين رأہ مقبلاً اليه ثمّ بايعه۔[1389]

ترجمہ: عروہ اور فاطمہ بنت منذر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہمانے ہجرت کی تو وہ حاملہ تھیں اور حضرت عبد اللہ بن زبیر ان کے پیٹ میں تھے، جس وقت قبا پہنچیں تو حضرت عبد اللہ پیدا ہوگئے، وہ اس بچہ کو گھٹی دینے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور اس بچہ کو رسول اللہ ﷺ کی گود میں دے دیا، پھر آپ ﷺ نے کھجوریں منگائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے فرمایا کھجوریں ملنے سے پہلے ہم لوگ کچھ دیر کھجوریں تلاش کرتے رہے، آپ ﷺ نے ان کھجوروں کو چبایا اور پھر بچہ کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیا، اور جو چیز سب سے پہلے اس بچہ کے پیٹ میں پہنچی وہ آپ ﷺ کا لعاب دہن تھا، حضرت اسماء کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس بچہ پر ہاتھ پھیرا، اس کے حق میں دعا کی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا، پھر جب وہ سات یا آٹھ سال کے ہوگئے، تو حضرت زبیر کے حکم سے وہ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے کے لئے آپ ﷺ کے پاس آئے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور پھر ان کو بیعت کر لیا۔

اس کی تشریح میں امام نووی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

ومنها التبرک باثار الصالحين وريقهم وكل شيءٍ منهم۔

[1389] (مسلم ج ۲ ص ۵۰۳،۵۰۲ رقم ۵۵۰۱)

یعنی صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، چاہے وہ لعاب ہو یا کوئی اور چیز ہو، یہ مستحب ہے۔

اسی حدیث مبارکہ میں یہ الفاظ مبارکہ (مسحه و صلّی علیه و سمّاه عبدالله) معنی صلی علیه ای دعا له ومسحه تبریکا ففیه استحباب الدعاء للمولود عند تحنیکه ومسحه للتبریک۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے انکے لئے دعا فرمائی اور تبرکاً مسح فرمایا، تو اس سے معلوم ہوا کہ جب بچہ کی تحنیک کی جائے تو اسے دعا دینا اور تبرکاً مسح کرنا جائز ہے۔ اور عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا دم (خون) مبارک تبرکا پیا تھا۔

اور اسی طرح مسلم شریف ج ۲ صفحہ ۲۵٦ باب قربه ﷺ من الناس وتبركهم به وتواضعه لهم میں حدیث مبارکہ کی شرح میں امام نووی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

وفيه التبرك بآثار الصالحين وبيان ماكانت الصحابة عليه من التبرك بآثاره ﷺ وتبركهم بادخال يده الكريمة وتبركهم بشعره الكريم واكرامهم اياه۔

یعنی اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے، اور اس کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، جیسے کہ حضور اکرم ﷺ مبارک برتنوں میں اپنے دستِ مبارک رکھ لیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پانی کو تبرکاً پی لیتے۔

اسی طرح بخاری شریف (جلد اول صفحہ ۵۴ باب فی ثوب الاحمر حدثنا محمد بن عرعرة):

قال حدثنی عمر بن ابی زائدة عن عوف بن ابی جحیفة عن ابیه قال رأیت رسول الله ﷺ فی قبة حمراء من ادم و رائیت بلالاً اخذ وضوء رسول الله ﷺ و رأیت الناس یبتدرون ذلک الوضوء فمن اصاب منه شیئًا تمسّح به و من لم یصب منه شیئا اخذ من بلل ید صاحبه ثم

رأیت بلالاً اخذ عنزۃ له فرکزھا وخرج النبی ﷺ فی حلّةٍ حمرآء مشمّراً صلے الی العنزۃ بالناس رکعتین ورأیت الناس والدواب یمزون من بین یدی العنزۃ۔

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ میں حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لیا، اور میں نے دیکھا کہ لوگ اس بچے ہوئے پانی کو لینے میں جلدی کر رہے تھے۔ جسے وہ پانی مل جاتا وہ اسے اپنے جسم پر مسح کر لیتا اور جسے وہ پانی نہ ملتا، تو وہ اپنے دوست کے ہاتھ پر ہاتھ لگا کر اپنے جسم پر مسح کر لیتا۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے۔

اور اسی طرح **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب لابی محمد یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البرّ القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ جلد ثانی ص ۲۱۸، باب حرف السین**۔ سنان ابن سنہ بن المحبق الخذلی کے بارے میں روایت ہے کہ جب یہ پیدا ہوئے **فذھب بی ابی الی رسول اللہ ﷺ فحنکنی وتفل فی فیّ، ودعالی وسمانی سناناً**۔ کہ جب میں پیدا ہوا تو میرے والد مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے، نبی کریم ﷺ نے تحنیک بھی فرمائی اور میرے منہ میں لعاب مبارک بھی ڈالا، برکت کی دعا بھی کی اور میرا نام سنان رکھا۔[1390]

اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ مبارک کو آنکھوں میں تکلیف تھی، جب نبی کریم ﷺ کو خبر ہوئی، تو مبارک انہیں بلوا کر اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں پر لگایا۔ اللہ جل وعلی شانہ نے اس لعاب مبارکہ کی برکت سے انہیں شفاء کاملہ عطا فرمائی۔ اسے تبرک کہتے ہیں۔ انبیاء

1390 (مزید حوالہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ مسلم شریف ج ۲ ص ۱۵۱ ۱۶۰۳، ج ۲ ص ۲۵۶، بخاری شریف ج ۱ ص ۴۱۳، مسلم شریف ج ۲ ص ۴۷، بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۰، ج ۲ ص ۳۲۱، ج ۲ ص ۲۵۶)

کرام علیہم السلام والتسلیمات بھی تبرک کا عقیدہ رکھتے تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ اور بعض بد بخت اسے شرک اور بدعت کہتے ہیں۔[1391]

لفظ "مبارک" کا اطلاق غیر اللہ کو جائز ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ بعض بد عقیدہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ "مبارک" کی نسبت غیر اللہ کو ناجائز ہے۔

جواب: لفظ "مبارک" کا غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ اول دلیل ثبوت لفظ مبارک لغیر اللہ قرآن عظیم الشان سے:

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ (النور ۳۵)

آیت کے آخر میں ہے "شَجَرَةٍ مُبَرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ" اس آیت شریفہ میں "مبارک" کی نسبت مخلوق کی طرف کی گئی ہے، نہ کہ خالق کی طرف۔ اور حال یہ ہے کہ بد عقیدہ بد مذہب لوگ یہ کہتے ہیں کہ تبرک اور مبارک کی نسبت غیر اللہ کو بدعت اور ناجائز ہے۔

دوسری دلیل:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا (ق ۹)

یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

تیسری دلیل:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ (الدخان ۳)

یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

[1391] (بخاری ج ا ص ۵۴، ج ۲ ص ۸۷۱، نسیم الریاض شرح شفاء عیاض ج ۲ ص ۱۱۴، ۱۲۴، اسی طرح بخاری شریف ص ۲۶۹، باب الاشرباء، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شرح زاد المسلم ج ا ص ۲۰۶، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شرح زاد المسلم ج ا ص ۲۰۶، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شفاء قاضی عیاض ج ا ص ۱۱۸، مسلم شریف ج ا ص ۲۳۲، عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۶۶، بخاری شریف ج ۲ ص ۸۹۲، باب حسن الفلق، الاکمال فی اسماء الرجال ص ۶۲۱، الشفاء قاضی عیاض ص ۲۲۰، نسیم الریاض شرح الشفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۱۴۶)

چوتھی دلیل:

وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا (المؤمنون ۲۹)

یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

پانچویں دلیل:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَامُوسَى (القصص ۳۰)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

چھٹی دلیل:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (آل عمران ۹۶)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

ساتویں دلیل:

وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ (الأنبياء ۵۰)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

آٹھویں دلیل:

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ (مریم ۳۱)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

نویں دلیل:

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ (مریم ۳۱)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک، اور احناف کے نزدیک جائز ہے۔ مخالفت صرف وہابی، پنج پیری، غیر مقلدین کرتے ہیں جو کہ صراحتاً ان آیات مبارکہ سے انکار ہے۔ ایک طرف یہ لفظ مبارک کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں اور جب ان کے ہاں کوئی شادی بیاہ یا پیدائش یا ختم قرآن کی تقریب ہوتی ہے تو اس میں یہ شادی مبارک، اولاد مبارک اور ختم مبارک کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں:[1392]

اسی طرح تبرک کے بارے میں مذاہب اربعہ کے صاحبان بھی قائل ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ تبرک آثار الصالحین سے حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ حوالہ جات کے لئے ملاحظہ کیجئے:[1393]

فقہاء کرام کی طرف سے جو برکت کے بارے میں اقوال ہیں، وہ ان کتب میں ملاحظہ کیجئے:[1394]

دوسری بات یہ ہے کہ محبت میں مبالغہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ حوالہ جات کے لئے ملاحظہ کیجئے:[1395]

[1392] (البدایۃ والنہایۃ ج۳ ص ۱۹۱، ۱۹، ج۲ ص ۴۰، بخاری شریف ج۲ ص ۶۹، فیض الباری ج۲ ص ۱۹)

[1393] (تاریخ بغداد ج ا ص ۱۰۱، الشفاء قاضی عیاض ج۲ ص ۵۷، معرفۃ الرجال ج۲ ص ۲۹۴، عمدۃ القاری ج۲ ص ۷۵۶، مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ا ص ۲۱، ۱۲۱، بخاری شریف ج ا ص ۲۹)

[1394] (البادیہ والنہایۃ ج۴ ص ۳۰۰، وفاء الوفاء ج۲ ص ۴۴۳، عمدۃ القاری ج۴ ص ۱۷۴، تحفۃ الاحوذی ج۵ ص ۲۱۰، سیر اعلام النبلاء ج۲۰، ص ۳۰۹، تاریخ ابن ھشام ج۲ ص ۱۳۲، ۳۵۵، ۳۳۵، تفسیر قرطبی ج۱۰ ص ۳۲، اعانۃ الطالبین ج۳ ص ۱۳۲، بحر الرائق ج۳ ص ۴۸، تفسیر جصاص ج۵ ص ۲۴۷، بحر الرائق ج۸ ص ۲۲۶، مبسوط سرخسی ج ا ص ۲۰۳، ج۳ ص ۶۹)

[1395] (وفاء الوفاء ج۳ ص ۸۳۹، تاریخ ابن ھشام ج۳ ص ۸۸، ج۳ ص ۳۲۳، فیض الباری ج ا ص ۲۰۲، ج ا ص ۳۳۹، فتوح الشام ج۲ ص ۱۴۰، ج۲ ص ۱۴۷، ج۲ ص ۲۰۴، ج ا ص ۱۸، لسان العرب ج۱۴، ص ۱۹، ج ا ص ۶۸۶، شامی رد المختار ج۶ ص ۳۶۳، تمہید لابن البرہ ج۳ ص ۶۷، حاشیہ بغوی، ج۲ ص ۴۶، فتح الباری ج ا ص ۱۹۷، ج ا ص ۵۲۵)

ان تمام دلائل سے جو کہ قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارک اور اقوال صحابہ اور اقوال مذاہب اربعہ جو ہم نے پیش کئے ان تمام سے یہ ثابت ہوا کہ تبرک یا برکت اور نسبت لفظ مبارک غیر اللہ کی طرف اگر کی جائے تو یہ شرک اور بدعت نہیں۔

اب اگر کوئی اسے شرک اور بدعت کہتا ہے تو تبرک انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہے بلکہ انہوں نے امت کو تعلیم دی ہے، لہٰذا شرک اور بدعت کی نسبت کس تک جائے گی؟ اللہ تعالیٰ ایسے بے دینوں سے ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

بعض بد عقیدہ لوگ لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنے کو ناجائز کہتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیات پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل:

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المؤمنون ۱۴)

اس آیت مبارک میں لفظ مبارک کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف کی گئی ہے۔

دوسری دلیل:

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا (الفرقان ۶۱)

تیسری دلیل:

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الملک ۱)

مذکورہ تین آیات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ لفظ مبارک کی نسبت صرف اللہ کی طرف کی جائے گی، کسی اور کی طرف کرنا شرک اور بدعت ہے۔

مخالفین کے دلائل کا جواب

ان بدمذہب، بدعقیدہ لوگوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جن کے بارے میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (البقرة۸۵) کہ قرآن کی بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لاتے۔

یا ان لوگوں کی مثال ان کی طرح ہے جن کے بارے میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہیں، کہ جو آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

ان کی کم علمی کا حال یہ ہے کہ ان آیات مبارکہ میں لفظ (''تبرک'') اس کا ترجمہ اس طریقہ سے کرتے ہیں کہ ''مبارک ہے وہ ذات''۔ اور یہ ترجمہ صراحتاً غلط ہے، لغت اور تفاسیر کی کتابوں کی مخالفت ہے، قانون اور قاعدہ کے مخالف ہے۔ اگر لفظ تبرک کو مجردات کے باب سے لیا جائے تو نما اور زیادت کے معنی پر آئے گا۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو: لسان العرب ج۱۰ ص۶۔ اگر تفاسیر دیکھی جائیں تو مفسرین کرام نے ''تبرک'' کا معنی تقدس و تنزہ لیا ہے۔

دوسرا جواب:

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ (الملک ۱) اس کی ترکیب اس طریقہ سے ہے: (تبرک فعل)، (الذی موصول)، (بیدہ الملک، صلہ)۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر پورا جملہ فاعل ہوا، تبرک فعل کا۔ ترکیبی لحاظ سے لفظ تبرک کا ترجمہ معاندین نے جو کیا ہے (فتح کے ساتھ)، وہ بالکل غلط ہے۔ تبرک کا ترجمہ ترکیبی لحاظ سے کسرہ کے ساتھ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ لفظ تبرک کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ توقیفی ہیں، اور اللہ جل شانہ کے اسماء

مبارک میں سے یہ نام نہیں ہے۔ اور اگر تبرک کا ترجمہ مبارک کیا جائے، یعنی ر کو فتح کے ساتھ، جو کہ معاندین نے کیا ہے، تو معنی بالکل غلط ہو جائے گا۔ مبارک کا معنی ہے برکت دادہ شدہ، یعنی جس میں برکت ڈالی گئی ہو۔ اللہ جل و علی شانہ برکت ڈالنے والا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ تبرک کا معنی تقدس و تنزہ کرنا چاہیئے یا مبارک مصدر میمی ہے، بمعنی ذو برکات۔

مذکورہ دعویٰ کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے[1396]:

ان تمام دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنا بالکل جائز ہے، غیر مقلدین بد عقیدہ بد مذہب لوگ جہالت اور عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ اس میں قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارکہ سے انکار ہے۔ اللہ جل و علی شانہ ہم سب کو حضرت رسول اکرم ﷺ کے طفیل اور برکت سے ان بد مذہب بد عقیدہ لوگوں کے فتنہ اور شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اکرم ﷺ کا بول مبارک اور خون مبارک تبرکا پیا تھا اور بعض بد مذہب بد عقیدہ لوگ اس سے انکار کرتے ہیں، کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں حالانکہ یہ مسئلہ صحیح اور حسن روایات سے ثابت ہے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "سفینہ" (جو نبی کریم ﷺ کے غلام ہیں) اور مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں) نے نبی کریم ﷺ کا خون مبارک پیا ہے اور برکت رضی اللہ عنہا (جو ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں) اور ام ایمن رضی اللہ عنہا (جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی رضاعی والدہ ہیں) نے نبی کریم

[1396](فتح القدیر ج۵ ص ۱۴۳، مسلم شریف ج ۱ ص ۹۹، کتب ابن تیمیہ ج۲۷ ص ۹۵، ۲۱، ۳۱۰، فتاویٰ عالمگیری، ج ۱ ص ۱۲۶، التذکیر فی احوال الموتی وامور الآخرہ، ص ۱۰۶)

ﷺ کے پیشاب مبارک کو پیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انکار نہیں فرمایا (تو یہ مسئلہ حدیثِ تقریری سے ثابت ہوا) بلکہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (جب انہوں نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا تھا) کہ آپ کو لوگوں سے تعجب ہے اور لوگوں کو آپ سے تعجب ہے۔ (یعنی یہ کام تعجب خیز ہے کیونکہ کسی انسان کا خون نہیں پیا جاتا اسلئے کہ وہ نجس ہوتا ہے جبکہ نبی ﷺ کا خون مبارک پیا گیا تبرکاً اس لئے کہ وہ پاک ہے)۔ اور نبی کریم ﷺ اپنے غلام سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے تھے جب انہوں نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا تھا۔ اور جب مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ اس نے میرے خون کو اپنے خون سے ملا دیا ہے اب اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ اور جب برکت رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً تو آگ سے محفوظ ہو گئی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے ام أیمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا جب انہوں نے آپ ﷺ کا بول مبارک پیا کہ اب تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا۔

اب ہم ان روایات کو اسناد اور حوالہ جات سے ذکر کرتے ہیں تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ روایات صحیح اور حسن اسناد سے ثابت شدہ ہیں۔

پہلی حدیث: عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا خون مبارک پیا۔

ھنید بن قاسم نے عامر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے تو اس کا خون مجھے عنایت فرمایا اور فرمایا جاؤ اسے چھپا دو میں گیا اور اسے پی لیا پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اس

خون کا کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے چھپا دیا آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تو نے اسے پی لیا؟ میں نے کہا میں نے اسے پی لیا۔[1397]

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "**فی اتحاف الخیرۃ المحصرۃ بزوائد المسانید العشرہ**" میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے کہا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ پچھنے لگوا رہے تھے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ جاؤ اس خون کو بہا دو تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ جب وہ آپ ﷺ سے دور ہوئے تو اس خون کو پی لیا، آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے سب سے زیادہ پوشیدہ جگہ میں ڈال دیا ہے تا کہ وہ لوگوں سے چھپ جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے اسے پی لیا ہے! انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خون کیوں پیا؟ لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر اس معاملے میں تعجب کرو گے۔"[1398]

اور یہی واقعہ مولوی محمد زکریا نے فضائل اعمال میں درج کیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد لکھا ہے:

"حضور ﷺ کے فضلات یا پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔"[1399]

[1397] (مسند بزار ج ٦ ص ١٦٩ رقم ٢٢١٠) (مسند عبد اللہ بن زبیر و ایضاً ج ۴ ص ٦٥)
[1398] (الآحاد و المثانی الابن أبی عاصم ج ٢ ص ١٢١)
[1399] (حکایاتِ صحابہ ﷺ باب ١٢)

اسی باب میں مولوی زکریا نے لکھا ہے:

"احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خود کے دو حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے۔ ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ٹوٹ گیا۔ اس کی پرواہ نہ کی، دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ بھی کھینچ ہی لیا۔ ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ [1400]

ھنید بن قاسم بن عبد الرحمن بن ماعز نے روایت کی ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ ﷺ پچھنے لگوا رہے تھے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ ﷺ سے لے جاؤ اور بہا دو کہ کوئی تمہیں دیکھ نہ سکے۔ جب میں نبی ﷺ سے دور ہوا تو میں نے ارادہ کر کے وہ خون پی لیا، جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا جہاں وہ لوگوں سے چھپ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا

[1400] (قرۃ العیون)

شاید کہ تم نے پیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تجھے کس نے پینے کا حکم دیا تھا؟ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔[1401]

ھنید بن قاسم بن عبد الرحمن بن ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ پچھنے لگوا رہے تھے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ اس خون کو لے جاؤ اور بہادو کہ اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ جب میں آپ ﷺ سے دور ہوا تو میں نے ارادۃً خون کو پی لیا جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا ہے جہاں میرا خیال ہے وہ لوگوں پر چھپا رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے، میں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تجھے کس نے خون پینے کا حکم دیا؟ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔[1402]

ابو نعیم نے حلیۃ الأولیاء میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابن غطریف نے اپنی جزء میں یہ زیادہ کیا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ نبی کریم ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو تو نبی ﷺ نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔ تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارہ کے گناہ میں۔ کیسان (عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام) کا بیان ہے کہ مجھے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے انہوں نے پی لیا تو نبی کریم ﷺ نے

[1401] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم مع تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج ٣ ص ٦٣٨)

[1402] (معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم أصبهانی ج ١١ ص ٤٦٨)

فرمایا اے میرے بھتیجے تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند ہے کہ نبی کریم ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے، تجھے آگ نہ چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ۔[1403]

کیسان مولیٰ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس گئے (تو دیکھا کہ) عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے انہوں نے پی لیا۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم فارغ ہو گئے، انہوں نے کہا جی ہاں! سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اسے پچھنے والا خون دیا تھا کہ گرا دے، سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ کی قسم وہ تو انہوں نے پی لیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کیوں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند تھا کہ نبی کریم ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں جائے تو آپ ﷺ نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے، تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ میں۔[1404]

کیسان مولیٰ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہے اے بھتیجے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند تھا کہ نبی کریم ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو، تو

[1403] (جزء ابن الغطریف ج ١ ص ٦٦)
[1404] (حلیۃ الاولیاء ج ١ ص ٣٣٠)

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔ تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ میں۔[1405]

دارِ قطنی نے یہ زیادہ کیا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس کی خبر دی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خون مبارک میں پھینک دوں تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تجھے آگ نہیں چھوئے گی۔[1406]

رباح النوبی ابو محمد مولی آل زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو حجاج سے کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پچھنے لگوائے پھر اپنا خون میرے بیٹے کو دیا تو اس نے پی لیا، جبریل امین علیہ السلام نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس کی خبر دی، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے پوچھا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خون مبارک پھینک دوں تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ تجھے آگ نہیں چھوئے گی اور مزید فرمایا کہ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔

ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں یہ زیادہ کیا ہے کہ ابو سلمہ نے کہا میں نے ابو عاصم سے یہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر قوت اسی خون کی وجہ سے تھی۔

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو وہ پچھنے لگوا رہے تھے

[1405](تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج۲۸، ص ۱۶۲)

[1406](سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۲۸)

جب فارغ ہوئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خون لے جاؤ اور اسے بہا دو، کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے! جب وہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے تھوڑا دور ہوئے تو ارادۃً وہ خون مبارک پی لیا ۔جب واپس آئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اے عبد اللہرضی اللہ تعالیٰ عنہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ لوگوں سے چھپا رہے گا! آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کیوں پی لیا تم نے؟ تم لوگوں پر تعجب کروگے اور لوگ تم پر تعجب کریں گے! ابو سلمہ نے کہا کہ یہ بات میں نے ابو عاصم سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قوت اسی خون مبارک (پینے) کی وجہ سے تھی۔ اور بزار نے کہا کہ ہم سے محمد بن مثنیٰ اور ان سے موسیٰ بن اسماعیل نے بھی یہ بیان کیا ہے۔[1407]

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ انہوں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آئے۔ جب کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پچھنے لگوا رہے تھے جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ! اس خون کو لے جاؤ اور بہا دو کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے، جب وہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے تھوڑا دور ہوئے تو ارادۃً وہ خون مبارک پی لیا جب واپس آئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تم نے خون کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے کہا جو میں سب سے زیادہ خفیہ جگہ جانتا تھا اس میں ڈال دیا! آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تم نے خون کیوں پی لیا؟ لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر تعجب کروگے، موسیٰ تبوزکی نے کہا کہ میں نے یہ بات ابو عاصم سے کہی تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے

[1407] (المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۱۱ ص ۸۵)

رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قوت اسی خون کی وجہ سے ۔ ابو یعلیٰ نے اسے اپنی (مسند) میں روایت کیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ ھنید پر کسی نے جرح کی ہو۔[1408]

بیہقی نے "دلائل" میں ھنید بن قاسم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے سنا عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ وہ پچھنے لگوا رہے تھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ یہ خون لے جاؤ اور اسے بہا دو کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے، جب وہ آپ ﷺ سے تھوڑا دور ہوئے تو انہوں نے ارادۃً اس خون کو پی لیا، جب واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا خون کے ساتھ؟ انہوں نے کہا میں نے اسے ایسے خفیہ مکان میں ڈال دیا جو لوگوں سے چھپا ہوا ہے! آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم نے اسے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کیوں پیا؟ لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر تعجب کرو گے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت اسی خون کی وجہ سے ہے۔ جز الغطریف کے آخر میں یہ زیادہ ہے کہ "تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر قسم کھا کر پورا نہ کرنے میں۔"[1409]

اس حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً: **المارودی فی أعلام النبوۃ۔**[1410]

[1408] (سیر أعلام النبلاء ج۳ص ۳۶۶)

[1409] (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ج ۲ ص ۱۲۷)

[1410] (ج ۱ / ص ۱۲۱)، القرطبی فی تفسیرہ۔ (ج ۲ / ص ۹۳)، السیوطی فی جامع الأحادیث۔ (ج۳۵/ ص ۳۵۴ رقم ۳۸۳۲۵)، البوصیری فی اتحاف الخیرۃ المہرۃ المسانید العشرۃ۔ (ج۷/ص ۳۶ رقم ۶۴۵۳)، التقی الھندی فی کنزل العمال۔ (ج۱۳/ص ۴۷۲ رقم ۳۷۲۳۴)، المناوی فی فیض القدیر۔ (ج۵/ص ۲۵۲ رقم ۶۹۵۳)، الشامی فی سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ (ج ۱۰ / ص ۴۰)، السیوطی فی الخصائص الکبری۔ (ج ۱ / ص ۱۱۸)، وکذا فی الشمائل الشریفۃ۔ (ج ۱ /ص ۲۷۱)، الصفدی فی الوافی بالوفیات۔ (ج۵/ص ۳۸۹)، ابن المنظور فی مختصر تاریخ دمشق۔ (ج ۱ /ص ۱۶۸۴)، السیوطی فی تاریخ الخلفاء۔ (ج ۱ /ص ۸۷)،

دوسری حدیث: نبی کریم ﷺ کے غلام سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا خون مبارک پیا۔

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر فرمایا یہ خون لے جاکر دفن کردو تاکہ پرندوں، جانوروں اور لوگوں سے چھپ جائے تو میں نے اسے پی لیا پھر میں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے عرض کی تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔ یہ احمد بن صالح کے الفاظ ہیں۔ [1411]

ابی فدیک نے کہا ہم سے بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا کہ اس خون کو لے جاؤ اور جانوروں و پرندوں سے بچا کر دفنا دو، تو سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے اسے چھپا دیا (اس طرح کہ) میں نے اسے پی لیا، پھر مجھ سے آپ ﷺ نے پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں نے اسے پی لیا ہے، تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔ [1412]

ابن ابی فدیک کا بیان ہے کہ یزید بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا یہ خون لے لو اور اسے جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹا کر دفن کر دو تو میں اسے لے کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس خونِ اقدس کو پی لیا پھر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتا دیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔ [1413]

الذهبی فی تاریخ الاسلام للذهبی۔ (ج۲/ص۱۵۷)، الكتبی فی فوات الوفیات۔ (ج۲/۱۷۲)، قاضی عیاض مختصرا فی الشفاء۔ (ج۱/ص۲۴۹)

[1411] (المعجم الكبير للطبرانی ج۷ص۸۱)

[1412] (سنن البیهقی الكبرىٰ ج۸ص۶۷، رقم۱۳۱۸۶)

[1413] (شعب الایمان للبیهقی ج۱۴، ص۳رقم۶۲۱۶)

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا یہ خون لے لو اور جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹا کر دفنا دو۔(ابن ابی فدیک کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس لفظ سے ابتدا کی تھی)سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر میں نے اسے چھپا کر پی لیا، پھر آپ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[1414]

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دادا سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے کہا اس خون کو لے لو پھر اس کو پرندوں، جانوروں اور لوگوں سے ہٹا کر دفن کر دو، تو میں نے چھپ کر اسے پی لیا، پھر مجھ سے آپ ﷺ نے پوچھا تو میں نے خبر دی کہ میں نے اسے پی لیا ہے تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[1415]

ابن ابی فدیک کا بیان ہے کہ مجھ سے بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا کہ اس خون کو لے لو اور جانوروں اور لوگوں سے ہٹا کر دفنا دو۔ سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں چلا گیا اور اسے چھپا دیا پھر واپس آیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے پی لیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[1416]

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر ان سے فرمایا یہ خون لے لو اور جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹا کر دفنا دو، سفینہ

[1414] (امالی المحاملی ج ۲ ص ۳۰ رقم ۵۰۹)

[1415] (اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ۸ ص ۳۶ رقم ۶۴۵۴)

[1416] (المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۱۱ ص ۸۶ رقم ۳۹۲۰)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر میں نے اسے چھپا کر پی لیا پھر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا، تو میں نے آپ ﷺ کو خبر دی، تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[1417]

سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے پھر فرمایا کہ یہ خون لے لو اور جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹا کر دفنا دو، تو میں نے چھپ کر پی لیا، پھر اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[1418]

تیسری حدیث: سنان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا خون مبارک چوسا۔

ربیح بن عبد الرحمن بن أبی سعید اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کے چہرے سے غزوہ احد میں خون نکلا، اسے پی لیا (چوس لیا) تو ان سے کہا گیا کیا تم خون پیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں میں نبی کریم ﷺ کا خون مبارک پیتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس نے میرا خون اپنے خون کے ساتھ ملا لیا (اب) اسے آگ نہیں چھوئے گی۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد سنان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کے چہرے سے غزوہ احد کے دن خون نکلا، اسے پی لیا (چوس لیا) اور اسے نگل لیا تو ان سے کہا گیا کیا تم خون پیتے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہاں میں رسول اللہ ﷺ کا خونِ اقدس پیتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس نے میرے خون کے ساتھ اپنے خون کو ملا لیا (اب) اسے آگ نہیں چھوئے گی۔[1419]

[1417] (تلحیض الحبیر، ج ۱ ص ۳۰)
[1418] (مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ج۸ ص ۲۱۹، رقم ۱۴۰۱۱)
[1419] (مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ج۸ ص ۲۱۹ رقم ۱۴۰۱۲)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ قریش کے ایک غلام نے آپ ﷺ کو پچھنے لگائے جب وہ فارغ ہوا تو وہ آپ ﷺ کا خون مبارک لے کر دیوار کے پیچھے چلا گیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا مگر کسی کو نہ پایا تو آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا۔ وہ غلام کہتا ہے پھر میں آپ ﷺ کے سامنے آیا تو نبی کریم ﷺ نے میرے چہرے کی طرف دیکھا تو فرمایا: تو برباد ہو! (بد دعا مراد نہیں ہے) خون کا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے دیوار کے پیچھے چھپا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہاں چھپا دیا؟ تو انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے خون کو قیمتی اور پاکیزہ سمجھتا ہوں اس سے کہ میں آپ ﷺ کا خونِ اقدس زمین پر بہا دوں، پس وہ میرے پیٹ میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ تم نے اپنے آپ کو آگ سے بچا لیا۔[1420]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ قریش کے ایک غلام نے نبی کریم ﷺ کو پچھنے لگائے جب وہ فارغ ہوا تو آپ ﷺ کے خون اقدس کو لے کر چلا گیا پھر واپس آیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے چہرے کو دیکھ کر فرمایا تیرے لئے بربادی ہو! (بد دعا مراد نہیں ہے) تو نے خون کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں آپ کے خون کو قیمتی اور پاکیزہ سمجھتا ہوں اس سے کہ آپ ﷺ کا خون اقدس زمین پر بہا دوں پس وہ میرے پیٹ میں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جا تو نے اپنے نفس کو آگ سے بچا لیا۔[1421]

[1420] (العلل المتناهية لأبن جوزی ج ۱/ص ۱۸۲ رقم ۲۸۲)
[1421] (الخصائص الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۷۲)

چوتھی حدیث: برکت رضی اللہ عنہا (خادمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا) نے نبی کریم ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا:

حکیمہ بنت امیمۃ اپنی والدہ امیمہ سے بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن تھا جس میں آپ ﷺ بول (پیشاب) فرمایا کرتے تھے۔ اور اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھتے تھے، آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو اسے طلب فرمایا مگر نہ پایا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ برتن کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ اسے برکہ (جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حبشی خادمہ تھی) نے پی لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک روکنے والی چیز سے آگ سے بچا لیا۔

ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھے حکیمہ بنت اُمیمہ نے اپنی والدہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ بول (پیشاب) فرماتے، پھر اس کو چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا۔ تو ایک خاتون جس کا نام برکت رضی اللہ عنہا تھا، نے اسے پی لیا، اسے نبی کریم ﷺ نے طلب فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ اسے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پی لیا ہے تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اس نے کہا میں نے پی لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لیا۔[1422]

ابن جریج نے کہا کہ مجھے حکیمہ بنت امیمہ نے اپنی والدہ امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ بول (پیشاب) فرمایا کرتے تھے اور اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیتے، ایک خاتون، جسے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتے تھے، نے اسے پی لیا، جب نبی کریم ﷺ نے اس برتن کو طلب فرمایا تو اس کو نہ پایا، آپ ﷺ سے عرض

[1422] (الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم، ج ۹ ص ۲۳۲، رقم ۲۹۵۱)

کیا گیا کہ اسے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہانے پی لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا یقینا اس نے اپنے آپ کو آگ سے ایک رکاوٹ یا ڈھال کے ذریعے بچا لیا۔[1423]

حکیمہ بنت امیمہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ نے بول (پیشاب) فرمایا اور اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیا پھر اٹھنے کے بعد اسے طلب فرمایا مگر اسے نہ پایا تو پوچھا برتن کہاں ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہمنے کہا اسے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حبشی خادمہ برکت رضی اللہ عنہانے پی لیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً اس نے اپنے آپ کو ایک مضبوط ڈھال کے ذریعے آگ سے بچا لیا ہے۔[1424]

ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھے حکیمہ بنت امیمہ رضی اللہ عنہانے اپنی والدہ امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک لکڑی کا برتن تھا جس میں آپ ﷺ بول (پیشاب) فرماتے، پھر اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیتے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی کیا اور برتن چارپائی کے نیچے رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ برتن لینے تشریف لائے جب اسے اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس میں پیشاب نہیں تھا تو آپ ﷺ نے برکت رضی اللہ عنہاسے فرمایا اس برتن میں سے پیشاب کہاں گیا؟ اس نے کہا کہ میں نے پی لیا، یا رسول اللہ ﷺ۔[1425]

[1423](معجم ابن المقری، ج ۱ ص ۱۳۰، رقم ۱۲۹)

[1424](مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج۸ ص ۲۲۰، رقم ۱۴۰۱۴)

[1425](سنن البیھقی، ج ۲ ص ۱۲۲) الاستیعاب فی معرفة الأصحاب۔ (ج ۲/ص ۷۹)، الاصابة فی معرفة الصحابة۔ (ج۳/ص ۴۴۹)، تاریخ دمشق۔ (ج ۶۹/ص ۵۱)، تهذیب الکمال للمزی۔ (ج۳۵/ص ۱۵۶)، سیر أعلام النبلاء۔ (ج ۹/ص ۴۵۰)، أسد الغابة (ج ۱/ ص ۱۳۱۷)

پانچویں حدیث: ام اَیمن رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا۔

ام اَیمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو بیدار ہوئے اور گھر کے کنارے پر ایک برتن کے پاس گئے اور اس میں بول (پیشاب) فرمایا، میں رات کو اٹھی تو مجھے پیاس لگی میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا۔ جب میں نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ام اَیمن رضی اللہ عنہا جو کچھ اس برتن میں ہے اسے بہادو۔ میں نے کہا قسم اللہ کی! میں نے اس کو پی لیا! ام اَیمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے حتی کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں پھر فرمایا یقیناً اب تمہارا پیٹ کبھی درد نہ کرے گا۔[1426]

ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک رات بیدار ہوئے اور گھر کے ایک کنارے کے پاس برتن میں جا کر بول (پیشاب) فرمایا، میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی۔ میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے یہ معلوم نہ تھا، جب نبی کریم ﷺ صبح بیدار ہوئے تو فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ عنہا جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو، میں نے کہا قسم اللہ کی! اسے میں نے پی لیا، راوی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے حتی کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا یقینا اس کے بعد تمہارا پیٹ درد نہیں کرے گا۔[1427]

ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو بیدار ہوئے تو گھر کے ایک کنارے رکھے برتن میں بول (پیشاب) فرمایا پھر میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی میں نے اس برتن میں سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا، جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ عنہا جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہے اسے بہا دو، میں نے کہا قسم اللہ کی میں نے اسے پی لیا ہے، ام

[1426] (المعجم الکبیر ج ۲۵، ص ۸۹، رقم ۲۳۰)

[1427] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج ۱۶ ص ۲۰۲ رقم ۷۰۱۳)

ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ ﷺ مسکرا دیئے، حتی کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر فرمایا یقیناً اب کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہ ہو گا۔[1428]

ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رات گھر میں گزاری تو آپ ﷺ رات کو بیدار ہوئے اور ایک برتن میں بول (پیشاب) فرمایا، جب میں بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ برتن میں کیا ہے، میں نے اسے پی لیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ عنہا برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو تو میں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اس میں جو تھا وہ میں نے پی لیا۔ تو نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً اب آپ کے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا۔[1429]

ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو بیدار ہوئے تو گھر کے کنارے رکھے برتن میں بول (پیشاب) مبارک فرمایا۔ میں جب رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی تھی میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہو اسے بہادو، میں نے کہا قسم اللہ کی! میں نے اس میں سے پی لیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر فرمایا یقینا تم ہمیشہ پیٹ کے درد سے محفوظ رہو گی۔[1430]

[1428](دلائل النبوۃ لابی نعیم اصبهانی ج ۱ ص ۴۲۷ رقم ۳۵۵)
[1429](حلیۃ الاولیا لابی نعیم الاصبهانی ج ۲ ص ۶۷)
[1430](مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۸ ص ۲۲۰، رقم ۱۴۰۱۵)

جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ عنہا برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی تھی تو میں نے اس کو پی لیا، پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً اس دن کے بعد تیرا پیٹ کبھی شکایت نہیں کرے گا۔[1431]

اس باب میں مفسرین، محدثین اور فقہاء کرام کے اقوال

"نبی کریم ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنا حرام ہے۔ اور قرطبی نے کہا کہ بعض علماء نے قبرِ نبی ﷺ کے پاس بھی آواز بلند کرنے کو مکروہ لکھا ہے اور جو نبی کریم ﷺ کو سلام عرض کرے اس کی نماز باطل نہیں ہوتی، اور نبی کریم ﷺ کے بلانے پر جواب دینا واجب ہے اگرچہ عملی طور پر ہو اور اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور آپ ﷺ کو حجرہ مبارکہ کے باہر سے آواز دینا حرام ہے، اور آپ ﷺ کو اسمِ مبارک سے ندا کرنا حرام ہے) جیسے کہ (یا محمد ا) لیکن کنیت سے پکارنا حرام نہیں ہے جیسے یا ابا القاسم (ا) اور آپ ﷺ کی کنیت پر کنیت رکھنا حرام (ممنوع) ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آپ ﷺ کے زمانے مبارک تک خاص تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کا نام محمد ہو اس کے لئے یہ کنیت رکھنا مکروہ ہے۔ اور آپ ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک، خون مبارک، اور فضلاتِ طاہرہ سے برکت اور شفاء طلب کی جاتی تھی"۔[1432]

"یہ باب نبی کریم ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک سے شفا حاصل کرنے کے بارے میں ہے:" پھر روایاتِ مذکورہ کو ذکر کیا۔[1433]

[1431](المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی ج ۱۱ ص ۸۷ رقم ۳۹۲۱)
[1432](تفسیر سراج المنیر ج ۱ ص ۳۴۰۵)
[1433](اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ۷ ص ۳۶)

"اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفاء اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ یہ بات وضاحت کے ساتھ طہارت کے باب میں گزری ہے۔ امام رافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ فقہ میں سے یہ بھی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک دوسرے لوگوں کے خون اور پیشاب کی تحریم کے خلاف ہے کیونکہ اس پر انکار نہیں کیا گیا۔"[1434]

امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آدمی کے بالوں سے نفع اٹھانے کو جائز کہا ہے۔ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے:

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جب اپنا سرِ مبارک منڈوایا تو اپنے بال مبارک اپنے صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیئے تو وہ ان بالوں سے برکت حاصل کرتے تھے۔" اور اگر وہ ناپاک (نجس) ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہا ایسا نہ کرتے کیونکہ نجس (ناپاک) چیز سے برکت حاصل نہیں کی جاتی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ابو طیبہ رضی اللہ عنہا نے تبرک کی نیت سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خون مبارک پیا۔[1435]

"اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔"[1436]

"آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفاء اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بول (پیشاب) مبارک پیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "تو (اب) تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہو گی۔"[1437]

[1434] (التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرفعی الکبیر ج ۴ ص ۲۴۷)

[1435] (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱۰ ص ۴۶۳)

[1436] (روضۃ الطالبین وعمدۃ المتین للنووی ج ۲ ص ۴۵۳، نہایۃ الحتاج الی شرح المنہاج ج ۲۰ ص ۱۵۳)

[1437] (اسنی المطالب: ج ۱۴، ص ۲۴۷)

”نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک سے آواز بلند کرنا حرام ہے اور آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے آواز دینا بھی حرام ہے اور آپ ﷺ کے اسم مبارک اور کنیت مبارکہ پر نام اور کنیت رکھنا حرام ہے۔ اور نماز کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے بلانے پر جواب دینا واجب ہے اور اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اگرچہ عمل کثیر سے ہی ہو، جیسا کہ اسنوی نے بحث کی ہے اور اس کو ان دونوں کا کلام شامل ہے، اور آپ ﷺ کے بول مبارک اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔“[1438]

”اور جو چیز ہمارے جسم میں سے نجس ہے وہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ میں سے طاہر ہے۔ اور اس کا جواز کہ آپ ﷺ کے پیشاب مبارک اور خون مبارک سے شفاء حاصل کرنا اس حدیث کی بناء پر جسے دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پیشاب مبارک کو پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر تیرے پیٹ میں آگ نہیں جائے گی“۔[1439]

”باب نبی کریم ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک سے شفاء حاصل کرنا۔“[1440]

”اور ہمارے اصحاب میں سے قاضی حسین نے تصحیح کی ہے کہ آپ ﷺ کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ اسی طرح روضہ میں نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت ہے۔ اور رافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت اس طرح ہے ”اور آپ ﷺ کے بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی“۔ سہیلی نے کہا

[1438] (حاشیۃ الجمل ج۱۶، ص ۲۳۲)

[1439] (کشاف القناع عن متن الاقناع ج۱۶ ص ۴۹۶)(فتح العزیز شرح الوجیز، ج ۱ ص ۲۸)(مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ج۴ ا ص ۴۱۶)

[1440] (الخصائص الکبریٰ ج ا ص ۱۲۱)

آپ ﷺ کے خون اور بول (پیشاب) مبارک پینے میں فقہ یہ ہے کہ یہ دونوں (خون اور پیشاب) دوسروں کے خون و پیشاب سے حرمت میں مختلف ہیں اور اس پر انکار بھی نہیں کیا گیا۔"[1441]

"یہ باب اس شخص پر انکار نہ کرنے کا ہے جس نے آپ ﷺ کا خون اور پیشاب مبارک (خوشبو مبارک) پیا۔"[1442]

"باب: جو نبی ﷺ کے خون مبارک پینے میں بیان آیا ہے۔"[1443]

"اور کیا ہم نبی کریم ﷺ کے فضلات پر نجس (ناپاک) ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں؟ تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ ابو جعفر ترمذی نے کہا کہ نہیں کیوں کہ ابو طیبہ (حاجم) نے آپ ﷺ کا خون پیا تو آپ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہو گی۔ اور اس پر انکار نہیں فرمایا اور آپ ﷺ کا خون مبارک پینا بھی مروی ہے۔"[1444]

"اور طہارت کے قائلین ان دو مشہور اور معروف حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، کہ ابو طیبہ حاجم نے نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگائے اور آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا مگر آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا اور ایک عورت نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پی لیا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا۔ ابو طیبہ والی حدیث ضعیف ہے جبکہ عورت کے آپ ﷺ کے پیشاب مبارک پینے والی حدیث صحیح ہے جسے دار قطنی نے روایت کر کے کہا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ اور یہ حجت کے لئے کافی ہے

[1441] (غاية السول في خصائص الرسول ﷺ ج ۱ ص ۷۰)

[1442] (سنن البيهقي، ج ۲ ص ۱۲۱)

[1443] (اتحاف الخية المهرة بزوائد المسانيد العشرة ج ۷ ص ۳۶)

[1444] (شرح ابو حبيز ج ۱ ص ۱۷۸)

تمام فضلاتِ مبارکہ کی طہارت پر اور دلالت کی جگہ یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی منہ دھونے کا حکم فرمایا اور نہ ہی اسے واپس (الٹی کی صورت میں) نکالنے کا فرمایا۔"[1445]

"وہ (نبی کریم) صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور اسی افضلیت میں سے ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خون اور پیشاب مبارک سے شفا حاصل کی جاتی ہے۔ دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پیشاب مبارک پیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تو پھر تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہو گی۔"[1446]

"اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فضلاتِ مبارکہ پاک ہیں جیسا کہ بغوی وغیرہ نے جزم فرمایا ہے اور قاضی نے اس کی تصحیح کی ہے اور میرے شیخ نے اس پر فتویٰ دیا ہے یہ اس کے خلاف ہے جو شرح صغیر میں نجاست کی تحقیق میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ برکت حبشیہ رضی اللہ عنہا نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پیشاب مبارک پیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تیرے پیٹ میں آگ ہرگز نہیں داخل ہو گی۔ دار قطنی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ابو جعفر ترمذی نے کہا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خون پاک ہے کیونکہ ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خون مبارک پیا۔ اور اسی طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی کیا جب کہ وہ لڑکے تھے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں اپنی حجامت کا خون مبارک دیا کہ اسے دفن کر دے تو انہوں نے اسے پی لیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا کہ جس نے اپنے خون سے میرے خون کو ملا دیا تو اسے آگ نہیں چھوئے گی۔[1447]

[1445](المجموع ج ۱ ص ۲۳۴)

[1446](شرح البهجة الوردية، ج ۴ ص ۱۴۸)

[1447](مغنی المحتاج الی معرفة الفاظ المنهاج، ج ۱ ص ۳۷۴، حاشية البجيرمی علی الخطيب ج ۳ ص ۱۱۲، الاقناع فی حل الالفاظ ابی شجاع ج ۱ ص ۱۳۰، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، ج ۷ ص ۴۲۳)

"اور نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو اپنے آثار (منسوب شدہ اشیاء) سے برکت حاصل کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس میں بعض روایات یہ ہیں: اصحاب السیر صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کے ارد گرد جمع ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قسم بخدا! نبی کریم ﷺ نے تھوک مبارک نہ پھینکا مگر یہ کہ وہ کسی صحابی کے ہاتھ پر ہوتا تھا تو وہ اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا اور جب آپ ﷺ کسی چیز کا حکم فرماتے تو وہ تیزی سے اس کی تعمیل کرتے اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو ایسا لگتا کہ وہ آپس میں آپ ﷺ کے وضو کے پانی کے حصول کے لئے لڑ پڑیں گے۔

بہت سی روایات آئی ہیں کہ بعض صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کی حجامت کا خون مبارک پیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کا بول (پیشاب) مبارک پیا۔ المواہب اللدنیہ للعسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۱ ص ۲۸۵ پر ہے کہ یہ احادیث مبارکہ آپ ﷺ کے پیشاب مبارک اور خون مبارک کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح المہذب میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے خون اور پیشاب مبارک کی طہارت کے قائلین نے ان دو معروف حدیثوں سے استدلال کیا ہے کہ ابو طیبہ حجام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پچھنے لگائے اور آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا مگر آپ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ اور ایک عورت نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پی لیا مگر آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا۔ ابو طیبہ والی حدیث ضعیف ہے جبکہ پیشاب پینے والی حدیث صحیح ہے جسے دار قطنی نے صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نبی کریم ﷺ (جب مکہ کی وادی بطحا میں تھے) کے دستِ انور کو پکڑتے پھر اپنے ہاتھوں کو (تبرکاً) اپنے چہروں پر مل لیتے تھے۔ راوی ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کا دستِ انور پکڑ کر اپنے چہرے پر لگایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبو دار تھا۔[1448]

"اور پوچھا گیا کہ جو شخص پانی پی کر اسے کسی شخص کا یہ کہنا کہ صحت یا اسی طرح کے دعائیہ کلمات کے بارے میں کہ اس کی کوئی اصل ہے یا یہ بدعت ہے؟ تو اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا ممکن (درست) ہے کہ کہا جائے کہ اس کی اصل ہے اور دلیل نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے لی جائے گی جو آپ ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جب انہوں نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک پی لیا تھا، صحۃ "اے ام ایمن تیرے پیٹ میں آگ ہر گز نہیں داخل ہو گی۔" اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ کثیر آئمہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے فضلاتِ مبارک پاک ہیں۔ اور بے شک آپ ﷺ کے پیشاب میں ہر قسم کی شفا ہے۔ پس جب اس کے پینے والے کو یہ (یعنی صحۃ) کہہ سکتے ہیں تو پھر پانی پینے والے کو یہ کہنا بدعت پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔"[1449]

"اس کا ارادہ نبی کریم ﷺ کے بچے ہوئے پانی سے تبرک حاصل کرنا تھا گویا کہ غافل ہو گئے اپنے روزے تبرک کے ارادے میں زیادتی کی وجہ سے جیسا کہ ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگائے تو آپ ﷺ کا خون مبارک پی لیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تیرے

[1448] (فتاویٰ الأزهر۔ ج ۱ ص ۳۴۴)

[1449] (الفتاویٰ الفقهیه الکبریٰ ج۸ ص ۴۰۹، فتاویٰ ابن حجر الهیتمی، ج۸ ص ۳۴۱)

جسم کو اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دیا۔ اور خون کا پینا اس کو واجب نہیں کرتا مگر محبت کی زیادتی کو جس سے حرمت سے غافل ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی تکریم فرمائی جیسا کہ ذکر ہوا۔[1450]

ام عبد الرحمن بنت أبي سعید رضی اللہ عنہا اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ (غزوہ احد کے دن) نبی کریم ﷺ کو چہرے پر زخم لگا تو مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے آکر چہرہ مبارک سے خون چوس لیا اور اسے نگل لیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو اس شخص کو دیکھنا چاہے جس نے اپنے خون میں میرا خون ملا لیا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ ج۵ ص۵۳۸ رقم ۷۶۵۱)

عرقِ رسول اللہ ﷺ کو تبرکاً کفن میں لگانے کی وصیت

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک شیشی میں حضور نبی اکرم ﷺ کا مبارک پسینہ اور چند موئے مبارک محفوظ تھے۔ حضرت انس نے اپنے کفن میں اس عرقِ رسول ﷺ کو بطورِ خوشبو لگانے کی وصیت کی۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

فلما حضر انس بن مالک الالوفاة اوصی الی ان یجعل فی حنوطه من ذلک السک، قال: فجعل فی حنوطه۔

"جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ ان کے حنوط میں اس خوشبو کو ملایا جائے۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے حنوط میں وہ خوشبو ملائی گئی۔"[1451]

[1450] (المبسوط، ج۴ ص ۳۹)

[1451] (بخاری، کتاب الاستذان، باب من زار قوماً فقال عندھم، ۵: ۲۳۱۶، رقم ۵۹۲۵)

حنوط: وہ خوشبو جو کافور اور صندل ملا کر میت اور کفن کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

حضرت حمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

توفی أنس بن مالک فجعل فی حنوطه سکة أو سک و مسکة فیها من عرق رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

"جب حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ان کے حنوط میں ایسی خوشبو ملائی گئی جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پسینے کی خوشبو تھی۔"[1452]

قربِ رسول ﷺ میں تبرکاً دفن ہونے کی خواہش

امام بیضاوی کہتے ہیں کہ کسی شخص کا صالحین کے قبروں کے ساتھ تبرک کی خاطر اپنی قبر بنانا جائز ہے۔ علامہ شوکانی نے اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے قول کو اپنی کتاب نیل الأوطار میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: واستنبط البیضاوی من علة التعظیم جواز اتّخاذ القبور فی جوار الصلحاء لقصد التبرک دون التعظیم ورد بأن قصد التبرک تعظیم۔ یعنی "امام بیضاوی نے علت تعظیم سے استنباط کرتے ہوئے صلحاء کے قرب میں تبرکاً قبر بنانا جائز قرار دیا ہے نہ کہ تعظیماً۔ اور انہوں نے اس بات کو رد کیا ہے کہ تبرک بھی تعظیم (عبادت) ہے۔[1453]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ انہیں قربِ مصطفی ﷺ میں دفن ہونا نصیب ہو، تاکہ عالمِ برزخ میں بھی قرب ووصالِ محبوب کے لمحات سے ان کی روحوں کو تسکین ملے۔

[1452] (طبرانی المعجم الکبیر، ۹ ۲۴۹ : ۱، قم۱۵ ۷، بیہقی، السنن الکبریٰ ۴۰۶ : ۳، رقم ۶۵۰۰، ہیثمی، مجمع الزوائد ۲۱ : ۳، امام بهیقی فرماتے هیں کهاس روایت کے تمام راوی ثقههیں)

[1453] (شوکانی، نیل الأوطار، ۱۴۰ : ۲)

یارِ غار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس نیک خواہش کے بارے میں مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

لما حضرت أبا بکر الوفاة أقعدنی عند رأسه وقال لی: یا علی! اذا أنا مت فاغسلنی بالکف الذی غسلت به رسول الله وحنطونی واذهبوا بی الی البیت الذی فیه رسول الله فاستأذنوا فان رأیتم الباب قد یفتح فادخلوا بی والا فردونی الی مقابر المسلمین حتی یحکم الله بین عباده۔ قال: فغسل وکفن وکنت أول من یأذن الی الباب فقلت: یا رسول الله! هذا أبو بکر مستأذن، فرأیت الباب قد یفتح، وسمعت قائلا یقول: أدخلوا الحبیب الی الحبیب فان الحبیب الی الحبیب مشتاق۔ [1454]

ترجمہ: ”جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے سرہانے بٹھایا اور فرمایا: اے علی! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اس ہاتھ سے غسل دینا جس سے تم نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تھا اور مجھے خوشبو لگانا اور مجھے حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس لے جانا، اگر تم دیکھو کو دروازہ کھول دیا گیا ہے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ واپس لا کر عامۃ المسلمین کے قبرستان میں دفن کر دینا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کو غسل اور کفن دیا گیا اور میں نے سب سے پہلے روضۂ رسول ﷺ کے دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ سے داخلہ کی اجازت مانگ رہے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ روضۂ اقدس کا دروازہ کھول دیا گیا اور آواز آئی۔ حبیب کو اس کے حبیب کے ہاں داخل کر دو بے شک حبیب ملاقاتِ حبیب کے لئے مشتاق ہے۔“

[1454](حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۳:۴۹۳)

اسی طرح امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی اپنے آقائے کریم حضور نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کے بہت ہی زیادہ خواہاں تھے۔ جب قاتلانہ حملے کے نتیجے میں آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو آپ نے اپنے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اجازت لینے کے لئے بھیجا اگرچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود یہ خواہش رکھتی تھیں اور انہوں نے فرمایا ہوا تھا کہ وہ اس جگہ کو اپنی تدفین کے لئے پسند کرتی ہیں، مگر وہ فرمانے لگیں کہ اب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور اپنے والد کو خوشخبری سنائی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما کان شیئ اھمّ الیّ من ذالک المضجع فاذا قبضت فاحملونی ثم سلّموا، ثمّ قالو: یستأذن عمر بن الخطاب فان أذنت لی فادفنونی و الا فردّونی الی مقابر المسلمین۔[1455]

"میرے نزدیک اس آرام گاہ سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ جب میں انتقال کر جاؤں تو مجھے اٹھا کر (اس جگہ پر) لے جانا، سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) اجازت چاہتا ہے اگر وہ (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) اجازت دے دیں تو دفن کر دینا ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔"

یہ روایت حاکم نے "المستدرک (۳:۹۹، رقم ۴۵۱۹) میں، ابن ابی شیبہ نے المصنف (۷:۴۴۰، رقم ۳۷۰۷۴) میں، اور ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (۳:۳۶۳) میں بھی رواۃ اور الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ بیان کی ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس خواہش کی توجیہ صرف یہی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے قریب دفن ہونا باعث برکت سمجھتے تھے۔

[1455] (بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز باب: ماجاء فی قبر النبی ﷺ و ابی بکر ص و عمر ص، ۱:۴۶۹، رقم: ۱۳۲۸)

حضرت محمد بن عمران انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

قَالَ: عَدَلَ إِلَيَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَنَا نَازِلٌ، تَحْتَ سَرْحَةٍ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ: مَا أَنْزَلَکَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ؟ فَقُلْتُ: أَنْزَلَنِي ظِلُّهَا قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا كُنْتَ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ مِنْ مِنًى، وَنَفَخَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، فَإِنَّ هُنَاکَ وَادِيًا يُقَالُ لَهُ السُّرَّبَةُ - وَفِي حَدِيثِ الْحَارِثِ، يُقَالُ لَهُ: السُّرَرُ - بِهِ سَرْحَةٌ سُرَّ تَحْتَهَا سَبْعُونَ نَبِيًّا۔ [1456]

"میں مکۃ المکرمہ کے راستے میں ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہر گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس موقع پر مجھ سے مخاطب ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا آپ اس درخت کے نیچے کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اس کے سایہ کی وجہ سے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضور نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب آپ منیٰ کے ان دو پہاڑوں کے درمیان ہوں اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا تو وہاں دو پہاڑوں کے درمیان وادی ہے جس کو سربہ یا سرد کہتے ہیں، وہاں ایک درخت ہے جس کے نیچے ستر انبیاء علیہم السلام کی ناف کاٹی گئی۔ (یعنی وہاں ان کی ولادت باسعادت ہوئی)۔"

اس حدیث کے تحت ابن عبد البر نے شرح مؤطا التمہید میں لکھا ہے:

وفي هذا الحديث دليل على التبرک بمواضع الأنبياء والصّالحين ومقامهم ومساكنهم۔

یعنی "اس حدیث میں انبیاء اور صالحین کے رہنے والی جگہوں، مقامات اور ان کی رہائش گاہوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔" [1457]

[1456] (نسائی، السنن، کتاب مناسب الحج، باب: ماذکر في منی، ۵:۲۴۸، رقم ۲۹۹۵)

[1457] (ابن عبدالبر، التمهيد، ۱۳:۶۶)

اسی طرح شرح شارح موطا محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

وفیه التبرّک بمواضع النبیّین۔

یعنی ''پس اس حدیث میں انبیاء کی قیام گاہوں سے تبرک کا ثبوت بھی ہے۔''[1458]

امام سیوطی نے نسائی کی شرح میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے:[1459]

''اس سے مراد یہ ہے کہ اس درخت کے نیچے انبیاء کی ولادتِ مبارکہ ہوئی پس انہوں نے اس درخت کی برکت کو بیان کیا۔''

حضرت موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں:

رأیت سالم بن عبداللہ یتحرّی اماکن من الطریق فیصلی فیها ویحدث أن أباہ کان یصلی فیها وأنّه رأی النّبی ﷺ یصلّی فی تلک الأمکنة۔[1460]

''میں نے حضرت سالم بن عبد اللہ کو دیکھا کہ وہ (حرمین کے) راستے میں کچھ جگہوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھا کرتے تھے اور وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد گرامی (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) ان مقامات میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔''

اس روایت میں اماکنِ مقدسہ سے تبرک کا ثبوت ہے۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ومحصل ذلک أن ابن عمر کان یتبرّک بتلک الأماکن۔

[1458] (زرقانی، شرح الزرقانی ۲:۵۳۰)
[1459] (سیوطی، شرح السیوطی ۵:۲۴۹)
[1460] (بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب: المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیها النبی ﷺ ۱:۱۸۳، رقم:۴۶۹)

"اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان اماکنِ مقدسہ سے تبرک حاصل کرتے تھے۔"[1461]

قبر میں تبرکات رکھنا

بے شک میت کے ساتھ کفن یا قبر میں بال مبارک یا ناخن وغیرہ آثار طیبہ آنحضرت ﷺ کے رکھنے تبرکاً درست ہے۔ چنانچہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۳۳ بایں طور مذکور ہے کہ عمرو بن عبد العزیز:

"اوصیٰ ان یدفن معہ شیء کان عندہ من شعر رسول اللہ ﷺ و اظفارہ و قال اذا مت فاجعلوہ فی کفنی فعلوہ ذلک۔"

اور تحفہ رسولیہ صفحہ ۲۴ میں لکھا ہے کہ جس میت کے ساتھ نعلین مبارک آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے ہوں یا نقشہ نعلین مبارک کا ہو گا، جس گر میں یا جس کے پاس ہو گا وہ ہر ایک آفات سے محفوظ رہے گا۔ اور عذاب دوزخ سے نجات پائے گا۔ اور اس پر فرشتے منکر نکیر وقت حساب آسانی کریں گے۔[1462]

ہاتھ اور پاؤں کے چومنے سے تبرک

حضر صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

رأیت علیّا یقبل ید العباس و رجلیہ۔

"میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔"[1463]

[1461](ابن حجر عسقلان، فتح الباری ۵۶۹:۱)

[1462](بحوالہ انوارِ شریعت، ص ۱۰۶-۱۰۵)

[1463](بخاری، الادب المفرد، ۳۳۹:۱، باب تقبیل الید، رقم ۹۷۶)(کنزل العمال، ۳۷۳۲۹:۱۳)(فتاویٰ حقانیہ، ج ۲ ص ۴۵۳)

صاحب الصحیح امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری شریف کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا:

دعنی حتی أقبل رجلیک، یا أستاذ الأستاذین و سید المحدّثین و طبیب الحدیث فی علله۔

"اے استاذوں کے استاذ، سید المحدثین اور عللِ حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔"[1464]

عظیم نقاد محدّث امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ جب ابو مسہر عبد الاعلیٰ دمشقی غسانی (متوفی ۲۱۸ھ) مسجد میں تشریف لاتے تو:

اصطفّ النّاس یسلّمون علیه ویقبّلون یده۔

"لوگ صف در صف ان کو سلام کرتے اور ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے۔"[1465]

علامہ ابن جوزی اور امام ذہبی، امام ابو قاسم سعد بن علی بن محمد الزنجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۴۷۱ھ) کے متعلق لکھتے ہیں:

کان اذا خرج الی الحرم، یخلون المطاف ویقبّلون یده أکثر من تقبیل الحجر۔

"جب وہ حرم میں تشریف لاتے تو لوگ طواف کو چھوڑ دیتے اور حجرِ اسود کو چومنے سے بھی بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔"[1466]

حافظ ابن کثیر فقیہ زاہد ابو جعفر شریف حنبلی کے بارے میں درج کرتے ہیں:

یدخل علیه الف فقهاء وغیرهم، ویقبلون یده ورأسه۔

[1464] (ابن نقطہ، التیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید، ۱:۳۳)
[1465] (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۱:۷۳)
[1466] (ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ، ۲:۲۶۲، رقم ۲۲۴) (ذہبی، تذکرۃ الحافظ، ۳:۱۱۷۵، رقم ۱۰۲۶)

"فقہاء اور دیگر افراد ان کے پاس آتے تھے تو (برکت کی غرض سے) ان کے ہاتھ اور سر کا بوسہ لیتے"۔[1467]

۹ شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ بمطابق ۱ مارچ ۲۰۲۳

حررہ:
احقر العباد سید عبد الحق شاہ ترمذی حنفی سیفی
بن العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی
جامعہ اسلامیہ عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما
جان محمد کلمتی گوٹھ نزد گھگھر پھاٹک، کراچی

[1467] (ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ، ج ۱۲ ص ۱۱۹)